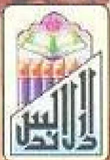
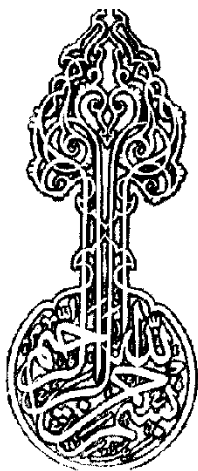
سیرۃ النبی ﷺ پر منفرد انداز میں لکھی گئی ایک جامع کتاب

سیرت کے سُچے موتی

محمد رسول اللہ



امیر حمزہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرۃ النبی ﷺ پر منفرد انداز میں لکھی گئی ایک جامع کتاب

سیرت کے سچے موتی

محمد رسول اللہ

امیر حمزہ



دار الاندلس ®
اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز
ہیمر لیک روڈ، چوبرجی لاہور پاکستان

Ph: 92-42-7230549
Fax: 92-42-7242639
www.dar-ul-andlus.com

نام کتاب

سیرت کے سچے موتی

تالیف

امیر حمزہ

تحقیق وتخریج .... سید تنویر الحق شاہ

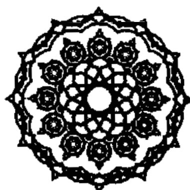
تہذیب وتحسین .... محمد اشتیاق اصغر، حافظ یوسف سراج

سرورق .... ضیاء الرحمٰن

کمپوزنگ .... محمد شفیق

ناشر .... دارالاندلس

قیمت ....



پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

دارالاندلس ® اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز

۴-لیک روڈ، چوبرجی لاہور، پاکستان

Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com



سیرت کے سچے موتی

آمد آمد کے چرچے اور زندگی کے چالیس سال

نبوت اور دعوت

آسمانوں کی سیر اور مکہ چھوڑنے کی تیاریاں

ہجرت کا سفر اور مدینہ میں مرحبا

مدینہ میں مصروفیات

گوریلا کارروائیاں اور معرکہ بدر

احد پہاڑ کے دامن میں جنگ

اہل صفہ کے احوال

یہود کا انخلاء اور قوم پرستی کا بگولہ

احزاب (اتحادی فورسز) کی یلغار..... شکست سے دوچار

دوبارہ دھاک بیٹھ گئی

حدیبیہ میں صلح......شاندار اور واضح فتح

رسول عربی ﷺ کے پیام..... شاہوں کے نام

خیبر میں یہودی ادھیڑ دیے گئے

چند غزوات اور دلچسپ واقعات

سپر پاور کے ساتھ پہلی جنگ

مکہ فتح ہوگیا

حنین کی لڑائی میں توحید اور انکساری کا سبق

تبوک میں صلیبیوں پر دہشت کی دھاک

جزیرۃ العرب پر اسلام کا پھریرا

فردوس بریں کی جانب

یہ گھر...... یہ گلشن

جسم اطہر ...... قبر مبارک میں





عرض ناشر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ اَمَّابَعْدُ !

کتاب اللہ کے بعد سیرت نبوی اور اسوۂ محمدی ہی وہ واحد منبع ہے جس سے مسلمانوں کی زندگی سنورتی اور انسانی معاشرے میں سعادت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ سیرت کے مطالعہ سے نبی ﷺ کی مکمل شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا اخلاق، رہن سہن، عادات و اطوار، اندازِ تربیت اور دعوت کا طریقِ کار کیسا بے مثال تھا۔ آپ کی عائلی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کا کیا اسلوب تھا، سب سے بڑھ کر یہ کہ صرف شیریں مقال اور خوش اطوار ہی نہیں محمد رسول اللہ ﷺ تلوار دے کر اور نبی جہاد بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ آپ کی زندگی بہترین جہادی زندگی تھی، جسے پڑھ کر اخلاقی و معاشرتی تربیت کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کے دل میں جذبۂ جہاد بھی انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔

سیرت ہی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کس جانفشانی سے کام لیا، اس راہ میں کیسے کیسے مصائب جھیلے اور نتیجتاً اللہ تعالیٰ کے کیسے کیسے انعامات سے بہرہ ور ہوئے۔ اس نے پردۂ غیب سے فرشتے بھیج کر، ظاہری اسباب کے برعکس برکات نازل فرما کر، معجزات ظاہر کر کے کس عظیم الشان نصرت و تائید سے نوازا، یہ ساری باتیں سیرت مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اس مقدس موضوع کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا بالخصوص اہتمام ہوتا آیا ہے، مگر عموماً اس موضوع پر لکھتے ہوئے تحقیق کا اہتمام نہیں کیا گیا، بلکہ افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کے ہاں جو چیز جچ گئی اسے داخلِ کتاب کر لیا گیا خواہ

صحت وثبوت کے لحاظ سے وہ صفر ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ بعض اوقات وہ باتیں بھی قبول کر لی گئیں جو اصول دین سے متصادم اور معقول کے دائرے سے خارج ہیں۔ ایسا اس لیے بھی ہوا کہ عموماً سیرت کو تاریخ سے مرتب کیا گیا حالانکہ قرآن حکیم اور رسول اکرم ﷺ کی صحیح احادیث ہی سیرت کا بیان ہیں۔

اسی سوچ نے یہ شوق پیدا کیا کہ اردو زبان میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جو محدثین کی تحقیق کے مطابق ہو۔حرمین کی زیارت کے موقع پر ''صحیح السیرۃ النبویۃ'' کتاب کا نسخہ دیکھا تو مجھے اپنا خواب پورا ہوتا دکھائی دیا، میں نے محترم مولانا امیر حمزہ سے ایسی ہی ایک کتاب اردو میں لکھنے کا تقاضا کیا جسے انھوں نے سعادت سمجھتے ہوئے قبول فرما لیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ تین سال کی شبانہ روز کاوش کے نتیجہ میں آج صحیح احادیث پر مشتمل ''سیرت کے سچے موتی'' پیش خدمت ہے۔ الحمد للہ کتاب ایسی ہے کہ ایک دفعہ آدمی پڑھنا شروع کرے تو پڑھتا ہی چلا جائے پھر رکنے کو جی نہیں چاہتا۔

دارالاندلس کے رفقاء ابو عمر اشتیاق اصغر اور حافظ یوسف سراج نے بھرپور محنت کر کے اس کی تہذیب و تحسین کی، سید تنویر الحق شاہ نے تحقیق و تخریج اور محمد شفیق بھائی نے کمپوزنگ کا فریضہ سرانجام دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس عظیم کاوش کو تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ خصوصاً مؤلف محترم اور ان کے والدین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ ادارہ دارالاندلس کے تمام رفقاء خصوصاً شعبہ تحقیق کے احباب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے شب و روز ایک کر کے احباب کے لیے یہ خوبصورت تحفہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فردوس بریں میں اپنے حبیب ﷺ کا پڑوس نصیب فرمائے۔ (آمین)

سیف اللہ خالد

مدیر دارالاندلس

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

5 ستمبر 2007ء

کیسے ہیں یہ موتی......؟

محدثین نے حدیث بیان کرنے والے راویوں کی چھان پھٹک کے لیے جس احتیاط کا اہتمام کیا، تاریخ لکھنے والوں نے اس کے برعکس اس میدان میں نرمی اور تساہل سے کام لیا، تاریخ نگار ایسے راویوں سے بھی روایت لیتے ہیں جن کی عدالت وثقاہت محدثین کے ہاں معتبر نہیں۔ ایسے مؤرخین میں محمد بن سائب الکلبی، سیف بن عمر التمیمی اور محمد بن عمر الواقدی وغیرہم شامل ہیں۔ یہ تمام مؤرخین محدثین کے ہاں سخت ضعیف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ وَ لَوْ لَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ فَإِذَا قِيْلَ لَهُ مَنْ حَدَّثَكَ بَقِيَ))

[العلل الصغير للترمذي الملحق بسننه، ص : ٨٩٠ و إسناده صحيح۔ مقدمة صحيح مسلم، باب بيان أن الإسناد من الدين ...... الخ : ٣٢]

”(حدیث کی) سند بیان کرنا دین کا حصہ ہے اور اگر اسناد کا اہتمام نہ ہوتا تو پھر جو شخص جو چاہتا کہہ دیتا، جب اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہ حدیث کس نے بیان کی ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔“

قارئین کرام! یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی پر جو کتابیں اسلام کے اوّلین دور میں سامنے آئیں انھیں ”مغازی“ کے نام سے ضبط تحریر میں لایا جاتا تھا۔ ”مغازی“ کا لفظ ”غزوہ“ سے ہے یعنی قتال اور جنگ و جہاد۔ اس سلسلہ میں صدر اوّل کی ایک معتبر ترین کتاب امام ابن اسحاق کی ”مغازی“ ہے جو بعد کے ادوار میں ”سیرت ابن اسحاق“ کے نام سے معروف ہوئی۔

یاد رہے! ابن اسحاق رحمہ اللہ کو ”امام المغازی“ کہا جاتا ہے اور یہ نام اور مقام انھیں اس لیے ملا کہ مغازی یعنی سیرت پر ان کی کتاب کا درجہ علماء کے ہاں معتبر اور مسلمہ ہے۔

سیرت پر صدر اوّل کی ایک اور معتبر ترین کتاب جناب موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کی ہے، یہ ۱۴۰ھ میں فوت ہوئے، امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد اور ثقہ محدث تھے۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب کا نام ”مغازی“ رکھا۔ یہ کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ جیسے بلند پایہ امام اس کتاب کو مغازی کی تمام کتب میں صحیح ترین قرار دیتے ہیں۔

[الطیوریات : ۸۵۳/۳، ۸۵٤، ح : ۱۷٦۸ و إسناده حسن لذاته]

برادرم مولانا سیف اللہ خالد مدیر دارالاندلس سعودیہ گئے تو میرے لیے سیرت کے موضوع پر ڈاکٹر ابراہیم العلی کی کتاب لائے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے صحیح اور حسن احادیث لانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح میرے دوسرے برادر عزیز مولانا قاری محمد یعقوب شیخ سعودیہ سے واپس آئے تو وہ سیرت پر میرے لیے ایک اور کتاب لائے جسے ڈاکٹر ضیاء العمری نے لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب عراق کے شہر موصل کے رہنے والے ہیں، بیس سال تک بغداد یونیورسٹی میں اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں سیرت رسول ﷺ پڑھاتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء صاحب نے بھی اپنی کتاب میں صحیح اور حسن احادیث و روایات کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ عربی میں ان مبارک کاوشوں کو دیکھتے ہوئے میں نے بھی اردو زبان میں صحیح اور حسن احادیث و روایات پر مشتمل اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت لکھنے کا ارادہ کر لیا، قرآن مجید، احادیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے استفادہ شروع کر دیا، ڈاکٹر العلی اور العمری کی کتب سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ ڈاکٹر العلی نے اپنی کتاب لکھتے ہوئے موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کی ”مغازی“ سے خوب استفادہ کیا۔ میں نے سیرت پر صحیح اور حسن احادیث و روایات لاتے ہوئے ساتھ ساتھ تشریح بھی کر دی ہے۔ بحمد اللہ سیرت رسول کریم (ﷺ) پر صحیح اور حسن احادیث پر مشتمل یہ کتاب منفرد نوعیت کی علمی اور تحقیقی دستاویز بن گئی ہے۔

قارئین کرام! عام ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے کہ



سند اور راوی کسے کہتے ہیں؟ صحیح حدیث اور ضعیف روایت کا مطلب کیا ہے؟ تو آیئے! ہم معروف علمی اصطلاحات کے بجائے سادہ اور عام فہم طریقے سے اس علمی فن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لحہ بھر کے لیے فرض کریں کہ اللہ کے رسول کریم ﷺ نے ایک مجلس میں ایک بات ارشاد فرمائی۔ اس بات پر سننے والے سب افراد نے عمل کیا۔ ان میں پانچ افراد ایسے تھے جنھوں نے عمل بھی کیا اور اس بات کو آگے بھی پہنچایا۔ جن تک وہ بات پہنچی ان میں سے پانچ افراد نے اس بات کو خوب اچھی طرح حفظ کر لیا اور وہ پانچوں مختلف علاقوں میں چلے گئے۔ ایک مدینہ ہی میں رہا...... دوسرا مکہ چلا گیا، تیسرا دمشق، چوتھا بغداد اور پانچواں یروشلم میں رہنے لگ گیا۔ ان پانچوں نے اپنے اپنے شہر میں اس حدیث کو آگے بیان کر دیا۔ اب امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ کے رسول ﷺ کا ایک فرمان سننے کے لیے بغداد کا سفر کیا۔ وہاں مذکورہ بندے سے ملاقات کی، حدیث سنی۔ سنانے والے نے کہا میں نے بغداد کے فلاں آدمی سے اس حدیث کو سنا اور اس نے مدینہ کے فلاں شخص سے سنا اور اس نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا۔ اب امام بخاری رحمہ اللہ سمیت چار آدمیوں کی ایک لڑی بن گئی۔

جی ہاں! یہ ہے وہ لڑی جس کے ذریعے سے اللہ کے رسول ﷺ کی بات سامنے آئی۔ اس لڑی کو سند کہتے ہیں اور جو چار آدمی بیان کرنے والے ہیں ان کو راوی یعنی روایت کرنے والے کہا جاتا ہے۔ اگر یہ تمام راوی جھوٹے نہیں سچے ہیں، ان کے حالات زندگی معلوم ہیں، نیک لوگ ہیں، ان کی ملاقاتیں بھی ایک دوسرے سے ثابت ہیں اور حافظے ان کے بہتر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ راوی ثقہ وصدوق ہیں اور راویوں کی سند درست ہے تو اب جو حدیث ہے وہ بھی صحیح اور حسن ہے۔

اس کے برعکس اگر سند کا حال یہ ہے کہ اس کا کوئی راوی جھوٹا ہے یا کسی راوی کی دوسرے سے ملاقات ہی ثابت نہیں کہ جس سے یہ سن کر روایت کر رہا ہے وہ تو مدتیں ہوئیں فوت ہو گیا اور یہ تو اس کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہوا یا پھر کسی راوی کا حافظہ ہی ٹھیک نہ تھا یا درمیان میں کوئی مجہول راوی ہے تو ایسی روایت ضعیف یعنی کمزور ہوتی ہے اور بعض اوقات

اتنی کمزور ہوتی ہے کہ اس کی حیثیت من گھڑت کی ہو جاتی ہے۔ محدثین نے یہ کام کیا کہ اصل اور نقل یعنی صحیح اور من گھڑت کو الگ الگ کر دیا۔ صحیح وضعیف کا فرق واضح کر دیا اور راویوں کی زندگیوں پر کتابیں لکھ دیں۔ ان کتابوں کو "اسماء الرجال" کا نام دیا گیا یعنی حدیث بیان کرنے والے لوگوں کے نام، تو اس انداز سے ان لاکھوں لوگوں کے نام اور زندگیاں بلحاظ جرح وتعدیل محفوظ ہوگئیں جنھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا نام لے کر حدیث بیان کی۔ یوں ایک ایسا علم معرض وجود میں آیا جسے "فن رجال" کہا جاتا ہے۔ اس علم کے موجد صرف محدثین کرام ہیں۔

یہ وہ علم ہے جس کی ایجاد ہی اس لیے ہوئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کو کامل صحت اور درستی کے ساتھ محفوظ کیا جائے...... اسی لیے انگریز مؤرخین اور مستشرقین کو یہ کہنا پڑا کہ "اسماء الرجال" کا علم وہ علم ہے کہ جس کی مثال تاریخ انسانی میں سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے ہاں نہیں ملتی۔ جی ہاں! میں کہتا ہوں اللہ کے رسول ﷺ سے پہلے تو لاریب ایسی مثال نہ تھی، بعد میں اس وقت بھی یہ مثال کسی شخص پر فٹ نہ ہوسکی جب کاغذ کا وجود پیدا ہوا، چھاپہ خانہ ایجاد ہوا، جدید پرنٹنگ پریس وجود میں آیا، پھر ٹیپ ریکارڈر وجود میں آیا اور آج گھر گھر ویڈیو ہے، لمحہ لمحہ محفوظ کرنے کے لیے ویڈیو کیمرے موجود ہیں، مگر...... مگر اللہ کی قسم! آج بھی کسی مذہبی، سیاسی اور بین الاقوامی عسکری لیڈر کی زندگی، قطع نظر اس کے کہ وہ کن کن آلودگیوں سے آلودہ ہے، محفوظ نہیں ہے۔

تو پھر ماننا پڑے گا کہ جناب رسول کریم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور زبان سے نکلی ہوئی ایک ایک بات "اسماء الرجال" کے باکمال اور بے نظیر فن کے ذریعے اس طرح محفوظ اور صدق وتیقن کے ساتھ اس طرح مامون ہے کہ یہ ایک معجزہ ہے اور یہ معجزہ دنیا کی تاریخ میں ایک ہی بار اور ایک ہی شخصیت کے لیے رونما ہوا ہے اور اس شخصیت کا نام نامی اور اسم گرامی جناب محمد (ﷺ) ہے۔

قارئین کرام! آخر میں ہم آتے ہیں پھر راویوں اور سند کی باتوں کی طرف...... غور کیجیے! وہ جو پانچ راوی پانچ مختلف شہروں میں چلے گئے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ ابھی بغداد میں گئے تھے۔ جی ہاں! امام بخاری رحمہ اللہ کو بغداد میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ایک سند کے ساتھ مل گیا

تھا پھر امام بخاری رحمہ اللہ کو پتا چلا کہ یہی حدیث سنانے والا ایک شخص دمشق میں بھی ہے۔ امام بخاری وہاں کا سفر کرتے ہیں۔ وہاں اسی حدیث رسول (ﷺ) کو اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچانے کے لیے پانچ راویوں کا واسطہ ہے۔ اب ایک ہی فرمان رسول (ﷺ) کے لیے دو سندیں ہو گئیں۔ تیسری سند یروشلم سے، چوتھی مکہ سے اور پانچویں مدینہ سے۔ اب فرمانِ رسول ﷺ ایک ہی ہے مگر سندیں پانچ ہو گئیں۔ راوی پانچوں سندوں کے ستائیس یا اٹھائیس ہو گئے۔ شہر پانچ ہو گئے۔ فرمان رسول (ﷺ) ایک ہے، اس میں کسی لفظ کی کمی بیشی نہیں ہے۔ سبحان اللہ! کیا التزام اور اہتمام ہے اللہ کے رسول گرامی ﷺ کی بات کے حفظان کا...... یہی وجہ ہے کہ امام بخاری ایک ہی حدیث کو کئی کئی سندوں کے ساتھ لاتے ہیں۔ امام مسلم اور دیگر محدثین بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا پیار اور محبت ہے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی اور حدیث کے ساتھ ان محدثین کو...... اللہ کی قسم! تصور محال ہے۔

لوگو! ان محدثین کے ہاتھوں ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ ایسا چاہتا تھا۔ اللہ نے اپنی اس چاہت کا اظہار قرآن میں یوں کیا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ۲۱/۳۳]

''تمھارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔''

قارئین کرام! میں تو کہوں گا، اللہ تعالیٰ نے اپنی چاہت کا عملی اظہار محدثین کرام کے ہاتھوں کروایا، علم حدیث محفوظ کروا دیا۔ زندگی دو ہی چیزوں کا تو نام ہے، زبان سے نکلی ہوئی بات کا اور وجود میں آئے ہوئے عمل کا، اللہ کے رسول ﷺ کی بات ''حدیث'' بن گئی اور عمل ''سنت'' ٹھہرا۔ یوں حدیث اور سنت آپ کی زندگی ہے۔ یہ سیرت النبی (ﷺ) ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی ایسی زندگی ہے کہ جس کی قسم اللہ کریم نے قرآن میں کھائی۔ سورۃ الحجر (۱۵/ ۷۲) میں ﴿ لَعَمْرُكَ ﴾ کہہ کر قسم کھائی۔

الغرض، جس زندگی اور سیرت کی قسم مولا کریم کھا رہے ہیں، اس سیرت النبی (ﷺ) کو اردو قالب میں ''سیرت کے سچے موتی'' کے نام سے بحمد اللہ میں نے پیش کر دیا ہے۔ اللہ کے حضور دعا ہے کہ مولا کریم اس عمل کو خالص اپنے لیے کر لے اور جن جن لوگوں کا اس میں حصہ

ہے، اللہ تعالیٰ سب کی محنتوں کو قبول فرمائے۔

خاص طور پر میں شکریہ ادا کرتا ہوں جناب سید تنویر الحق شاہ صاحب کا جنھوں نے تحقیق و تخریج میں بہت محنت کی، اسی طرح ابو عمر محمد اشتیاق اصغر صاحب اور مولانا حافظ یوسف سراج نے مسودوں کو بار بار پڑھا اور مفید مشوروں کے ساتھ ''سیرت کے سچے موتیوں'' کی چمک میں اضافہ کیا۔ کمپوزنگ میں عزیزم محمد شفیق الرحمٰن نے خوب محنت کی۔ ٹائٹل اور رنگین تصاویر کے چار چاند ضیاء الرحمٰن نے لگائے۔

مسودہ فائنل ہو کر پریس میں جانے کو تیار تھا کہ پروفیسر ظفر اقبال حفظہ اللہ نے مطالعہ کیا اور حد درجہ خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

اے اللہ ! ان سب بھائیوں کو اپنے پیارے رسول (ﷺ) کے ہاتھوں سے قیامت کے دن حوض کوثر کے جام نصیب فرمانا۔ (آمین یارب العالمین!)

امیر حمزہ بن نذیر احمد

رمضان المبارك ١٤٢٨ء

بمطابق اکتوبر 2007ء

آمد آمد کے چرچے اور زندگی کے چالیس سال

روحوں کا اجتماع:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴾

[الأعراف: ۷/ ۱۷۲]

''اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنا کر پوچھا: ''کیا میں تمھارا رب نہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''کیوں نہیں! ہم یہ شہادت دیتے ہیں۔'' (عہد لینے کا مقصد یہ ہے) کہ کہیں قیامت کے دن تم کہنے نہ لگ جاؤ کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے۔''

قارئین کرام! یہ تھا روحوں کا اجتماع۔ روحوں کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخری فرد تک، جو اس دنیا میں آنے والا ہے، ان سب کی روحوں کو جمع کیا اور اپنی توحید کا عہد لیا۔ سب نے اللہ کی توحید پر قائم رہنے کا اقرار کیا۔ اس اجتماع میں تمام انبیاء موجود تھے، نیک لوگ بھی تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے دنیا میں آکر بدکاریاں کرنا تھیں، بتوں کی پوجا کرنا تھی، اللہ کے ساتھ شرک کرنا تھا اور مظلوم اور کمزور بندوں پر ظلم کرنا تھا۔ عالم ارواح میں یہ سارے جمع تھے اور عہد کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہم تیری وحدانیت پر قائم رہیں گے۔

رسولوں کی خاص مجلس:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ

اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴾

[آل عمران : ۸۱/۳]

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمھیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے، تب تمھیں لازماً ایمان لانا ہوگا اور اس کی نصرت کرنا ہوگی۔'' اللہ نے پوچھا: ''کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور میرے اس عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟'' نبیوں نے کہا: ''ہم اقرار کرتے ہیں۔'' فرمایا: ''گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔''

رسولوں اور نبیوں کی اس خاص مجلس میں کم وبیش ایک لاکھ چوالیس ہزار کے قریب وہ تمام پیغمبر موجود تھے جو اس دنیا میں تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے عہد لیا کہ اگر تم میں سے کسی کے دور میں میرا آخری رسول محمد کریم (ﷺ) آجائے تو تمھیں اپنی نبوت چھوڑ کر میرے اس رسول (ﷺ) پر ایمان لانا ہوگا اور دعوت و جہاد کے میدان میں میرے اس رسول ﷺ کو جو مدد اور تعاون درکار ہوگا وہ بھی بہر صورت کرنا ہوگا اور ضرور بالضرور کرنا ہوگا۔

محمد (ﷺ) ام الکتاب میں آخری نبی لکھ دیے گئے :

حضرت میسرہ الفجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: ''آپ (ﷺ) اللہ کے ہاں کب سے نبی ہیں؟'' آپ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: ''میں اس وقت سے اللہ کے ہاں نبی ہوں جب آدم روح و جسد کے درمیان تھے۔''

[مسند أحمد : ۵۹/۵، ۳۷۹، ح : ۲۰۵۹٦، ۲۳۲۱۲ و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ۲۰۸/۲، ۲۰۹، ح : ٤۲۰۹ و إسناده صحيح]

ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ اپنے متعلق بتائیں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((دَعْوَةُ أَبِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَ بُشْرٰى عِيْسٰى وَ رَأَتْ أُمِّيْ حِيْنَ حَمَلَتْ بِيْ أَنَّهٗ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرٌ أَضَاءَتْ لَهٗ بُصْرٰى مِنْ أَرْضِ الشَّامِ))

[مستدرك حاكم : ٦۰۰/۲، ح : ٤۱۷٤ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد :

۴/۱۸۴، ح: ۱۷۶۴۸ و إسناده حسن لذاته۔ بقية، وصدوق حسن الحديث إذا صرح بالسماع وثقه الجمهور]

"میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔"

رسول کریم ﷺ کے آباؤ اجداد:

آپ ملاحظہ کر چکے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام نبیوں سے اپنے آخری نبی ﷺ کی نبوت کا عہد لے لیا۔ اب دنیا میں جو پہلا نبی اور انسان آیا وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے انسانی نسل دنیا میں پھیلنے لگی۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں منتقل ہوتے رہے تا آنکہ اس دنیا میں اپنے وقت پر جس کا تعین اللہ تعالیٰ نے کر رکھا تھا، تشریف لائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"مجھے اولاد آدم میں بہترین لوگوں کے اندر ایک صدی کے بعد دوسری صدی میں منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ مجھے اس صدی میں مبعوث کیا گیا جس میں میں اب موجود ہوں۔"

[بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ: ۳۵۵۷]

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد سے اسماعیل (علیہ السلام) کا انتخاب فرمایا، اولاد اسماعیل سے کنانہ کا انتخاب کیا اور کنانہ کی اولاد سے قریش کا انتخاب فرمایا، قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔"

[صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی ﷺ...... الخ: ۲۲۷۶]

امام بخاری رحمہ اللہ نے جناب رسول کریم ﷺ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

''محمد (ﷺ) بن عبد اللہ، بن عبد المطلب، بن ہاشم، بن عبد مناف، بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار بن معد، بن عدنان۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مبعث النبی ﷺ، قبل ح : ۳۸۵۱]

امام ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''سیرۃ النبی (ﷺ)'' میں لکھتے ہیں کہ اس بات پر علماء کا اجماع یعنی اتفاق ہے کہ عدنان جناب اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں اور جو اختلاف ہے وہ جناب عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان آباء کے ناموں کا ہے۔ امام ابن قیم بھی ''زاد المعاد'' میں اسی موقف کا اظہار کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں رومی بادشاہ ہرقل اور ابوسفیان کے مکالمے کا ذکر کرتے ہیں، جو شام میں ہوا تھا۔ ابوسفیان ان دنوں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک تجارتی قافلہ لے کر شام گئے تھے۔ اس دور کی ''سپر پاور'' رومی عیسائی تھے۔ ان کا بادشاہ ہرقل تھا، اس نے سن رکھا تھا کہ مکہ کے ایک شخص محمد (ﷺ) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مکہ کا ایک رئیس ابوسفیان یہاں شام آیا ہوا ہے تو ہرقل نے حصولِ معلومات کی غرض سے ابوسفیان کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ وہاں دیگر باتوں کے علاوہ ہرقل نے ابوسفیان سے جناب رسول کریم ﷺ کے نسب کے بارے میں بھی پوچھا کہ محمد (ﷺ) تم میں نسب کے اعتبار سے کیسے ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا: ''وہ ہم میں بہترین نسب والے ہیں۔'' اس پر ہرقل نے کہا: ''انبیاء اپنی قوم کے بہترین نسب میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔''

عبد المطلب کی داستانِ عجیب:

حضرت علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بیان کرتے ہیں کہ جناب عبد المطلب نے بتلایا: ''میں حجر اسود کے پاس سویا ہوا تھا کہ میرے خواب میں ایک آنے والا آیا، اس نے مجھے کہا: ''طیبہ (یعنی پاکیزہ کنواں) کھودیے!'' میں نے پوچھا: ''طیبہ کیا ہے؟'' مگر وہ میرے پاس سے غائب ہو گیا۔ اگلا دن آیا تو میں اپنے بستر پر لیٹنے گیا اور سو گیا، وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''برّہ (یعنی خیر اور پاکیزگی والا کنواں) کھودیے!'' میں نے کہا: ''برّہ کیا ہے؟'' وہ

پھر غائب ہو گیا۔ اس سے اگلے روز میں اپنے بستر پر سویا تو وہ تیسری بار آیا اور کہنے لگا: ''مضنونہ (یعنی قیمتی اور عمدہ کنواں) کھودیے!'' میں نے پوچھا: ''مضنونہ کیا ہے؟'' لیکن وہ اس دفعہ بھی غائب ہو گیا۔

اس سے اگلے دن جب میں اپنے بستر پر سویا تو پھر وہ آنے والا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''زم زم کھودیے!'' پھر اس نے کہا: ''اس کا پانی نہ خشک ہو گا اور نہ نیچے اپنی گہرائی کی سطح تک جائے گا، حاجیوں کی بہت بڑی تعداد اسے پیتی رہے گی...... اس کنویں کی جگہ کا نشان یہ ہے کہ اس کے ایک طرف گوبر پڑا ہے، دوسری جانب خون اور ان دونوں کے درمیان یہ کنواں ہے۔ پاس ہی سفید ٹانگوں والے کوے کے انڈے دینے کی جگہ ہے۔ چیونٹیوں کی بستی بھی اس کے قریب ہے۔''

پھر جب زم زم کے کنویں کے مذکورہ نشانات واضح ہو گئے، وہ جگہ مل گئی اور ثابت ہو گیا کہ خواب میں آنے والا سچا تھا تو اگلے دن جناب عبدالمطلب زمین کھودنے والا آلہ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا حارث بھی تھا اور ان دنوں عبدالمطلب کا یہی ایک بیٹا تھا۔ اب انھوں نے کھودنا شروع کیا تو کنویں کی گولائی ظاہر ہو گئی۔ اس گولائی یا منڈیر کے ظاہر ہوتے ہی عبدالمطلب نے ''اللہ اکبر'' کہا۔ قریش نے سمجھ لیا کہ عبدالمطلب کو اس کا مقصود مل گیا ہے، چنانچہ وہ عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''اے عبدالمطلب! یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیل (علیہ السلام) کا ہے اور ہمارا بھی اس پر حق ہے لہٰذا آپ ہمیں بھی اپنے ساتھ اس میں شامل کر لیں۔'' عبدالمطلب نے کہا: ''میں ایسا نہیں کروں گا، یہ تو ایسا معاملہ ہے کہ تم سب کو چھوڑ کر میرے لیے خاص کیا گیا ہے، ہاں البتہ میں تمھیں پانی ضرور دوں گا۔'' قریش نے کہا: ''اچھا پھر کنویں کو آدھا آدھا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھ لینا ہم اپنا حصہ نہیں چھوڑیں گے اور متواتر آپ سے جھگڑا کریں گے۔'' اس پر عبدالمطلب نے کہا: ''ایسا کرو کہ میرے اور اپنے درمیان کسی کو منصف بنا لو اور جس کو چاہو منصف بنا لو، میں تمھیں اس کا اختیار دیتا ہوں۔'' قریش نے کہا: ''ٹھیک ہے، بنوسعد بن ہذیم کے کاہنوں کو منصف بنا لیتے ہیں۔'' عبدالمطلب نے کہا: ''مجھے منظور ہے، وہ شام کے معزز لوگ ہیں۔''

اب عبد المطلب سوار ہوئے اور ان کے ساتھ بنو امیہ کا ایک شخص بھی شامل ہوا۔ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک فرد قافلے کے ساتھ ہو لیا۔ شام کی طرف سفر شروع ہو گیا حتیٰ کہ وہ ایسے مقام پر پہنچے کہ عبد المطلب اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا۔ پیاس نے اس قدر ستایا کہ انھوں نے یقین کر لیا کہ اب تو موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اب کے انھوں نے اپنے قریشی ہم سفروں سے پانی طلب کیا مگر انھوں نے یہ کہہ کر پانی دینے سے انکار کر دیا کہ اب تو ہم ہلاکت والے علاقے میں ہیں اور ہمیں بھی اپنی جانوں کے ضیاع کا خطرہ اسی طرح درپیش ہے جس طرح آپ کو ہے۔ اس پر عبد المطلب نے کہا: ''اس صورتحال میں میرا خیال ہے کہ ہر شخص قبر کے لیے اپنا اپنا گڑھا کھودنا شروع کر دے کیونکہ اب تو ہم میں گڑھا کھودنے کی طاقت ہے پھر یہ بھی باقی نہیں رہے گی، پھر جونہی کوئی پیاس سے مرے تو اسے اس کے ساتھی اس کے کھودے ہوئے گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دیں۔ آخر میں ایک ہی آدمی رہ جائے گا جسے گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈالنے والا کوئی نہ ہوگا تو بجائے اس کے کہ سب کی لاشیں ننگی رہیں بہتر ہے کہ سب کی لاشیں پردہ پوش ہو جائیں اور ایک ہی لاش باقی رہ جائے۔''

اب ہر شخص نے اپنا اپنا گڑھا کھود لیا اور پھر سارے مل کر بیٹھ گئے اور مارے پیاس کے موت کا انتظار کرنے لگے...... کچھ وقت گزرا تو عبد المطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اللہ کی قسم! زمین پر ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اپنے ہاتھوں گڑھے کھود کر موت کا یوں انتظار کیا جائے، ہمیں یوں عاجز ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہیے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی علاقے میں ہمیں پانی دے دے، لہٰذا چلو اور یہاں سے کوچ کرو۔'' جب سب کوچ کرنے لگے اور عبد المطلب نے اپنی سواری کو اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ عبد المطلب نے ''اللہ اکبر'' کہا اور ان کے ساتھیوں نے بھی ''اللہ اکبر'' کہا۔ عبد المطلب اپنی سواری سے اترے، انھوں نے پانی پیا، ان کے ساتھیوں نے بھی پیا، جانوروں کو بھی پلایا اور اپنی مشکوں کو بھی بھر لیا، پھر قریشی قبائل کے لوگوں کو بلایا جو دور سے یہ سارے احوال دیکھ رہے تھے۔ عبد المطلب نے انھیں کہا: ''آ جاؤ یہ پانی ہے، اللہ نے ہمیں پلایا ہے۔'' لہٰذا وہ آئے، پانی پیا، سواریوں کو پلایا، مشکوں کو بھرا اور پھر کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کے حق میں اور ہمارے خلاف فیصلہ کر دیا۔ اللہ کی قسم! ہم زم زم کے بارے میں اب آپ سے

کبھی جھگڑا نہیں کریں گے کیونکہ وہ اللہ جس نے آپ کو اس بیابان میں پانی پلایا، اسی اللہ نے آپ کو زم زم کا پانی پلایا۔ اب بھلائی کے ساتھ واپس چلیے، پانی پلانے کا حق آپ کا ہے۔'' لہٰذا عبدالمطلب بھی واپس پلٹ آئے اور باقی سارے لوگ بھی ان کے ساتھ واپس چلے آئے۔ اب وہ کاہنوں کے پاس نہیں گئے اور اہل قریش عبدالمطلب سے زم زم کے متعلق جھگڑا کرنے سے پیچھے ہٹ گئے۔''

[البدایہ والنہایۃ : ۶۴۴/۱، إسنادہ حسن لذاتہ۔ سیرۃ ابن ہشام : ۱۶۴/۱، ۱۶۵ إسنادہ حسن لذاتہ۔ دلائل النبوۃ : ۹۳/۱ تا ۹۵، إسنادہ حسن لذاتہ، احمد بن عبدالجبار العطاردی صدوق حسن الحدیث ربما خالف، تحریر تقریب : ۶۷/۱،۶۸ت ۶۴]

رسول کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی داستان اللہ کی طرف سے اس لیے وجود میں آئی کہ اس وقت رسول کریم ﷺ کے والد محترم جناب عبداللہ پیدا نہ ہوئے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمطلب کو عزت و کرامت سے نوازا۔ جان بچائی اور پھر ان کے ہاں جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔

مستدرک حاکم میں روایت ہے :''آپ ﷺ اپنی والدہ محترمہ کے شکم میں تھے کہ آپ ﷺ کے والد محترم جناب عبداللہ فوت ہوگئے۔''

[مستدرک حاکم : ۶۰۵/۲، ح : ۴۱۹۱ و إسنادہ حسن لذاتہ]

ثقہ و صدوق تابعی امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :''جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے جناب عبداللہ کو یثرب میں کھجوروں کی تجارت کے لیے بھیجا تھا اور وہ وہیں فوت ہوگئے۔''

[دلائل النبوۃ للبیہقی : ۸۵/۱، ۸۸ وإسنادہ حسن لذاتہ۔ ابو عبداللہ الأصبہانی و الحسن بن جہم صدوقان وثقہما الحاکم والذہبی بتصحیح حدیثہما۔ مستدرک : ۶/۳،۷،۱۱]

تورات میں آپ ﷺ کی صفات :

﴿ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ [الفتح : ۲۹/۴۸]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت جبکہ آپس میں رحم دل ہیں، تم انھیں رکوع میں پڑے ہوئے سجدے میں گرے ہوئے دیکھو گے، وہ اللہ کے فضل اور رضا کے متلاشی ہیں۔ (کثرت) سجدہ سے ان کی پیشانیوں پر امتیازی نشان ہیں، ان کی یہی صفت تورات میں بیان ہوئی ہے اور یہی انجیل میں ہے۔ (ان کی مثال ایسے ہے) جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، اس کی مضبوطی کسانوں کو خوش کرتی ہے یہ منظر اس لیے بپا ہوا ہے تاکہ کافروں کو ان (مضبوط ہوتے ہوئے مسلمانوں) کی وجہ سے غصہ دلائے۔ ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔''

تورات میں آپ ﷺ کی امت کی صفات:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾

[التوبة: ۹/ ۱۱۱، ۱۱۲]

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔ تورات، انجیل اور قرآن سب کتابوں میں اللہ کے ذمہ یہ پختہ وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو وفا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟ لہٰذا اے مسلمانو! تم نے جو سودا کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ (وہ مومن) توبہ کرنے والے، عبادت گزار، حمد کرنے والے، روزہ دار، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کام کا حکم دینے والے، برے کام سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، (ان سودا کرنے والے) ایسے مومنوں کو (اے

میرے نبی! جنت کی) خوشخبری دے دیجیے۔''

نئی ملنے والی تورات میں رسول کریم ﷺ کی واضح صفات:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

[الأعراف: ۱۵۷/۷]

''(اللہ کی رحمت انھی لوگوں کے حصے میں آئے گی) جو اس رسول اور امی نبی (ﷺ) کے پیروکار بن جائیں گے، وہ نبی کہ جس کا تذکرہ یہ لوگ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ یہ نبی ان لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک اور عمدہ اشیاء حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر لدے ہوئے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور ان بندشوں کو توڑتا ہے جن میں یہ لوگ جکڑے ہوئے تھے لہٰذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لے آئیں گے، اس کو مضبوط کریں گے، اس کی مدد کریں گے اور اس نور کے پیچھے چلیں گے جو اس کے ساتھ نازل کر دیا گیا ہے، تو یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح یاب ہیں۔''

قارئین کرام! ہماری اس کتاب میں قرآن کا یہ تیسرا مقام ہے جس میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بار بار یہ فرما رہے ہیں کہ تورات اور انجیل میں جناب محمد کریم ﷺ ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھیوں کی صفات بھی بیان ہوئی ہیں، تو آیئے! تورات دیکھتے ہیں اور سردست جناب محمد کریم ﷺ کی صفات ملاحظہ کرتے ہیں۔ پہلے ہم وہ تورات دیکھیں گے جو اس وقت مروج ہے اور پھر وہ تورات دیکھیں گے جس کے طومار (رول کی طرح لپٹے ہوئے صفحات) اسرائیل کے اندر جدید کھدائی میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔

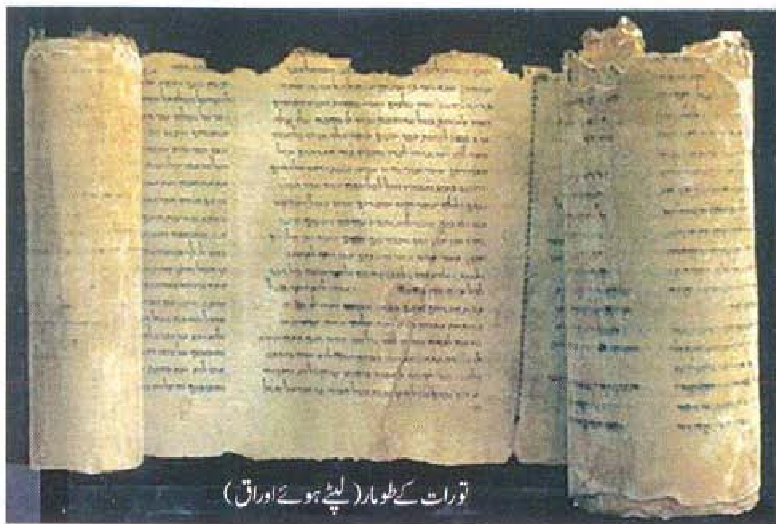
یاد رہے! عیسائیوں کے ہاں تورات کو عہد نامہ قدیم اور انجیل کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں دونوں کتابیں دو عہد ناموں کی شکل میں ایک ہی جلد میں ملتی ہیں

کیونکہ ان کے ہاں دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے جبکہ یہودیوں کے ہاں جو کتاب ملتی ہے وہ صرف تورات ہے کیونکہ وہ انجیل کونہیں مانتے اور نہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں، تو پھر وہ انجیل یا عہد نامہ جدید کو اپنے ساتھ نتھی کیوں کریں گے ......؟ میرے سامنے اس وقت بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور کی شائع کی ہوئی ''کتاب مقدس'' یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ ہے۔ پرانے عہد نامے یعنی تورات کا چیپٹر ''یسعیاہ'' کھلا پڑا ہے، باب نمبر۲۱، آیات ۱۳ تا ۱۶ ہے، صفحہ نمبر۶۷۶ ہے، زبان اردو ہے، لکھا ہے:

عرب کی بابت بارنبوت:

''اے دوانیوں کے قافلو! تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے۔ وہ پیاسے کے پاس پانی لائے، تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے، ننگی تلواروں سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی حشمت جاتی رہے گی۔''

قارئین کرام! ''عرب کی بابت بارنبوت'' یہ سرخی اور عنوان تورات کا ہے۔ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس میں اس عنوان کا واضح مطلب یہی ہے کہ بنواسرائیل کے پیغمبر جناب موسیٰ علیہ السلام بتلا رہے ہیں کہ اب کے نبوت کی باری عربوں کی ہے اور یہ بارنبوت ان کے کندھوں پہ رکھا جانے والا ہے ...... اس عنوان کے بعد عربوں کو ''دوانی'' کہہ کر بتلایا گیا ہے کہ جب تم نبوت ملنے کے بعد ہجرت کرو گے تو جنگل میں راتیں کٹیں گی۔ ہجرت کے سفر میں لوگ ان کے سامنے پانی لائیں گے اور جب مکہ چھوڑنے والے یہ مہاجرین ''تیما'' یعنی مدینے میں جائیں گے تو وہاں کے باشندے یعنی انصار ان کے سامنے کھانے پیش کرنے اور ضیافتیں کرنے کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکل کر ان کے پاس جائیں گے، ان سے ملیں گے کیونکہ یہ مکہ چھوڑنے والے، وہ آئے ہیں کہ جب وہ مکہ سے نکلے تھے تو سونتی ہوئی ننگی تلواروں کے سامنے سے بھاگے تھے۔ تیروں کی کمانیں کھینچی رہ گئیں اور یہ مہاجرین بحفاظت نکل آئے۔

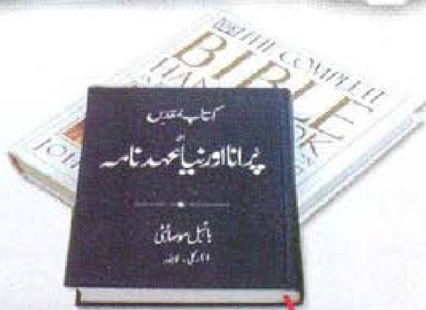

تورات کے طومار (لپٹے ہوئے اوراق)


غاریں جہاں سے وہ برتن ملے جن میں تورات محفوظ تھی



بحرِ مردار کے کنارے دریافت ہونے والا تاریخی شہر قمران
جہاں سے تورات کا نسخہ ملا


وہ برتن جن میں دو ہزار سال قبل محفوظ کیے گئے
تورات کے طومار (لپٹے ہوئے اوراق) ملے



برطانیہ سے شائع ہونے والی انگلش بائبل اور لاہور کی بائبل سوسائٹی
سے شائع ہونے والی اردو بائبل

مکہ کے سارے عرب قبیلے یہاں جمع تھے۔ اس کے بعد ہجرت کا اگلا مرحلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں بیان کرتے ہیں کہ خداوند نے مجھ سے فرما دیا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق یعنی اللہ کے برسوں کے مطابق نہیں کہ دنیا کے ہزار سال ہوں تو اللہ کا ایک دن بنتا ہے بلکہ مزدور یعنی انسانوں کے برسوں کے مطابق ایک سال ہی میں یہ منظر بپا ہو جائے گا کہ قیدار یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کی حشمت ختم ہو جائے گی ...... جی ہاں! بدر کا معرکہ ایک سال بعد ہوا اور جناب قیدار کی عرب اولاد جو بت پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی اور اب لڑنے کے لیے آئی تھی، اس کی قوت وحشمت اور شان وشوکت کا جنازہ بدر کے میدان میں نکل گیا اور اس (محمد ﷺ) کے ہاتھوں نکلا جو مکہ سے ہجرت کر کے آیا تھا۔

قربان جاؤں ہجرت کر کے آنے والے اس محمد کریم ﷺ پر کہ جو ان پر ایمان لایا اس کے بھاگ جاگ اٹھے اور جو ایمان نہ لایا اس کے بھاگ یوں سو گئے جیسے مردہ موت کی نیند سو جاتا ہے۔

قارئین کرام! آیئے! اب میں تورات کے ایک ایسے نسخے سے آپ کو آگاہ کروں کہ جس کا انکشاف حال ہی میں ہوا ہے۔ تورات کے اس نسخے نے بھی قرآن کے دعوے کی تصدیق کر دی ہے ...... تو لیجیے جناب! یہ انگریزی کی بائبل یعنی تورات اور انجیل کا مجموعہ میرے سامنے ہے۔ لندن میں پبلشنگ کے معروف عالمی ادارے ''DK'' نے ۱۹۹۹ء میں اسے شائع کیا۔ یہ کتاب پانچ سو یہودی اور عیسائی اسکالروں کی مشترکہ کاوش ہے۔ ٹیم کے سربراہ مسٹر جان بوکر ہیں جو مذہبی پروفیسر اور عیسائیت کے مانے ہوئے اسکالر ہیں۔ ان کی کتاب کا نام ''The Complete Bible'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۹۰ پر جدید دور میں سامنے آنے والی تورات کے مخطوطوں کے بارے میں بتلایا گیا ہے۔ یہ مخطوطے اسرائیل سے برآمد ہوئے تھے، لکھا ہے:

> ''یہ مخطوطات بحر مردار کے قریب ''قمران'' کے علاقے میں پہاڑی غاروں سے ملے ہیں۔ یہ مخطوطات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۶ء کے درمیان ملتے رہے ہیں۔ ان مخطوطوں کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور ان کے دور سے ہے ...... وہ دور کہ جب

یہودیوں کا ایک فرقہ یروشلم چھوڑ کر یہاں آ بسا تھا۔ اس فرقے کے لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ یروشلم کے لوگ تورات کے اصل دین کو چھوڑ چکے ہیں اور یروشلم کا جو ہیکل یا عبادت خانہ ہے، وہ سیاست اور خرافات کا گڑھ بن چکا ہے لہٰذا اس فرقے کا ایک استاد جو بڑا متقی تھا، اس نے یروشلم کے عبادت خانے کو چھوڑ دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی ۱۵۲ سال پہلے وہ یہاں ریگستان میں آ کر بس گیا۔ اس متقی استاد اور اس کے ساتھیوں نے یہ عزم کیا کہ وہ حضرت یرمیاہ علیہ السلام کے عہد کو یہاں عملی شکل میں قائم کریں گے اور یہاں خالص اور صداقت پر مبنی ایک مرکز قائم کریں گے چنانچہ یہ لوگ یہاں انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے رہے۔"

تورات کے اس طومار، کہ جس کے یہ لوگ پیروکار تھے، کا مطالعہ کر کے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ تورات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے قانون پر عمل کرتے تھے۔ پیغمبروں کے احکامات مانتے تھے۔ ان کے نظریات دوسرے لوگوں سے الگ اور ممتاز تھے۔ یہ اپنے نظریات پر اس طرح کاربند تھے کہ انھوں نے اپنا کیلنڈر بھی الگ بنایا ہوا تھا۔ تقویٰ اور طہارت کے اصولوں پر بھی یہ کاربند تھے۔ قربانی کرتے تھے اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے تھے:

"And the end-time, which was their antecipation of the Imminent arrtival of The messiah to lead his People in victory against The romans and other infidels."

"جیسا کہ ان کی پیشگوئی تھی، آخری زمانے میں ایک نجات دہندہ کا ظہور قریب ہے جو اپنی قوم کی قیادت کرے گا، جو رومیوں اور دوسرے مشرکین کے خلاف فتح حاصل کرے گا۔"

قارئین کرام! غور فرمایئے، اسرائیل کو بحر مردار کے کنارے قمران (Qumran) اور مساڈا (Masada) کے ریگستانی علاقوں کے خشک پہاڑوں کی غاروں سے تورات کے جو مخطوطات ملے، وہ مسلمانوں نے نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے نکالے ہیں...... ان مخطوطوں میں ان کے اپنے دور میں جو تحریف ہوئی سو ہوئی مگر بعد کے دو ہزار سال تک ان میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ وہ مخطوطے بھی یہی بتلاتے ہیں کہ اس دور کے بہترین لوگوں کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ

آخری زمانے میں ایک نجات دہندہ آئے گا جو جہاد وقتال کرے گا۔ لاریب وہ نجات دہندہ جناب محمد کریم ﷺ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مخطوطات کو دیکھ کر یہودی تو خاموش ہیں کہ وہ ماسوائے خاموشی کے کر بھی کچھ نہیں سکتے، وہ اتنا ہی کر سکتے تھے کہ ان پاکباز لوگوں کے گروہ کو ''فرقہ'' کہہ دیں، چنانچہ انھوں نے کہہ دیا۔ رہے عیسائی تو وہ پریشان ہیں کہ ان مخطوطات میں جس نجات دہندہ کی بات کی گئی ہے تو وہ کس شخصیت کو نجات دہندہ کہیں؟...... اگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کو کہیں تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو تو ان عیسائیوں کے بقول رومی گورنر نے صلیب پر لٹکایا تھا۔ اب رومیوں اور دیگر مشرکوں پر فتح حاصل کرنا اور خود ان کے ہاتھوں صلیب پر لٹکنا بالکل متضاد باتیں ہیں لہٰذا یہ پیشگوئی پوری اترتی ہے تو جناب محمد کریم ﷺ پر کہ جنھوں نے اپنی قوم، جو عرب ہے، کے ساتھ مل کر رومیوں کو بھی اور باقی مشرکوں کو بھی شکست دی اور اپنی عرب قوم کو فتح سے ہمکنار کیا۔

قارئین کرام! قرآن نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کے ساتھیوں کے بارے میں بھی بتلایا کہ تورات میں ان کی صفات بھی موجود ہیں چنانچہ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری موصلی عراقی اپنی سیرت کی کتاب ''السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ'' میں لکھتے ہیں:

> ''رچرڈ واٹس نے تورات کا جو نسخہ لندن سے شائع کیا اس میں اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں واضح لکھا ہے: ''وہ جبل فاران سے نمودار ہو گا اور اس کے ساتھ ہزاروں پاکباز لوگ ہوں گے۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴾ [التوبة : ۹/ ۱۰۸]

''اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں کہ جنھیں پسند ہے کہ وہ پاکباز رہیں اور اللہ پاک باز رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ اکبر! یہ دس ہزار پاکباز مجاہدین اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ تھے جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا۔ جی ہاں! حسب معمول تحریفوں اور تبدیلیوں کے ساتھ آج تک شائع ہونے والی تورات کے مختلف ایڈیشن بھی گواہی دیتے ہیں کہ آخری رسول محمد کریم ﷺ ہیں، رسول جہاد

ہیں اور دو ہزار سال پہلے کی جو تورات آج دریافت ہوئی ہے، وہ بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ آخری نجات دہندہ رسول جہاد و رسول قتال ہے اور وہ ہیں جناب محمد ﷺ۔

انجیل میں رسول کریم ﷺ کی واضح صفت:

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ [الصف : ٦١/٦]

''ذرا مریم کے بیٹے عیسیٰ کی وہ بات تو یاد کرو جب اس نے کہا تھا: ''اے اسرائیل کے بیٹو! میں تمھاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اس تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور اپنے بعد اس رسول کی خوشخبری دینے والا بھی ہوں جس کا نام احمد (ﷺ) ہوگا۔''

بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہونے والی انجیل کا چیپٹر ''یوحنا'' میرے سامنے کھلا پڑا ہے، باب نمبر ۱۶ اور آیت نمبر ۷ اور ۸ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔''

قارئین کرام! یہ انتہائی واضح پیشگوئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد دنیا میں ایک ہی رسول آیا ہے اور وہ ہیں محمد کریم ﷺ ...... نیز دوسری آیت میں عیسائیوں کے ہاں ''کفارے'' کا جو عقیدہ رائج ہے، اسے جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ عیسائی تو یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوکر ہم سب انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے ہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ وہ رسول آئے گا تو وہ واضح کر دے گا کہ گناہ، راست بازی اور عدل وانصاف کے بارے میں دنیا کے لوگ ہی اپنے اعمال کے قصوروار ہوں گے یعنی جو گناہ کرے گا وہ اس کا خمیازہ بھی بھگتے گا، یہ نہیں ہوگا کہ گناہ کوئی کرتا رہے اور صلیب پر کوئی اور لٹکتا رہے۔

"یوحنا" کے اسی چیپٹر میں باب نمبر۱۴ کی آیت نمبر۱۶ بھی واضح طور پر بتلاتی ہے کہ آخری رسول آئیں گے...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔"

مسٹر جان بوکر انگریزی زبان میں جو انجیل لائے ہیں، اس کے چیپٹر جان (John) یعنی "یوحنا" صفحہ ۳۱۳ میں وہ آیت کو اس طرح لکھتے ہیں:

"And I will ask the father, and be will give you another Advocate, to be with you forever."

"میں باپ سے عرض کروں گا اور وہ تمھیں ایک دوسرا وکیل عطا فرمائے گا جو تمھارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔"

قارئین کرام! بات یہاں بھی وہی ہے کہ وہ رسول جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے گا وہ قیامت تک کے لیے رسول ہوگا۔ اس رسول کے لیے اردو انجیل نے جو نام لیا وہ ہے "مددگار" اور جو نام جان بوکر کی انگریزی انجیل نے لیا وہ ہے "ایڈووکیٹ یعنی "وکیل"...... یہ بات تو طے شدہ ہے کہ وہ رسول آئے گا اور قیامت تک کے لیے رسول ہوگا۔ وہ آ بھی چکا ہے اور وہ خاتم النبیین ہے۔ اب بات صرف نام کی رہ گئی تو نام کے بارے میں ظاہر ہے کہ جو نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیا وہ اصل نام ترجموں کی شکل میں ملتا ہے کیونکہ انجیل اپنی اصل زبان میں دنیا میں موجود ہی نہیں، انجیل کا ترجمہ جو دنیا کی سب سے قدیم زبان میں موجود ہے، وہ یونانی ہے۔ یونانی زبان والی قدیم انجیل میں جو نام آیا ہے وہ "پیرا قلیٹ" ہے، جسے عربی میں "فارقلیط" بولا جاتا ہے۔ جناب جان بوکر اپنی انجیل میں لکھتے ہیں:

"پیرا قلیٹ (Paraclete) کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ ہے (To help) مدد کرنا۔ یہ یونانی لفظ پیراقلیٹس (Parakletos) سے آیا ہے۔ اس لفظ کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے: ① Comforter (تسلی دینے والا)، ② Counsellor (صلاح کار، سینئر سفارتی عہدہ دار) ③ Teacher (استاد) ④ Advocate (وکیل)۔"

قارئین کرام! جناب جان بوکر ''پیراقلیٹ'' کا اصلی اور صحیح ترجمہ نہیں لائے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ پیراقلیٹ کا یہ اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے......اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ''پیراقلیٹ'' کا اصل ترجمہ تلاش کرنا ہوگا کیونکہ ''ہوسکتا ہے'' کا جملہ جب بولا جاتا ہے تو اس جملے میں شک کا شائبہ ہوتا ہے۔ جی ہاں! شک کے اس شائبے کو دور کرنے کے لیے جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو سیرت رسول ﷺ پر ''مغازی'' کے نام سے محمد بن اسحاق کی معتبر ترین کتاب سامنے آتی ہے، اسی کے حوالے سے ابن ہشام اپنی بلند پایہ سیرت کی کتاب ''تاریخ ابن ہشام'' میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے انجیل کی مندرجہ بالا آیت کا جب ترجمہ کیا تو وہ اس ترجمے میں ''سریانی زبان'' کا لفظ لائے اور یہ وہ زبان ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بولی جاتی تھی اور نویں صدی عیسوی تک فلسطین کے باشندوں میں یہ زبان بولی جاتی تھی پھر عربی حاوی ہوگئی تو امام ابن اسحاق نے یہاں سریانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا وہ ''اَلْمُنْحَمَنَّا'' ہے، امام ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ ''اَلْمُنْحَمَنَّا'' کے معنی سریانی میں احمد اور یونانی میں ''بَرَقْلِيطِس'' ہیں۔

[سيرة ابن هشام : ٢٦٢/١]

قارئین کرام! واضح ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخری رسول ﷺ کا جو نام لیا وہ ''احمد'' ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا نام محمد (ﷺ) بھی ہے اور احمد (ﷺ) بھی ہے۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

((أَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَحْمَدُ ...... وَالْحَاشِرُ))

[مسلم : ٢٣٥٥۔ طبقات ابن سعد : ٨٣/١۔ وإسناده حسن لذاته]

''میں محمد بھی ہوں، احمد بھی ہوں......اور حاشر بھی ہوں۔''

یوں قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کا جو فرمان نقل کیا وہ آج بھی ثابت ہے۔ انجیل میں اگرچہ بہت زیادہ تحریف ہوگئی ہے مگر قرآن نے جو بات کہی وہ آج بھی انجیل سے ثابت ہے۔ انجیل برناباس سے تو اور زیادہ واضح انداز سے ثابت ہے اور یہ وہ انجیل ہے جس پر عیسائیوں کے کلیسا نے اللہ کے رسول ﷺ کی آمد سے پہلے ہی پابندی عائد کر دی تھی۔ پابندی اس لیے

عائد کی تھی کہ یہ انجیل بتلاتی تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ اللہ کے بیٹے نہیں اور یہ کہ انھیں صلیب پر نہیں چڑھایا گیا۔ بلکہ انھیں فرشتوں نے اٹھالیا اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد یہودا اسکریوتی صلیب پر چڑھا، جس نے رومیوں سے پیسے لے کر اپنے استاد کی مخبری کی۔ اس کا چہرہ عیسیٰ علیہ السلام جیسا ہوگیا اور وہ صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ ان باتوں کی وجہ سے انجیل برناباس پر پابندی لگ گئی۔ برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا......

یہ انجیل موجودہ دور میں اطالوی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوئی مگر اس کی کاپیاں فوراً ضبط کر لی گئیں۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں واضح کیا ہے کہ انھوں نے اس انجیل کا انگریزی ترجمہ جو فوٹوسٹیٹ کی شکل میں تھا، دیکھا اور اس سے انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلنے والی پیش گوئیاں بھی اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں، جن میں واضح طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لیا گیا ہے حتیٰ کہ ڈاکٹر ضیاء عمری موصلی عراقی نے اپنی کتاب "السيرة النبوية الصحيحة : ١/١١٨" میں انجیل برناباس سے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے:

> ''شاگردوں نے سوال کیا: ''اے استاد! وہ شخص کہ جس کے بارے میں آپ گفتگو کرتے ہیں کہ وہ عنقریب دنیا میں آئے گا، وہ کون ہوگا؟'' تو عیسیٰ (علیہ السلام) نے دل کی خوشیوں کے ساتھ جواب دیا: ((اِنَّهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) ''بلاشبہ وہ اللہ کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔''

جی ہاں! قربان جاؤں، اس رسول احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کہ تاریخ میں اس نام کا کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہیں گزرا...... احمد کا معنی سب سے بڑھ کر اللہ کی حمد بیان کرنے والا...... اور محمد کا معنی اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ تعریف کیا گیا...... بحمداللہ...... اللہ نے مجھے اپنے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے اس گوشے پر تحقیق کی توفیق سے نوازا جس کا اعلان رب کے قرآن نے کیا۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)

تاریخ پیدائش:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن ربیع الاوّل کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں

اور اکثر کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاوّل کی بارھویں رات کو پیدا ہوئے۔

[ابن هشام : ١/١٨٣، اسناده حسن لذاته من قول ابن اسحاق، البداية والنهاية : ٦٦٣/١ـ دلائل النبوة للبيهقي : ٧٤/١ إسناده حسن لذاته]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ عام الفیل کو پیدا ہوئے۔''

[طبقات ابن سعد : ٨١/١ و إسناده صحيح]

خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں: ''اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ ''عام الفیل'' (یعنی ہاتھیوں والے سال، جس سال ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کا ارادہ کیا اور تباہ ہوا) میں پیدا ہوئے۔''

[السيرة النبوية لابن كثير، ص : ١٣ بتحقيق الشيخ الصدوق الالباني رحمه الله]

پیر کے دن کے روزے کے بارے میں حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا ہوا اور یہی وہ دن ہے جس میں مجھ پر وحی کا نزول ہوا۔''

[مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة...... الخ : ١١٦٢/١٩٨]

دودھ پینے کے دن اور بچپن کی یاد:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اور ابوسلمہ کو ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا۔''

[بخاري، كتاب النكاح باب ﴿ و أمهاتكم التي أرضعنكم ﴾ : ٥١٠١]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں نے زندگی میں صرف دو بار کسی بے مقصد محفل میں شریک ہونے کا قصد کیا، جس طرح اہل جاہلیت کرتے تھے مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔ ایک رات میں نے اپنے ساتھی چرواہے سے جو مکے کے بالائی حصے میں میرے ساتھ ہماری بکریاں چراتا تھا، کہا: ''میری بکریوں کا ذرا خیال رکھنا تاکہ میں مکہ میں دوسرے نوجوانوں کی طرح داستان گوئی کی محفل میں شریک ہوسکوں۔'' اس نے ہامی بھر لی تو میں چل پڑا اور جب میں مکہ کے گھروں میں سے ایک گھر کے قریب پہنچا تو میں نے موسیقی و گانے کی آوازیں سنیں، میں نے پوچھا: ''یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''فلاں قریشی کی فلاں عورت سے شادی ہے۔'' میں جب موسیقی اور گانے کی آواز سننے لگا تو مجھے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا، میں

سویا رہا، یہاں تک کہ سورج کی کرنوں نے مجھے بیدار کیا تو میں اپنے ساتھی کے پاس چلا آیا۔ اس نے مجھ سے رات کا واقعہ پوچھا تو میں نے اسے ساری روداد کہہ سنائی، پھر میں نے ایک دوسری رات ایسا ہی کیا کہ میں وہاں سے نکلا تو پہلے کی طرح کسی محفل موسیقی کے قریب جا پہنچا اور مجھے پہلے کی طرح ہی کسی کی شادی کی خبر دی گئی، مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا، میں ساری رات سویا رہا، یہاں تک کہ مجھے سورج کی کرنوں نے بیدار کیا، پھر میں لوٹ کر اپنے ساتھی کے پاس پہنچا تو اس نے میری شب بیتی کے بارے پوچھا، میں نے بتایا کہ میں کسی محفل میں شریک نہیں ہو سکا۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: ''اللہ کی قسم! ان دو واقعات کے بعد کبھی بھی میں نے اہل جاہلیت کی فضول محفلوں میں شریک ہونے کا قصد نہیں کیا، یہاں تک کہ مجھے اللہ رب العزت نے شرف نبوت سے نوازا۔''

[ابن حبان : ٦٢٧٢ إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٢٤٥/٤، ح : ٧٦١٩ إسناده حسن لذاته محمد بن عبدالله صدوق حسن الحديث وثقه الحاكم والذهبي و ابن حبان بتصحيح حديثه]

جبریل نے سینہ چیر دیا اور دل پر ''ختم نبوت'' کی مہر لگا دی:

عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! (بسلسلۂ نبوت) آپ کا اوّلین معاملہ کس طرح ظاہر ہوا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں بنو سعد بن بکر کے ہاں پرورش پا رہا تھا، میں اور میرا رضاعی بھائی اپنی بھیڑ بکریوں کی طرف چلے گئے، ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان نہ تھا لہٰذا میں نے اپنے بھائی سے کہا: ''جاؤ اور اماں جان سے کھانے پینے کا سامان لے آؤ۔'' میرا بھائی چلا گیا اور میں بھیڑ بکریوں کے پاس ہی ٹھہرا رہا پھر یوں ہوا کہ دو سفید پرندے گویا وہ دو ستارے (فرشتے) ہوں، میرے پاس آئے۔ ان دونوں (جبرائیل و میکائیل) میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ''کیا یہ وہی ہیں؟'' دوسرے نے کہا: ''ہاں!'' اب دونوں میری طرف تیزی سے لپکے۔ انھوں نے مجھے پکڑ لیا اور کمر کے بل لٹا دیا، پھر میرا سینہ چیر دیا اور میرے دل کو نکال کر اسے چیر ڈالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی

سے کہا: ''مجھے برف کا یخ بستہ پانی پکڑاؤ۔'' پھر دونوں نے اس پانی کے ساتھ میرے اندر کا سارا حصہ (سینہ اور پیٹ) دھو دیا۔ پھر کہا: ''اب مجھے ٹھنڈا پانی دو۔'' پھر اس ٹھنڈے پانی کے ساتھ دونوں نے میرا دل دھویا اور کہا: ''سکینت (اطمینان اور وقار) لاؤ۔'' اب اسے ان دونوں نے میرے دل پر چھڑک دیا، پھر دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:

((حِصْهُ فَحَاصَهُ وَ خَتَمَ عَلَيْهِ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ))

''اس کو سی ڈالو، لہٰذا اس نے اسے سی دیا اور اس (دل) پر ''ختم نبوت'' کی مہر لگا دی۔''

پھر ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ''اس کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھو اور اس کی امت میں سے ایک ہزار کو ایک پلڑے میں رکھو۔'' اس وقت میں اپنے اوپر ایک ہزار کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ ان میں سے بعض لوگ مجھ پر گر نہ پڑیں۔ پھر کہا: ''اگر محمد (ﷺ) کو ایک پلڑے میں اور اس کی ساری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو تب بھی محمد (ﷺ) کا پلڑا بھاری رہے گا۔'' اس کے بعد وہ دونوں فرشتے چلے گئے اور مجھے انھوں نے وہیں چھوڑ دیا۔

مجھے سخت خوف لاحق ہوا، میں اپنی ماں (حلیمہ) کی طرف گیا۔ جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ سارا کچھ بتلایا۔ وہ ڈر گئیں کہ کہیں یہ شیطان کی کارستانی نہ ہو، لہٰذا انھوں نے کہا: ((أُعِيذُكَ بِاللّٰهِ)) ''میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں'' اس کے بعد اونٹ کی سواری تیار کی گئی۔ انھوں نے مجھے سواری پر سوار کر دیا اور خود میرے پیچھے بیٹھ گئیں حتیٰ کہ میں اپنی والدہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں حلیمہ نے میری ماں آمنہ سے کہا: ''میں نے اپنی امانت اور ذمہ ادا کر دیا۔'' پھر میری والدہ کے سامنے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو میرے ساتھ بیتا تھا۔ والدہ نے اس واقعہ کو کسی ان ہونے انداز میں نہیں لیا بلکہ کہا:

((إِنِّي رَأَيْتُ خَرَجَ مِنِّي نُورٌ اَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ))

''میں نے دیکھا کہ میرے اندر سے ایک روشنی نکلی جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔''

[مسند أحمد : ١٨٤/٤، ١٨٥، ح : ١٧٧٩٨، إسناده حسن لذاته، مستدرك حاكم :

۲/۶۱۶، ۶۱۷، ح: ۴۲۳۰ و إسناده حسن لذاته۔ سنن الدارمی : ۱۳ إسناده حسن لذاته]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ (اقدس) پر سیئے جانے کا نشان دیکھا کرتا تھا۔''

[مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء، برسول اللہ ﷺ ...... الخ : ۲۶۱/ ۱۶۲]

وزن میں ساری امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پلڑا بھاری ہونے کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند اور انتہائی وزنی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یعنی حدیث آجائے وہاں امت کے علماء، ائمہ اور فقہاء کی اس بات کا کوئی وزن نہ ہوگا جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو یا مطابق نہ ہو اور تیسرا مطلب یہ بھی ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف بات پر جو شخص عمل کرے گا، اس عمل کی قیامت کے دن کوئی وقعت نہیں ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴾ [الکھف : ۱۸/ ۱۰۵]

''ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو رکھیں گے ہی نہیں۔''

شام کے محلات روشن ہونے کا مطلب ہے کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں آئے بھی نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کے ذریعے دنیا کو یہ پیغام دے دیا گیا کہ یہ بچہ جو پیدا ہونے والا ہے اس کے مجاہد صحابہ جہاد کرتے ہوئے شام فتح کریں گے، عیسائی مغلوب ہوں گے، صلیب کے اندھیرے چھٹیں گے اور عیسائی علاقے اسلام کے نور سے جگمگائیں گے۔

والدہ کی وفات :

ثقہ تابعی عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو ابن حزم (المتوفی : ۱۳۵ھ) فرماتے ہیں :

''جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ فوت ہو گئیں، ان کا انتقال ''ابواء'' کے مقام پر ہوا۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ اپنے بیٹے کو ننھیال سے ملانے کے لیے لائی تھیں۔ ننھیال بنو عدی بن نجار میں سے تھے۔ آپ وہاں سے واپس آ رہی تھیں کہ سفر میں وفات پا گئیں۔''

[سیرۃ ابن ھشام : ۱/ ۱۹۳ و إسنادہٗ حسن لذاته]

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے جو چند افراد آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، انھوں نے آپ ﷺ کی والدہ محترمہ آمنہ کو وہیں دفن کر دیا اور آپ ﷺ کو لے کر مکہ آ گئے۔

دادے کا پوتے کے لیے اضطراب:

کندیر بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ بتلاتے ہیں: ''میں نے جاہلیت کے دور میں حج کیا، وہیں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیدل بیت اللہ کا طواف کیے جا رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے:

میرے رب! میری سواری کو محمد (ﷺ) سمیت لوٹا
محمد کو مجھ سے ملا، اپنی جناب سے احسان فرما

میں نے پوچھا: ''یہ شخص کون ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''عبدالمطلب بن ہاشم ہے، اس کا اونٹ کہیں چلا گیا ہے، چنانچہ اس نے اپنے پوتے کو اونٹ کی تلاش کے لیے بھیجا ہے اور وہ آیا نہیں، لیٹ ہو گیا ہے۔''

صورتحال یہ ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو جس ضرورت کے لیے بھی بھیجا وہ پوری ہو گئی۔ راوی کہتا ہے عبدالمطلب کعبہ کے طواف اور رب کے حضور فریاد کرنے سے اس وقت تک نہیں ہٹے جب تک محمد (ﷺ) اونٹ سمیت واپس نہیں آ گئے اور جب آئے تو عبدالمطلب نے دیکھتے ہی کہا:

''پیارے بیٹے! میں تو تیری جدائی میں اتنا غمزدہ ہو گیا تھا کہ کبھی کسی چیز پر نہیں ہوا۔ اللہ کی قسم! آئندہ تجھے کبھی کسی کام کے لیے نہیں بھیجوں گا، تو مجھ سے کبھی بھی جدا نہ ہوا کر۔''

[مستدرك حاكم: ۲/۶۰۳، ۶۰۴، ح: ٤١٨٤ إسناده حسن لذاته۔ طبراني كبير: ٦/٦٤، ح: ٥٥٢٤۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۲/۲۰، ۲۱۔ مسند أبي يعلى: ۲/۳۲، ح: ١٤٧٤ إسناده حسن لذاته]

جب اللہ کے رسول ﷺ آٹھ سال کے ہوئے تو ماں کی طرح لاڈ پیار دینے والا انتہائی مشفق دادا بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب نگہداشت کی ذمہ داری جناب ابو طالب پر آ گئی

جو رسول کریم ﷺ کے مشفق چچا تھے۔

محمد کریم ﷺ...... بکریاں چرانے والے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس نے بکریاں چرائیں۔'' اس پر آپ ﷺ کے صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ نے بھی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں درہم و دینار کے معاوضے پر چرائی ہیں۔''

[بخاری، کتاب الإجارة، باب رعی الغنم علی قراریط : ۲۲۶۲]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے، جنگلی پھل یعنی پکے ہوئے پیلو چن رہے تھے، تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''کالے کالے اتارنا کیونکہ کالا پیلو بڑا عمدہ ہوتا ہے۔'' ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا آپ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے (کیونکہ یہ پہچان تو بکریاں چرانے والوں ہی کو ہوتی ہے)؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔''

[بخاری، کتاب الأطعمة، باب الكباث وهو [ثمر] الأراك : ۵۴۵۳]

دنیا کا سب سے مشکل کام یہ ہے کہ لیڈر اپنے پیروکار یا کارکنوں کو سنبھال کر رکھے، بکھرنے نہ دے اور بکریوں کو سنبھال کر رکھنا کافی مشکل ہوتا ہے لہٰذا اللہ نے نبیوں کی ابتدائی تربیت بکریاں چرانے سے کی تاکہ وہ بندوں کے رہنما بننے کے قابل ہو جائیں۔

پتھر نے رسول کریم ﷺ کو سلام کیا:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں مکہ کے اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو مجھے نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔''

[مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ ......الخ : ۲۲۷۷]

پتھر کے سلام کی نوعیت اللہ کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے تھے کہ جنھیں اللہ نے پتھر کے سلام سے آگاہ فرمایا۔

مظلوم کی مدد کا معاہدہ:

قریش کے پانچ قبیلوں بنو ہاشم، بنو عبد المطلب، بنو اسد، زہرہ اور تیم نے مل کر معاہدہ کیا کہ مکہ کا کوئی مظلوم ہو یا مکہ میں باہر سے آنے والا کوئی مظلوم، سب اس کی مدد کریں گے، اس معاہدے کو "حلف الفضول" اور "حلف المطیبین" بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں جب نوجوانی میں قدم رکھ رہا تھا تو میں اپنے چچاؤں کے ہمراہ حلف المطیبین میں حاضر ہوا۔ مجھے اس معاہدے کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اس معاہدے کو میں کیسے توڑ سکتا ہوں؟"

[ابن حبان : ٤٣٧٣، ٤٣٧٤ و إسنادهٔ حسن لذاته۔ مسند أحمد : ١/ ١٩٠، ح : ١٦٥٥۔ أبو یعلیٰ : ١/ ٣٤٩، ٣٥٠، ح : ٨٤٠، ٨٤١۔ مستدرك حاکم : ٢/ ٢١٩، ٢٢٠، ح : ٢٨٧٠۔ بیهقی : ٦/ ٣٦٦، ٣٦٧، ح : ١٣٠٧٧، ١٣٠٧٩]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں شادی نہیں کی:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کوئی شادی نہیں کی حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں۔"

[مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خدیجة ام المؤمنین رضی الله عنها : ٢٤٣٦]

جمہور کے ہاں ثقہ وصدوق محدث امام المغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کوئی شادی نہیں کی حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں۔"

[طبرانی کبیر : ٢٢/ ٤٥٠، ح : ١٠٩٣ و إسنادهٔ حسن لذاته]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہ سے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟" صحابہ نے کہا: "اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خویلد کی بیٹی خدیجہ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ، عمران کی بیٹی مریم اور مزاحم کی بیٹی آسیہ ہے جو فرعون کی بیوی تھیں۔"

[مسند أحمد : ١/ ٢٩٣، ح : ٢٦٦٨ إسناده صحیح۔ مسند أبي یعلی : ٢/ ٥٥٧،

ح : ۲۷۱٤ و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ۱۸٥/۳ إسناده صحيح۔ ابن حبان : ۷۰۱۰ إسناده حسن لذاته]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب جبریل علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خدیجہ آ رہی ہیں، ان کے پاس برتن میں سالن اور کھانا پینا ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو انھیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیجیے اور انھیں جنت میں ایسے محل کی خوشخبری دے دیجیے جو ایک ہی موتی سے بنایا گیا ہے، اس میں نہ شور وشغب ہوگا اور نہ مشقت وتھکاوٹ ہوگی۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبی ﷺ خديجة و فضلها، رضی الله عنها : ۳۸۲۰۔ ابن حبان : ۷۰۰۹ إسناده صحيح]

وہ دیکھو! پیکر امانت آ گیا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب قریش نے حجر اسود کو اٹھا کر (کعبہ کے کونے میں نصب کرنے کا) ارادہ کیا تو وہ اس معاملے میں جھگڑا کرنے لگے (کہ کون سا قبیلہ اس سعادت کو حاصل کرے) اس کے بعد انھوں نے کہا: ''ہمارے درمیان (اس جھگڑے) کا فیصلہ وہ کرے گا جو اس راستے سے سب سے پہلے (کعبہ کی جانب) نکلے گا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''سب سے پہلے جو شخص ان لوگوں پر نکلے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو ایک چادر میں ڈالا پھر اس چادر کو تمام قبائل نے اٹھایا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں نوجوان تھے اور ابھی نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے۔''

[مستدرك حاكم : ٤٥٨/۱، ٤٥٩، ح : ۱٦۸٤ إسناده حسن لذاته۔ مسند أبی داوٗد الطيالسی : ۱۰۸/۱، ح : ۱۱٥ إسناده حسن لذاته، خالد بن عرعرة صدوق حسن الحديث وثقه العجلی وابن حبان والحاكم والذهبی بتصحيح حديثه۔ مستدرك : ۲۹۱/۲، ح : ۳۱٥٤]

ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ جب قریش نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ پکار اٹھے: ((قَدْ جَآءَ الْأَمِيْنُ))

[طبرانی أوسط : ۵۰/۳، ح : ۲٤٤۲ و إسناده حسن۔ مسند أحمد : ٤۲٥/۳، ح : ۱٥٥۱۰ و إسناده حسن لذاته]

''وہ امانتدار آ گیا۔''

سیرت نگار مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تمام قبائل چادر اٹھا کر نصب کرنے کی جگہ کے قریب لے آئے تو رسول کریم ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر مقررہ جگہ رکھ دیا اور یوں قریش کا جھگڑا جناب رسول امین ﷺ نے ختم کروا دیا۔

غیر اللہ کا ذبیحہ کھانے سے انکار:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل نے شام کی طرف سفر کیا تا کہ وہ دین حق اور اس کے پیروکاروں کا پتا چلائیں چنانچہ وہ وہاں یہودیوں کے ایک بڑے عالم سے ملے۔ اس عالم سے ان کے دین کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ شاید میں تمھارا دین قبول کر لوں لہٰذا مجھے اپنے دین کے بارے میں بتلایئے۔ یہودی عالم نے کہا: ''آپ ہمارا دین اختیار نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اللہ کے غضب میں سے اپنا حصہ نہ لے لیں۔'' اس پر جناب زید رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کے غضب سے تو بھاگتا ہوا یہاں آیا ہوں، مجھ میں ہمت نہیں کہ میں اللہ کے غضب میں سے معمولی سا حصہ بھی لوں لہٰذا آپ براہ کرم! کسی اور کی طرف میری راہنمائی کر دیجیے۔'' اس پر یہودی عالم کہنے لگا: ''میں سوائے دین حنیف کے کسی دین کو نہیں جانتا۔'' حضرت زید نے پوچھا: ''دین حنیف کیا ہے؟'' یہودی عالم نے کہا: ''ابراہیم علیہ السلام کا دین کہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے اور نہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتے تھے۔''

اب یہاں سے حضرت زید نکلے اور سیدھے ایک عیسائی عالم سے جا ملے۔ اس سے بھی اسی طرح ہم کلام ہوئے جس طرح یہودی سے ہوئے تھے۔ عیسائی عالم نے کہا: ''آپ ہمارے دین کو اختیار نہیں کر سکتے یہاں تک کہ اللہ کی لعنت میں سے اپنے حصے کی لعنت نہ لے لو۔'' حضرت زید نے کہا: ''میں تو اللہ کی لعنت سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں اور میں اللہ کی لعنت میں سے کچھ بھی اٹھا نہیں سکتا اور نہ اللہ کے غضب سے کچھ بھی اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں لہٰذا بہتر ہے کہ آپ میری راہنمائی کہیں اور کر دیجیے۔'' عیسائی عالم نے کہا: ''میں کسی دین کو نہیں جانتا سوائے دین حنیف کے۔'' جناب زید نے کہا: ''وہ دین حنیف کیا ہے؟'' عیسائی عالم نے جواب دیا: ''ابراہیم علیہ السلام کا دین کہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے اور نہ وہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت کرتے تھے۔'' چنانچہ جب زید نے یہود و نصاریٰ کی باتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سنا تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور جب باہر آئے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أُشْھِدُكَ أَنِّیْ عَلٰی دِیْنِ إِبْرَاھِیْمَ))

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب زید بن عمرو بن نفیل : ۳۸۲۷]

''اے اللہ ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔''

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں :''میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا وہ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے کھڑے کہہ رہے تھے :''اے قریش کے لوگو! اللہ کی قسم ! تم لوگوں میں سے میرے علاوہ کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔'' اسی طرح بیٹی پیدا ہونے پر جو کوئی اسے اپنی بے عزتی خیال کرتا اور اسے زندہ درگور کرنے کی کوشش کرتا تو حضرت زید اس آدمی سے کہتے :''اس بچی کو قتل نہ کر، میں اس بچی کے تمام اخراجات برداشت کرتا ہوں۔'' پھر وہ ایسا بھی کرتے کہ اس بچی کو باپ سے لے لیتے، جب بچی پرورش پا کر جوان ہو جاتی تو حضرت زید اس بچی کے باپ سے کہتے :''اگر تو چاہے تو میں اس بچی کو تیرے حوالے کر دیتا ہوں اور اگر چاہے تو تجھے اس کے تمام اخراجات بھی دینے کو تیار ہوں۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل : ۳۸۲۸]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :''اللہ کے رسول ﷺ پر ابھی وحی کے نزول کا آغاز نہ ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ کے قریب بلدح کے نشیب میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات کی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا تو آپ ﷺ نے دسترخوان پر آنے والے کھانے کو تناول کرنے سے انکار کر دیا، پھر جناب زید (جو وہاں موجود تھے وہ بھی) کہنے لگے :

((إِنِّیْ لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰی أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ))

''میں بھی اس چیز کو نہیں کھاؤں گا جس کو تم اپنے آستانوں پر ذبح کرتے ہو، میں تو صرف اسی چیز کو کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔''

قریش جو اپنے جانور ذبح کرتے تھے حضرت زید ان کے بارے میں انھیں خوب لتاڑتے اور کہتے :''اللہ نے بکری کو پیدا کیا، اسی اللہ نے بکری کے لیے آسمان سے پانی اتارا، اسی اللہ نے اس بکری کے لیے زمین سے چارا اگایا، پھر تم لوگ اللہ کے غیر کا نام لے کر اس بکری کو

ذبح کرتے ہو۔'' زید یہ بات قریش کی اس (شرکیہ) حرکت کا انکار کرتے ہوئے اور اسے ایک بڑا گناہ سمجھتے ہوئے (بغرض تبلیغ کہتے)۔

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل : ٣٨٢٦]

قارئین کرام! توحید انسان کی فطرت میں ہے جبکہ شرک غیر فطری عمل ہے۔ انسان اللہ کی دی ہوئی سوچ اور محض دماغ ہی کو کام میں لائے تو وہ شرک نہیں کر سکتا۔ حضرت زید نے اپنے دماغ سے کام لیا تو وہ شرک سے بچ گئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ سوچے کہ آخر وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے؟ کائنات کا خالق کون ہے؟ جو شخص یہ نہیں سوچتا وہ حیوان ہے اور جو انسان سوچے گا وہ بالآخر توحید کو پالے گا لیکن اللہ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے نبوت کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شخص جس تک نبوت کی روشنی نہیں پہنچی اور اس نے اپنی فطرت کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا اور وہ حق تلاش کرنے کے لیے کوشاں ہوا، اسے اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت سے نوازے گا کیونکہ اللہ اپنے بندے پر مہربان ہے، ظلم نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کی فضیلت میں فرمایا:

((يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُمَّةً وَحْدَهُ))

[مستدرك حاكم : ٢١٦/٣، ٢١٧، ح :٤٩٥٦ إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى: ٤١٧/١، ٤١٨، ح : ٩٦٩ إسناده حسن لذاته۔ كشف الاستار عن زوائد البزار: ٢٨٢/٣/١، ح : ٢٧٥٣]

''وہ قیامت کے دن ایک امت بن کر آئے گا۔''

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ کی پہچان ہو جائے وہ اللہ کی مخلوق کے لیے نرم ہو جاتا ہے اور ان کے حقوق کی پاسبانی کے لیے سرگرم ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت زید بچیوں کے حقوق کے لیے سرگرم ہوئے جبکہ مشرک انتہائی سنگ دل ہوتا ہے۔

نبوت اور دعوت

پہلی وحی آنے سے پہلے محمد کریم ﷺ کی کیفیت :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''میں روشنی دیکھتا ہوں، آواز سنتا ہوں، مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مجھے جنون نہ ہو جائے۔'' اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے عبداللہ کے بیٹے! اللہ کریم ایسا نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے۔'' پھر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں۔ ورقہ کے سامنے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صورتحال بیان کی، جسے سن کر ورقہ کہنے لگے: ''اگر محمد (ﷺ) سچے ہیں تو پھر یہ (روشنی دکھلانے والا اور آواز سنانے والا) وہی ناموس (جبریل علیہ السلام) ہے جیسا ناموس موسیٰ علیہ السلام کا تھا، اگر یہ رسول بنا دیے گئے اور میں زندہ رہا تو:

فَسَأُعَزِّزُهٗ .... ''میں ان کو مضبوط کروں گا۔''

وَ أَنْصُرُهٗ .... ''اور ان کی مدد کروں گا۔''

وَ أُوْمِنُ بِهٖ .... ''اور ان پر ایمان لاؤں گا۔''

[مسند أحمد : ۱/۳۱۲، ح : ۲۸۵۴ و إسناده حسن لذاته۔ طبرانی کبیر : ۱۲/۱٤٤، ح : ۱۲۸۳۹ و إسناده حسن لذاته]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''پہلی چیز جس کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا، وہ سچا خواب تھا۔ آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ اسی طرح ظاہر ہوتا جس طرح رات میں سے صبح کی روشنی پھوٹ کر پھیل جاتی ہے، پھر آپ ﷺ کی طبیعت میں خلوت کی محبت بٹھا دی گئی چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں خلوت نشین ہو جایا کرتے اور وہاں کئی کئی راتیں عبادت میں مصروف رہا کرتے۔ وہاں رہنے کے لیے اپنی ضروریات کا سامان لے جاتے اور پھر جو کبھی

دوبارہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹ کے آتے تو پہلے کی طرح ضروریات زندگی کا سامان ساتھ لے جاتے۔ آخر کار حق آپ ﷺ کے پاس آ گیا اور اس وقت بھی آپ ﷺ غار حرا ہی میں تھے۔"

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی...... الخ : ۳]

چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا اور آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ مکہ میں تیرہ سال رہے، مدینہ میں دس سال گزارے اور جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی۔"

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ...... الخ : ۳۹۰۲، ۳۸۵۱]

پہلی وحی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں: "پھر آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آ گیا، جناب جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ ﷺ سے کہا: ((اِقْرَأْ)) "پڑھیے۔" آپ ﷺ نے کہا: ((مَا أَنَا بِقَارِئٍ)) "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" آپ ﷺ بتلاتے ہیں: "اس نے مجھے پکڑ کر بھینچا یعنی زور سے دبایا، اس سے میری ہمت جاتی رہی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھیے۔" میں نے پھر وہی بات کہی: ((مَا أَنَا بِقَارِئٍ)) "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" اب اس نے مجھے دوسری بار پکڑا اور بھینچا حتیٰ کہ میری طاقت جواب دے گئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ تو دیا لیکن پھر وہی بات: ((اِقْرَأْ)) "پڑھیے۔" میں نے بھی وہی بات دہرا دی ((مَا أَنَا بِقَارِئٍ)) "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" اب اس نے مجھے تیسری بار پکڑ کر بھینچا اور پھر چھوڑتے ہوئے کہا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ ﴾

[العلق : ۹۶/۱ تا ۳]

"اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا، انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔"

اللہ کے رسول ﷺ رسالت کا یہ پیغام لے کر لوٹے تو آپ کا دل دھڑک رہا تھا، آپ

حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور کہا:

((زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ))

''مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ پر کمبل ڈال دیا حتیٰ کہ گھبراہٹ کی کیفیت جاتی رہی، اب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساری صورتحال بتلائی اور کہا:

((لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ فَقَالَتْ لَهٗ خَدِیْجَةُ : كَلَّا وَاللّٰهِ ! مَا يُحْزِنُكَ اللّٰهُ اَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِي الضَّيْفَ وَ تُعِيْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ))

''مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے۔'' اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، آپ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے وسیلہ لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان کی خدمت و تکریم کرتے ہیں اور ظالم و زور آور غاصبوں کے دباؤ کے باوجود آپ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔''

اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو ہمراہ لیا اور اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس لے گئیں۔ ورقہ وہ شخص تھے جنھوں نے جاہلیت کے دور میں عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا۔ وہ عبرانی زبان کے کاتب تھے، چنانچہ بتوفیق الٰہی انجیل کو بھی عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ اب بوڑھے اور نابینا تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا:

''اے چچا کے بیٹے! ذرا اپنے بھتیجے کی بات سننا۔''

ورقہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: ''اے میرے بھائی کے بیٹے! آپ نے جو دیکھا وہ بتلایئے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے جو دیکھا تھا وہ سارا بتلا دیا۔ اب ورقہ آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''یہ تو وہی ناموس (خیر کا رازدان) ہے جس کو اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت (جب آپ ﷺ نبی ہوں گے) جوان

ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔"
آپ ﷺ نے یہ سن کر تعجب سے پوچھا: "کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے (حالانکہ میں تو ان میں معزز، سچا اور امانتدار معروف ہوں)؟" ورقہ نے کہا: "ہاں! ایسا ہی ہوگا کیونکہ جو شخص بھی آپ ﷺ کی طرح حق لے کر آیا لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ اگر مجھے آپ کی نبوت کا وہ دور (جس میں لوگ آپ کے دشمن بنیں گے) مل گیا تو میں ہر طرح سے آپ کی مدد کروں گا۔" پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ورقہ فوت ہو گئے اور کچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ بھی رکا رہا۔"

[بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء ...... الخ : ٣]

حضرت جبریل علیہ السلام فضا میں کرسی پر تشریف فرما ہو گئے:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وحی کا وقفہ ہوا تو وقفے کے حالات اللہ کے رسول ﷺ نے بیان کرتے ہوئے ہمیں بتلایا:

"ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، میں نے اپنا سر آسمان کی جانب اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا، وہ آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں ایک کرسی پر تشریف فرما ہے۔ میں اس سے دہشت زدہ ہو کر گھر لوٹ آیا اور کہا: "مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔" پھر اللہ نے یہ آیتیں نازل کیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ ﴾

[المدثر : ٧٤/١ تا٥]

"اے (محمد!) جو کمبل اوڑھے سو رہے ہو، اٹھیے اور ڈرایئے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے۔"

[بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ...... الخ : ٤]

سخت سردی میں پیشانی مبارک پسینے سے شرابور:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: "اے اللہ کے رسول! ﷺ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟" آپ ﷺ نے بتلایا:

”وحی نازل ہوتے وقت کبھی مجھ کو گھنٹی کی سی آواز محسوس ہوتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بڑی شاق ہوتی ہے، جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میرے دل و دماغ پر (جبریل کے ذریعے سے) نازل شدہ وحی محفوظ ہو جاتی ہے اور کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے تو جو وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ”میں نے سخت سردی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور جب اس کا سلسلہ موقوف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے پسینا بہنے لگ گیا۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی...... الخ : ۲]

سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا مَعَهُ إِلَّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَ امْرَأَتَانِ وَ أَبُوْبَكْرٍ))

[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ ((لو كنت متخذا خليلا)) : ٣٦٦٠]

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے ساتھ (ایمان لانے والوں میں صرف) پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام کا اظہار کیا:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ② ابوبکر رضی اللہ عنہ ③ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ④ سمیہ ام عمار رضی اللہ عنہا
⑤ صہیب رضی اللہ عنہ ⑥ بلال رضی اللہ عنہ ⑦ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ۔“

[مصنف ابن أبي شيبة : ٣٣٨/٧، ح : ٣٦٥٨٢ إسناده حسن لذاته]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((أَوَّلُ مَنْ صَلَّى مِنَ النَّاسِ بَعْدَ خَدِيجَةَ عَلِيٌّ))

''حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے علی نے نماز ادا کی۔''

[طبقات ابن سعد : ۱۵/۳ إسناده حسن لذاته ۔ مسند أحمد : ۳۳۱/۱، ۳۳۲، ح : ۳۰۶۲ و إسناده حسن لذاته ابوبلج صدوق حسن الحديث، وثقه الجمهور]

بعض علماء نے ان مختلف دلائل میں یوں تطبیق دی ہے کہ بڑوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، لڑکوں میں سے سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ جناب علی رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور غلاموں میں سے سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

[ترمذی، كتاب مناقب، باب (أول من صلى على ...... الخ)، قبل ح : ۳۷۳۵ ۔ البداية والنهاية : ۳۳/۳]

کوہ صفا پر چڑھ کر اعلانیہ دعوت :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ [الشعراء : ۲۱۴/۲۶]

''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

تو اللہ کے رسول ﷺ گھر سے نکلے یہاں تک کہ کوہ صفا پہ چڑھ گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے آواز لگائی : ((يَا صَبَاحَاهُ!)) (یہ جملہ ایسے موقع پر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے بولا جاتا تھا جب کوئی عظیم واقعہ رونما ہو جاتا) اب لوگوں نے کہا : ''یہ کیا ہے؟'' اور پھر وہ آپ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟))

''لوگو! تمھارا کیا خیال ہے اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ گھوڑوں کا ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے نکلنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا جانو گے؟''

سب نے کہا :

((مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا))

''ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔''

یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر میں تمھیں سخت ترین عذاب سے ڈراتا ہوں۔''

یہ سن کر ابولہب کھڑا ہو کر کہنے لگا: ''تیری تباہی ہو! کیا تو نے ہمیں اس کام کے لیے جمع کیا تھا؟'' تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی:

﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥ ﴾[اللھب : ۱۱۱/ ۱تا۵]

''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں اور وہ (خود بھی) ہلاک ہو۔ نہ اس کا مال اس کے کسی کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا، وہ جلد ہی بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے، اس کی گردن میں مضبوط بٹی رسی ہوگی۔''

[بخاری، کتاب التفسیر سورۃ ﴿ تبت یدآ أبی لھب﴾ : ۴۹۷۱۔ مسلم کتاب الإیمان، باب فی قوله تعالٰی : ﴿ و أنذر عشیرتك الأقربین﴾ : ۲۰۸]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ پر ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر اعلان کرنے لگے:

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا ـ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ ! لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَ يَا صَفِيَّةُ ! عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. وَ يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ! سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِيْ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))

[بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿ و أنذر عشیرتك ....﴾ : ۴۷۷۱]

''اے قریش کے لوگو! اللہ کی اطاعت کے ذریعے اپنی جانوں کو اس کے عذاب سے بچاؤ، (اگر تم کفر و شرک سے باز نہ آئے تو) اللہ کے ہاں میں تمھارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے عبد مناف کی اولاد! اللہ کے ہاں میں تمھارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔

اے عباس بن عبدالمطلب! اللہ کی بارگاہ میں...... میں تمھارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔
اے اللہ کے رسول کی پھوپھی، صفیہ! میں اللہ کے یہاں تمھیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مجھ سے لے لو لیکن اللہ کی جناب میں میں تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔''

توحید کی دعوت سے باز نہ آؤں گا چاہے سورج کا کوئی شعلہ لے آؤ:

حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''قریش کے لوگ میرے باپ ابو طالب کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا: ''تیرے بھائی کے بیٹے نے ہماری مجلسوں میں اور کعبہ میں ہمارا جینا حرام کر دیا ہے لہٰذا وہ جو ہمیں دعوت دیتا ہے اسے اس سے روک لو۔'' ابو طالب نے اپنے بیٹے سے کہا: ''اے عقیل! جاؤ اور محمد (ﷺ) کو بلا کر لاؤ۔'' اب میں وہاں سے نکلا اور آپ (ﷺ) کو سخت گرمی میں ظہر کے وقت لے آیا۔ آپ ﷺ جب تشریف لے آئے تو جناب ابو طالب نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے میرے بھتیجے! تیرے ان چچا زاد بھائیوں کا خیال ہے کہ آپ ان کی مجلسوں اور ان کی عبادت گاہوں میں ان کو تکلیف پہنچاتے ہو لہٰذا اس سے رک جاؤ۔'' اس پر اللہ کے رسول (ﷺ) نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہا: ''اس سورج کو دیکھ رہے ہو؟'' قریش نے کہا: ''ہاں!'' تب آپ (ﷺ) نے جواب دیا:

((مَا أَنَا بِأَقْدَرَ أَنْ أَدَعَ لَكُمْ ذٰلِكَ عَلٰى أَنْ تَسْتَشْعِلُوا لِيْ مِنْهَا شُعْلَةً))

''میں تمھیں یہ دعوت دینے سے رک جاؤں، اس کا تو مجھے اختیار ہی نہیں، خواہ تم میرے لیے سورج کا ایک شعلہ روشن کر دو۔''

اور ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

((وَاللّٰهِ ! مَا أَنَا بِأَقْدَرَ أَنْ أَدَعَ مَا بُعِثْتُ بِهِ مِنْ أَنْ يَّشْتَعِلَ أَحَدُكُمْ مِّنْ هٰذِهِ الشَّمْسِ شُعْلَةً مِنْ نَارٍ))

[طبراني أوسط : ٨/ ٢٥٢، ٢٥٣، ح : ٨٥٥٣ و إسناده حسن لذاته، ابراهيم ابن أبي

سوید من ثقات المسلمین (الجرح والتعدیل : ۲/ ۷۰، ۳۷۷]

''جس دعوت توحید کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے میں اس سے باز آ جاؤں، اللہ کی قسم! مجھے تو اس کا اختیار ہی نہیں، خواہ کوئی اس سورج کی آگ سے کوئی شعلہ روشن کر دے۔''

جناب رسالت مآب ﷺ کے اس دوٹوک اعلان پر ابو طالب قریش مکہ سے کہنے لگے:

''ہم اپنے بھتیجے کو نہیں چھوڑیں گے لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔''

[مسند أبي يعلى : ۶/ ۳۹، ح : ۶۷۷۱ و إسناده حسن لذاته۔ التاريخ الكبير للبخاري : ۶/ ۳۶۱، ۳۶۲، ح : ۹۵۶۷۔ طبراني كبير : ۱۷/ ۱۷۴، ح : ۵۱۱۔ طبراني أوسط : ۸/ ۲۵۲، ۲۵۳، ح : ۸۵۵۳ و إسناده حسن لذاته]

لا الہ الا اللہ کی بدولت عرب وعجم کی فتح:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب جناب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قریش ان کے پاس آئے اور اللہ کے رسول ﷺ بھی جناب ابو طالب کے پاس عیادت کو آئے۔ ابو طالب کے سر کے قریب ایک نشست تھی چنانچہ ابوجہل آیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ اس نے بیٹھتے ہی جناب ابو طالب سے کہا: ''کیا آپ نے اپنے بھتیجے کو نہیں دیکھا کہ ہمارے مشکل کشاؤں کی توہین سے باز آتا ہی نہیں۔'' اس پر جناب ابو طالب نے رسول کریم ﷺ سے کہا: ''میرے بھائی کے بیٹے! تیرا اپنی قوم سے کیا مطالبہ ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّیْ أُرِیْدُ مِنْهُمْ كَلِمَةً وَاحِدَةً تَدِیْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَ تُؤَدِّی الْعَجَمُ إِلَیْهِمُ الْجِزْیَةَ))

''میں ان سے صرف ایک کلمے کا تقاضا کرتا ہوں، اگر یہ اسے تسلیم کر لیں تو سارا عرب ان کے سامنے ڈھیر ہو جائے گا اور عجم ان کی خدمت میں (مفتوح ہو کر) جزیہ لے کر حاضر ہو گا۔''

انھوں نے پوچھا: ''صرف ایک ہی کلمہ ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! صرف ایک

کلمہ ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے چچا! تم سب کہہ دو: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ))'' اس پر قریش کے لوگ کہنے لگے: ''کیا سارے مشکل کشاؤں کی بجائے صرف ایک ہی مشکل کشا؟'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

﴿ صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝١ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝٢ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝٣ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝٤ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝٥ ﴾

[ص : ۳۸ / ۱ تا ۵]

''ص، قرآن کی قسم! جو سراسر نصیحت ہے، بلکہ یہ کافر تو تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان سے قبل ہم کئی قومیں ہلاک کر چکے ہیں پھر ایسا ہوا کہ (عذاب کے وقت) وہ پکارنے لگے، حالانکہ وہ نجات کا وقت نہ تھا۔ کافر متعجب ہیں کہ انھی میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا ہے اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو ساحر ہے بڑا جھوٹا، اس نے تو سب الٰہوں کو ایک ہی الٰہ بنا ڈالا، یہ کیسی عجیب بات ہے۔''

[مصنف ابن أبی شیبة : ۷ / ۳۳۳، ح : ۳۶۵۵۳ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ۱ / ۲۲۷، ۲۲۸، ح : ۲۰۰۸۔ وإسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۶۶۸۶ إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ۲ / ۴۳۲، ح : ۳۶۱۷۔ السنن الكبریٰ للنسائی : ۵ / ۲۳۵، ح : ۸۷۶۹ و إسناده حسن لذاته]

اللہ کے رسول ﷺ نے واضح کر دیا کہ ''لا الہ الا اللہ'' کا کلمہ دعوت و تبلیغ بھی ہے اور تلوار اور جہاد بھی ہے۔

چنانچہ مشرکین مکہ توحید کی دعوت سے بھی خائف تھے اور اس بات سے بھی ڈر رہے تھے کہ اگر یہ دعوت پھیل گئی تو اسلام کی حکمرانی قائم ہو جائے گی اور ہماری چودھراہٹ ملیا میٹ ہو جائے گی کیونکہ محمد (ﷺ) تو ابھی سے عرب و عجم فتح کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔

قریشیو! سن لو! میں تمھیں ذبح کرنے آیا ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''کعبہ کے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار جمع تھے۔ میں بھی ان کے پاس وہاں موجود تھا۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں

شروع کر دیں۔ کہنے لگے: ''اس شخص نے ہمیں بہت تکلیفیں پہنچائی ہیں اور ہم نے نہیں دیکھا کہ ان تکلیفوں پر جس قدر ہم نے صبر کیا کسی اور نے بھی کبھی کیا ہو یہ شخص ہمارے دانشوروں کو بے عقل کہتا ہے، ہمارے باپ دادا کو گالیاں دیتا ہے، ہمارے دین میں عیب جوئی کرتا ہے، ہمارے اتحاد میں اس نے تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے مشکل کشاؤں کو گالیاں دیتا ہے، ہمیں تو اس شخص نے ایک بہت بڑی مصیبت سے دو چار کر دیا ہے۔''

یہ لوگ ایسی ہی باتیں کر رہے تھے کہ کعبہ میں ان کے پاس اللہ کے رسول ﷺ بھی آگئے۔ آپ ﷺ سیدھے چلنے لگے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو ہاتھ لگایا اور کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ طواف کرتے ہوئے جب آپ ﷺ ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر ازراہ مذاق باہم آنکھوں سے اشارے کیے۔ اس حرکت کا جو ردعمل اللہ کے رسول ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ہوا، اسے بھی ان لوگوں نے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ دوسری بار بھی گزر گئے مگر جب آپ ﷺ تیسری بار گزرے اور انھوں نے وہی حرکت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَتَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ))

''اے قریش کے لوگو! کیا تم سنتے نہیں، اس رب کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں تمھیں ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں۔''

یہ جملہ قریشی سرداروں پر ایسا تازیانہ ثابت ہوا کہ وہ سب یوں ساکت و جامد ہو گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، حتیٰ کہ صورتحال یہ تھی کہ ان سرداروں میں سے جو سب سے زیادہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تھا، وہ اللہ کے رسول ﷺ کو دعائیں دینے لگا، نرمی اور اطمینان سے باتیں کرنے لگا اور آخر میں کہنے لگا: ''اے ابو القاسم (ﷺ)! آپ کوئی نادان تھوڑے ہی ہیں، آپ تو بھلائی والے ہیں لہٰذا ان کو چھوڑ دیجیے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ جب اگلا دن ہوا تو یہ قریشی سردار پھر وہیں

جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا تو اب یہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''ذرا کل کا منظر یاد کرو جو تم نے محمد (ﷺ) کے ساتھ کیا اور محمد (ﷺ) نے تمھیں جو جواب دیا......؟ اور یاد کرو پھر جب تمھاری درگت بنی تو تم نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا۔'' الغرض، وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ جناب رسول کریم ﷺ تشریف لے آئے، اب آپ ﷺ کو دیکھتے ہی سارے مل کر آپ ﷺ کی طرف لپکے۔ آپ ﷺ کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کہنے لگے: ''تو ہی وہ شخص ہے نا جس نے یہ بات کہی اور یوں بھی کہا، مشکل کشاؤں کی عیب چینی کی اور ہمارے دین میں بھی کیڑے نکالے؟'' آپ ﷺ نے یہ سن کر کہا: ''ہاں! میں ہی وہ شخص ہوں جو یہ کہتا ہے۔'' چنانچہ میں نے اس وقت ایک شخص (عقبہ بن ابی معیط) کو دیکھا کہ وہ اپنی چادر پکڑے مجمع میں گھس کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس خطرناک صورتحال میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے قریب کھڑے ہو گئے، وہ رو رہے تھے اور قریشی سرداروں کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے:

((أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ؟))

''کیا تم اس آدمی کو اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟''

اس پر وہ لوگ آپ ﷺ سے پیچھے ہٹ گئے۔ یہ تھا وہ سخت منظر جس کا مشاہدہ میں نے کیا۔''

[مسند أحمد : ٢١٨/٢، ح : ٧٠٣٦ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٦٥٦٧ و إسنادهٗ حسن لذاته]

صحیح بخاری (۳۶۷۸، ۴۸۱۵) کی ایک روایت میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط بدبخت نے اللہ کے رسول ﷺ کے گلے میں چادر ڈالی جس سے آپ کا گلا مبارک گھٹ کر رہ گیا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور اس بدبخت کو دفع کیا اور قریش کو مخاطب کر کے مندرجہ بالا الفاظ کہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک اجنبی پردیسی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب جناب ابوذر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بھائی انیس سے کہا: ''مکہ جانے کے لیے سواری تیار کرو اور اس شخص کے متعلق میرے لیے خبریں حاصل کر کے لاؤ، جو نبی ہونے کا

مدعی ہے اور کہتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ اس کی باتوں کو خود غور سے سننا اور پھر میرے پاس آنا۔'' ان کے بھائی اپنے علاقے سے روانہ ہوئے، مکہ حاضر ہو کر رسول کریم ﷺ کی باتیں خود سنیں پھر واپس جا کر انھوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرتے ہوئے بتلایا: ''میں نے انھیں خود دیکھا، وہ لوگوں کو اچھے اخلاق کا حکم کرتے ہیں اور میں نے ان سے جو کلام سنا وہ شعر نہیں۔'' اس پر ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جس مقصد کے لیے میں نے تمھیں بھیجا تھا مجھے اس پر پوری طرح تشفی نہیں ہوئی۔''

آخر انھوں نے خود توشہ باندھا، پانی سے بھرا ہوا ایک پرانا مشکیزہ ساتھ لیا اور مکہ آ گئے، مسجد الحرام میں حاضری دی اور یہاں نبی کریم ﷺ کو تلاش کیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے انھوں نے کسی سے آپ ﷺ کے متعلق پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا، کچھ رات گزر گئی...... وہ لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حالت میں دیکھا اور سمجھ گئے کہ کوئی مسافر ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''آپ میرے گھر چل کر آرام کیجیے۔'' ابو ذر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے چلے لیکن کسی نے ایک دوسرے کے بارے میں بات نہیں کی۔ جب صبح ہوئی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنا مشکیزہ اور توشہ اٹھایا اور مسجد الحرام میں آ گئے۔ یہ دن بھی یونہی گزر گیا اور وہ نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔ شام ہوئی تو سونے کی تیاری کرنے لگے۔ علی رضی اللہ عنہ پھر وہاں سے گزرے اور سمجھ گئے کہ ابھی اپنے ٹھکانے پر جانے کا وقت اس شخص پر نہیں آیا، وہ انھیں وہاں سے پھر اپنے ساتھ لے آئے اور آج کے دن بھی کسی نے ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کی۔ جب تیسرا دن ہوا اور علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ یہی کام کیا اور اپنے ساتھ لے گئے تو ان سے پوچھا: ''کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟'' ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر تم مجھ سے پختہ وعدہ کر لو کہ میری راہ نمائی کرو گے تو میں تم کو سب کچھ بتا دوں گا۔'' علی رضی اللہ عنہ نے وعدہ کر لیا تو انھوں نے انھیں اپنے خیالات کی خبر دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بلاشبہ وہ حق پر ہیں اور اللہ کے سچے رسول (ﷺ) ہیں۔ اچھا! صبح تم میرے پیچھے پیچھے میرے ساتھ چلنا، اگر میں (راستے میں) کوئی ایسی بات دیکھوں جس سے مجھے تمھارے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو میں کھڑا ہو جاؤں گا (کسی دیوار کے قریب) گویا مجھے پیشاب کرنا

ہے، اس وقت تم میرا انتظار نہ کرنا اور جب میں پھر چلنے لگوں تو میرے پیچھے آجانا تاکہ کوئی سمجھ نہ سکے کہ یہ دونوں اکٹھے ہیں اور اس طرح جس گھر میں میں داخل ہوا تم بھی داخل ہو جانا۔" انھوں نے ایسا ہی کیا اور پیچھے پیچھے چلے یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور وہیں اسلام لے آئے پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اب اپنی قوم غفار میں واپس جاؤ اور انھیں میرے بارے میں بتاؤ یہاں تک کہ جب ہمارے غلبے کا علم تم کو ہو جائے (تو پھر ہمارے پاس آ جانا)" ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان قریشیوں کے مجمع میں پکار کر کلمۂ توحید کا اعلان کروں گا۔" چنانچہ جناب ابوذر رضی اللہ عنہ یہاں سے واپس مسجد حرام میں آئے اور بلند آواز سے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔" یہ سنتے ہی سارا مجمع آپ پر ٹوٹ پڑا، ظالموں نے اتنا مارا کہ آپ کو زمین پر لٹا دیا۔ اتنے میں عباس (رضی اللہ عنہ) آ گئے۔ انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے اوپر اپنے آپ کو جھکا کر قریش سے کہا: "افسوس! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہ شخص قبیلہ غفار سے ہے اور شام جانے والے تمھارے تاجروں کا راستہ ادھر ہی سے جاتا ہے۔" اس طرح انھوں نے مشرکین کے ہاتھوں سے ان کو بچایا۔ جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے دوسرے دن دوبارہ کعبہ میں آ کر پھر اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ لوگ بری طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس دن بھی عباس رضی اللہ عنہ ان پر جھک گئے (اور انھیں بچایا)۔"

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب اسلام أبي ذر رضي الله عنه : ٣٨٦١۔ مصنف ابن أبي شيبة : ٣٣٩/٧، ٣٤٠، ح : ٣٦٥٨٧ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٧١٣٣ صحيح]

حکیم ضماد محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرنے آیا مگر......؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ضماد مکہ آیا۔ اس کا تعلق "ازدشنوءة" قبیلے سے تھا اور وہ جنات کے آسیب کا علاج کیا کرتا تھا۔ مکہ کے احمق مشرک ضماد ازدی سے کہنے لگے: "بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنوں ہے۔" اس پر ضماد ازدی کہنے لگا: "اگر میں اس بندے

(محمد ﷺ) کو دیکھ لوں تو شاید اسے اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے شفا دے دے۔'' چنانچہ ضماد ازدی اللہ کے رسول ﷺ سے ملا اور کہنے لگا: ''اے محمد! (ﷺ) میں جنات کا دم کرتا ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھ سے شفا دے دیتا ہے، اگر آپ بھی رغبت رکھتے ہیں تو میں آپ کا علاج کر دیتا ہوں۔'' اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے یہ خطبہ پڑھنا شروع کر دیا:

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ. أَمَّا بَعْدُ !))

''بلاشبہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں کہ وہ اللہ جس کو ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو (اس کی کرتوتوں کی وجہ سے) گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ سن کر ضماد ازدی اللہ کے رسول ﷺ سے کہنے لگا: ''مجھے دوبارہ یہ کلمات سنائیے۔'' آپ ﷺ نے اسے دوسری بار یہ کلمات سنائے تو وہ کہنے لگا: ''میں نے کاہنوں کا کلام بھی سنا، جادوگروں اور شاعروں کا کلام بھی سنا مگر اے محمد! (ﷺ) میں نے تیرے اس کلام جیسا کلام آج تک نہیں سنا۔ یہ کلمات تو بلاغت کے سمندر کی گہرائیوں تک پہنچ گئے ہیں۔'' پھر کہنے لگا:

((هَاتِ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ))

''اپنا ہاتھ نکالیے، میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے ہاتھ نکالا تو ضماد ازدی نے آپ ﷺ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسلام کی بیعت کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ کی قوم کی بیعت بھی ہو گئی؟'' ضماد ازدی نے کہا: ''جی ہاں! میری قوم کی بیعت بھی ہو گئی۔'' (یوں وقت گزرتا رہا پھر جب اللہ کے

رسول ﷺ مدینہ آ گئے) تو آپ ﷺ نے کہیں لشکر روانہ فرمایا، وہ لشکر ضماد ازدی کی قوم کے پاس سے بھی گزرا۔ لشکر کے کمانڈر نے اپنے لشکر سے پوچھا: ''آپ لوگوں نے (مال غنیمت کے طور پر) ان لوگوں (ضماد ازدی کی قوم) سے تو کوئی چیز نہیں لی؟'' ایک شخص نے کہا: ''میں نے ان لوگوں سے ایک لوٹا لیا ہے۔'' کمانڈر نے کہا: ''لوٹا واپس لوٹاؤ، یہ ضماد کی قوم کے لوگ ہیں۔''

[مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة :٨٦٨ ـ ابن حبان : ٦٥٦٨ و إسناده صحيح]

عورت اور دولت کے ڈھیر کی پیشکش:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ ایک روز قریش مکہ نے باہم مجلس کا انعقاد کیا تا کہ محمد (ﷺ) کا کوئی بندوبست سوچیں۔ گفتگو کے دوران قریشی کہنے لگے: ''کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو تم سب سے بڑھ کر جادو جاننے والا، تم سب سے زیادہ کہانت سے واقف اور تم سب سے زیادہ شاعری سے آگاہ ہو لہٰذا اس حقیقت کو سامنے رکھ کر کوئی ایسا ماہر شخص محمد (ﷺ) کے پاس جائے اور اسے باور کرائے کہ آپ نے ہماری جمعیت اور اتحاد ختم کر ڈالا ہے۔ ہمارے گھروں کے معاملات کو بکھیر کے رکھ دیا ہے اور ہمارے دین میں عیب اور نکتہ چینی کرنے کی انتہا کر ڈالی ہے۔ پھر ہمارا وہ نمائندہ محمد (ﷺ) سے مزید گفتگو کرے اور پھر دیکھے کہ اس کی گفتگو کا محمد (ﷺ) کیا جواب دیتا ہے؟'' اس تجویز کو تسلیم کرتے ہوئے سب کہنے لگے: ''عتبہ بن ربیعہ اس مقصد کے لیے زبردست دانشور ہے، ہم نہیں جانتے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اس مہم کا اہل ہو۔'' لہٰذا سب اتفاق کرتے ہوئے عتبہ بن ربیعہ سے کہنے لگے: ''اے ابو ولید! تو ہی اس کا اہل ہے۔'' اب ابو ولید عتبہ بن ربیعہ...... اللہ کے رسول گرامی جناب محمد کریم ﷺ کے پاس چلا آیا اور پھر نبی ﷺ اور اس کے درمیان یوں گفتگو ہوئی:

عتبہ: ''اے محمد! (ﷺ) آپ بہتر ہیں یا آپ کے والد محترم عبداللہ بہتر ہیں؟''

(آپ ﷺ خاموش رہے۔)

عتبہ: ''اچھا! تو پھر یہ بتلاؤ کہ آپ بہتر ہیں یا آپ کے دادا عبدالمطلب؟''

(آپ ﷺ خاموش رہے۔)

عتبہ: ''اے محمد! (ﷺ) اگر تو آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ سارے لوگ آپ سے بہتر ہیں تو پھر سن لیجیے! ان لوگوں نے ان بزرگ مشکل کشاؤں کی غلامی کی ہے جن پر آپ نکتہ چینی اور تنقید کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو پھر اس پر گفتگو کر لیجیے، تاکہ ہم بھی آپ کی گفتگو سے آگاہ ہو جائیں۔ باقی اے محمد! (ﷺ) اللہ کی قسم! بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں آج تک کوئی ایسا پیدا ہونے والا نہیں دیکھا کہ آپ (ﷺ) سے بڑھ کر جس سے اس کے گھر والوں نے محبت کی ہو۔ اسی طرح آپ سے بڑھ کر ہم نے ایسا بھی کوئی نہیں دیکھا کہ جو اپنی قوم کے لیے اتنا منحوس ثابت ہوا ہو۔ آپ (ﷺ) نے ہماری اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیا، ہمارے معاملات کو منتشر کر دیا، ہمارے مذہب کو نکتہ چینی کا محور بنا دیا۔ ہمیں ساری عرب دنیا میں رسوا کر کے رکھ دیا حتیٰ کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ قریش میں ایک بہت بڑا جادوگر اور کاہن ہے۔ اب ہماری قوم کی صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ جس طرح حاملہ عورت کے دن پورے ہو جاتے ہیں تو گھر کا ہر فرد منتظر ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت اس کی چیخ نکلے گی اور وہ بچہ کو جنم دے ڈالے گی ...... یہی حال ہماری قوم کا ہو چکا ہے کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر کسی بھی وقت تلواریں سونت لیں گے حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے، اے محمد! (ﷺ) آپ نے ملاحظہ کیا کہ تمھارے عمل سے ہماری قوم کس قدر خطرناک صورت حال سے دوچار ہو چکی ہے؟ لہٰذا میری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ ضرورت مند ہیں تو ہم آپ کے لیے دولت اکٹھی کرتے ہیں، اتنی دولت کہ آپ سارے قریش کے لوگوں سے بڑھ کر امیر ہو جائیں گے۔ اگر آپ کو شادی کی ضرورت ہے تو قریش کی عورتوں میں سے کسی کی طرف اشارہ کیجیے ہم اس جیسی دس دوشیزاؤں کا نکاح آپ سے کر دیں گے۔''

اللہ کے نبی ﷺ نے یہ ساری گفتگو سن کر عتبہ سے کہا: ''کوئی بات رہ تو نہیں گئی، کیا آپ نے اپنی گفتگو مکمل کر لی ہے؟'' عتبہ نے کہا: ''ہاں! میں نے اپنی بات مکمل کر لی ہے۔'' اب اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا اور سورۂ حم السجدہ کی پہلی تیرہ آیات

تلاوت فرمائیں۔

قرآن سن کر عتبہ کہنے لگا: ''اے محمد! (ﷺ) یہ جو تیرے پاس تھا یہ تو میں نے سن لیا، اس کے علاوہ کچھ اور بھی آپ کہیں گے۔'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''بالکل نہیں۔''

اب عتبہ یہاں سے اٹھا اور سیدھا قریش کی مجلس میں جا پہنچا۔ اہل مجلس نے عتبہ سے پوچھا: ''کیسی رہی بات چیت اور کیا جواب لایا ہے؟'' عتبہ کہنے لگا: ''باتیں تو میں نے بھی وہی کی ہیں جو تم محمد (ﷺ) سے کیا کرتے ہو، کوئی نئی بات تو نہیں کی۔'' اہل مجلس بولے: ''اچھا پھر یہ بتلا کہ محمد (ﷺ) نے تجھے کیا جواب دیا؟'' عتبہ کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا جو محمد (ﷺ) کہتا رہا، ہاں البتہ اتنا سمجھ میں آیا کہ جب محمد (ﷺ) نے یہ کہا:

﴿ أَنذَرْتُكُمْ صَٰعِقَةً مِّثْلَ صَٰعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴾ [حٰمٓ السجدة : ١٣/٤١]

''میں تمھیں اس زبردست چنگھاڑ والے عذاب سے ڈراتا ہوں، جس طرح کے عذاب کا شکار قوم عاد اور ثمود ہوئے تھے۔''

اہل مجلس عتبہ سے کہنے لگے:

((وَيْلَكَ يُكَلِّمُكَ رَجُلٌ بِالْعَرَبِيَّةِ فَلَا تَدْرِي مَا قَالَ))

''تیرا ستیاناس! ایک شخص تجھ سے عربی میں باتیں کرتا رہا اور تجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کیا کہتا رہا؟''

عتبہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! بالکل نہیں، محمد (ﷺ) نے جو کہا مجھے ماسوائے ''صاعقة'' کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

[مصنف ابن أبي شيبة : ٣٣١/٧، ٣٣٢، ح : ٣٦٥٤٩ إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ٢٠٣/٢، ٢٠٤ ح : ١٨١٢ إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٢٥٣/٢، ٢٥٤، ح : ٣٠٠٢ إسناده حسن لذاته۔ الذيال بن حرملة الأسدي صدوق حسن الحديث وثقه ابن حبان والحاكم والذهبي بتصحيح حديثه]

قارئین کرام! اللہ کے نبی ﷺ نے عتبہ کی بات کو پوری طرح سنا، جب وہ سنا چکا تو پھر بھی پوچھا کہ اگر کوئی بات رہ گئی ہے تو کر لے۔ اس سے سبق یہ ملا کہ مخاطب یا مخالف کی بات پوری طرح سننا چاہیے۔ بعض لوگ جلدی کرتے ہوئے درمیان ہی میں بولنا شروع کر دیتے

ہیں، پھر بحث مباحثہ شروع ہو جاتا ہے اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا۔ رسول کریم ﷺ کا اسوہ آپ نے ملاحظہ کیا، دراصل مخاطب یا مخالف اپنے اندر جو مواد بھرے ہوئے ہے وہ اگل دے تو پھر اس گفتگو کی روشنی میں اسے سمجھانا آسان ہو جاتا ہے اور اپنی بات زیادہ بہتر انداز سے بیان کی جاسکتی ہے۔ نیز اس طرح مخالف کو چپ کرایا جا سکتا ہے اور وہ بھی آرام سے بیٹھ کر سنتا ہے۔ اب وہ اس مصیبت سے دوچار نہیں ہوتا کہ میری تو بات پوری ہی نہیں ہوئی، اگر اس کی بات پوری نہ سنی جائے گی تو وہ اسی خلجان میں مبتلا رہے گا کہ اس کی بات تو ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ حضرت بول پڑے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کی سیرت کے ہر پہلو پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

جنوں نے قرآن سنا اور مسلمان ہو گئے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے نہ تو جنوں کے سامنے قرآن پڑھا اور نہ انھیں دیکھا۔ ہوا اس طرح کہ اللہ کے رسول گرامی محمد کریم ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ''عکاظ منڈی'' میں جانے کا ارادہ کیا (جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع تھی، یہاں میدان میں عربوں کا میلا لگتا تھا) شیطان جو آسمان کی خبریں چرا کر لاتے تھے اس دور میں انھیں آسمان کی خبریں چرانے سے روک دیا گیا تھا۔ وہ جونہی کوئی خبر چرانے کی کوشش کرتے تو ان پر شہاب چھوڑے جاتے۔ جب وہ جن اپنی قوم کے پاس پلٹ کر آئے تو ان کی قوم کے لوگوں نے ان سے پوچھا: ''تمھارا آسمان کا دورہ کیسا رہا؟'' انھوں نے جواب دیا: ''آسمان کی خبروں کے حاصل کرنے سے ہمیں روک دیا گیا ہے اور ہم پر شہاب چھوڑے گئے ہیں۔''

انھوں نے کہا: ''یہ جو غیر معمولی صورتحال پیدا ہو گئی ہے، یہ ایسے ہی پیدا نہیں ہوئی بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خاص واقعہ رونما ہو چکا ہے، لہٰذا اے قوم کے لوگو! زمین کے مشرقوں میں بھی جاؤ اور مغربوں میں بھی جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا خاص واقعہ رونما ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں آسمان کی خبریں لینے سے روک دیا گیا ہے۔'' چنانچہ وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کی جانب نکل کھڑے ہوئے...... ان گھومنے والوں کا ایک گروہ ''وادی تہامہ'' کی طرف بھی

آنکلا۔ عکاظ منڈی کی طرف جاتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ اس وادی ''نخلہ'' میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں جنوں کے گروہ نے قرآن کی تلاوت سنی۔ اب وہ پورے انہماک سے سننے لگ گئے تو انھوں نے کہا: ''یہ ہے وہ شخص (محمد کریم ﷺ) جس کی وجہ سے آسمان کی خبریں (فرشتوں کی باتیں) سننے سے ہمیں روکا گیا ہے۔'' اب وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے اور وہاں جا کر کہنے لگے: ''اے ہماری قوم کے لوگو!

﴿ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴾

[الجن: ۷۲/ ۱، ۲]

''ہم نے ایک عجب قرآن سنا ہے، وہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اب بات یہ ہے کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ فیصلہ یہ کر لیا ہے کہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بتلانے کے مطابق اس واقعہ کے بارے میں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو وحی کے ذریعہ باخبر فرمایا اور اللہ نے محمد کریم ﷺ کو یوں مخاطب کیا:

﴿ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴾ [الجن: ۷۲/ ۱]

''(میرے نبی!) لوگوں کو بتلادو کہ مجھے وحی کے ذریعے آگاہ کیا گیا ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے قرآن کو غور سے سنا تو وہ پکار اٹھے کہ ہم نے تو بڑا عجب قرآن سنا ہے۔''

[بخاري، كتاب التفسير، سورة ﴿ قل أوحي إلي ﴾ [باب] : ٤٩٢١]

قارئین! سورۂ جن کے علاوہ سورۂ احقاف میں بھی جنوں کے قرآن سننے کا ذکر موجود ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو جنات کے قرآن سننے، مسلمان ہونے اور پھر اپنی قوم کو عذاب سے ڈرانے کی خبر سے یوں آگاہ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴾ [الأحقاف: ٤٦/ ٢٩]

''میرے نبی! یاد کرو وہ وقت کہ جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کا رخ بدلا اور اس جماعت کو تمھارے پاس لے آئے، وہ قرآن کو بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔

جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے خاموشی سے سنو۔ پھر جب (قرآن سننے سنانے کا منظر) اختتام کو پہنچا تو یہ جن (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں کی حیثیت سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔''

تیرے لیے سونے کا محل ہو تو ایمان لائیں گے:

﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾ [الإسراء : ۱۷/ ۹۰ تا ۹۵]

''اور کہنے لگے ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دیں، یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو تو آپ اس میں جا بجا نہریں بہا دیں، یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسے آپ کا دعویٰ ہے، یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں، یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو، یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہ مانیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب اتار لائیں جس کو ہم پڑھ لیں۔ (میرے رسول!) انھیں بتلا دو! پاک ہے میرا رب، میں تو محض ایک انسان ہوں، پیغام پہنچانے والا۔ (حقیقت یہ ہے کہ) لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد انھیں ایمان لانے سے صرف یہی بات روکتی رہی کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آگاہ کر دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو ہم آسمان سے ان کے لیے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔''

روح کیا ہے؟:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش کے لوگوں نے یہودیوں سے کہا: ''ہمیں کوئی سوال بتلاؤ جو ہم محمد (ﷺ) سے کریں۔'' انھوں نے کہا: ''محمد (ﷺ) سے روح کے بارے میں سوال کرو۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾

[الإسراء: ۸۵/۱۷]

''لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں، آگاہ کر دو! روح میرے رب کا حکم ہے اور تمھیں تو بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔''

اس پر یہودی کہنے لگے: ''ہمیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے؟ حالانکہ ہمیں تو تورات دی گئی ہے جس میں اللہ کا حکم ہے اور جس کو تورات دی گئی اسے خیر کثیر سے نواز دیا گیا۔''

یہود کے اس تبصرے پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کا یہ مقام اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا:

﴿قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾ [الكهف: ۱۰۹/۱۸]

''کہہ دیجیے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا خواہ اتنی ہی اور سیاہی لائی جائے۔''

[ترمذی، کتاب تفسیر، القرآن (باب) و من سورة بنی إسرائيل: ۳۱۴۰ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد: ۲۵۵/۱، ح: ۲۳۰۹ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم: ۵۳۱/۲، ح: ۳۹۶۰۔ ابن حبان: ۹۹ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ یہود کو باور کرا رہے ہیں کہ تمھاری سوچ انتہائی محدود ہے۔ تورات اپنی جگہ تمھاری ہدایت کے لیے خیر کثیر ہے لیکن اللہ نے یہ جو کائنات بنا رکھی ہے اور اس میں بے شمار مخلوقات کو آباد کر رکھا ہے تو ان میں کارفرما اللہ کے کلمات یعنی اللہ کی قدرتوں، حکمتوں اور عجائبات کو ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیا جائے تو وہ لکھے نہ جا سکیں جیسا کہ سورۂ

لقمان میں بھی آگاہ کیا گیا کہ زمین پر موجود تمام درخت قلمیں بن جائیں اور زمین پر موجود سمندر کے علاوہ سات مزید سمندر سیاہی بن جائیں پھر ان سے اللہ کی قدرتوں کو لکھا جائے تو قلمیں گھس گھس کر ختم ہو جائیں، سیاہیاں ناپید ہو جائیں مگر اللہ کی قدرتیں اور حکمتیں ختم نہ ہوں۔

آج نت نئے انکشافات کی بنا پر سائنس کی اقسام میں متواتر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور اتنی ترقیوں اور سائنس کے بہت سارے نئے علوم کے باوجود سائنس دان کہتے ہیں کہ کسی علم کا ایک پردہ منکشف ہوتا ہے تو آگے بے شمار پردے منتظر ہوتے ہیں، یوں ہم تو ابھی کائنات میں موجود قدرتوں اور عجائبات کے آغاز ہی کو تکتے ہوئے محو حیرت ہیں۔

چاند دو ٹکڑے ہو گیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکہ کے لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ انھیں کوئی نشانی دکھائیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو چاند کا پھٹنا دکھایا۔

[بخاري، كتاب المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبي ﷺ...... الخ : ٣٦٣٧]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں پھٹ کر تقسیم ہو گیا۔ اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم سب گواہ ہو جاؤ۔“

[بخاري، كتاب المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبي ﷺ...... الخ : ٣٦٣٦ـ مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب انشقاق القمر : ٢٨٠٠]

وہ آگ کا گڑھا اور پروں والے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو جہل اپنے لوگوں سے پوچھنے لگا: ”کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں کی موجودگی میں سجدہ کرتا اور اپنا چہرہ مٹی پر رکھتا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”ہاں!“ اس پر ابو جہل کہنے لگا: ”لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی گردن کچل ڈالوں گا، یا اس کا چہرہ مٹی میں لت پت کر دوں گا۔“

چنانچہ ایک دفعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آ کر نماز پڑھنے لگے تو ابو جہل نے سجدے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کو کچلنا چاہا، وہ آگے بڑھا پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا اور ساتھ ہی وہ دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھے اپنا چہرہ بچا رہا تھا۔ لوگوں نے ابو جہل سے پوچھا: ”تجھے کیا

ہوا؟'' وہ کہنے لگا: ''میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کا گڑھا، خوف اور پروں والے حائل ہو گئے۔'' اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَو دَنَا مِنِّی لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا))

[مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب قوله ((إن الإنسان ليطغى أن رآه استغنى)) : ٢٧٩٧۔ مسند أحمد : ٢/ ٣٧٠، ح : ٨٨١٧۔ السنن الكبرىٰ للنسائي : ١٠/ ٣٣٩، ح : ١١٦١٩۔ ابن حبان : ٦٥٧١ إسناده صحيح]

''اگر وہ میرے قریب بھی آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔''

توحید کا وعظ اور ابولہب کی کمینگی :

حضرت طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سرخ لباس پہنے ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا جب کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔'' ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے پتھر برسا رہا تھا، جس نے آپ ﷺ کی ایڑیاں اور ٹخنے لہولہان کر دیے، وہ کہہ رہا تھا: ''لوگو! اس جھوٹے کی بات نہ مانو۔'' میں نے پوچھا: ''یہ شخص کون ہے؟'' مجھے بتایا گیا: ''یہ بنو عبدالمطلب کا جوان ہے۔'' میں نے پوچھا: ''یہ پیچھے سے پتھر مارنے والا شخص کون ہے؟'' مجھے بتایا گیا: ''یہ عبدالعزیٰ ابولہب ہے۔''

وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اسلام ظہور پذیر ہوا تو ہم اپنے علاقے سے نکلے اور مدینہ منورہ کے قریب ٹھہرے جب کہ ہمارے ساتھ ہمارے قبیلے کی ایک عورت بھی تھی۔ ایک دفعہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ سفید لباس میں ملبوس ایک شخص نے ہمیں سلام کہنے کے بعد پوچھا: ''کہاں سے تشریف لائے ہو؟'' ہم نے بتایا: ''ہم ربذہ مقام سے آئے ہیں۔'' ہمارے پاس ایک اونٹ تھا، اس نے سوال کیا: ''کیا تم یہ اونٹ بیچو گے؟'' ہم نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا: ''کتنی قیمت کا دو گے؟'' ہم نے کہا: ''کھجور کے اتنے صاع کا بیچیں گے۔'' اس نے ہم سے قیمت کی کمی کا مطالبہ کیے بغیر اونٹ لے لیا اور بولا: ''میں نے یہ اونٹ خرید لیا ہے۔'' اس کے بعد وہ مدینہ کی گھاٹیوں میں چھپ گیا۔ ہم ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تم نے ایک اجنبی شخص کو اونٹ فروخت کر دیا ہے۔ ہمارے قافلے میں شامل

ایک عورت نے کہا: ''آپس میں ملامت نہ کرو کیونکہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا ہے، یہ تمھیں ذلیل نہیں کرے گا، میں نے اس کے چہرے سے بڑھ کر کوئی چیز چودھویں رات کے چاند کے مشابہ نہیں دیکھی۔'' وہ بیان کرتے ہیں کہ سہ پہر کے وقت ایک شخص نے ہمارے پاس آ کر سلام کہا اور بتایا: ''میں رسول اللہ ﷺ کا ایلچی ہوں، آپ ﷺ کا پیغام ہے کہ تم سیر ہو کر کھجوریں کھاؤ اور ماپ کر قیمت کا پورا حق وصول کرو۔'' صحابی کہتے ہیں: ''ہم نے سیر ہو کر کھجوریں بھی کھائیں اور کھجوریں ماپ کر قیمت کا پورا حق وصول کیا۔''

[ابن حبان : ٦٥٦٢ إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ١٥/١ ح : ٣٩ إسناده حسن لذاته۔ مصنف ابن ابی شیبة : ٣٣٣/٧، ح : ٣٦٥٥٤ إسناده صحيح]

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باپ کی کمر سے اوجھڑی ہٹانا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول کریم ﷺ بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرما رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے ساتھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دن پہلے ہی اونٹوں کی قربانی ہوئی تھی۔ ابو جہل اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: ''تم میں سے کون ہے جو اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائے تو وہ ان کے کندھوں پر اوجھڑی رکھ دے؟'' ایک بدبخت اٹھا، اونٹ کی اوجھڑی لایا اور جب اللہ کے رسول گرامی ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑی کو آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ اس پر ابو جہل اور اس کے ساتھی ہنسنے اور ایک دوسرے کو ہنسانے لگے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا، دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش! مجھ میں ہمت ہوتی تو میں اللہ کے رسول ﷺ کی کمر مبارک سے اس اوجھڑی کو ہٹا دیتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ بدستور سجدے میں پڑے تھے۔ آپ ﷺ اپنا سر نہیں اٹھا رہے تھے حتیٰ کہ ایک شخص جلدی سے گیا اور اس نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک کم عمر بچی تھیں، وہ دوڑتی ہوئی آئیں، انھوں نے آتے ہی اپنے ابو پر سے اوجھڑی کو ہٹایا، پھر وہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو برا بھلا کہنے لگیں، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی نماز پوری کر لی تو آپ ﷺ ابو جہل

اور اس کے ساتھیوں کو بد دعا دینے لگے۔ آپ ﷺ کی آواز اونچی ہو گئی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دعا کرتے تو تین بار کرتے اور جب اپنے رب سے مانگتے تو تین بار مانگتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تین بار قریش کے لیے یہ کہتے ہوئے بد دعا کی:

« اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ »

''اے اللہ! قریش سے نبٹ۔''

ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے جب رسول کریم ﷺ کی آواز کو سنا تو ان کی ہنسی غائب ہوگئی اور وہ آپ ﷺ کی بد دعا سے ڈرنے لگے۔ اب آپ ﷺ نے سب کا نام لے کر بد دعا کی:

« اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِأَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِیْعَةَ وَ شَیْبَةَ بْنِ رَبِیْعَةَ وَالْوَلِیْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَ أُبَیِّ بْنِ خَلَفٍ وَ عُقْبَةَ بْنِ أَبِیْ مُعَیْطٍ »

''اے اللہ! ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر!''

آپ ﷺ نے ساتویں کا بھی نام لیا، وہ نام صحیح بخاری(۵۲۰) میں یوں ہے، اے اللہ! عمار بن ولید کو پکڑ! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اس رب کی قسم، جس نے محمد کریم ﷺ کو حق دے کر بھیجا! اللہ کے رسول ﷺ نے جن لوگوں کے نام لیے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ بدر کے میدان میں لاشیں بنے پڑے تھے، پھر یہ سب گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں، جس کا نام ''قلیب'' تھا، پھینک دیے گئے۔

[بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الدعاء علی المشرکین ...... الخ : ۲۹۳٤، ۲٤۰۔ طبرانی أوسط : ۲۳۲/۱، ح : ۷٦۲ حسن]

قارئین کرام! بیٹیوں کا باپ سے کچھ زیادہ ہی پیار ہوتا ہے، اسی محبت میں دوڑتی ہوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابو جان کے کندھوں سے اوجھڑی کو ہٹایا اور مشرکین کو برا بھلا کہا۔

اللہ کے رسول ﷺ کی بد دعا کا نتیجہ مولا کریم نے جہاد وقتال کے میدان میں دکھلایا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اوجھڑی رکھے جانے کے واقعہ کے گواہ تھے، وہ اس وقت تو ایک بے بس لڑکے تھے، آج عرش والے رب نے دو لڑکوں معاذ اور معوذ کے ہاتھوں ابو جہل کو

مروایا اور جب اسے ذبح کرنے کا وقت آیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کی چھاتی پہ بیٹھ گئے۔ اس وقت ابھی اس کا سانس چل رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ساتھ ابوجہل کی گردن کو ذرا نیچے سے کاٹا اور مغرور گردن کو کندھوں سے جدا کر دیا، مبارک کندھوں پر اوجھڑی رکھنے کا یہ کیا خوب بدلہ تھا، ہاں رب نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا نتیجہ بے شک کئی سال بعد دکھایا لیکن جہاد کے میدان میں مجاہدین کے ہاتھوں سے۔

جس جس پر کنکر گرا وہ میدان بدر میں مردار ہوا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ قریش کے سردار حجر یعنی حطیم (وہ جگہ جو کعبہ تعمیر کرتے ہوئے کعبہ کی عمارت میں شامل نہ کی جا سکی) میں اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے لات، عزیٰ، منات اور اساف و نائلہ کے بتوں کی قسمیں کھائیں اور عہد کیا کہ اگر ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تو ہم سارے لوگ اکٹھے ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یک بارگی جھپٹیں گے اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب تک قتل نہیں کر لیں گے چھوڑیں گے نہیں۔ اس صورتحال کا پتا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چلا تو وہ رو کر اپنے ابا جان سے کہنے لگیں: ''قریش کے ان سرداروں نے آپ کے خلاف عہد کیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی دیکھیں گے، قتل کر دیں گے، ان میں سے ہر آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے میں اپنا حصہ ڈالے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی زبان سے یہ خبر سنی تو ان سے پانی منگوا کر وضو کیا اور پھر بیت اللہ شریف میں داخل ہو گئے، سرداران قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہا: ''یہی ہیں وہ۔'' اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں جھک گئیں، ان کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں سے جا لگیں، وہ جس جگہ مجلس جما کے بیٹھے تھے وہیں مارے خوف کے کانپنے لگے۔ نہ تو ان میں سے کسی نے نگاہ اٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے کو کھڑا ہوا۔ اس کے برعکس ہوا یہ کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چل کر ان کے پاس گئے اور ان کے سروں پہ جا کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کو مٹھی میں لیا اور بلند آواز سے کہا:

((شَاهَتِ الْوُجُوهُ))

''چہروں کا ستیاناس۔''

اور یہ کنکروں بھری مٹی کی مٹھی ان پر دے ماری۔ ان کنکروں میں سے جس جس کو بھی کوئی کنکر لگا وہ بدر کے دن کفر کی حالت پر قتل ہو گیا۔

[مسند أحمد : ۳۰۳/۱، ۳۶۸ح : ۲۷٦۵إسناده حسن لذاته، ح : ۳٤۸٤ و إسناده صحيح ـ ابن حبان : ٦۵۰۲صحيح۔ مستدرك حاكم : ١٦٣/١ح : ۵۸۳]

لوہے کا لباس اور دھوپ مگر بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر احد، احد:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''وہ پہلے لوگ جنھوں نے اعلانیہ کہا کہ ہم مسلمان ہیں، وہ سات تھے:

(۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
(۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
(۳) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
(۴) حضرت عمار کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا
(۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ
(۶) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ
(۷) حضرت بلال رضی اللہ عنہ

جہاں تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے چچا ابو طالب کی حمایت کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کی وجہ سے حفاظت میں رکھا۔ باقی جو مسلمان تھے انھیں مشرکوں نے پکڑا، لوہے کے لباس پہنائے اور تپتی ریت پر دھوپ میں ڈال کر سخت اذیت سے دو چار کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے کی انتہا کر دی گئی۔ مشرکین نے ان کی اہانت کے لیے دولڑکوں کو ان کے ساتھ لگا دیا، وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ کی گھاٹیوں میں گھماتے (تاکہ لوگ ان کا حشر دیکھیں کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کا انجام کیا ہے؟) مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے باوجود احد، احد کا اعلان کرتے جاتے۔''

[مصنف ابن ابی شيبة : ۳۳۸/۷ ح : ۳٦۵۸۲ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۷۰۸۳ إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ۲۸٤/۳،ح : ۵۲۳۸ إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٤۰٤/۱، ح : ۳۸۳۱ إسناده حسن لذاته]

مشرک نے موحد کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں چادر لپیٹے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور ہمارے لیے دعا کیجیے اور مدد کی درخواست کیجیے۔'' اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم سے پہلے ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر اس موحد بندے کو اس میں گاڑ دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اسے اس کے سر کے وسط میں رکھ کر سر دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ مصیبت کا یہ پہاڑ بھی اس توحید والے کو توحید سے برگشتہ نہ کر سکتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ گوشت کو ادھیڑ دیا جاتا، نیچے ہڈیاں نظر آنا شروع ہو جاتیں مگر اہل توحید پھر بھی دین نہ چھوڑتے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

« وَاللّٰهِ ! لَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضَرَ مَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ اَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَ لٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ »

[بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام: ٣٦١٢، ٣٨٥٢]

''اللہ تبارک و تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا کرے گا حتیٰ کہ یہ وقت بھی آئے گا کہ کوئی سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا تو اسے سوائے اللہ کے کسی کا ڈر نہ ہو گا اور اسے اپنی بھیڑوں پر بھیڑیے کا خطرہ نہ ہو گا لیکن تمھارا حال یہ ہے کہ تم جلدی کر رہے ہو۔''

قارئین! یاد رہے! جب اسلام اللہ کی زمین پر مکمل طور پر غالب ہوتا ہے، اللہ کی حدود کا نظام قائم ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں امن اور سکون معاشرے کا مقدر بنتا ہے۔ چوروں، ڈاکوؤں اور راہزنوں کا کوئی خوف نہیں رہتا۔ چاہے کوئی تجارت کے لیے سونے سے بھری

اشرفیوں کی بوری ہمراہ لیے دور دراز کا سفر کرے۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا صحابہ پر جب ظلم کی انتہا ہوگئی تو اس دوران افریقہ کے ایک ملک حبشہ کی طرف مسلمانوں نے ہجرت کی، کیونکہ وہاں کا بادشاہ نیک دل اور خدا ترس تھا، آیئے! ہجرت حبشہ کے حالات ملاحظہ کرتے ہیں۔

حبشہ کی طرف ہجرت:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ (حبشہ میں ہجرت کے دن ختم ہونے کے بعد مدینہ آنے پر) حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے (عیسائیوں کے) ایک گرجے کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ انھوں نے بتلایا کہ اس گرجے میں تصویریں تھیں۔ ان تصویروں کا ذکر جب انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِنَّ اُولٰٓئِكَ اِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ، بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَاُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

[بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية......الخ : ٤٢٧]

''ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے پھر وہاں ایسی تصویریں بنا دیتے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں ساری مخلوق میں شریر ترین ہوں گے۔''

قارئین کرام! آپ نے حبشہ میں ایک منظر ملاحظہ کر لیا، جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں اور ہماری روحانی ماؤں نے دیکھا، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تبصرہ بھی ملاحظہ کر لیا جو اپنے اندر سخت ترین وعید لیے ہوئے ہے۔ ہجرت حبشہ کے باقی مناظر حدیث کی دیگر کتب میں تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ مشرکین مکہ نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کی کوشش کی مگر نجاشی نے جب اپنے دربار میں مشرکوں کے نمائندوں کا موقف سننے کے بعد مسلمانوں کا موقف سنا تو مسلمانوں کو مشرکوں کے

حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا موقف پیش کیا اور واضح کیا کہ ہم توحید کو ماننے والے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ الغرض، مسلمان اچھے طریقے سے وہاں رہتے رہے تا آنکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ نبوت کے پانچویں سال مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اس میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ اس اولین قافلہ ہجرت کے امیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں۔ مہاجرین کا یہ گروہ بحر احمر کی بندرگاہ شعیبہ سے دو کشتیوں کے ذریعے حبشہ میں داخل ہوا۔ یہ مقام جدہ کے قریب تھا۔ دوسری دفعہ مکہ سے جو لوگ ہجرت کر کے حبشہ پہنچے ان میں اسی افراد تھے۔

یمن کے رہنے والے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں کیسے پہنچے؟ ان کا تذکرہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی (۴۲۳۰، ۳۱۳۶، ۳۸۷۶، ۴۲۳۱، ۴۲۳۳) میں اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں اطلاع ملی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ) جانے لگے ہیں تو اس وقت ہم یمن میں تھے۔ ہم بھی ہجرت کی نیت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نکل کھڑے ہوئے۔ قافلے میں میں اور میرے دو بھائی بھی موجود تھے۔ میں دونوں سے چھوٹا تھا۔ میرے ایک بھائی کا نام ابو درداء تھا اور دوسرے کا ابو رہم تھا ہماری تعداد پچاس سے اوپر تھی، باون یا ترپن ہوں گے۔ میری قوم کے لوگ بھی اس قافلے میں تھے۔ ہم کشتی پر سوار ہو گئے لیکن (اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ حجاز کی بندرگاہ کی بجائے) ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لا پھینکا، وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ہو گئی۔ انھوں نے کہا ہمارے ساتھ ہی ٹھہر جاؤ چنانچہ ہم انھی کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے اور پھر ہم سارے اکٹھے ہی واپس (مدینہ منورہ) میں آئے، جب ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے۔

محمد (ﷺ) کا انکار کرو، تب قرض لوٹاؤں گا:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بتلاتے ہیں: ''میں لوہاروں والا کام کرتا تھا، عاص بن وائل نے میرا قرضہ ادا کرنا تھا۔ چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور اپنا قرض مانگا۔ عاص بن وائل مجھ سے کہنے لگا: ''تو محمد (ﷺ) کو نبی ماننے سے انکار کر دے میں تیرا قرض دے دوں گا۔'' یہ سن کر میں نے کہا: ''میں تو آپ ﷺ کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تو مرجائے اور تجھے دوبارہ اٹھایا جائے۔''

عاص بن وائل (مذاق کرتے ہوئے) کہنے لگا: ''کیا مرنے کے بعد بھی میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا؟ اچھا! تو تو پھر انتظار کر، جب میں مرنے کے بعد زندہ ہو کر اپنے مال اور اولاد کی طرف لوٹوں گا تو تب تجھے تیرا قرض دوں گا۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ ﴾ [مریم: ۱۹/ ۷۷ تا ۸۰]

''بھلا آپ نے اس شخص پر بھی غور کیا جو ہماری آیات کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد ضرور دیا جائے گا؟ کیا اسے غیب کا پتا چل گیا ہے، یا اس نے اللہ سے عہد لے رکھا ہے؟ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے ہم اسے لکھ لیں گے اور اس کا عذاب بڑھا دیں گے اور جس (مال و اولاد) کی یہ بات کرتا ہے اس کے وارث تو ہم ہوں گے اور یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا۔''

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله : ﴿ أفرأیت الذی کفر...... ﴾ الخ : ۴۷۳۲۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب سؤال الیهود...... الخ : ۲۷۹۵]

قارئین کرام! مسلمانوں کو جہاں جسمانی نقصان پہنچایا جا رہا تھا وہاں مالی نقصان سے بھی دوچار کیا جا رہا تھا، جس طرح کہ عاص بن وائل مشرک نے کیا۔ اس نے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کے عقیدے کا مذاق اڑایا اور کہا کہ اچھا تو پھر جب میں زندہ ہو جاؤں گا تو قرض کے پیسے دے دوں گا۔ اللہ کے دین کی وجہ سے آج تک اہل دین کو مالی نقصان سے دوچار کیا جا

رہا ہے، کبھی اکاؤنٹ منجمد، کبھی اثاثے ضبط اور کبھی ان کی مالی امداد پر پابندی لیکن اللہ والے نہ پہلے کبھی باز آئے تھے، نہ آج آرہے ہیں اور نہ قیامت تک آئیں گے۔

ہم بتوں کو غلاظت میں لت پت کر دیتے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اسامہ بن زید اور میں، ہم دونوں کعبہ کے گرد رکھے ہوئے قریش کے بتوں کی خبر لینے جایا کرتے تھے۔ ہم غلاظت لے کر قریش کے بتوں کے پاس جاتے اور ان بتوں کو غلاظت سے لت پت کر دیتے۔ قریش مکہ یہ دیکھ کر سیخ پا ہو جاتے اور کہتے: ((مَنْ فَعَلَ بِالِهَتِنَا ؟))

[المطالب العالية : ٤٥٧/٩، ح : ٤٦٩٥، إسناده صحيح، قاله الحافظ ابن حجر]

''ہمارے مشکل کشاؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟''

پھر وہ ان مشکل کشاؤں کو دودھ اور پانی سے دھو کر صاف کرتے۔''

قارئین کرام! جب کفار نے مسلمانوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا تو حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما جیسے بہادروں نے اپنے مذکورہ عمل سے مشرکوں کو باور کرایا کہ جن کی وجہ سے تم لوگ مسلمانوں کا جینا حرام کیے ہوئے ہو وہ تمھارے مشکل کشا تو اس قدر بے بس ہیں کہ ہم ان کے مونہوں پر گندگی ملتے ہیں اور وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے، چلو یہ نہیں تو وہ تمھیں اتنا تو بتلا دیتے کہ علی اور اسامہ (رضی اللہ عنہما) ہمارے ساتھ زیادتی کر گئے ہیں، مگر وہ تو اتنا بتلانے سے بھی قاصر ہیں تو پھر یہ:

① حاجت روا کیسے ہوئے کہ جن کے مونہوں پر غلاظت مل دی گئی؟

② مشکل کشا کیسے کہ جو اپنی ہی مشکل دور نہ کر سکے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بت شکنی:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور چلتے ہوئے کعبہ کے پاس آئے۔ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''بیٹھ جا!'' اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کندھوں پر چڑھ گئے۔ اب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر

اٹھنے لگا تو اٹھ نہ سکا۔ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ میں کمزور آدمی ہوں، اب آپ ﷺ میرے کندھوں سے اترے، خود نیچے بیٹھ گئے اور مجھے حکم دیا: ''تو میرے کندھوں پر چڑھ جا!'' میں آپ ﷺ کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ آپ ﷺ مجھے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ ﷺ کے کندھوں پر چڑھ کر میرا تصور یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے افق پر جا پہنچوں، بہرحال! اب میں خانہ کعبہ پر چڑھ گیا، وہاں پیتل اور تانبے وغیرہ کے بت رکھے ہوئے تھے، میں نے انھیں اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے اکٹھا کر کے ایک جگہ ڈھیر لگا لیا۔ اب مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: ''ان کو نیچے پھینک۔''

چنانچہ میں نے انھیں نیچے دے مارا۔ وہ ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح کرچی کرچی ہو گئے۔ تب میں نیچے اتر آیا۔ اب میں بھی اور اللہ کے رسول ﷺ بھی دوڑنے لگے حتیٰ کہ ہم آبادی میں چھپ گئے۔ ڈر اس بات کا تھا کہ مشرکوں میں سے کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔

بزار کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے کہ اس کے بعد کعبہ کی چھت پر بت نہیں رکھے گئے۔

[مسند أحمد : ۸۴/۱، ح : ٦٤٦ إسناده حسن لذاته۔ مصنف ابن أبي شيبة : ۴۰۴/۷،ح : ۳٦۸۹٦ إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ۱۵۵/۱، ح : ۲۸۷ إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرىٰ للنسائي : ۱۴۲/۵، ۱۴۳ إسناده حسن لذاته۔ كشف الأستار عن زوائد البزار : ۱۲۸/۳، ۱۲۹، ح : ۲۴۰۱ إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ۵/۳، ح : ۴۲٦۵ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد رکھی۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی عبادت کا یہ پہلا گھر ہے۔ بنو جرہم یہاں آباد ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور یوں یہ معاشرہ اللہ کی توحید پر قائم تھا۔ مدتوں بعد جس شخص نے یہاں شرک کا ارتکاب کیا وہ عمرو بن لحی الخزاعی ہے۔ یہ شخص شام سے مکہ میں بت لایا اور اس نے لوگوں کو ان کی عبادت پر لگا دیا۔ صحیح بخاری (۴٦۲۳) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھا کہ یہ شخص جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ اب دوبارہ مکہ اور سرزمین عرب کو اسی طرح توحید کا گہوارہ بنا دینا چاہتے تھے جس طرح کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دور میں تھا۔

قارئین کرام! یہ اللہ کے رسول ﷺ کا اعجاز تھا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھوں

سے پھینکے ہوئے بتوں کو پاش پاش کر دیا حالانکہ وہ تانبے اور پیتل کے تھے وہ تو یوں کرچی کرچی ہو گئے جس طرح شیشہ ہوتا ہے۔

سنت یہی ہے کہ ایسا عمل وسیع پیمانے پر اس وقت کیا جائے جب حکومت اور اختیار موجود ہو جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کیا۔ جب مسلمان کمزور اور محکوم ہوں تو حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دعوت کا کام کریں اور ایسے عمل سے بچیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے عمل سے کمزور مسلمانوں کو نقصان سے دوچار ہونا پڑ جائے۔

بہرحال حسن تدبیر ضروری ہے جسے حالات کو مدنظر رکھ کر حکمت و دانائی سے بروئے کار لانا چاہیے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کیا۔

اے اللہ! ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے ایک کو مسلمان کر دے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حضور دعا کی:

”اے اللہ! ان دو بندوں ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے اسلام کو قوت و عزت عطا فرما دے۔“

[ترمذی، کتاب المناقب، (باب فی) مناقب أبی حفص عمر بن الخطاب رضی الله عنه : ٣٦٨١ وإسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٩٥/٢، ح : ٥٦٩٨ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٦٨٨١، و إسناده حسن لذاته]

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ اَللّٰهُمَّ ! أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً ﴾

[مستدرك حاكم : ٨٣/٣، ح : ٤٤٨٥ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٦٨٨٢ حسن]

”اے اللہ! عمر بن الخطاب کے ذریعے اسلام کو خصوصی عزت بخش دے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا میڈیا کو استعمال کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو کہنے لگے: ﴿ أَيُّ قُرَيْشٍ ! أَنْقَلُ لِلْحَدِيثِ ؟ ﴾

''قریش میں سے کون ایسا آدمی ہے جو بات کو سب سے زیادہ پھیلانے کا ملکہ رکھتا ہو؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتلایا گیا کہ وہ جمیل بن معمر جمحی ہے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس جا پہنچے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے باپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا کہ دیکھوں والد گرامی کیا کرتے ہیں۔ میں ان دنوں لڑکپن میں تھا لیکن جو دیکھتا تھا اسے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ الغرض، جب والد محترم جمیل کے پاس آئے تو اسے کہنے لگے: ''اے جمیل! کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جمیل نے میرے باپ کو کوئی جواب نہ دیا، کھڑا ہو گیا اور اپنی چادر گھسیٹتا ہوا چل پڑا۔ اب میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا حتیٰ کہ جمیل چلتا ہوا کعبہ کے پاس پہنچا۔ قریش کے لوگ کعبہ کے گرد اپنی اپنی مجلسیں جما کر بیٹھے تھے۔ جمیل کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑا ہوا اور زور دار آواز سے چیختا چنگھاڑتا ہوا کہنے لگا:

''اے قریش کے لوگو! خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو اس کے پیچھے تھے، کہنے لگے: ''اس نے جھوٹ بولا ہے، میں نے تو اسلام قبول کیا ہے اور میں نے گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے لڑنے لگے اور قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہاتھا پائی کرنے لگے۔ یہ ہاتھا پائی اور دھول دھپا جاری رہا حتیٰ کہ سورج سر پر آ گیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے اور قریشی سردار آپ کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہوتے تو دو کاموں میں سے ایک ضرور ہو جاتا، یا تو ہم مکہ چھوڑ کر نکل جاتے، یا پھر تم اس شہر کو چھوڑ جاتے اور مکہ ہمارے قبضہ میں آ جاتا۔''

یہ گرما گرم گفتگو جاری تھی کہ قریش کا ایک بڑا سردار نمودار ہوا۔ اس پر ایک ایسا جبہ تھا کہ جس کے حاشیے پر یمن کی خوبصورت کڑھائی تھی جبکہ اس کے کرتے پر ریشمی گوٹہ لگا ہوا تھا، وہ اس مجلس میں آ کر کھڑا ہو گیا اور پوچھنے لگا: ''ارے بھئی! تم لوگوں کو کیا ہوا؟'' لوگ کہنے لگے:

''عمر نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔'' یہ سن کر سردار کہنے لگا: ''ارے! یہ تم کیا بات کرتے ہو، ایک شخص نے اپنی ذات کے لیے ایک چیز کو پسند کیا ہے، اب تم کیا چاہتے ہو؟ تمھارا کیا خیال ہے، بنو عدی قبیلے کے لوگ اس شخص کو یونہی تمھارے حوالے کیے رکھیں گے کہ تم جو چاہو اس کے ساتھ کرو؟ چلو، بھاگو اور اس شخص کا راستہ چھوڑ دو۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اب وہ مجمع ایسے چھٹا جیسے ایک کپڑا تھا جو والد گرامی کے وجود سے اتر گیا۔ پھر ایک مدت کے بعد کہ جب والد گرامی نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی، میں نے پوچھا: ''اے ابا جان! جس دن آپ نے اسلام قبول کیا اور وہ لوگ آپ سے لڑائی کر رہے تھے تو وہ کون آدمی تھا جس نے ان سب کو گرجدار آواز سے جھڑکا تھا؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''بیٹا! وہ شخص عاص بن وائل سہمی تھا۔''

[سیرة ابن هشام: ١/ ٣٧٤، ٣٧٥ إسناده حسن لذاته۔ البداية والنهاية : ٣/ ٢/ ٨٩ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٦٨٧٩ إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس قدر دانا اور دانشمند تھے کہ قبول اسلام کے بعد انھیں ایسا شخص درکار تھا جو ان کے اسلام کی خبر کا ڈھنڈورہ پیٹے، چنانچہ انھوں نے اس دور میں کفر کے میڈیا کا جو جرنلسٹ تھا، اسے تلاش کیا۔ اس جرنلسٹ کا نام جمیل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے خبر دی اور جمیل نے اس خبر کو فوراً کاسٹ کر دیا اور ایسی جگہ کاسٹ کیا جو سارے مکہ کا مرکز تھا یعنی کعبہ کہ جہاں قریش اپنی مجلسیں جما کر بیٹھتے تھے، چنانچہ یہاں خبر نشر ہوئی اور سارے مکہ میں پھیل گئی اور باہمی لڑائی بھڑائی نے اس خبر کو مزید چار چاند لگا دیے۔ اب مکہ اور اس کے نواح میں ہر جانب ایک ہی خبر گردش کر رہی تھی کہ عمر نے اسلام قبول کر لیا۔

اس واقعہ کی دوسری دانشورانہ بات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قبول اسلام کے پہلے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش سے یہ بات کہہ دی کہ اگر ہم تین سو ہو گئے تو پھر یا تو ہمیں مکہ چھوڑنا ہو گا یا پھر تمھیں چھوڑنا ہو گا۔ یہ بات اس طرح ثابت ہوئی کہ جب مسلمانوں کی تعداد ذرا بڑھی تو انھیں مکہ چھوڑنا پڑا، پھر تین سو تیرہ نے بدر کا معرکہ لڑا، اس کے بعد آخر کار قریش کو مغلوب ہونا پڑا اور مکہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ سے دو باتیں سامنے آئیں کہ حقائق کو دیکھتے ہوئے آپ کی نگاہ کس قدر دوررس تھی، دوسرا یہ کہ آپ نے اسلام قبول کرنے کے پہلے دن ہی اس دور کے مروج میڈیا کو کس شاندار طریقے سے استعمال کیا اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

شعب ابی طالب کی صعوبتیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب ہم (حج کے دوران) منیٰ میں تھے تو ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کل ہم بنوکنانہ کے علاقے خیف میں ہوں گے جہاں انھوں نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''یہ اس وقت ہوا تھا جب قریش اور بنوکنانہ کے قبیلوں نے بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب قبیلوں کے خلاف اس بات پر حلف اٹھایا تھا کہ وہ بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب سے نہ تو رشتے ناتے جوڑیں گے اور نہ ان سے خرید وفروخت کریں گے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو ان کے سپرد نہ کردیں۔ یہ معاہدہ انھوں نے وادی محصب میں کیا۔''

[بخاری، کتاب الحج، باب نزول النبی ﷺ مکة : ١٥٩٠۔ مسلم، کتاب الحج، باب استحباب نزول المحصب..... الخ : ١٣١٤]

قارئین کرام! سیرت کی مختلف کتب میں جو تفصیلات موجود ہیں، ان کے مطابق یہ بات قابل ذکر ہے کہ بائیکاٹ کے معاہدہ کے مطابق نبی ﷺ اور آپ کے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ ساتھ قبیلے کے ان لوگوں کو بھی آزمائش سے دوچار کردیا گیا جو مسلمان نہیں تھے۔ محض اس لیے کہ وہ محمد کریم ﷺ کو ان کے حوالے کیوں نہیں کرتے؟ تاکہ قریش محمد کریم ﷺ کو شہید کردیں۔ بائیکاٹ کے معاہدے کو بیت اللہ شریف کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس بائیکاٹ کے نتیجے میں اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کا خاندان تین سال تک شعب ابی طالب یعنی ابوطالب والی گھاٹی میں محصور ہوکر رہ گیا۔ کتب احادیث سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن سخت بھوک اور شدید فاقوں سے گزرے، دیکھیے :

[مسند أحمد : ١٢٠/٣، ح : ١٢٢١٩ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٦٥٦٠ إسناده حسن لذاته۔ مصنف ابن ابی شیبة : ٣٣٣/٧، ح : ٣٦٥٥٤ إسناده حسن لذاته۔ ترمذی : ٢٤٧٢ إسناده حسن لذاته]

مذاق کرنے والوں کے لیے دنیا ہی میں عبرت ناک سزائیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

﴿ إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴾ [الحجر : ۱۵/۹۵]

''(میرے نبی!) جو لوگ تجھے مذاق کرتے ہیں انھیں سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔''

اور فرمایا: ''نبی ﷺ کا مذاق اڑانے والے یہ لوگ تھے:

① ولید بن مغیرہ

② اسود بن عبد یغوث زہری

③ ابو زمعہ اسود بن مطلب

④ حارث بن عیطل سہمی

⑤ عاص بن وائل

حضرت جبریل علیہ السلام جناب رسول کریم ﷺ کے پاس آئے تو اللہ کے نبی ﷺ نے مذاق اڑانے والوں کی شکایت حضرت جبریل علیہ السلام سے کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ولید کو کر دیا اور اس کی بغل میں ایک رگ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت جبریل سے پوچھا: ''آپ نے (ولید کے ساتھ) کیا کیا؟''

جبریل علیہ السلام نے کہا: ''میں نے اس کو سزا دے دی۔'' اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اسود کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کر دیا اور اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے بارے میں بھی حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: ''آپ نے (اس اسود کا) کیا کیا؟'' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''میں نے اس سے نبٹ لیا۔''

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے ابو زمعہ کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کیا اور اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے کہا: ''آپ نے اس کا کیا بندوبست کیا؟'' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''میں نے اس سے بھی بدلہ لے لیا۔''

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حارث کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کیا اور اس کے سر یا پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: ''میں نے اس سے بھی انتقام لے لیا۔''

اسی طرح عاص کا گزر ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے پاؤں کے تلوے کی جانب اشارہ کیا اور کہا: "میں نے اس کو بھی دبوچ لیا۔"

- ولید کو سزا اس طرح ملی کہ خزاعہ قبیلے کا ایک شخص جو اپنے تیروں کو ترتیب دے رہا تھا، اس کے پاس سے ولید کا گزر ہوا تو ایک تیر اس کی بغل کے نیچے رگ پہ جا لگا اور اس نے رگ کو کاٹ دیا۔
- اسود بن مطلب اندھا ہو گیا۔
- اسود بن عبد یغوث سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ اس کے سر میں زخم ہو گئے جن کی وجہ سے وہ مر گیا۔
- حارث سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ زرد پانی نے حارث کو گھیر لیا، وہ اس کے پیٹ میں داخل ہو گیا اور صورت حال یہ ہو گئی کہ اس کا پاخانہ اس کے منہ سے نکلنے لگا پھر وہ اس سے مر گیا۔
- عاص کو سزا اس طرح ملی کی اس کے سر میں اس طرح کا پھوڑا نکلا جس طرح کا ایک کانٹے دار پودا حجاز کے ریگستان میں اگتا ہے، اس کانٹے دار حجازی پودے کی طرح کا پھوڑا اس کے سر میں نکلا، سارے سر میں پھیل گیا اور وہ اس سے مر گیا۔ عاص کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر طائف کی طرف نکلا، گدھا کودا، اس نے اس کو کانٹوں پر گرا دیا، کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں پیوست ہو گیا اور وہ اسی سے مر گیا۔"

[دلائل النبوة للبيهقي : ۳۱۶/۲ تا ۳۱۸ و إسناده حسن لذاته۔ و السنن الكبرىٰ له : ۸/۹ ح : ۱۷۷۳۱ و إسناده حسن لذاته۔]

عاص کا تمسخر کہ کیا اللہ اس کو زندہ کرے گا؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عاص بن وائل نے بطحا کے علاقے سے ایک بوسیدہ ہڈی کو پکڑا اور اسے ہتھیلی پر رکھ کر مسل دیا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا:

((يَا مُحَمَّدُ ! أَيَبْعَثُ اللّٰهُ هٰذَا بَعْدَ مَا أَرَمَ ؟))

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ اس کو اس قدر بوسیدگی کے بعد زندہ کرے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً جواب دیا:

((نَعَمْ يَبْعَثُ اللّٰهُ هٰذَا يُمِيتُكَ ثُمَّ يُحْيِيكَ ثُمَّ يُدْخِلُكَ نَارَ جَهَنَّمَ))

''ہاں! اللہ اسے زندہ کرے گا، وہ تجھے مارے گا پھر تجھے زندہ کرے گا پھر تجھے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔''

فرمایا: پھر یہ آیات نازل ہوئیں:

''کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا، پھر وہ صریح جھگڑالو بن گیا۔ وہ ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے اور اپنی تخلیق کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیاں کون زندہ کرے گا؟ کہہ دیجیے وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر تخلیق جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمھارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی کہ جس سے تم آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ ذات، جس نے ارض و سماوات کو پیدا کیا، اس پر قادر نہیں کہ وہ (دوسرے) ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں! وہی سب پیدا کرنے والا اور سب جاننے والا ہے۔ اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اسے فرماتا ہے کہ ''ہوجا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

[یٰس : ۳٦/۷۷ تا ۸۳]

[مستدرك حاكم: ۲/٤۲۹، ح: ۳٦۰٦ إسناده حسن لذاته۔ تفسیر ابن کثیر: ٤/۳۰٦ إسناده حسن لذاته]

اللہ نے ایک نابینے شخص کی خاطر پوری سورت نازل کر دی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ''سورۂ عبس ایک نابینے شخص ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میری راہنمائی کیجیے۔'' اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مشرک سرداروں میں سے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اب رسول کریم ﷺ ابن ام مکتوم سے قدرے اعراض کر رہے تھے اور اس دوسرے (مشرک سردار) پر توجہ مرکوز کر رہے تھے اور اسے (توحید پر لانے کے لیے) کہہ

رہے تھے: ''میں جو دعوت دے رہا ہوں اس میں تجھے کیا خرابی نظر آتی ہے؟'' چنانچہ اس واقعہ کے بارے میں سورۂ عبس نازل ہوئی۔''

[مسند أبي يعلى : ٤/٢٥٢، ٢٥٣، ح ٤٨٢٩ إسناده صحيح۔ ترمذي، كتاب تفسير القرآن، (باب) و من سورة عبس : ٣٣٣١ إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ٢/٥١٤، ح : ٣٨٩٦ صحيح۔ ابن حبان : ٥٣٥ إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! اللہ کے نبی ﷺ کا ارادہ بھی تھا کہ مشرک سردار اسلام پر آجائے جبکہ اسی دوران عبداللہ ابن ام مکتوم آگئے۔ اللہ کے رسول ﷺ اس سے اس لیے اعراض کرتے رہے کہ یہ تو اپنا ساتھی وصحابی ہے، مومن ہے، اس کے ساتھ پھر بھی بات ہوسکتی ہے، پہلے اس مشرک کو تو سمجھا لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول ﷺ کا یہ انداز پسند نہ آیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لیے پوری سورت نازل فرما دی۔

اس سورت نے قیامت تک کے لیے ان معترضین کا بھی منہ بند کر دیا جو یہ کہتے تھے کہ قرآن کو محمد (ﷺ) نے خود بنایا ہے۔ دیگر بے شمار دلائل میں سے مندرجہ بالا سورت بھی ایک دلیل ہے کہ اگر محمد کریم ﷺ نے یہ قرآن خود بنایا ہوتا تو اس قرآن میں یہ سورت موجود نہ ہوتی، چنانچہ اس سورت کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے محمد کریم ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اور جو پیغام بھی وحی کی صورت میں اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، آپ ﷺ نے بلا کم وکاست اسے آگے پہنچا دیا۔

قارئین کرام! قرآن کے آخری پارے میں اس سورت کو پڑھیے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر جھوم جھوم جائیے۔

مسلمانوں کی خواہش کہ عیسائی مجوسیوں پر غالب آجائیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رومی عیسائیوں کو ایرانی مجوسیوں کے مقابلے میں شکست پر شکست ہوتی چلی گئی۔ اس پر مشرکین مکہ نے بہت خوشیاں منائیں، اس لیے کہ جس طرح کے یہ بت پرست تھے ویسے ہی فارس کے مجوسی تھے، جبکہ مسلمانوں کی چاہت یہ تھی کہ رومی فتح حاصل کریں، اس لیے کہ کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے اس صورتحال کا تذکرہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّهُمْ سَيَغْلِبُوْنَ))

''رومی عنقریب غالب آجائیں گے۔''

اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کو آگاہ کر دیا کہ عنقریب رومی عیسائی غالب آجائیں گے۔ اس پر مشرکین نے کہا: ''اس پر شرط بھی باندھ لو اور مدت بھی مقرر کرلو، اگر اس مدت میں ہم جیت گئے تو تم سے اتنا مال لیں گے اور اگر تم جیت گئے تو ہم تم کو اتنی مقدار میں مال دیں گے۔'' اب پانچ سال کی مدت کا تعین ہوا۔ جب یہ مدت پوری ہوگئی اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پریشانی کا اظہار کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے نو سال کی مدت کیوں نہ مقرر کی؟'' حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بِضْعَ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کا اطلاق دس سے کم تعداد پر ہوتا ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ نو سال کے اندر اندر رومی غالب آگئے اور قرآن مجید نے جو پیش گوئی کی تھی، وہ پوری ہوگئی۔ قرآن مجید کی پیشگوئی یہ تھی:

﴿ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ [روم : ۳۰/۱ تا ۵]

''الم، رومی مغلوب ہوگئے، قریب کی سرزمین میں، تاہم وہ مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں پھر غالب آجائیں گے۔ اس (شکست) سے پہلے بھی اللہ ہی کا حکم چلتا تھا اور بعد میں بھی اسی کا چلے گا اور (جب رومیوں کو فتح ہوگی تو) اس دن مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ انھیں بھی اللہ کی مدد حاصل ہوگی۔ اللہ جسے چاہے نصرت بخشتا ہے اور وہ سب پر غالب، رحم کرنے والا ہے۔''

[مستدرك حاكم : ۲/۴۱۰، ح : ۳۵۴۰ حسن۔ مسند أحمد : ۱/۲۷۶، ۳۰۴، ح : ۲۴۹۵، ۲۷۷۰۔ صحيح، ترمذى، كتاب التفسير، (باب ومن) سورة الروم : ۳۱۹۳، ۳۱۹۴، حسن۔ طبرانى كبير : ۱۲/۲۹۔ دلائل النبوة للبيهقى : ۲/۳۳۰، ۳۳۱]

قارئین کرام! جب ایرانیوں نے فتح حاصل کی اور مشرکین مکہ خوش ہوئے تو اس وقت سورۂ روم کی مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور مشرکین کے درمیان مکالمہ ہوا اور شرط باندھی گئی۔ دوسری روایات میں ہے کہ یہ جو شرط باندھی گئی اس وقت ابھی شرط کے حرام ہونے کا حکم نہیں آیا تھا اور شرط میں مال..... اونٹنیوں کی شکل میں تھا۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے پیش نظر ''بِضع'' کے قرآنی لفظ کے مطابق مدت میں اضافہ کروایا تھا تو مشرکین کے کہنے پر اونٹنیوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر لیا تھا۔ پہلے دس اونٹنیوں کی شرط تھی، اب سو کی ہوگئی، چنانچہ رومیوں کا بادشاہ ہرقل جو مجوسیوں کے بادشاہ کے ہاتھوں اپنے پایۂ تخت قسطنطنیہ (استنبول) میں محصور ہو گیا تھا، بالآخر محاصرہ توڑ کر نکلا اور پھر اس نے کسریٰ ایران کو شکست دے دی۔ اس مہم پر نو سال کا عرصہ لگا، جب رومی فتح یاب ہوئے تو مسلمان اس روز خوش ہوئے اور قرآن مجید کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔ یوں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شرط جیت لی اور جیتی ہوئی شرط کی اونٹنیاں صدقہ کر دیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس روز رومی فتح یاب ہوئے اس روز بہت سے مشرکین ایمان لے آئے کہ قرآن ایک سچی کتاب ہے، جس کی کہی ہوئی پیش گوئی مقررہ مدت کے اندر اندر پوری ہوگئی۔

جناب ابوطالب کی لا الہ الا اللہ سے محرومی:

حضرت مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آ گیا تو اللہ کے رسول محمد کریم ﷺ ان کے پاس آئے۔ اس وقت ابو طالب کے پاس ابوجہل بھی بیٹھا تھا، عبداللہ بن ابو امیہ بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ابو طالب کو مخاطب کر کے کہا:

((يَا عَمِّ ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ))

''چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، میں اللہ کے حضور آپ کے حق میں اس کلمے کی گواہی دوں گا۔''

یہ سن کر ابو جہل اور عبداللہ بن ابو امیہ کہنے لگے:

((يَا أَبَا طَالِبٍ ! أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ))

''اے ابو طالب! کیا تو عبدالمطلب کی ملت سے روگردانی کرے گا؟''

چنانچہ رسول کریم ﷺ متواتر ابو طالب کو لا الہ الا اللہ کہنے پر زور دیتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے، حتیٰ کہ ابو طالب نے ان سے جو آخری بات کہی وہ ''ملت عبدالمطلب'' کی بات کہی اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اس صورتحال میں اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے:

((أَمَا وَاللّٰهِ ! لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ))

''(چچا جان! صورتحال تو یہی ہے کہ آپ لا الہ الا اللہ نہیں کہہ رہے، اس کے باوجود) اللہ کی قسم! میں بہر صورت آپ کے لیے اس وقت تک بخشش مانگتا رہوں گا جب تک کہ مجھے آپ کے بارے میں ایسا کرنے سے منع نہیں کر دیا جاتا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ [التوبة : ۱۱۳/۹]

''نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش طلب کریں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی کہ مشرکین جہنمی ہیں۔''

[بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا قال المشرك عند الموت ...... الخ : ۱۳۶۰]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا سے کہا:

((قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، میں آپ کے لیے قیامت کے دن یہ کلمہ کہنے کی شہادت دوں گا۔''

اس پر ابو طالب رسول کریم ﷺ سے کہنے لگے:

«لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ ـ يَقُولُونَ : إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ الْجَزَعُ ـ لَأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ»

''بھتیجے ! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا ڈر نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ گھبراہٹ نے ابو طالب کو لا الہ الا اللہ کہنے پر مجبور کر دیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾

[القصص : ٥٦/٢٨]

''(اے نبی!) جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ ہی ہے جو جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

[مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی صحة إسلام من حضره الموت...... الخ : ٢٥/٤٢]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ''ابو طالب تو فوت ہو گئے۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

«اِذْهَبْ فَوَارِهِ»

''جاؤ انھیں دفن کر دو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

«اِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا»

''وہ ایک مشرک کی حیثیت سے فوت ہوئے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا: ''جاؤ اور ان کو دفن کر دو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب میں نے انھیں دفن کر دیا اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''غسل کر لو۔''

[النسائی، کتاب الطهارة، باب الغسل من مواراة المشرك : ١٩٠ إسناده صحیح۔ أبوداود : ٣٢١٤، صحیح ۔ مسند أحمد : ١٠٣/١، ١٣٠، ١٣١، ح ٨٠٧، إسناده حسن لذاته۔ السدی هوالکبیر وهو صدوق حسن الحدیث و ثقه الجمهور]



حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا کا ذکر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''ممکن ہے انھیں قیامت کے دن میری شفاعت فائدہ پہنچا دے تو انھیں جہنم میں ایسی جگہ رکھا جائے جہاں آگ صرف ٹخنوں تک پہنچ پائے۔ یہ آگ جو ٹخنوں تک پہنچے گی تو اس سے ان کا دماغ کھول اٹھے گا۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب : ٣٨٨٥]

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے چچا کے کیا کام آسکے کہ وہ تو آپ کی حفاظت کے لیے چار دیواری بن جایا کرتے تھے اور آپ کی وجہ سے آپ کے ستانے والوں پر غضب ناک ہوا کرتے تھے؟ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَّارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ))

''وہ جہنم کی اس جگہ ہیں جہاں آگ ٹخنوں تک ہی رہتی ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوتے۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب : ٣٨٨٣]

قارئین کرام ! ثابت ہوا جہنم کے بھی کئی درجات ہیں اور کفر کی بھی درجہ بندی ہے، جیسا کفر ہوگا ویسا ہی جہنم میں درجہ ہوگا۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ حق کو پہچاننے کے باوجود بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ بندہ اپنی برادری کے طعنوں وغیرہ سے گھبرا کر حق قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

ابو طالب کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا پیار تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے چچا سے بے پناہ پیار تھا۔ اس محبت کا اندازہ دونوں جانب سے بخوبی ہوتا ہے۔ ابوطالب کو معلوم تھا کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش اسی بات سے ہوں گے کہ میں لا الہ الا اللہ کہہ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کروں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چچا جان کے انکار کے باوجود فرماتے ہیں کہ جب تک میرا اللہ مجھے منع نہ کردے میں چچا کے لیے مغفرت کی دعا جاری رکھوں گا، مگر ان ساری محبتوں میں ''لا الہ الا اللہ''

حائل ہو گیا، یعنی ایمان نہ ہوگا، توحید پلے نہ ہوگی تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ اپنے فیصلوں میں خوب عدل کرنے والا، بے پروا ہے۔

قارئین کرام! آیئے! اب طائف کا دلفگار منظر ملاحظہ کرتے ہیں، جہاں اللہ کے رسول ﷺ توحید کی دعوت دینے گئے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ طائف کی گھاٹی میں:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: ''کیا احد کے دن سے بڑھ کر بھی کوئی سخت دن آپ پر آیا ہے؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: عائشہ! تمھاری قوم قریش نے مجھ پر مصیبتوں کے کتنے ہی پہاڑ گرائے ہیں لیکن سب سے بڑی مصیبت کی جو چٹان مجھ پر گری وہ ان لوگوں کی جانب سے طائف کی گھاٹی میں اس وقت گری جب میں نے (وہاں کے سردار کنانہ) بن عبد یالیل بن عبد کلال کے ہاں اپنے آپ کو پیش کیا تھا، لیکن میں نے جس ارادے کا اظہار کیا اس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا، چنانچہ میں وہاں سے رنجیدہ ہو کر جدھر کو میرا رخ تھا ادھر ہی کو چل دیا، پھر جب مجھے کچھ قرار آیا تو میں ''قرن الثعالب'' کے مقام پر تھا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے، میں نے سر اٹھاتے ہوئے نظر دوڑائی تو اس میں سے جناب جبریل نمودار ہوئے، انھوں نے مجھے آواز دے کر کہا:

《إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ وَ قَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ》

''آپ (ﷺ) کی قوم نے جناب کو جو جو کہا اور آپ سے جو سلوک کیا، اللہ نے وہ سب کچھ سن لیا ہے، اب آپ (ﷺ) کی جانب پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ آپ (ﷺ) ان منکرین کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں، اس کا حکم پہاڑوں کے فرشتے کو کر دیں۔''

《فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ ذٰلِكَ فِيمَا

شِئْتَ، اِنْ شِئْتَ اَنْ اُطْبِقَ عَلَیْهِمُ الْاَخْشَبَیْنِ ››

''اب پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دیتے ہوئے سلام کیا اور کہا: ''اے محمد! (ﷺ) آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں، اگر آپ (ﷺ) پسند فرمائیں تو میں مکہ کے دو پہاڑ (ابوقبیس اور قیقعان) کے درمیان اہل طائف کو (چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آٹے کی طرح) پیس کر رکھ دوں۔''

اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے پہاڑوں کے فرشتے کو جواب دیا:

‹‹ بَلْ اَرْجُوْ اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلاَبِهِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا ››

''نہیں، بلکہ میں تو امید لگائے بیٹھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف ایک اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے اور وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے۔''

[بخاری، کتاب بدءُ الخلق، باب اذا قال أحد کم: آمین والملائکۃ فی السماء.....الخ: ۳۲۳۱]

قارئین کرام! جناب ابوطالب فوت ہو گئے تھے، وہ اللہ کے رسول ﷺ کی حمایت میں مشرکین مکہ کی تکالیف کے سامنے ایک رکاوٹ تھے، یہ رکاوٹ ہٹنے کے بعد مشرکین مکہ زیادہ دلیر ہو گئے تھے، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ سے طائف کا سفر پیدل اختیار کیا۔ مسافت ۹۰ کلو میٹر تھی۔ پیدل چلتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ سفر اس لیے کیا کہ شاید طائف کے لوگ توحید کی دعوت قبول کر کے حمایتی اور سہارا بن جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن ثقیف قبیلے کے سرداروں نے آپ ﷺ کی بات سننے ہی سے انکار کر دیا۔ اوباشوں کو پیچھے لگا دیا جو پتھر مار رہے تھے۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ یہاں سے نکلے ''قرن الثعالب'' میں پہنچے تو وہاں حضرت جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور اہل طائف کو تباہ کرنے کی پیشکش ہوئی مگر قربان جاؤں رسول رحمت ﷺ پر کہ پتھر کھا کر بھی آپ ﷺ نے دعائیں دیں۔ ان دعاؤں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ثقیف قبیلے کے لوگ بالآخر مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے۔ حجاج بن یوسف

اسی قبیلے کا تھا جس نے محمد بن قاسم ثقفی کو سندھ میں راجہ داہر کی سرکوبی کے لیے بھیجا، چنانچہ سندھ فتح ہوا اور ہندوستان کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کے حلم، حوصلے اور دعاؤں کی برکت سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ آج کے علماء، مبلغین اور داعیوں کو بھی ایسے ہی حلم اور حوصلے عطا فرمائے۔ (آمین!)

حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما سے نکاح:

ثقہ تابعی عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں: ''مدینہ کی جانب ہجرت کرنے سے تین سال قبل رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی وفات کے بعد دو سال یا دو سال کے قریب قریب عرصے میں کوئی شادی نہیں کی۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا پھر جب (مدینہ میں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی تو ان کی عمر نو سال تھی۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی ﷺ عائشة...... الخ : ۳۸۹۶]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں (اور تقریباً دو سال کا عرصہ گزر گیا) تو حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا، جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، نے جناب رسول کریم ﷺ سے کہا:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَلَا تَزَوَّجُ ؟))

''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) کیا آپ شادی نہیں کریں گے؟''

آپ ﷺ نے جواب دیا: ''کس سے؟'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''ایک رشتہ کنواری کا ہے اور ایک بیوہ کا، کنواری ایسے شخص کی بیٹی ہے جس کا باپ اللہ کی ساری مخلوق میں سے آپ (ﷺ) کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اس رشتے سے میری مراد عائشہ ہے اور بیوہ سے مراد زمعہ کی بیٹی سودہ ہے۔''

[مسند أحمد : ۶/ ۲۱۰، ۲۱۱، ح : ۲۵۷۷۹ إسنادہ حسن، قاله محققو مسند أحمد (۴۲/ ۵۴) طبرانی کبیر : ۲۳/ ۲۳ ح :۵۷، ۲۴/ ۳۰، ۳۱، ح : ۸۰ وإسنادہ حسن لذاته]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک دوسری روایت میں اگلا قصہ یوں ہے کہ اللہ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے کہا: ''پھر جاؤ اور میرے لیے یہ دونوں رشتے مانگو۔''

چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر چلی گئیں اور پھر ان کی بیوی سے کہا: ''اے ام رومان! کیا نصیبے ہیں تمھارے کہ اللہ نے تم پر خیر و برکت کی برکھا برسادی ہے۔'' ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: ''وہ خیر و برکت کیا ہے؟'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''مجھے اللہ کے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کے رشتے کے لیے بھیجا ہے۔'' حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: ''تھوڑی دیر انتظار کر لے، ابوبکر کو آلینے دے۔''

اب ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ وہ آئے تو خولہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: ''اے ابوبکر! کیا خوش بختی ہے آپ کی کہ اللہ کریم نے آپ پر بھلائی اور برکت کی بارش نازل کر دی ہے۔'' جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ بھلائی اور برکت کیا ہے؟'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ میں ان کے لیے عائشہ کا رشتہ مانگوں۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کیا یہ رشتہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درست بھی ہے؟ کیونکہ عائشہ محمد کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھائی کی بیٹی ہے۔''

اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ بات رکھی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی، یہ بات سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''واپس ابوبکر کے پاس جاؤ اور جا کر انھیں میری طرف سے یہ کہو: ''میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ میرے بھائی ہیں (لیکن حقیقی نہیں کہ جس سے بھتیجی اپنے چچا پر حرام ہوتی ہے بلکہ) ہم اسلامی بھائی ہیں، لہٰذا آپ کی بیٹی میرے لیے جائز ہے۔''

اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا واپس جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف گئیں اور انھیں جا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے آگاہ کیا، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت سن کر کہنے لگے: ''آپ بیٹھیے میں ابھی آیا۔'' اور پھر گھر سے نکل گئے۔ اس دوران ام رومان رضی اللہ عنہا حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگیں: ''بات یوں ہے کہ مطعم بن عدی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے

رشتے کا تذکرہ ایک بار اپنے بیٹے کے لیے کیا تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم! انھوں نے جو بھی وعدہ کیا، اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی۔''

دوسری جانب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدھے مطعم بن عدی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت مطعم بن عدی کے پاس اس کی بیوی بھی موجود تھی، امکان ہے کہ اس کا بیٹا بھی موجود ہوگا۔ وہ خاتون حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: ''اگر تمھارے ساتھ رشتہ داری ہوگئی تو لگتا ہے تم میرے میاں کو بھی بے دین بنا کر اپنے اس دین میں داخل کر لو گے کہ جس دین کو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔''

یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مطعم بن عدی سے کہا: ''یہ عورت جو کہہ رہی ہے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے؟'' مطعم بن عدی نے فوراً جواب دیا: ''ہاں! وہ تو پھر یہی کہہ رہی ہے۔''

یہ جواب سنتے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے نکل آئے اور وہ بات جو جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی کہ انھوں نے وعدہ کیا ہوا ہے، اسے اللہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل سے اڑا دیا۔ اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (مطعم بن عدی اور اس کی بیوی کا جواب سن کر سیدھے) اپنے گھر آئے اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے: ''جایئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے ''ہاں'' کر دیجیے۔'' چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا گئیں اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں۔ اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال تھی (نکاح ہوگیا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی مدینہ جا کر ہوئی)۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ایک کام مکمل کرنے کے بعد اب دوسرے کے لیے نکل کھڑی ہوئیں اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا پہنچیں۔ وہاں جا کر بھی انھوں نے وہی جملہ دہرایا کہ اللہ نے تم پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیے ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''کون سے خیر و برکت کے دروازے؟'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ میں آپ کو شادی کا پیغام دوں۔'' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''مجھے تو یہ پسند ہے مگر تم میرے باپ کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو۔'' ان کے باپ اس قدر بوڑھے اور ضعیف تھے کہ وہ حج سے بھی پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس گئیں اور انھیں وہ

سلام کہا جو دور جاہلیت میں مروج تھا۔ بوڑھے بزرگ زمعہ پوچھنے لگے: ''یہ عورت کون ہے؟'' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو بتلایا کہ یہ حکیم کی بیٹی خولہ ہیں۔ اب زمعہ پوچھنے لگے: ''کس مقصد کے لیے آنا ہوا؟'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مجھے محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے بھیجا ہے کہ میں سودہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگوں۔'' زمعہ کہنے لگے: ''وہ تو لطف و کرم کی عمدہ مثال ہیں، تیری یہ سہیلی (سودہ) کیا کہتی ہے؟'' خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اسے تو یہ پسند ہے۔'' اب زمعہ کہنے لگے: ''سودہ کو ذرا میرے پاس بلا۔'' حضرت خولہ نے انھیں آواز دی۔ وہ آئیں تو زمعہ اپنی بیٹی سے کہنے لگے:

''بیٹی! یہ خولہ کہہ رہی ہے کہ محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے انھیں بھیجا ہے کہ وہ تیرا رشتہ مانگ رہے ہیں، محمد (ﷺ) لطف و کرم کی عمدہ مثال ہیں، کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ میں تیری شادی ان سے کر دوں؟'' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''جی ہاں!'' اب زمعہ کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) کو بلا لائیے۔'' چنانچہ رسول کریم ﷺ تشریف لے آئے اور زمعہ نے سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ ﷺ سے کر دی۔

[مسند أحمد: ٦/٢١٠، ٢١١، ح: ٢٦٢٨٨۔ طبرانی کبیر: ٢٣/٢٣، ٢٤، ح: ٥٧۔ ٢٤/٣٠، ٣١ ح: ٨٠ إسناده حسن لذاته]

اپنی پناہ اپنے پاس رکھو، مجھے اللہ کی پناہ کافی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے ماں باپ کو اسلام پر پایا۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ رسول کریم ﷺ ہمارے گھر نہ آئے ہوں۔ آپ صبح و شام تشریف لاتے، پھر جب مسلمان آزمائشوں میں گھر گئے تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کرتے ہوئے سرزمین حبشہ کی طرف نکلے۔ جب آپ یمن کے علاقے "برك الغماد" میں پہنچے تو وہاں ابن دغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ ابن دغنہ عرب کا سردار تھا۔ اس نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ابوبکر! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب ارادہ یہی ہے کہ اللہ کی زمین میں چلوں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔''

ابن دغنہ کہنے لگا: ''ابوبکر! آپ جیسے انسان کو نہ تو اپنے علاقے سے نکلنا چاہیے اور نہ

نکالنا چاہیے۔ آپ تو ایسے شخص ہیں جو بے وسیلہ لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان کی تکریم کرتے ہیں اور مشکلات کے باوجود حق کی بات کرتے ہیں۔ آیئے! میں آپ کو پناہ مہیا کرتا ہوں، آپ اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں۔'' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس پلٹ آئے۔ اب مکہ شہر میں ابن دغنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گیا۔

ابن دغنہ عشاء کے وقت قریش کے سرداروں کے پاس جا جا کر اعلان کرتا رہا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی یہاں سے نکل کر نہیں جائے گا نہ انھیں نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تم ایسے آدمی کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہو جو معاشرے کے بے بس لوگوں کو کما کر دیتا ہے، رشتہ ناتا جوڑ کے رکھتا ہے، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان کی عزت و مدارات کرتا ہے اور حالات خواہ کیسے ہوں، بات حق کی کرتا ہے۔''

قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو چیلنج نہیں کیا، البتہ ابن دغنہ سے یہ کہا: ''ابوبکر کو یہ کہہ دے کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں رہ کر کرے، وہیں نماز پڑھے اور گھر میں جو چاہے پڑھے مگر ان عبادتوں کو سرعام ادا کر کے ہمیں مصیبت میں نہ ڈالے، کیونکہ ہمیں لگتا ہے کہ جب یہ علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھتا ہے تو ہماری عورتیں اور بچے فتنے میں پڑ جاتے ہیں۔'' یہ باتیں ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیں کہ وہ ان باتوں کا خیال رکھیں، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرتے رہے، نماز اعلانیہ ادا کرنے سے رکے رہے اور قرآن مجید بھی اپنے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنے سے رکے رہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لیں، چنانچہ انھوں نے مسجد بنا لی اور وہاں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ اب مشرکوں کی عورتوں اور ان کی اولادوں کا ہجوم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارد گرد جمع ہو جاتا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز دیکھ کر اور تلاوت سن کر بڑا تعجب کرتے۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حال بھی یہ تھا کہ وہ بہت ہی زیادہ رونے والے آدمی تھے۔ جب وہ قرآن پڑھتے تو انھیں اپنی آنکھوں پر کوئی اختیار نہ رہتا۔ مشرکین میں سے قریش کے جو سردار تھے وہ اس صورت حال



سے گھبرا اٹھے۔ ان سب نے ابن دغنہ کو بلا بھیجا۔

ابن دغنہ ان کی مجلس میں آیا تو ان سرداران قریش نے اس سے کہا: ''آپ نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو جو پناہ دی تھی تو ہم نے اس پناہ کو اس شرط پر قبول کیا تھا کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں گے لیکن انھوں نے اس حد سے تجاوز کر لیا اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالی۔ اس مسجد میں اعلانیہ نماز اور سر عام قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اب ہمیں خوف پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہماری عورتوں اور ہماری اولادوں کو فتنے میں ڈال دے گا، لہٰذا آپ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو اس سے منع کر دیجیے اور کہیے کہ اگر آپ اس بات پر قائم رہتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کریں تو بے شک کریں لیکن اگر وہ انکار کریں کہ وہ اعلانیہ کریں گے تو پھر ان سے صاف صاف کہہ دیجیے کہ وہ آپ کا ذمہ آپ کو واپس لوٹا دیں۔ اے ابن دغنہ! اگر آپ ایسا نہ کر سکے تو ہمیں مجبوراً آپ کا ذمہ توڑنا پڑے گا۔ یاد رکھیے! ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اعلانیہ ایسا کرتا رہے، ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید بتلاتی ہیں کہ اب ابن دغنہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں نے آپ سے جو معاہدہ کیا تھا، اب اگر آپ اپنے آپ کو اس معاہدے کے اندر محدود رکھتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میرا ذمہ مجھے واپس لوٹا دیجیے، کیونکہ مجھے یہ بات بالکل گوارا نہیں کہ عرب دنیا یہ بات سنے کہ میں نے ایک آدمی سے معاہدہ کیا اور اسے توڑ دیا گیا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں تمھاری پناہ تمھیں واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کی پناہ پر خوش ہوں، جو بڑی عزت اور جلال کا مالک ہے۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبیﷺ و أصحابه إلی المدینة : ۳۹۰۵۔ ابن حبان : ۶۸۶۸ و إسناده صحیح۔ مسند أحمد : ۱۹۸/۶، ۱۹۹، ح : ۲۶۱۴۴ و إسناده صحیح]

قارئین کرام! ماحول کس قدر بھی جاہلانہ اور دین کے لیے ناموافق کیوں نہ ہو، اس سب کچھ کے باوجود بھی اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ اس ماحول میں رہنے والے قدرے سلیم الفطرت لوگ اہل حق کے مددگار اور معاون بن جائیں، البتہ اہل حق اور دعوت دینے والوں کا

کردار بہت صاف ستھرا اور اجلا ہونا چاہیے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے یہی درس ملتا ہے اور آج کے دور میں بھی اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو عہد کیا تھا وہ اس پر قائم رہے۔ انھوں نے جو کچھ بھی پروگرام بنایا وہ اپنے گھر کے اندر ہی بنایا، باہر نہیں بنایا، لیکن جب مشرکین نے گھر کے صحن سے دعوت توحید پھیلتی دیکھی تو وہ برداشت نہ کر سکے اور پھر ابن دغنہ بھی مشرک سرداروں کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا، چنانچہ اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے حلیف کی منت سماجت نہیں کی بلکہ انتہائی وقار کے ساتھ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا، لیکن جب تک ابن دغنہ کی حمایت میسر رہی اسے خواہ مخواہ ترک بھی نہیں کیا بلکہ اس سے فائدہ اٹھایا اور ساتھ ساتھ اپنے دین کی اشاعت کا راستہ بھی نکالا۔ اگر کوئی داعی اور مبلغ ایسے ہی حالات کا شکار ہو جائے جیسے حالات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے تو اس داعی اور مبلغ اسلام کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار مشعل راہ ہے۔



آسمانوں کی سیر اور مکہ چھوڑنے کی تیاریاں

محمد ﷺ: ذی وقار، سفید براق کے سوار:

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسراء (بیت المقدس کی سیر) والی رات کا ذکر کرتے ہوئے انھیں بتایا:

''بیت اللہ کی وہ جگہ جسے حطیم کہا جاتا ہے (اسے الحجر بھی کہا جاتا ہے) میں وہاں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا (جبریل) میرے پاس آیا، اس نے یہاں سے یہاں تک (بقول راوی سینے کے سرے یعنی گلے کی ابھری ہوئی ہڈی سے لے کر نیچے تک جہاں بالوں کی لائن ختم ہوتی ہے) چیر دیا پھر جبریل نے میرے دل کو نکال لیا، پھر سونے کی ایک رکابی لائی گئی جو ایمان سے بھری ہوئی تھی، جبریل نے میرے دل کو (اس سے) دھویا۔ پھر دل کو اس کی جگہ رکھ دیا اور سینے کو اسی طرح کر دیا جس طرح چیرے جانے سے پہلے تھا۔ پھر ایک جانور پیش کیا گیا جو خچر سے ذرا کم اور گدھے سے بڑا تھا، اس کا رنگ سفید تھا۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧ ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٢ ـ مسند أحمد : ٢٠٧/٤ تا ٢٠٩، ح : ١٧٩٨٧، ١٧٩٨٨ و إسناده صحيح]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مزید بتلایا: ''براق لایا گیا، یہ ایسا جانور تھا جو بہت زیادہ سفید تھا، گدھے سے ذرا لمبا اور خچر سے کم تھا۔ جہاں اس کی نگاہ پڑتی وہاں وہ اپنا قدم رکھتا (یعنی رفتار تصور سے بالا تھی) میں اس براق پر سوار ہوگیا اور بیت المقدس پہنچ گیا، پھر میں نے اسے (بیت المقدس کی مسجد کے دروازے پر واقع) ایک حلقے (کنڈے)

کے ساتھ باندھ دیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں انبیاء (اسے) باندھا کرتے تھے۔ اب میں مسجد کے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں میں نے دو رکعت نماز ادا کی پھر میں یہاں سے نکلا تو جبریل (علیہ السلام) شراب اور دودھ کے جام لے کر میرے پاس آ گئے۔ میں نے دودھ کا جام پسند کیا۔ اس پر جبریل (علیہ السلام) نے کہا: ''آپ نے فطرت (اسلام) کو پسند کیا۔''

[مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ ...... الخ : ۱۶۲]

قارئین کرام! بیت المقدس کی مسجد میں اللہ کے رسول ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کروائی اور نسائی شریف کی صحیح الاسناد حدیث (۴۵۱) کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مصلّٰی پر کھڑا کیا، یوں آپ کا لقب ''امام الانبیاء'' ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور بھی کئی انبیاء نے براق پر سواری کی اور جب بھی کوئی رسول براق پر سوار ہو کر یہاں بیت المقدس آیا تو اس نے اسی حلقے کے ساتھ براق کو باندھا جس کے ساتھ حضرت محمد کریم ﷺ نے باندھا۔

مفسرین، محدثین اور سیرت نگاروں نے مکہ کی مسجد حرام سے بیت المقدس تک کے سفر کو ''اسرا'' کہا ہے اور اگلے سفر کو جو آسمانی سفر ہے، اسے ''معراج'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کا دوسرا نام ''الاسراء'' بھی ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ کریم نے اپنے آخری رسول ﷺ کے سفر اور اس کے مقصد کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ [الإسراء : ۱/۱۷]

''پاک ہے وہ ذات، جس نے راتوں رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، جس کے ارد گرد کو ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی بعض نشانیاں دکھلائیں، بلاشبہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

براق کی اگلی پرواز، آسمان کے بعد آسمان:

رب العالمین کے خصوصی مہمان سرکار دو جہان ﷺ اپنے اگلے سفر کا واقعہ، جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجھے براق پر سوار کرا دیا گیا۔ جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر محو پرواز ہوئے۔ جب ہم آسمان دنیا پر آئے تو جبریل (علیہ السلام) نے دروازہ کھولنے کو کہا (وہاں دروازے پر، دربان اور جبریل علیہ السلام کے درمیان جو مکالمہ ہوا، وہ یوں ہے):

دربان: ''کون؟''

جبریل: ''جبریل ہے۔''

دربان: ''آپ کے ساتھ کون ہے؟''

جبریل: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔''

دربان: ''کیا انھیں مدعو کیا گیا ہے؟''

جبریل: ''جی ہاں!''

دربان: ''خوش آمدید! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا ہے اور وہ تشریف لے آئے ہیں۔''

پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (آسمان دنیا میں کیے جانے والے استقبال وغیرہ) سے فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں آدم (علیہ السلام) موجود ہیں۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھے بتایا:

''یہ آپ کے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجیے۔''

میں نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا تو انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا:

''نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید۔''

اب جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر اگلی پرواز کے لیے روانہ ہو گئے، جب ہم دوسرے آسمان پر آئے تو جبریل (علیہ السلام) نے دستک دی۔

دربان: ''یہ کون ہے؟''

جبریل: ''جبریل ہے۔''

دربان: ''آپ کے ساتھ کون ہے؟''

جبریل: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔''

دربان: ''کیا انھیں بلایا گیا ہے؟''

جبریل: ''جی ہاں!''

دربان: ''محمد کریم (ﷺ) کو خوش آمدید، کیا خوب ہے ان کا لایا جانا اور وہ آ چکے!''

اب دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (حسب سابق) فارغ ہوا تو وہاں یحییٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) موجود تھے اور وہ دونوں باہم خالہ زاد ہیں۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھے بتلایا کہ یہ یحییٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں، انھیں سلام کیجیے، چنانچہ میں نے انھیں سلام کیا، دونوں نے جواب دیا اور کہا: ''نیک نبی اور صالح بھائی کو خوش آمدید!''

اب جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں جا کر انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دربان: ''کون؟''

جبریل: ''جبریل ہے۔''

دربان: ''آپ کے ہمراہ کون ہے؟''

جبریل: ''محمد (ﷺ) ہیں۔''

دربان: ''کیا انھیں بلایا گیا ہے؟''

جبریل: ''جی ہاں!''

دربان: ''ورود با مسعود ہے، جناب تشریف لا چکے!''

چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں (اس آسمان کی سیر سے) فارغ ہوا تو وہاں یوسف علیہ السلام تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھ سے کہا: ''یہ یوسف (علیہ السلام) ہیں، انھیں سلام کہیے!'' میں نے انھیں سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: ''نیکو کار بھائی اور صالح پیغمبر کو مرحبا!''

اس کے بعد جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر چوتھے آسمان کی طرف چل پڑے۔ جب منزل پر پہنچ گئے تو انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دربان: ''کون؟''

جبریل: ''جبریل ہے۔''

دربان: ''آپ کی معیت میں کون ہے؟''

جبریل: ''محمد (ﷺ) ہیں۔''

دربان: ''کیا ان کو بلایا گیا ہے؟''

جبریل: ''جی ہاں!''

دربان: مرحبا! وہ آ چکے، ان کی تشریف آوری کی کیا بات ہے!''

پھر دروازہ کھول دیا گیا اور جب میں یہاں سے فارغ ہوا تو وہاں ادریس (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھے کہا: ''یہ ادریس علیہ السلام ہیں، ان کو سلام کیجیے۔'' میں نے انھیں سلام کہا، انھوں نے جواب دیا اور کہا: ''نیک بھائی اور صالح رسول ﷺ کو مرحبا۔''

جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر پھر اوپر کی طرف چڑھے، وہ چڑھتے رہے حتیٰ کہ پانچواں آسمان آ گیا۔ انھوں نے دروازے پر دستک دی۔

دربان: ''کون؟''

جبریل: ''جبریل (علیہ السلام)۔''

دربان: ''آپ کے ساتھ کون ہے؟''

جبریل: ''محمد (ﷺ)۔''

دربان: ''کیا انھیں مدعو کیا گیا ہے؟''

جبریل: ''جی ہاں!''

دربان: ''خوش آمدید! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا اور وہ تشریف لے آئے ہیں۔''

چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (پانچویں آسمان کی سیر سے) فارغ ہوا تو وہاں ہارون (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھے آگاہ کیا کہ یہ حضرت ہارون (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کہیے۔ میں نے ان کو سلام کہا۔ انھوں نے جواب دیا اور کہا: ''صالح بھائی اور نیک نبی کے لیے مرحبا!'' پھر جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر چھٹے آسمان کی طرف گئے اور دستک دی۔

دربان: ''یہ کون ہے؟''

جبریل: ''جبریل ہوں۔''

دربان: ''آپ کے ہمراہ کون ہے؟''

جبریل: ''محمد (ﷺ) ہیں۔''

دربان: ''کیا وہ بلائے گئے ہیں؟''

جبریل: ''جی ہاں!''

دربان: ''مرحبا! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا اور وہ تشریف لے آئے ہیں!''

چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں (چھٹے آسمان کی سیر و سیاحت سے) فارغ ہوگیا تو وہاں موسیٰ (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھے بتلایا کہ یہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں، انھیں سلام کہیے۔ میں نے سلام کہا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور پھر کہا: ''مرحبا! کیا اچھا بھائی ہے اور کیا اچھا نبی ہے۔''

اس کے بعد جونہی میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا: ''آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''میں رو اس لیے رہا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد نبی بنا، وہ جنت میں اپنی ایسی امت لے کر داخل ہوگا، جو میری امت سے کہیں بڑی ہوگی۔''

اس کے بعد جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر ساتویں (اور آخری) آسمان پر جا پہنچے۔ جبریل (علیہ السلام) نے دروازے پر دستک دی:

دربان: ''کون ہے؟''

جبریل: ''جبریل ہے۔''

دربان: ''آپ کس ہستی کو اپنے ساتھ لائے ہیں؟''

جبریل: ''محمد (ﷺ) کو۔''

دربان: ''کیا وہ بلائے گئے ہیں۔''

جبریل: ''جی ہاں!''

دربان: ''مرحبا! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا اور وہ آچکے ہیں۔''

پھر دروازہ کھول دیا گیا اور جب میں (ساتویں آسمان کی بھی سیر وغیرہ سے) فارغ ہوا تو

وہاں ابراہیم (علیہ السلام) تھے، جبریل (علیہ السلام) نے مجھے تعارف کروایا کہ یہ آپ کے باپ ہیں، انھیں سلام عرض کیجیے۔ میں نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

''نیک بیٹے اور صالح رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوش آمدید!''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ۳۸۸۷ ۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ......الخ : ۱٦٤۔ مسند أحمد : ۲۰۸/٤، ۲۰۹، ح : ۱۷٦۸۹ و إسناده صحیح]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو رونا آیا تو اس بات پر کہ ان کی امت کے لوگ جنت میں تھوڑی تعداد میں داخل ہوں گے یعنی وہ لوگ زیادہ تر سرکشی، طغیانی اور کفر ہی میں مبتلا رہے تو اپنی امت کی بدبختی دیکھ کر وہ رو دیے۔ اپنی امت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ درد ہے جس کا اظہار انھوں نے آنسو بہا کر کیا۔

جنت کی نہر کوثر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''(جب مجھے سماوی معراج کروایا گیا اور اس دوران) میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو وہاں ایک ایسی نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر سفید موتیوں کے گول محلات بنے ہوئے تھے۔ ہر موتی کو گول محل کی شکل دے دی گئی تھی۔ میں نے پوچھا: ''اے جبریل! اس کا نام کیا ہے؟'' جبریل نے بتایا: ''یہ نہر کوثر ہے، یہ آپ کے رب کریم نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔'' میں نے اس نہر کو دیکھا تو اس کی تہ کا گارا کستوری تھی۔''

[بخاری، کتاب الرقاق، باب في الحوض : ٦٥٨١]

سدرۃ المنتہیٰ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(ساتویں آسمان کے بعد) پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی جانب بلند کر کے اس کے قریب کر دیا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کے پھل ہجر (شہر) کے مٹکوں جیسے ہیں اور اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں جیسے ہیں۔ یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

وہاں چار نہریں ہیں، دو نہریں باطنی ہیں اور دو ظاہری۔ میں نے کہا: ''اے جبریل! یہ دو کیا ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ''جہاں تک دو باطنی نہروں کا تعلق ہے وہ تو جنت میں ہیں اور جو ظاہری نہریں ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔''

[بخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧ ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٤ ـ مسند أحمد : ٢٠٨/٤ تا ٢١٠، ح : ١٧٩٨٩ و إسناده صحيح ـ السنن الكبرىٰ للنسائي : ١٣٨/١، ١٣٩، ح : ٣١٣ و إسناده صحيح]

صحیح مسلم (۱۷۳) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق سدرة المنتھیٰ ایسا مقام ہے کہ زمین سے جو عمل بھی اوپر جاتا ہے، اس کا آخری مقام یہی ہے۔ اسی طرح سدرہ کے اوپر سے جو حکم نازل ہوتا ہے وہ بھی یہیں آ کر ٹھہرتا ہے۔

بیری کے درخت کو ''سدرہ'' کہا جاتا ہے اور المنتھیٰ سے مراد ہے اعمال اور امور کے پیش کیے جانے اور صادر ہونے کا آخری مقام۔ یہ انوار و تجلیات کا منبع ہے۔ اس مرکز کو جناب رسول کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دنیا کے مروج الفاظ میں مرکز تجلیات کے مشاہدات کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

باطنی نہریں یعنی چھپی ہوئی نہریں کہ جنھیں اللہ نے دنیا والوں سے چھپا رکھا ہے، وہ جنت کی نہریں مراد ہو سکتی ہیں جیسا کہ ایک نہر کا ذکر بھی ہے اور وہ کوثر ہے، جسے نبی ﷺ نے جنت میں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر میں اپنے نبی ﷺ کو آگاہ بھی فرمایا ہے:

﴿ اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ﴾ ''ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔''

دوسری نہر بھی جنت ہی کی ہو سکتی ہے، اس کا تذکرہ مسند احمد اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس نہر کا نام ''بَیْدَخ'' ہے اور یہ وہ نہر ہے کہ مدینہ کے بارہ مجاہدین جو ایک معرکہ میں شہید ہو گئے تھے، انھیں اللہ کے نبی ﷺ کی ایک صحابیہ نے اپنے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں باری باری داخل ہوئے۔ ان کی رگوں سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ ان پر ریشمی لباس تھے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ انھیں نہر بیدخ پر لے جاؤ۔ وہاں جا کر ان شہداء نے غوطے لگائے تو ان کے چہرے اس طرح روشن ہو گئے جس طرح چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔

پھر سونے کی کرسیوں پر بٹھا کر ان کی ضیافت کی گئی۔ صحابیہ نے یہ خواب اللہ کے نبی ﷺ کو مسجد نبوی میں سنایا۔ پھر ایک شخص دور سے آیا۔ آ کر اللہ کے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اطلاع دی کہ آپ ﷺ نے جو فلاں دستہ روانہ فرمایا تھا اس میں فلاں کا بیٹا اور فلاں فلاں شہید ہو گئے۔ اس نے بارہ شہداء کے نام لیے اور یہ بارہ وہی تھے جن کے نام تھوڑی دیر پہلے اس مجاہدہ خاتون نے لیے تھے جس نے ان شہداء کو خواب میں دیکھا تھا۔

[مسند أحمد : ۱۳۵/۳، ۲۵۷، ح : ۱۲۴۱۲، ۱۲۷۳۳ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ۶۰۵۴ و إسناده صحيح۔ مسند أبي يعلى : ۱۷۱/۳، ح : ۳۷۵ و إسناده صحيح]

باقی جو ظاہر اور عیاں نہریں ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔ نہر فرات عراق میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات کے دریاؤں کے درمیان ہی وہ زرخیز وادی ہے جہاں ''اُر'' کا شہر ہے۔ وہ شہر جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ دریائے نیل مصر میں ہے۔ مصر ہی وہ ملک ہے جس میں یوسف علیہ السلام فروخت ہوتے ہوئے پہنچے تھے پھر وہ یہاں کے حکمران بن گئے اور ان کا سارا خاندان فلسطین سے آ کر مصر میں رہائش پذیر ہو گیا، پھر بنو اسرائیل یہاں پھلے پھولے حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی نیل کے کنارے فرعون کے محل میں پرورش پائی اور اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی۔ یوں دریائے نیل اور دریائے فرات کہ عربی میں دریا کو نہر کہا جاتا ہے، یہ دونوں نہریں، ظاہری نہریں ہیں۔ یاد رہے! ان دونوں نہروں کی سرزمین کو یہودی اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو اپنے پاس بلا کر گویا واضح اشارہ دے دیا کہ ان علاقوں میں اسلام حکمران ہو گا اور یہاں کے لوگ اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کے امتی بن جائیں گے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ''معراج'' کا ذکر کر کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی خرمستیوں اور پھر ان کو دی جانے والی سخت سزا کا ذکر فرمایا ہے۔ اس تذکرے سے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ارض فلسطین ہی نہیں بلکہ نیل و فرات کے علاقے بھی اسلام کا مسکن بنیں گے، چنانچہ ایسا ہو کر رہا۔

یہودی جو اس وقت فلسطین پر قابض ہیں، انھوں نے اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر لکھ رکھا ہے: ''اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل اور فرات تک ہیں۔'' مسلمانوں کے لیے سوچنے کا

مقام ہے کہ اگر وہ مجاہد بن کر نیل وفرات کے نگہبان نہ بن سکے تو جنت کی نہر کوثر کا پانی کیسے پئیں گے اور جنت کی نہر بیدج میں غوطے کیسے لگائیں گے؟

﴿جَنَّةُ الْمَأْوٰى﴾ بھی ”سدرة المنتهى“ کے پاس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم کی آیت (۱۴) میں آگاہ فرمایا: ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى﴾ ”سدرة المنتهى“ کے پاس ہی ﴿جَنَّةُ الْمَأْوٰى﴾ ہے۔“

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل (علیہ السلام) کو (ان کی اصل شکل میں) دیکھا تو ان کے چھ سو پر تھے (جنھوں نے آفاق کو ڈھانپ لیا تھا)۔

[بخاری، كتاب التفسير، باب ﴿فكان قاب قوسين أو أدنى﴾ : ٤٨٥٧]

بیت المعمور اور سفید مشروب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”پھر میرے سامنے بیت المعمور کو بلند کیا گیا۔ اس کے بعد شراب، دودھ اور شہد کے جام پیش کیے گئے۔ میں نے دودھ کا جام لے لیا۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا: ”یہ فطرت (دین اسلام) ہے جس پر آپ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کاربند ہے۔“

[بخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧]

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں۔ یہاں بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے (طواف کے لیے) جاتے ہیں مگر جو ایک بار گئے ان کی باری قیامت تک نہیں آئے گی۔

[مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ......الخ : ١٦٢ ـ مسند أحمد : ٢٠٧/٤، ح : ١٧٨٥١ و إسناده صحيح ـ السنن الكبرى للنسائي : ١٣٩/١، ح : ٣١٣ و إسناده صحيح]

پچاس کی بجائے پانچ نمازوں کی فرضیت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے ہیں: ”پھر مجھ پر

رات دن میں پچاس نمازیں فرض کر دی گئیں۔ میں واپس پلٹا تو موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا: ''کیا حکم ملا؟'' میں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بتلایا: ''مجھے روزانہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا ہے۔'' موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: ''آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں نہیں ادا کر سکے گی، اللہ کی قسم! میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا خوب تجربہ کر لیا ہے، بنواسرائیل کی حالت اچھی طرح میرے سامنے ہے، لہٰذا اپنے رب کے پاس واپس جایئے اور اپنی امت کے لیے خصوصی چھوٹ کی درخواست کیجیے۔'' چنانچہ میں واپس (اپنے رب کے پاس) گیا تو دس کی چھوٹ مل گئی، پھر جب میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا تو انھوں نے پہلے ہی کی طرح کا پھر مشورہ دیا۔ میں بھی اپنے رب کے پاس چلا گیا اور دس کی مزید چھوٹ مل گئی۔ جب پھر موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا تو اب بھی ان کا مشورہ وہی تھا۔ اس پر عمل کیا تو اب کے ایک بار پھر دس کی چھوٹ مل گئی۔ پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرنے لگا تو انھوں نے اب بھی وہی مشورہ دیا۔ میں نے بھی اس پر عمل کیا، تو اب دس نمازوں کا حکم دیا گیا، اب جب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے پھر وہی پہلے والی بات دہرائی۔ میں بھی واپس (رب کے دربار) میں جا پہنچا تو اب روزانہ پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے کہا: ''کیا حکم ملا؟'' میں نے بتلایا: ''روزانہ پانچ نمازوں کا حکم ملا ہے۔'' موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: ''آپ کی امت روزانہ پانچ نمازیں نہیں ادا کر سکے گی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر لیا ہے اور بنواسرائیل کی کیفیت میرے سامنے ہے، لہٰذا ایک بار پھر اپنے رب کے پاس چلے جاؤ اور اپنی امت کے لیے چھوٹ کی گزارش کر لو۔'' اس پر میں نے کہا: ''میں اپنے رب سے اب اتنی بار سوال کر چکا ہوں کہ اب جاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ لہٰذا اب تو میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے ہیں: ''جب میں (اس خاص مقام) سے گزر گیا تو ایک آواز دینے والے نے آواز دی:

((أَمْضَيْتُ فَرِيْضَتِيْ وَ خَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِيْ))

''میں نے اپنے فرض کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں کو رعایت دے دی۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ۳۸۸۷۔ مسند أحمد : ۲۰۷/٤، ۲۰۸، ح : ۱۷۹۸۷و [سنادہ صحیح]

تین تحفے :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تین تحفے عطا کیے گئے :

۱۔ پانچ نمازیں۔

۲۔ سورۂ بقرہ کی آخری (دو) آیات۔

۳۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اس شخص کے سب مہلک گناہوں کو بخش دیا جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کیا۔

[مسلم، کتاب الإیمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتھی : ۱۷۳]

صحیح روایت کے مطابق سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خزانے میں سے دی گئی ہیں جو خزانہ عرش کے نیچے ہے۔

[مسند أحمد : ۱٤۷/٤، ح : ۱۷۳۲٤صحیح ـ۱۵۱/۵، ۱۸۰،ح : ۲۱۳٤٤، ۲۱۳٤۵، ۲۱۵٦٤، صحیح]

صحیح مسلم میں ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام نے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی، انھوں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور فرمایا: ''یہ آسمان کا دروازہ ہے جو آج ہی کھلا ہے، یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا ہے۔'' پھر فرمایا: ''یہ فرشتہ زمین پر اترا ہے اور یہ آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتا ہے اور بتلاتا ہے: '' آپ کو دو نوروں کی خوش خبری ہو جو آپ کو عنایت ہوئے ہیں، آپ کے علاوہ کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا نور سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات ہیں، ان کے ایک ایک حرف پڑھنے پر آپ کو نور عطا کیا جائے گا۔''

[مسلم، کتاب فضائل القرآن وما یتعلق به، باب فضل الفاتحة وخواتیم ...... الخ : ۸۰٦]

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ کے سامنے کر دیا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا:

''جب میں نے لوگوں کے سامنے معراج کے واقعہ کا ذکر کیا اور قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حطیم میں کھڑا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ وہ جو جو نشانیاں مجھ سے پوچھتے جاتے، میں دیکھتا جاتا اور بتائے جاتا تھا۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث الإسراء : ۳۸۸۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال : ۱۷۱۔ مسند أحمد : ۳۰۹/۱، ح : ۲۸۲۰ و إسناده صحیح]

قارئین کرام! قریش کی تکالیف ہی کیا کم تھیں کہ اب اہل طائف نے بھی ستانے کی حد کر دی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تکالیف کا مداوا اس طرح کیا کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتویں آسمان پر بلا لیا، سماوی سیاحت کرائی اور تحائف سے نوازا، واپسی پر زندگی کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا، یہ ہجرت کا مرحلہ تھا، مدینہ کے حکمران بننے کا مرحلہ تھا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں اپنی دعوتی کوششوں سے میدان ہموار کر چکے تھے چنانچہ رسول معظم و مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے، آیئے! ملاحظہ کریں:

عورتوں والی بیعت:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں بھی (مدینہ سے مکہ آنے والے) ان لوگوں میں شامل تھا جو ''عقبہ اولیٰ'' میں موجود تھے۔ ہم بارہ آدمی تھے۔ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عورتوں والی بیعت (بیعة النساء) کی۔ یہ بیعت جنگ کے فرض ہونے سے پہلے کی تھی۔ یہ بیعت مندرجہ ذیل امور پر تھی:

① ''ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

② ''ہم چوری نہیں کریں گے۔''

③ ''ہم بدکاری کا ارتکاب نہیں کریں گے۔''

④ ''ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔''

⑤ ''اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر بہتان طرازی نہ کریں گے۔''

⑥ ''نیکی کے کاموں میں آپ (ﷺ) کی نافرمانی نہ کریں گے۔''

آپ ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اگر تم نے بیعت کرنے کے عہد کو پورا کیا تو تمھارے لیے جنت ہے اور اگر تم لوگوں نے ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو تمھارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو تمھیں معاف کر دے۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب وفود الأنصار إلی النبی ﷺ ...... الخ : ٣٨٩٢۔ مسلم : ١٧٠٩۔ مسند أحمد : ٣٢٣/٥، ح : ٢٣١٣٤ و إسناده حسن لذاته۔ النسائی : ٤١٦٧، ٤١٦٦ و إسناده حسن لذاته۔ سیرة ابن هشام : ٨١/٢۔ دلائل النبوة للبیهقی : ٤٣٦/٢ و إسناده حسن لذاته]

مدینہ کے جن خوش قسمت افراد نے حج کے دوران میدان منیٰ کے باہر عقبہ (گھاٹی) میں بیعت کی ان کی تعداد چھ ہے: (۱) اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (۲) عوف بن حارث رضی اللہ عنہ (۳) رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (۴) قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۵) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۶) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ چونکہ ابھی جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ہم نے عورتوں والی بیعت کی کیونکہ مندرجہ بالا شرطوں کے ساتھ اللہ کے رسول (ﷺ) عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔

جب مدینہ میں جا کر آپ ﷺ نے جہاد کا آغاز کیا تو صحابہ سے جہاد و قتال اور موت پر بیعت لی، عورتوں والی بیعت پھر کبھی نہیں لی۔

ہم رسول اللہ ﷺ کو مصائب میں دیکھیں، آخر کب تک؟

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ (مکہ میں) دس سال مقیم رہے، لوگوں کے پیچھے ان کے گھروں، ڈیروں اور عکاظ و مجنہ کی مارکیٹوں میں جاتے رہے۔

حج کے دنوں میں منیٰ کے مقام پر آپ لوگوں سے کہتے:

((مَنْ يُّؤْوِيْنِيْ؟ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ؟ حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّيْ وَلَهُ الْجَنَّةُ))

''کوئی ہے جو مجھے پناہ مہیا کرے؟ میری مدد کرے؟ حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں، مجھے یہ سہولتیں مہیا کرنے والے کا بدلہ جنت ہوگا۔''

آپ ﷺ کا یہ اعلان سن کر یمن کا کوئی آدمی سامنے آتا، مصر کا کوئی آدمی نکلتا یا کسی اور علاقے کا کوئی آدمی آپ ﷺ کے اعلان پر کان دھرتا تو آپ ﷺ کی قوم کے لوگ اس آدمی کے پاس فوراً پہنچ جاتے اور کہتے: ''قریش کے اس جوان (محمد کریم ﷺ) سے بچ کر رہیں، کہیں وہ تمھیں فتنے میں مبتلا نہ کر دے۔''

الغرض، آپ ﷺ پڑاؤ کیے ہوئے لوگوں کے اونٹوں کے کجاووں کے درمیان چل رہے ہوتے اور قریش کے لوگ آپ ﷺ کی طرف انگلیوں سے اشارے کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب سے ہم لوگوں کو کھڑا کر دیا۔ ہم نے آپ ﷺ کو ٹھکانا مہیا کیا اور آپ ﷺ کی سچائی کا اعلان کیا۔ اب صورتحال یہ ہوگئی کہ ہم میں سے ایک شخص نکلتا، آپ ﷺ پر ایمان لاتا۔ آپ ﷺ اسے قرآن پڑھ کر سناتے پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتا تو گھر والے اس کے اسلام سے باخبر ہوتے اور سارے ہی اسلام لانے کا اعلان کر دیتے، حالت یہ ہوگئی کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا باقی نہ بچا کہ جس میں آٹھ دس افراد مسلمان نہ ہوں۔ یہ سارے لوگ اپنے اسلام کا اعلانیہ اظہار کرتے اور اکٹھے ہو کر مشورے بھی کرتے۔

آخر کار ہم سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ ہم کب تک اللہ کے رسول ﷺ کو یونہی چھوڑے رکھیں گے کہ وہ مکہ کے پہاڑوں میں مارے مارے ٹھوکریں کھاتے پھریں اور (مشرکین مکہ سے) ڈرتے پھریں، چنانچہ ہم میں سے ستر آدمیوں نے آپ ﷺ کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ لوگ حج کے دنوں میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے آپ ﷺ کے پاس عقبہ (گھاٹی) میں پہنچنے کا وعدہ کر لیا۔ ایک ایک، دو دو کر کے لوگ آپ ﷺ کے پاس پہنچتے رہے۔ جب ستر پورے ہوگئے تو ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی بیعت کس چیز

پر کریں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُبَايِعُونِيْ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ وَ عَلَى النَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَ عَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَ عَلَى اَنْ تَقُوْلُوْا فِي اللّٰهِ لَا تَأْخُذُكُمْ فِيْهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ وَ عَلَى أَنْ تَنْصُرُوْنِيْ إِذَا قَدِمْتُ يَثْرِبَ فَتَمْنَعُوْنِيْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَ أَزْوَاجَكُمْ وَ أَبْنَائَكُمْ وَلَكُمُ الْجَنَّةُ))

''تم لوگ اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم میری بات سنو گے اور اطاعت کرو گے، چاہے تم چست ہو یا سست، تنگ دستی اور خوشحالی میں خرچ کرو گے، نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے، اللہ کے معاملے میں تم کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہیں روکے گی، جب میں تمھارے پاس مدینہ آؤں گا تم میری مدد اور دفاع یوں کرو گے جس طرح تم اپنا، اپنی بیویوں کا اور اپنے بیٹوں کا دفاع کرتے ہو تو (ان تمام باتوں کے صلہ میں) تمھارے لیے جنت ہے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم آپ (ﷺ) کی طرف لپکے کہ آپ کی بیعت کرلیں۔''

اس دوران اسعد بن زرارہ جو موجود لوگوں سے قد میں سب سے چھوٹا تھا، اس نے اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا: ''اے یثرب کے لوگو! ذرا ٹھہرو اور سنو! ہم جو اونٹوں کے کلیجے مار کر (طویل اور دشوار سفر کر کے) آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو یہ جان کر حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آج آپ (ﷺ) کو مکہ سے نکال کر لے جانا سارے عرب کے خلاف جنگ کا نقارہ بجانا ہے۔ اپنے بہترین سرداروں کو قتل کروانا ہے۔ جی ہاں! تلواروں کی کاٹ کو سامنے رکھ لو، اگر تو تم ایسے لوگ ہو کہ ان حقائق کے باوجود ڈٹ اور جم جانے والے ہو تو رسول اللہ ﷺ کو یہاں سے لے جاؤ۔ اس پر جو اجر ہے وہ اللہ کے ذمہ ہے، لیکن اگر تم نے اپنی جانوں کو مقدم رکھنا اور بزدلی دکھلانا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو یہیں رہنے دو، ابھی گنجائش ہے کہ اللہ کے ہاں تمھارا عذر چل جائے۔''

حاضرین مجلس کہنے لگے : ''اے اسعد! ہٹ جاؤ، اللہ کی قسم! ہم کسی صورت اس بیعت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اس سے محروم ہوں۔'' چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کر لی۔ آپ ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا کہ اس بیعت کے بدلے اللہ تعالیٰ تمھیں جنت دیں گے۔''

[مسند أحمد : ۳۳۹/۳، ح : ۳۴۰، ۱۴۷۰۸ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۶۲۷۴، ۷۰۱۲ إسناده حسن لذاته۔مستدرك حاكم : ۶۲۴/۲، ۶۲۵، ح : ۴۲۵۱۔ السنن الكبریٰ للبیهقی : ۹/۹، ح : ۱۷۷۳۵ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! انصار مدینہ میں سے جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ ہیں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ، چنانچہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ رسول کریم ﷺ کی ہجرت اور ہماری یہ بیعت سارے عرب سے اعلان جنگ ہے، لہٰذا اگر جہاد و قتال کے لیے تیار ہو تو یہ بیعت کر لو۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس بیعت کو عورتوں والی بیعت کہہ کر اس بیعت کے دوسرے منظر نامے کو واضح کر دیا کہ ہجرت اور عورتوں والی یہ بیعت درحقیقت جہاد و قتال اور موت کی بیعت کا آغاز ہے۔

انصار مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہما کس قدر دور اندیش تھے کہ وہ آغاز ہی میں یہ سمجھ گئے کہ جس نبی ﷺ پر ایمان لا رہے ہیں اور جس دعوت پر لبیک کہہ رہے ہیں، اس کے نتیجے میں جہاد و قتال ناگزیر ہے۔

''عَقَبَہ'' یعنی گھاٹی میں جنگ والی بیعت :

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو عقبہ ''گھاٹی'' میں منعقد ہونے والی دوسری بیعت میں شامل تھے، بیان کرتے ہیں کہ ہم حج کے لیے نکلے، ہم سے اللہ کے رسول ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں عقبہ کے مقام پر جمع ہونے کا وعدہ لیا تھا، چنانچہ جب ہم حج کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو بالآخر وہ رات آ گئی جس میں جمع ہونے کا رسول کریم ﷺ نے وعدہ لیا تھا۔ ہمارے

ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی تھے، ان کی کنیت ابو جابر تھی۔ ہم نے انھیں اپنے ہمراہ لے لیا تھا، وگرنہ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے جو مشرک لوگ تھے ہم ان سے اپنا معاملہ چھپا کر رکھتے تھے۔ اب ہم نے ان سے بات چیت شروع کی اور کہا: ''اے ابو جابر! آپ ہمارے باعزت سرداروں میں سے ہیں۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم آپ کو موجودہ حالت شرک سے نکالیں، تاکہ آپ کل کو (مرنے کے بعد) آگ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔'' پھر ہم نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور انھیں اللہ کے رسول ﷺ سے عقبہ میں ہونے والی ملاقات سے بھی آگاہ کیا، چنانچہ ابو جابر نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ ہمارے ساتھ عقبہ میں حاضر ہوئے اور نقیب بھی مقرر ہوئے۔

ہم حسب معمول اس رات بھی اپنی قوم کے ڈیروں پر سوئے اور جب رات کا تہائی حصہ گزر گیا تو ہم اپنے اپنے مقام سے نکل کر اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ طے شدہ جگہ پر پہنچنے لگے۔ ہم اس طرح چپکے چپکے دبک کر نکل رہے تھے جیسے چڑیا گھونسلے سے سکڑ کر نکلتی ہے، حتیٰ کہ ہم عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ ہمارے ساتھ ہماری خواتین بھی یہاں موجود تھیں۔ ایک خاتون نسیبہ بنت کعب تھیں، جن کی کنیت ام عمارہ تھی، اس کا تعلق قبیلہ بنو مازن بن نجار کی عورتوں سے ہے۔ دوسری اسماء بن عمرو بن عدی تھیں، یہ بنوسلمہ قبیلے سے تھیں، ان کی کنیت ام منیع ہے۔

الغرض، جب ہم گھاٹی میں جمع ہو گئے تو ہم اللہ کے رسول ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے لگے، آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور جناب رسول کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ ان دنوں ابھی اپنی قوم ہی کے دین پر تھے، تاہم وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے بھتیجے کے معاملات میں موجود رہیں اور پختہ اطمینان بھی حاصل کریں، چنانچہ جب رسول کریم ﷺ تشریف فرما ہو چکے تو گفتگو کا آغاز عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہی نے کیا۔

یاد رہے ! عام اہل عرب انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کو خزرج ہی کہتے تھے، چنانچہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے انصار کو مخاطب کر کے کہا: ''اے قبیلہ خزرج کے لوگو! ہمارے اندر محمد کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو مقام ہے وہ تمھیں معلوم ہی ہے۔ ہماری قوم کے جو لوگ مذہبی اعتبار سے ہمارے جیسا عقیدہ رکھتے ہیں، ہم نے ان سے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حفاظت میں رکھا ہے، جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت و حفاظت کے حصار میں ہیں لیکن اب وہ یہاں رہنے سے انکاری اور تمھارے ساتھ جانے پر رضا مند ہیں۔ وہ تمھارے ساتھ مل کر رہنا چاہتے ہیں، لہٰذا اب اگر تمھارا خیال یہ ہے کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جس معاملے کی طرف بلا رہے ہو، اس کے ساتھ وفا کر لو گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے مخالفوں سے بچا لو گے تو تب تو ٹھیک ہے اور جو ذمہ داری آپ لوگوں نے اٹھائی ہے، اسے تم جانو اور تمھارا کام، لیکن اگر تمھارا خیال ہو کہ تم انھیں اپنے ساتھ لے جاؤ اور پھر مشکل آنے پر ان کا ساتھ چھوڑ جاؤ تو پھر بہتر یہ ہے کہ ان کو ابھی سے چھوڑ دو، کیونکہ وہ اس وقت تو بہرحال اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت وحفاظت کے حصار میں ہیں۔''

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے جناب عباس سے کہا: ''آپ نے جو کہا ہم نے سن لیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ گفتگو فرمایئے، اپنے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان پسند کریں، ہم سے لے لیجیے۔'' چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلاوت فرمائی، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام لانے کی رغبت دلائی اور پھر فرمایا:

''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جن وسائل کے ساتھ تم اپنی عورتوں اور اولادوں کی حفاظت کرتے ہو انھی وسائل کے ساتھ میری حفاظت کرو گے۔''

امام طبرانی نے المعجم الکبیر وغیرہ میں ثقہ وصدوق راویوں کی روایت سے یہ الفاظ بیان کیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَمَّا الَّذِيْ أَسْئَلُكُمْ لِرَبِّيْ فَتَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ أَمَّا الَّذِيْ أَسْئَلُكُمْ لِنَفْسِيْ فَتَمْنَعُوْنِيْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ))

''جہاں تک میرے رب کے حق کا تعلق ہے تو میں تم سے تقاضا کرتا ہوں کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں تم سے یہی کہتا ہوں کہ جس چیز سے تم اپنی حفاظت کرتے ہو اسی سے میری بھی حفاظت کرو۔''

اس پر انصار نے عرض کی: ''اگر ہم ایسا کریں تو بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت ملے گی۔''

مسند ابی یعلی اور مستدرک حاکم کی حسن روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَكُمُ الْجَنَّةُ)) ''تمھارے لیے جنت ہے۔'' اس پر انصار نے کہا: ''ہم اس پر خوش ہیں۔''

[طبرانی کبیر(۲/۱۸٦، ح : ۱۷۵۷ حسن وله شاهد عندهٗ فی الکبیر : ۱۹/۸۹، ح : ۱۷٤)، صغیر (۲/۱۱۰) اور اوسط (۸/٦۲، ٦۳، ح : ۷۹٦۸حسن، مسند ابی یعلی(۲/۲۳۰، ح : ۱۸۸۲ حسن) اور مستدرک حاکم : ۲/٦۲٦، حسن]

اب کے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ تھاما اور کہا: ''ہاں! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا! ہم ان چیزوں کے ساتھ آپ (ﷺ) کی حفاظت کریں گے جن سے اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں، لہٰذا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ (ﷺ) ہم سے بیعت لیجیے۔'' نیز کہا:

((فَنَحْنُ وَاللّٰهِ ! أَهْلُ الْحُرُوْبِ وَأَهْلُ الْحَلْقَةِ ، وَرِثْنَاهَا كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ))

''اللہ کی قسم! ہم جنگجو اور ہتھیاروں سے کھیلنے والے ہیں، ہماری یہ ریت باپ دادا سے چلی آرہی ہے۔''

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''حضرت براء رسول کریم ﷺ سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہمارے اور کچھ لوگوں یعنی یہودیوں کے درمیان عہد و پیمان کی رسیاں بٹی ہوئی ہیں۔ اب ہم ان

رسیوں کو کاٹنے والے ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم یہ کر گزریں اور پھر جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائیں تو آپ اپنی قوم کی طرف پلٹ جائیں اور ہمیں یہیں چھوڑ دیں؟'' یہ سن کر جناب رسول کریم ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَلِ الدَّمُ الدَّمَ وَالْهَدْمُ الْهَدْمَ أَنَا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مِنِّيْ أُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ وَ أُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ))

[دلائل النبوة للبيهقي : ٤٤٩/٢ و إسناده حسن لذاته]

''نہیں، بلکہ تمھارا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ میں ان لوگوں سے صلح کروں گا جن سے تم صلح کرو گے اور ان لوگوں سے جنگ کروں گا جن سے تم جنگ کرو گے۔''

اب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے اپنے میں سے بارہ نقیب (سردار) نکالو۔ یہ اپنے اپنے قبیلے پر نگران ہوں گے۔'' چنانچہ انصار نے اپنے میں سے بارہ نقیب منتخب کیے۔ ان میں سے نو کا تعلق خزرج سے اور تین کا قبیلہ اوس سے تھا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی روایت جو طبرانی کبیر (۱۹/۸۷ تا ۹۱، ح : ۱۷۴ و إسنادہ حسن لذاتہ) میں ہے، اس میں بارہ سرداروں کے ناموں کا یوں تذکرہ ملتا ہے:

① حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (بنی نجار)
② حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ (بنی سلمہ)
③ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (بنی سلمہ)
④ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (بنی ساعدہ)
⑤ حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ (بنی ساعدہ)
⑥ حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (بنی زریق)
⑦ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (بنی حارث)
⑧ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ (بنی حارث)

⑨ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (بنی عوف)

⑩ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ (بنی عبدالاشہل)

⑪ حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ (بنی عبدالاشہل)

⑫ حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ (بنی عمرو)

انصار کہتے ہیں: ''ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر چکے (سردار مقرر ہو چکے) تو شیطان نے گھاٹی کی چوٹی پر سے پورا زور لگا کر آواز بلند کی: ''اے خیموں والو! اس ''مُذَمَّم'' اور اس کے ساتھ بے دین لوگوں کی خبر لو کہ یہ تم سے جنگ کرنے کو اکٹھے ہو چکے ہیں۔'' اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ عَقَبَہ (گھاٹی) کا شیطان ازیب کا بیٹا ہے۔''

پھر اسے مخاطب کر کے کہا: ''اے اللہ کے دشمن! ذرا ٹھہر! اللہ کی قسم! میں تیرے لیے بس فارغ ہونے ہی والا ہوں۔'' اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا:

«اِرْفَضُوْا اِلٰی رِحَالِكُمْ»

''متفرق ہو کر اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاؤ۔''

جناب عباس بن عبادہ بن نضلہ (رضی اللہ عنہ) رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہنے لگے: ''اس اللہ کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! اگر آپ چاہیں تو ہم کل ہی منیٰ میں ٹھہرنے والوں پر تلواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

«اِنَّا لَمْ نُؤْمَرْ بِذٰلِكَ ارْفَضُوْا اِلٰی رِحَالِكُمْ»

''ہمیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، تم اپنے ٹھکانوں پر جانے کی تیاری کرو۔''

اس کے بعد ہم اپنی سونے والی جگہوں پر پہنچ کر سو گئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ جونہی صبح ہوئی، قریش کے لوگ ہمارے پاس آئے۔ ان کے اندر تو گویا کہرام مچ گیا۔ وہ ہمارے ڈیروں پر آئے اور کہنے لگے: ''اے خزرج کے لوگو! ہمیں خبر پہنچی ہے کہ تم ہمارے اس صاحب (محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے ہو تا کہ اسے ہمارے درمیان سے نکال کر لے جاؤ اور ہم سے جنگ لڑنے کے لیے تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو، حالانکہ اللہ کی قسم! کوئی عرب قبیلہ

ایسا نہیں کہ جس سے جنگ کرنا ہمارے لیے اتنا تکلیف دہ ہو جتنا کہ تم لوگوں سے۔''
چنانچہ منظر یہ بنا کہ ہماری قوم کے وہ لوگ جو مشرک تھے، وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے: ''ایسا تو کچھ ہوا ہی نہیں اور نہ ہم ایسی کوئی بات جانتے ہیں۔'' مشرکین مکہ نے اس یقین دہانی کو قبول کر لیا۔ یوں وہ اس واقعہ کے بارے میں لاعلم ہی رہے جبکہ ہمارے کچھ مسلمان بھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر خاموش رہے۔''

[مسند أحمد : ٣/ ٤٦٠ تا ٤٦٢، ح : ١٥٨٩١ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٧٠١١ و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام : ٢/ ٨٦ تا ٨٨ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ٢/ ٤٤٤ تا ٤٤٩ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے غلبے کی صورت میں انصار کے ساتھ نہ مال کا وعدہ کیا نہ اقتدار کا بلکہ وعدہ کیا تو اپنی معیت کا اور جنت کا۔ انصار اس پر خوش ہو گئے۔ ان کے نصیبوں کی کیا بات ہے۔ شیطان نے رسول کریم ﷺ کو ''مُذَمَّم'' کہا، یہ وہ برا نام ہے جو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کا رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تو محمد (تعریف کیا گیا) ہوں، مذمم (مذمت کیا گیا) نہ جانے کون ہے؟'' مشرکین کا یہاں گھٹیا پن ظاہر ہوتا ہے جبکہ رسول کریم ﷺ کا یہاں بھی اعلیٰ اخلاق ظاہر ہوتا ہے کہ کس خوبصورتی کے ساتھ بری بات کو ٹال دیا لیکن جوابی طور پر کسی کا نام نہیں بگاڑا۔ آپ ﷺ نے شیطان کو جو یہ کہا: ''تیرے لیے فارغ ہونے ہی والا ہوں'' تو اس کا مطلب واضح ہے کہ جس جنگ کی تو بات کرتا ہے، وہ میں کرنے ہی والا ہوں، پھر دیکھ تیرے یاروں کی گردنیں کس طرح کٹتی ہیں اور مشرکین کے شرکیہ اڈے اور بت کس طرح ٹوٹتے ہیں؟ صورتحال آج بھی وہی ہے، کمزور مسلمان تھوڑا سا بھی زور پکڑنے لگتے ہیں تو شیطان کافروں کے کانوں میں پھونک مارتا ہے کہ ان مسلمانوں کا بندوبست کر لو، مہلت دو گے تو یہ جہاد کے ذریعے تمھیں ملیا میٹ کر دیں گے، لیکن شیطان نہ تو اس وقت کامیاب ہو سکا تھا نہ آج کامیاب ہو سکے گا۔ (ان شاء اللہ!) وہ مکہ میں حق کی دعوت سے بھی ڈر رہا تھا اور مسلمانوں کی ہجرت سے بھی خوف زدہ تھا۔

مسند احمد اور سیرت ابن ہشام میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس بیعت کو "بیعت الحرب" (جنگ کی بیعت) کا نام دیا، یعنی اب مشرکوں سے جنگ ہو گی۔

[مسند احمد : ۳۱٦/۵ و إسناده حسن لذاته۔ سیرت ابن هشام : ۹۹/۲ و إسناده حسن لذاته]



ہجرت کا سفر اور مدینہ میں مرحبا

خواب میں سرزمین ہجرت کی جھلک:

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''جہاں تم لوگوں نے ہجرت کر کے جانا ہے وہ مقام میں نے دیکھ لیا۔ مجھے خواب میں ایسی زمین دکھلائی گئی جو شور والی ہے، وہاں بعض درخت بھی اگے ہیں۔ وہ سرزمین کھجوروں والی ہے۔ لاوے کے دو ٹیلوں کے درمیان ہے اور وہ دو ٹیلے سیاہ پتھروں والے ہیں۔''

چنانچہ جب اللہ کے رسول (ﷺ) نے مقام ہجرت کی نشاندہی کر دی تو پھر جو ہجرت کرنا چاہتا تھا وہ مدینہ کی طرف نکل کھڑا ہوا اور وہ مسلمان جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان میں سے بھی بعض مہاجرین نے مدینے کا رخ کرلیا۔

[ابن حبان : ٦٨٦٨ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ١٩٨/٦، ح : ٢٦١٤٤ وإسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ٤،٣/٣، ح : ٤٢٦٢ و إسناده صحيح۔]

حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جو کھجوروں والی ہے۔ اس خواب کے بعد میرا وہ خیال جاتا رہا کہ ہجرت کی جگہ یمامہ یا ہجر ہوگی، اب پتا چلا کہ وہ تو یثرب ہے۔''

[بخاری، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام : ٣٦٢٢]

قارئین کو بتاتے چلیں کہ مدینہ کے مشرق میں جو حرّہ ہے اس کا نام ''واقم'' ہے۔ مغرب

میں واقع حرہ کا نام ''وبرہ'' ہے۔ احد پہاڑ شمال میں ہے اور عیر پہاڑ جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ان چاروں کے درمیان چار وادیاں ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

① وادی بطحان
② وادی مذینیب
③ وادی مہزور
④ وادی عقیق

سب سے پہلے مدینے جانے والے:

مدینے کے باسی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ میں سے سب سے پہلے جو ہمارے پاس آئے، وہ یہ ہیں:

① حضرت مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ)
② حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ)
یہ دونوں ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔
③ پھر حضرت عمار (رضی اللہ عنہ)
④ اور حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) آئے۔
⑤ پھر حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) بیس آدمیوں کا جتھا لے کر آئے۔

پھر جب رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ تشریف لائے تو میں نے آج تک اہل مدینہ کو کسی بھی نعمت کے ملنے پر اتنا خوش نہیں دیکھا جس قدر وہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے پر خوش ہوئے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی خوشی و مسرت سے لبریز یہ جملہ بول رہے تھے:

''یہ اللہ کے رسول ہیں، جو تشریف لائے ہیں۔''

[بخاری، کتاب مناقب، الأنصار، باب مقدم النبی ﷺ و أصحابه المدينة...... الخ : ٣٩٢٥، ٣٩٢٤]

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے یہاں دن رات ایک کر کے دعوت کا کام کیا، مدینہ کے

بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے، یوں اللہ کے رسول ﷺ کی آمد سے قبل لوگ آپ ﷺ کے پیروکار بن گئے اور راستہ ہموار ہو گیا۔

رسول ہاشمی ﷺ کو ہجرت کی اجازت اور ابو بکر کو معیت مل گئی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ہم لوگ اپنے گھر میں ظہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آگاہ کرنے والے نے جناب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بتلایا کہ یہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں، جو اپنا سر ڈھانپے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ ایسے وقت تو اللہ کے رسول (ﷺ) ہمارے پاس نہیں آیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے دیکھتے ہی کہا: ''آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اللہ کی قسم! آپ (ﷺ) جو اس وقت تشریف لائے ہیں تو ضرور کوئی خاص بات ہے۔'' اتنے میں رسول کریم (ﷺ) دروازے پر پہنچ گئے اور داخلے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ کو تشریف لانے کے لیے کہا گیا تو آپ (ﷺ) اندر داخل ہوئے اور جناب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: ((اَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ))

''یہ جو تمھارے پاس ہیں، ان کو ذرا الگ کر دو۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میرا باپ آپ پر قربان ہو! یہ تو آپ (ﷺ) کے گھر والے ہی ہیں۔'' آپ (ﷺ) نے فرمایا:

''مجھے تو یہاں سے ہجرت کر جانے کی اجازت مل گئی ہے۔'' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میرا باپ آپ پر فدا ہو! آپ کی ہمراہی کی درخواست کرتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرا باپ آپ (ﷺ) پر قربان! میری دو اونٹنیوں میں سے ایک لے لیجیے۔'' آپ (ﷺ) نے جواب دیا: ''لیکن پیسے دے کر لوں گا۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ٣٩٠٥۔ ابن حبان : ٦٢٧٧، ٦٨٦٨ و إسناده صحيح]

مشرکوں کی تدبیر ناکام:

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴾ [الأنفال : ٨/ ٣٠]

"(میرے نبی!) تمھیں ان لمحات کی خبر دوں کہ جب کافر تیرے بارے میں یہ تدبیر کر رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں، قتل کر دیں یا پھر مکہ سے نکال دیں، وہ اپنی چالیں چل رہے ہیں اور اللہ کی اپنی تدبیر ہے اور سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر اللہ ہی کی تدبیر ہے۔"

قارئین کرام! قرآن نے جس منظر کی نشاندہی کی ہے، مفسرین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ منظر ہجرت سے متعلق ہے۔ قریشِ مکہ نے آخر کار فیصلہ یہی کیا کہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے، چنانچہ وہ تلواریں سونتے رسول کریم ﷺ کے گھر کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے، اللہ کے رسول ﷺ اس گھیرے میں سے نکل گئے، کوئی مشرک آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکا۔ آپ ﷺ غار ثور کی طرف نکل گئے اور یہ مشرک رات بھر یہیں ناکام و نامراد کھڑے رہے۔

اپنے بستر پر علی رضی اللہ عنہ کو سلایا اور خود گھیرا توڑ کر نکل گئے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: "حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنی جان کا سودا کیا، نبی (ﷺ) کی چادر کو اوڑھا اور آپ (ﷺ) کی جگہ سو گئے۔"

[مسند أحمد : ١/ ٣٣١، ٣٣٢، ح : ٣٠٦٢، إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٣/ ٤، ح : ٤٢٦٣، مسند أبي داوٗد الطيالسي: ٤/ ٤٦٩، ٤٧٠، ح : ٢٨٧٥، ٢٨٧٦، إسناده حسن لذاته، أبو بلج يحيى بن سليم صدوق حسن الحديث وثقه الجمهور]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کی چادر اوڑھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح اٹھے اور مشرکین نے اپنی چال کی ناکامی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو سٹپٹا کر رہ گئے اور پھر دوڑے اللہ کے رسول (ﷺ) کو چاروں طرف تلاش کرنے، مگر اللہ کے رسول ﷺ تو ایک غار میں سکون سے محفوظ و مامون تھے۔

آیئے ! غار کا منظر ملاحظہ کرتے ہیں، جب وہ تلاش کرتے کرتے غار ثور کے پاس پہنچ گئے تھے۔

غار میں کی ہوئی وہ گفتگو جس کا انکشاف قرآن نے کیا:

﴿ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ [التوبة : ٩/٤٠]

''جب کافروں نے اسے (محمد کریم ﷺ) کو (مکہ سے) باہر نکال دیا تو وہ جو دو (محمد کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ) غار میں تھے، ان دو میں سے دوسرا اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بتلایا: ''جب میں غار میں تھا تو میں نے آپ ﷺ سے کہا: ''اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے قدموں کے نیچے نگاہ کر لے تو ہمیں دیکھ لے۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا ظَنُّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ ! بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا))

''اے ابوبکر! تمھارا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔''

[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب المهاجرین و فضلهم : ٣٦٥٣]

غار میں دودھ بھی ملتا رہا اور مکہ کی خبریں بھی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول (ﷺ) اور جناب ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تین راتیں (جمعہ، ہفتہ، اتوار) وہاں چھپے رہے۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے جناب عبداللہ (رضی اللہ عنہ)، جو ہوشیار اور معاملہ فہم نوجوان تھے، رات کو اللہ کے رسول ﷺ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہر کر منہ اندھیرے ہی مکہ میں قریش کے پاس آجاتے، وہ قریش کے درمیان اپنی صبح یوں کرتے جیسے رات انھوں نے مکہ ہی میں گزاری ہو۔ اب وہ دن بھر قریش کی وہ باتیں سنتے جو وہ رسول کریم ﷺ کی تلاش کے لیے کرتے اور منصوبے بناتے تھے۔ جو

نہی رات پڑتی جناب عبداللہ غار میں آجاتے اور دن بھر کی کارروائی سے جناب رسول کریم ﷺ اور اپنے والد گرامی کو آگاہ کرتے۔

یہ تو تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا کردار اور وہ کردار جو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ نے ادا کیا، وہ یہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے غار کے قریب ہی دودھ دینے والی بکریاں چرایا کرتے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جاتا تو وہ بکری کو غار میں لے آتے۔ آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی گرم دودھ پر رات گزارتے۔ عامر بن فہیرہ تینوں راتیں ایسا ہی کرتے رہے۔

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی ﷺ...... الخ : ۳۹۰۵]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا کردار:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیل قبیلے کے ایک شخص (عبداللہ بن اریقط) کو پیسے دے کر پہلے ہی معاملہ طے کر لیا تھا کہ وہ تین راتیں گزارنے کے بعد دونوں اونٹنیوں کو لے کر غار ثور میں آجائے گا۔ یہ شخص بے شک کافر تھا لیکن قابل اعتماد اور راستوں کا ماہر تھا۔ چنانچہ تیسری رات کی صبح (بروز سوموار) وہ دونوں سواریاں لے کر آ گیا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے: ''ہم نے ان دونوں سواریوں کو سفر خرچ کے ساتھ اچھی طرح تیار کر دیا۔ سفر خرچ کو توشہ دان میں لٹکانے لگے (تو بندھن ہی نہیں تھا) چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اپنا کمر بند کھولا، دو حصوں میں پھاڑا اور ایک کے ساتھ توشہ دان باندھ دیا (اور دوسرے کو کمر کے ساتھ باندھ لیا) اسی لیے ان کا لقب ذات النطاق ''پٹکے والی'' (ایک روایت میں ذات النطاقین یعنی دو پٹکوں والی) پڑ گیا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت کے مطابق: ''قافلہ چل پڑا، عامر بن فہیرہ بھی ہمراہ تھے، راستے کے ماہر (عبداللہ بن اریقط) نے سمندر کے ساحل والا راستہ اختیار کیا۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه إلی المدینة : ۳۹۰۵۔ ابن حبان : ٦٨٦٨ و إسناده صحیح]

اللہ کے رسول ﷺ غار ثور سے یکم ربیع الاول 16 ستمبر 622ء کو مدینہ کی جانب روانہ

ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی اور بلند مقام کا کیا کہنا کہ سارا خاندان ہی رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جان و مال کے ساتھ مصروف کار ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود بھی اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام رومان رضی اللہ عنہا گھر میں سفر کے توشے تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ دونوں بیٹیاں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مصروف ہیں۔ بیٹا عبداللہ بھی اپنی ذمہ داری نباہ رہا ہے، غلام بھی خدمت میں مصروف ہے اور سواریاں بھی خدمت کے لیے حاضر باش ہیں۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری کی قیمت کی بات کرتے ہیں کہ یہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خود داری ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھلا کہاں لینے والے ہیں؟ وہ تو خود بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں اور مال بھی قافلۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہے۔

خالی خزانے میں پتھر بھر کر نابینے بزرگ کا ہاتھ رکھوا دیا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دختر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہجرت کے لیے نکل گئے۔ ان کے ساتھ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بھی چلے گئے۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اپنا سارا مال بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ اس رقم کی مالیت پانچ ہزار یا سات ہزار درہم تھی۔ والد گرامی یہ رقم لے کر چلے گئے تو ایک دن میرے دادا جی جناب ابوقحافہ (رضی اللہ عنہ) ہمارے پاس آئے۔ وہ نابینے تھے، کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! میں سوچتا ہوں کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اپنے ساتھ سارا مال لے گیا اور تمھیں مصیبت میں ڈال گیا ہے۔'' میں نے کہا: ''دادا جان! ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ بہت سارا مال چھوڑ بھی گئے ہیں۔'' پھر میں نے یہ کیا کہ پتھر لیے اور ان پتھروں کو دیوار میں بنائے ہوئے خزانے میں رکھا۔ اسی خزانے میں کہ جہاں میرے والد صاحب اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ پھر میں نے ان پتھروں پر کپڑا رکھ دیا اور دادا جی سے کہا: ''باباجی! ذرا ان پیسوں پر اپنا ہاتھ تو رکھو۔'' انھوں نے اس خزانے پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہنے لگے: ''اچھا، اگر یہ مال تمھارے لیے چھوڑ گیا ہے تو اس نے اچھا کیا ہے۔ اس سے تمھاری ضروریات پوری ہو جائیں گی۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''حالانکہ، اللہ کی قسم! ابا جان نے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا

لیکن میں نے ایسا اس لیے کیا، تاکہ باباجی پرسکون رہیں۔"

[سيرة ابن هشام : ١٣٠/٢ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٦،٥/٣، ح : ٤٢٦٧ مسند أحمد : ٣٥٠/٦، ح : ٢٧٤٩٧ و إسناده حسن لذاته، طبراني كبير : ٨٨/٢٤، ح : ٢٣٥ و إسناده حسن لذاته]

مہاجر مسلمان ہجرت سے متعلق اپنے سارے امور انتہائی راز داری سے سرانجام دے رہے تھے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ جس طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم نہیں کہ رقم پانچ ہزار تھی، یا سات ہزار اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کو کچھ رقم دے گئے ہوں، جو چند دن کے خرچہ کے لیے اور مدینہ آنے کے لیے کافی ہو، باقی ساری رقم وہ ساتھ لے گئے کہ قافلۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا اور اس کی دولتوں سے زیادہ اہم ہے، کہیں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

چرواہے نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنی کا دودھ دوہتے دیکھا تو مسلمان ہو گیا:

حضرت قیس بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) چھپتے چھپاتے جا رہے تھے تو ایک غلام کے پاس سے گزر ہوا، جو بکریوں کا چرواہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ مانگا تو وہ چرواہا کہنے لگا: "میرے پاس بکری تو کوئی نہیں کہ جس کا دودھ دوہا جائے، ہاں البتہ یہ ایک اونٹنی ہے۔ سردیوں کے آغاز پر یہ حاملہ ہوئی تھی اور پھر اس نے حمل گرا دیا اور دودھ اس کے تھنوں میں بھی نہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: "ان باتوں کو چھوڑو، تم یہی اونٹنی لے آؤ۔"

وہ اونٹنی لے آیا تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو باندھ کر اس کے تھن کو ہاتھ لگایا، دعا کی اور اونٹنی نے دودھ اتار دیا۔ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) برتن اٹھائے آ گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دودھ دوہنے لگ گئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جناب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو دودھ پلایا، پھر دوسری بار دوہا تو خود پیا۔ یہ دیکھ کر چرواہے سے رہا نہ گیا، وہ بول پڑا:

چرواہا: "تجھے اللہ کی قسم! بتا تو کون ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے آپ جیسا بندہ زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔"

رسول کریم ﷺ: ''کیا تو وعدہ کرتا ہے کہ اگر میں تجھے بتلا دوں تو تو بات چھپا کر رکھے گا؟''

چرواہا: ''جی ہاں!''

رسول کریم ﷺ: ''میں اللہ کا رسول محمد (ﷺ) ہوں۔''

چرواہا: ''کیا آپ وہی ہیں جن کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ وہ صابی (بے دین) ہے۔''

رسول کریم ﷺ: ''ہاں! وہ ایسا ہی کہتے ہیں۔''

چرواہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ جو آپ لے کر آئے ہیں، وہ حق ہے کیونکہ جو آپ نے کیا وہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا، اب میں آپ کا پیروکار ہوں۔''

رسول کریم ﷺ: ''موجودہ حالات میں میری پیروی تیرے بس کی بات نہیں، جب تجھے معلوم ہو کہ میں غالب آ گیا ہوں تو ہمارے پاس آ جانا۔''

[مستدرك حاكم : ٩٠٨/٣، ح : ٤٢٧٣ و إسناده صحيح۔ طبراني كبير : ١٨/ ٣٤٣، ح : ٨٧٤ و إسناده صحيح]

قربان جایئے رحمۃ للعالمین ﷺ کی حکیمانہ نرمی پر کہ آپ ﷺ نے ایک غلام اور چرواہے کی ہمت اور استطاعت کو دیکھا تو اس کے مطابق اسے مشورہ دیا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ اب تو مسلمان ہے، مگر ابھی انتظار کر، ہمیں قوت پکڑ لینے دے کہ تب تیرے لیے اسلام کا اعلانیہ اظہار کوئی مسئلہ نہیں رہے گا بلکہ عزت و افتخار کا باعث ہوگا۔

سراقہ کے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے :

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ ہمارے پاس قریشی کافروں کے قاصد آئے اور یہ پیشکش کی: ''اگر کوئی شخص محمد (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دے، یا قید کر کے لے آئے تو ان دونوں کے بدلے میں ایک ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔'' میری قوم بنی مدلج تھی۔ میں ان کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اسی قوم کا ایک آدمی سامنے

سے آیا اور ہمارے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں بیٹھا ہوا ہی تھا کہ وہ مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا: ''اے سراقہ! میں ساحل پر ابھی ابھی چند لوگوں کو دیکھ کر آیا ہوں، میرا خیال یہی ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں۔'' میں سمجھ تو گیا کہ یہ لوگ واقعی وہی ہیں لیکن میں نے کہنا شروع کیا: ''نہیں نہیں، یہ وہ نہیں ہیں، دراصل تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے، وہ ابھی ہمارے سامنے سے گئے ہیں۔''

پھر میں مجلس میں تھوڑی دیر بیٹھا اور کھڑا ہوتے ہی سیدھا گھر گیا، اپنی لونڈی سے کہا: ''میرا گھوڑا تیار کر دے اور اسے لے کر ٹیلے کے پیچھے چلی جا، وہیں میرا انتظار کر۔'' اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور مکان کی پچھلی جانب سے باہر نکلا۔ گھر سے گھوڑے تک میں نیزے کی نوک سے زمین پر لکیر کھینچتا ہوا بڑھتا گیا۔ نیزے کی بلندی کو اس طرح سے میں نے پست رکھا (تاکہ کسی کو خبر نہ ہو کہ نیزہ لے کر کدھر جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی میرے پیچھے چلا آئے اور وہ بھی انعام میں شامل ہو جائے)

یوں جب میں گھوڑے کے پاس آیا تو اس پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے کو میں نے خوب دوڑایا تاکہ وہ مجھے جلدی سے اپنے ہدف کے قریب کر دے۔ آخر کار، جب میں قریب چلا گیا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور مجھے زمین پر گرا دیا۔ میں اٹھا اور اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا۔ ترکش سے تیر نکال کر فال نکالی کہ جن کا میں پیچھا کر رہا ہوں ان کو نقصان ہو گا یا نہیں، فال وہی نکلی جو مجھے پسند نہ تھی۔

لیکن میں نے فال کی کوئی پروا نہ کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے نے اب کے دوسری بار پھر مجھے رسول کریم (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے قریب کر دیا، اتنا قریب کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی تلاوت کو سن لیا۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ بالکل ادھر ادھر نہیں دیکھ رہے تھے جبکہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھ دیکھ کر چل رہے تھے۔ اس دوران میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں اس سے گر پڑا۔ پھر میں نے گھوڑے کو جھڑکا کہ وہ کھڑا ہو لیکن وہ اپنے پاؤں زمین سے نہیں نکال سکا، بڑی مشکل سے جب اس نے پوری طرح کھڑے ہونے کی جد و جہد کی تو اس کے سامنے والے قدموں

سے غبار سا اٹھا اور دھویں کی طرح آسمان کی طرف چڑھنے لگا۔ میں نے اب دوبارہ تیروں کی فال نکالی لیکن اس مرتبہ بھی وہی فال نکلی جو مجھے پسند نہ تھی۔

چنانچہ میں نے ہار مان لی اور امان طلب کرتے ہوئے انھیں آواز دی، وہ ٹھہر گئے۔ اب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ان کے پاس جا پہنچا۔ ان تک برے ارادے کے ساتھ پہنچنے سے مجھے روک دیا گیا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہوگیا کہ محمد (ﷺ) کا پروگرام غالب ہو کر رہے گا۔

اب میں نے آپ کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کو شہید کرنے کے لیے سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا ہے۔ مزید برآں! ان لوگوں کے ارادوں کے بارے میں بھی آپ (ﷺ) کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) کی خدمت میں کچھ توشہ اور سامان سفر پیش کیا لیکن آپ (ﷺ) نے مجھ سے قبول نہیں فرمایا۔ مجھ سے رسول کریم (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کچھ طلب نہیں کیا، صرف اتنی بات کہی: ''ہمارے بارے میں راز داری سے کام لینا۔''

اب میں نے رسول کریم (ﷺ) سے گزارش کی کہ میرے لیے امن کی ایک تحریر لکھ دیجیے۔ اس پر آپ (ﷺ) نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور عامر نے چمڑے کے کاغذ پر امن کی تحریر لکھ دی، پھر اللہ کے رسول ﷺ چل پڑے۔

[بخاری، كتاب مناقب الأنصار ، باب هجرة النبیﷺ و أصحابه إلى المدينة : ٣٩٠٦۔ ابن حبان : ٦٢٨٠ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ٤/١٧٦، ١٧٧، ح : ١٧٧٣٤ و إسناده صحيح]

مشرکین کا یہ چلن تھا کہ وہ بتوں کے نام پر فالیں نکالا کرتے تھے۔ سراقہ بن مالک جو اس وقت مشرک تھا، وہ فالیں نکالتا رہا۔ تاہم یہ اتفاق تھا کہ اس کی فالیں بھی اس کے خلاف نکلیں؟ لیکن جس چیز نے سراقہ کا ذہن بدلا اور اس نے امان طلب کی، وہ جناب سراقہ کے بقول اس کا روکا جانا تھا۔ وہ دو بار روکا گیا، ایک بار گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور دوسری بار پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ یہ اللہ کی مدد تھی، اپنے رسول ﷺ کے لیے۔

صحیح بخاری (۳۹۱۱) میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سراقہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ شخص جو دن کے شروع میں آپ (ﷺ) پر یلغار کرنے آیا تھا، دن کے آخری حصے میں وہ خود آپ (ﷺ) کا دفاعی ہتھیار بن گیا۔

راستے میں ملنے والوں کو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا جواب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرتے ہوئے سوئے مدینہ محو سفر تھے۔ (راستے میں ایسے مراحل بھی آئے کہ جب) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اونٹنی پر آگے اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (داڑھی سفید ہو جانے کی وجہ سے) بزرگ لگتے تھے۔ ویسے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی جان پہچان زیادہ تھی جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (سیاہ داڑھی کی وجہ سے) جوان لگتے تھے اور جان پہچان بھی زیادہ نہ تھی۔ اب جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو راستے میں جو آدمی بھی ملتا تو وہ پوچھتا: ''اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) یہ آدمی کون ہے جو تمھارے آگے بیٹھا ہوا ہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جواب دیتے: ''یہ وہ آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھلاتا ہے۔'' اس سے سوال کرنے والا یہ خیال کرتا کہ زمین کا راستہ دکھلانے والا ہے جبکہ اس سے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی مراد بھلائی کا راستہ تھی۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابه إلى المدينة : ۳۹۱۱]

ام معبد کے خیمے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ:

جناب ہشام اپنے والد حبیش بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ کے ساتھ ام معبد کے خیمے کے پاس پہنچے، یہ خاتون ذرا بڑی عمر کی تھیں۔ یہ صحن میں بیٹھی رہتیں اور آنے جانے والوں کو پانی پلاتیں اور کھانا کھلاتیں۔

اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ام معبد کے پاس پہنچے تو آپ اور حضرت ابوبکر نے ام معبد سے پوچھا: ''کیا تمھارے پاس گوشت اور کھجوریں ہیں؟ تاکہ وہ ہم آپ سے خرید لیں۔'' لیکن اس کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا۔ لوگ ان دنوں خشک سالی اور قحط کا شکار تھے۔ اس دوران اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر خیمے کے ایک کونے میں پڑ گئی، جہاں ایک بکری کھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟'' ام معبد نے کہا: ''یہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اس قابل نہ تھی کہ ریوڑ کے ساتھ چلی جاتی لہٰذا یہاں کونے میں کھڑی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا یہ دودھ والی ہے؟'' ام معبد نے کہا: ''یہ بے چاری اس قابل کہاں؟'' تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کہا: ''کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں؟'' ام معبد نے کہا: ''میرے ماں باپ صدقے، اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو دوہ لیجیے۔''

اب رسول کریم (ﷺ) نے بکری کے تھن پہ ہاتھ پھیرا، اللہ کا نام لیا اور دعا کی تو بکری نے دودھ دینے کے لیے پاؤں پھیلا دیے، تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ (ﷺ) نے برتن منگوایا تو ام معبد اتنا بڑا برتن لے کر آئیں کہ وہ بھر جائے تو کئی لوگوں کے لیے کافی ہو۔ آپ (ﷺ) نے اس میں دودھ دوہا، حتیٰ کہ یہ برتن بھر گیا اور اس کے اوپر جھاگ ہی جھاگ تھی۔ پھر آپ (ﷺ) نے ام معبد کو دودھ پلایا، وہ خوب سیر ہو گئیں تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا، سب سے آخر پر خود پیا، آپ (ﷺ) کے ساتھیوں نے دوبار پیا اور خوب سیر ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری بار اسی برتن میں دودھ دوہنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس برتن کو بھر دیا اور اسے ام معبد کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ ام معبد نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ کے نبی (ﷺ) سوئے منزل چل پڑے۔

آپ (ﷺ) کو کوچ کیے ہوئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ ام معبد کے خاوند جناب ابو معبد اپنی کمزور بکریوں کو جو دبلے پن کی وجہ سے مریل چال چل رہی تھیں، ہانکتے ہوئے آپہنچے۔ خیمے میں پڑا دودھ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ بیوی سے پوچھنے لگے: ''اے ام معبد! تیرے پاس یہ دودھ کہاں سے آگیا؟ بکریاں تو دور دراز تھیں اور جو ایک گھر میں تھی تو وہ دودھ دینے کے قابل نہ تھی۔'' ام معبد کہنے لگیں: ''تجھے کیا بتلاؤں، اللہ کی قسم! ایک بابرکت انسان تھا جو ہمارے پاس سے ہو کر گیا۔'' اور پھر ام معبد نے پورا واقعہ بیان کیا۔ اب ابو معبد کہنے لگے: ''اس مبارک آدمی کا حلیہ تو بتلا کہ وہ تھا کیسا؟'' ام معبد اپنے خاوند ابو معبد کو مبارک آدمی کا حلیہ بتلانے لگیں کہ میں نے جو مبارک آدمی دیکھا تو:

۱۔ ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ...... رنگ چمکتا ہوا۔

۲۔ اَبْلَجَ الْوَجْهِ...... تابناک چہرا۔

۳۔ حَسَنَ الْخَلْقِ...... بناوٹ میں حسن کا نظارہ۔

۴۔ لَمْ تَعِبْهُ ثَجْلَةٌ...... نہ بڑھے پیٹ کا عیب لگا ہوا۔

۵۔ وَلَمْ تَزْرِيهِ صَعْلَةٌ ...... نہ سر پہ بالوں کی کمی کا مسئلہ۔

۶۔ وَسِيمٌ قَسِيمٌ ...... کھلا کھلا خوبصورت مکھڑا۔

۷۔ فِي عَيْنَيْهِ دَعَجٌ ...... آنکھیں سرمگیں۔

۸۔ وَ فِيْ اَشْفَارِهِ وَطْفٌ ...... لمبی پلکیں۔

۹۔ وَفِيْ صَوْتِهِ صَهْلٌ ...... آواز رعب دار۔

۱۰۔ وَ فِيْ عُنُقِهِ سَطَعٌ ...... گردن صراحی دار۔

۱۱۔ وَ فِيْ لِحْيَتِهِ كَثَاثَةٌ ...... گھنی داڑھی میں بال ہلکے سے گولائی دار۔

۱۲۔ اَزَجُّ ...... ابرو باریک اور دراز۔

۱۳۔ اَقْرَنُ ...... گھنی بھوؤں والے۔

۱۴۔ اِنْ صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ ...... خاموش ہوں تو پروقار۔

۱۵۔ وَ اِنْ تَكَلَّمَ سَمَاهُ وَعَلَاهُ الْبَهَاءُ ...... گفتگو فرمائیں تو بالا وکشش دار۔

۱۶۔ اَجْمَلَ النَّاسِ وَ اَبْهَاهُ مِنْ بَعِيْدٍ ...... دور سے دیکھیں تو سب سے بڑھ کر باکمال اور پرجمال۔

۱۷۔ وَ اَحْسَنَهُ وَ اَجْمَلَهُ مِنْ قَرِيْبٍ ...... قریب سے دیکھیں تو حسن ورعنائی کے آئینہ دار۔

۱۸۔ حُلْوَ الْمَنْطِقِ ...... بولیں تو لگے شیرینی اور مٹھاس کا احساس۔

۱۹۔ فَصْلًا لَا نَزْرَ وَلَا هَذْرَ ...... جملے واضح اور دوٹوک، نہ اختصار نہ زیادہ بول بال۔

۲۰۔ كَاَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ ...... بولتے تو یوں لگتے جیسے لڑی سے لگی ہے موتیوں کی برسے برسات۔

۲۱۔ رَبْعَةً لَا تَشْنَأُهُ مِنْ طُوْلٍ ...... قد درمیانہ، نا کہ اتنا لمبا کہ لگے ناگوار۔

۲۲۔ وَلَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ ...... نا اس قدر چھوٹا کہ آنکھ کو لگے خراب حال۔

۲۳۔ غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ ...... قد ایسا کہ وہ ہے دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ۔

۲۴۔ فَهُوَ اَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا ...... جو دیکھنے میں دیتی ہے سب سے زیادہ تازہ بہار۔

۲۵۔ وَاَحْسَنُهُمْ قَدْرًا ...... سب سے زیادہ متناسب اعضاء والا۔

۲۶۔ لَهٗ رُفَقَاءُ یَحُفُّوْنَ بِهٖ ......اس کے ساتھی اس کے گرد (یوں) گھیرا ڈالے بیٹھتے ہیں (جیسے تاروں میں گھرا چاند)۔

۲۷۔ اِنْ قَالَ سَمِعُوْا لِقَوْلِهٖ ......آپ بولیں تو وہ ہوتے ہیں گوش برآواز۔

۲۸۔ وَ اِنْ اَمَرَ تَبَادَرُوْا اِلٰی اَمْرِهٖ ......حکم فرمائیں تو بجالانے میں ہوتے ہیں پا برکاب۔

۲۹۔ مَحْفُوْدٌ ......ہر کوئی خدمت کے لیے حاضر باش۔

۳۰۔ مَحْشُوْدٌ ......حاشیے کے اندر چادر پھول دار۔

۳۱۔ لَا عَابِسٌ ...... پیشانی پہ شکن نہیں۔

۳۲۔ وَلَا مُفَنِّدٌ......طبیعت ترش نہیں۔

ابو معبد یہ حلیہ سن کر کہنے لگے: ''ان صفات کا حامل، اللہ کی قسم! وہی قریش والا شخص ہے، جس کی سرگرمیوں کا ذکر چلتا رہتا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس کی خدمت میں حاضری دوں، اگر کوئی راستہ نکلا تو میں ایسا ضرور کروں گا۔''

[مستدرک حاکم: ۳/۹، ۱۰، ح: ۴۲۷۴ و إسناده حسن، صححه الحاکم و وافقه الذهبی۔ طبرانی کبیر: ۴/۴۸ تا ۵۱، ح: ۳۶۰۵، حسن۔ طبقات ابن سعد: ۱/۱۷۷تا ۱۷۹، حسن]

سفید لباس کا تحفہ:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں: ''راستے میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات حضرت زبیر سے ہوئی، وہ ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ تھے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ شام سے آرہا تھا۔ حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو سفید لباس زیب تن کروایا۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابه إلی: ۳۹۰۶]

عرب کے لوگو! دیکھو! تمھارا سردار آ گیا:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ کے مسلمانوں کو اطلاع مل چکی تھی کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ سے چل پڑے ہیں، لہٰذا وہ روزانہ ''حرّہ'' کے مقام تک آتے۔

وہاں انتظار کرتے رہتے، حتیٰ کہ دوپہر کی گرمی شدید ہوجاتی اور پھر انھیں واپس جانا پڑتا۔ ایک دن بہت لمبا انتظار کرنے کے بعد جب مدینہ کے لوگ واپس اپنے اپنے گھروں میں پہنچے ہی تھے کہ ایک یہودی اپنے محل پر کسی کام کے لیے چڑھا، رسول اللہ (ﷺ) کی جانب اس کی نظر پڑی تو اس نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھ لیا کہ کچھ لوگ سفید لباس زیب تن کیے چلے آرہے ہیں۔ جس قدر وہ قریب ہوتے جارہے تھے اتنا ہی سراب (ریتلی زمین وغیرہ کی وہ چمک جس پر چاند اور سورج کی چمک سے پانی کا دھوکا ہوتا ہے) ختم ہوتا جارہا تھا۔ یہ دیکھ کر یہودی بے اختیار پکار اٹھا: ''اے عرب کے لوگو! تمھارے یہ بزرگ سردار آگئے جن کا تمھیں انتظار تھا۔'' مسلمان ہتھیاروں کی طرف لپکے اور مسلح ہو کر جلدی سے حرہ پہنچے اور انھوں نے اللہ کے رسول (ﷺ) کا استقبال کیا۔ آپ (ﷺ) نے استقبال کرنے والوں کو ہمراہ لیا اور دائیں طرف کا راستہ اختیار کرتے ہوئے بنی عمرو بن عوف کے محلے میں پہنچے۔ یہ سوموار کا دن تھا۔ ربیع الاول کا مہینا تھا (بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء)۔

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) لوگوں سے ملنے کے لیے کھڑے ہوگئے جبکہ اللہ کے رسول (ﷺ) خاموشی سے بیٹھے رہے۔ انصار کے وہ لوگ جنھوں نے اس سے پہلے جناب رسول کریم ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو (ان کی سفید داڑھی کی وجہ سے محمد کریم ﷺ سمجھ کر) سلام کرتے رہے لیکن کچھ دیر بعد جب سورج کی دھوپ جناب رسول کریم ﷺ پر پڑنے لگی تو جناب صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے اپنی چادر سے آپ ﷺ پر سایہ کر دیا۔ اس وقت سب لوگ سمجھے کہ محمد کریم ﷺ تو وہ ہیں جو (سیاہ داڑھی والے) بیٹھے ہوئے ہیں۔ جناب رسول کریم (ﷺ) نے بنی عمرو بن عوف کے محلے میں تقریباً دس راتوں کا قیام کیا اور مسجد (قبا) کہ جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، اس مسجد کو آپ ﷺ نے اس دوران تعمیر کروایا اور آپ ﷺ نے اس میں نماز ادا فرمائی۔

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ ......الخ : ٣٩٠٦، ٤٢٨]

اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے پہلے یہودی نے دیکھا۔ حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اے یہودیو! جس نبی کا تم انتظار کر رہے تھے، دیکھ لو! اس پر پہلی نظر تمھاری ہی پڑی ہے، تم اپنی کتاب تورات میں اس نبی کا جنوب کی طرف سے اور

فاران کی سمت سے آنا پڑھتے اور انتظار کرتے تھے، اب وہ نبی آ گیا۔ دیکھنا انکار میں بھی کہیں پہل نہ کر دینا، لیکن یہودیوں کی بدقسمتی کہ وہ اس نبی کے آنے کی پیشگوئی بھی پڑھتے تھے، مدینہ ہی میں اس نبی کا انتظار بھی کر رہے تھے اور اس نبی پر پہلی نظر بھی انھی کی پڑی، لیکن قرآن کے الفاظ میں ﴿ أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ﴾ [البقرة : ٢/ ٤١] اس نبی کا انکار کرنے میں پہل بھی انھی یہودیوں نے کی۔

تلوار بردار محافظوں کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ کا والہانہ استقبال :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جناب رسول کریم ﷺ نے (قبا کے محلہ) بنوعمرو بن عوف میں قیام کے بعد بنونجار کے سرداروں کی طرف مدینہ میں تشریف لے جانے کا پیغام بھیجا۔ وہ خوشی سے تلواریں لٹکائے دوڑتے آئے۔ وہ منظر آج بھی میری نگاہوں کے سامنے اس طرح آ رہا ہے گویا کہ میں اللہ کے رسول (ﷺ) کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ (ﷺ) اپنی سواری پر سوار ہیں۔ جناب ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آپ (ﷺ) کے پیچھے بیٹھے ہیں اور بنونجار کے رؤسا تلواریں لہراتے ہوئے آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ٣٩١١]

صحیح روایات کے مطابق مرد، خواتین، لڑکے اور خدمت گزار گھروں کی چھتوں پر اور راستوں میں کھڑے ہو کر استقبال کر رہے تھے۔

[ابن حبان : ٦٢٨١ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ٢/١، ٣، ح :٣ و إسناده صحيح۔ المطالب العالية : ٩/ ٥٢٩، ح : ٦١٩٤ و إسناده صحيح]

بخاری (٣٩٠٦) کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ سوموار کے دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) مدینہ تشریف لائے تو تقریباً پانچ سو انصاریوں نے آپ (ﷺ) اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا استقبال کیا اور انصار یہ جملہ بول رہے تھے:

((إِنْطَلِقَا آمِنَيْنِ مُطَاعَيْنِ))

[المطالب العالية : ٩/ ٥٢٩، ح : ٦١٩٤ إسناده صحيح]

''آپ دونوں بے خوف وخطر ہو کر تشریف لائیں آپ کی اطاعت کی جائے گی۔''

رسول کریم ﷺ کی آمد پر حبشیوں کا کھیل:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جب اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی میں حبشہ کے لوگوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ کھیل پیش کیا۔''

[أبو داوٗد، کتاب الأدب، باب فی الغناء : ٤٩٢٣ و إسنادہ صحیح]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے: ''جس روز اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابو بکر مدینہ میں داخل ہوئے، میں نے اس دن سے بڑھ کر زندگی بھر کبھی کوئی ایسا دن نہیں دیکھا جو اس سے بڑھ کر رنگین اور حسین ہو۔''

[مسند أحمد : ١٢٢/٣، ١٢٣، ح : ١٢٢٥٩ و إسنادہ صحیح۔ مستدرك حاکم : ١٢/٣، ح : ٤٢٨١ و إسنادہ صحیح ۔ الترمذی: ٣٦١٨ و إسنادہ حسن لذاتہ]

مسجد کے لیے دو یتیم بچوں کی زمین:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''آپ ﷺ اہل مدینہ کے ہمراہ چل رہے تھے کہ آپ ﷺ کی اونٹنی اس جگہ کے پاس آکر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد نبوی ہے۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ٣٩٠٦۔ مستدرك حاکم : ١١/٣، ح : ٤٢٧٧ و إسنادہ حسن لذاتہ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''یہاں مشرکین کی قبریں تھیں، منہدم شدہ عمارت تھی اور کھجوروں کے درخت بھی تھے۔''

[بخاری، کتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور۔الخ : ٤٢٨۔ ابن حبان : ٢٣٢٨ و إسنادہ صحیح]

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ان دنوں یہاں کچھ مسلمان نماز بھی ادا کیا کرتے تھے۔ یہ جگہ سہل اور سہیل نامی دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اس جگہ کھجوروں کو بکھیر کر خشک بھی کیا جاتا تھا۔ یہ دونوں لڑکے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی پرورش میں تھے۔ جب آپ ﷺ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے چاہا تو یہی جگہ ہماری منزل ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں یتیم بچوں کو بلایا اور ان سے جگہ خریدنے کی بات چیت شروع کی، تا کہ

وہاں مسجد تعمیر کی جا سکے۔ دونوں لڑکوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! قیمتاً نہیں، بلکہ ہم اس جگہ کو ویسے ہی آپ (ﷺ) کے سپرد کرتے ہیں۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ ...... الخ : ٣٩٠٦، ٤٢٨]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یتیم لڑکوں کے الفاظ اس طرح ہیں:

''اللہ کی قسم! بالکل نہیں، ہم اس کی قیمت صرف اللہ سے لیں گے۔''

لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے یہ جگہ مفت نہ لی بلکہ بچوں کو قیمت ادا کر دی۔

[بخاری، کتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور...... الخ : ٤٢٨۔ ابن حبان : ٢٣٢٨ و إسناده صحيح]

رسول ہاشمی ﷺ مہمان، ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبان:

ا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہر کوئی جھگڑا کر رہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں۔ یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں بنونجار کے محلے میں سواری سے اتروں گا، جو عبدالمطلب کے ننھیال ہیں۔''

[مسلم، کتاب الزهد، باب في حديث الهجرة و يقال له حديث الرحل : ٢٠٠٩، بعد ٣٠١٤۔ ابن حبان : ٦٢٨١ و إسناده صحيح]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر جب اللہ کے رسول ﷺ وہاں پہنچ گئے تو پوچھا: ''ہمارے ننھیالی رشتہ داروں میں سے کس کا گھر یہاں سے قریب ہے؟'' حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بولے: ''اے اللہ کے نبی! (ﷺ) میں حاضر ہوں! میرا گھر اور یہ میرا دروازہ ہے، آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''جاؤ! پھر ہمارے دوپہر کے آرام کا بندوبست کرو۔''

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ کی برکت کے ساتھ آپ دونوں تشریف لے چلیں، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔'' پھر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جو گھر کا کھلا صحن تھا، اللہ کے نبی ﷺ نے اس میں قدم رکھ دیا۔

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ٣٩١١]

صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام پذیر ہوئے تو آپ ﷺ نچلی منزل میں اور وہ اوپر والی منزل میں رہنے لگے۔ ایک رات حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نیچے ہیں اور ہم ان کے اوپر چل پھر رہے ہیں۔ اس سوچ کے تحت وہ کمرے کے ایک کونے میں ہو گئے اور ساری رات اسی کونے میں گزار دی۔ اگلے دن اس واقعہ سے اللہ کے رسول ﷺ کو آگاہ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نیچے ہی بہتر ہے لیکن حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''آپ ﷺ نیچے رہیں اور میں چوبارے پر، ایسا نہیں ہو گا۔'' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ اوپر قیام پذیر ہو گئے اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نیچے آ گئے۔

[مسلم، کتاب الأشربة، باب إباحة أكل الثوم...... الخ : ۲۰۵۳/۱۷۱]

ایک روایت کے مطابق حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہمارا پانی کا مٹکا ٹوٹ گیا۔ میں بھی جلدی سے اٹھا اور میری بیوی بھی چادر لے کر پانی کی طرف دوڑی۔ ڈر یہ تھا کہ پانی نیچے ٹپک کر اللہ کے رسول ﷺ کے لیے تکلیف کا باعث نہ بن جائے۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسری اوڑھنے کی چیز نہ تھی۔''

[سيرة ابن هشام : ۱۴۰/۲ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ۴۶۰/۳، ۴۶۱، ح : ۵۹۳۹ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۵۱۰/۲ حسن]

یہ تھی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام ایوب رضی اللہ عنہا کی محبت کہ انھوں نے جلدی سے پانی پر لحاف ڈال دیا اور اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا لحاف بھی نہ تھا۔ الغرض، اللہ کے رسول ﷺ نے مہینا بھر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کیا اور پھر آپ ﷺ اپنے اس گھر میں منتقل ہو گئے جو مسجد نبوی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنو نجار سے تھا۔ رسول کریم ﷺ کے دادا جان جناب عبدالمطلب کی والدہ اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے یہ خاندان آپ ﷺ کا ننھیال بن گیا۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ماں کے رشتہ داروں سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے دل میں بھی ننھیال کے ساتھ فطری محبت کا یہی جذبہ تھا جو موجزن ہوا اور آپ ﷺ

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

مستدرک حاکم (۸۴،۸۵/۲) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نام خالد بن زید انصاری تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کے ہمراہ قسطنطنیہ (استنبول) کے جہاد میں تشریف لے گئے تھے۔

۵۱ ہجری میں وہاں آپ کی وفات ہوئی اور وصیت کے مطابق وہیں شہر کی چار دیواری کے قریب آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا۔

میں نے اپنے ترکی کے دورہ کے دوران استنبول میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر دیکھی۔ یہ علاقہ اب شہر کا حصہ بن چکا ہے۔

قابل غور ہے یہ بات کہ میزبان رسول بڑھاپے کے دوران اسی (۸۰) سال کی عمر میں اس قدر دور صلیبیوں کے خلاف جہاد کرنے آئے۔ اس مجاہد کبیر کی قبر پر کھڑے ہوئے ہاتھ رب کے حضور اٹھے تھے، آنکھیں پرنم تھیں کہ کس قدر عظیم تھے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔







مدینہ میں مصروفیات

مسجد نبوی کا سنگ بنیاد:

رسول کریم ﷺ کے خدمت گار جناب سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”جب اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد کی بنیاد رکھی تو آپ ﷺ کے بنیاد رکھنے کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پتھر لائے اور اسے بنیاد میں رکھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پتھر لائے اور انھوں نے اسے رکھا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پتھر لائے اور انھوں نے رکھا، اس کے بعد جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((هٰؤُلَاءِ وُلَاةُ الْأَمْرِ مِنْ بَعْدِيْ))

[مستدرك حاكم : ١٣/٣ ح : ٤٢٨٤ و إسناده حسن لذاته، نعيم بن حماد و حشرج بن نباتة هما صدوقان وثقهما الجمهور]

”یہ لوگ میرے بعد حکومتی معاملات کے ذمہ دار (خلفاء) ہوں گے۔“

رسول کریم ﷺ صحابہ کے ہمراہ اینٹیں ڈھو رہے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ (مسجد کی تعمیر کے لیے) اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا اور مشرکوں کی قبریں اور کھنڈرات وغیرہ سب برابر کر دیے گئے۔ کھجوروں کے درخت کاٹ دیے گئے۔ درختوں کے تنے مسجد کے قبلے کی طرف ایک قطار میں اس طرح کھڑے کیے گئے کہ ان کی دیوار بن گئی اور دروازہ رکھا گیا تو اس کی چوکھٹ پتھروں سے بنائی گئی۔

صحابہ جب پتھر لا رہے تھے تو شعر پڑھ رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کے ہمراہ پڑھ رہے تھے۔ اشعار اس طرح تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! دنیا کی دولت و زینت کا ذکر کیا...... دولت و زینت تو آخرت کی ہے لہٰذا انصار اور مہاجروں کو بخش دے (اور آخرت کی دولت و زینت اور بھلائیوں سے نواز دے)۔''

[بخاري، كتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور...... الخ : ٤٢٨]

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ہمراہ اینٹیں ڈھو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرْ
هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَ أَطْهَرْ

''یہ مسجد کی اینٹوں کے بوجھ خیبر کے اس بوجھ جیسے نہیں کہ جنھیں لوگ وہاں سے کھجوروں اور انگوروں کی صورت میں اٹھا کر لاتے ہیں بلکہ یہ تو وہ بوجھ ہیں جو بڑے پاکیزہ ہیں اور ان کا صلہ ہمارے رب کے پاس ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ یہ شعر بھی پڑھتے :

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَهْ
فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! اصل مزدوری کا صلہ تو آخرت کی مزدوری کا صلہ ہے، پس انصار پر بھی رحم فرما اور مہاجرین پر بھی مہربانی فرما۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ٣٩٠٦]

منبر رسول بنوانے کا شرف ایک خاتون نے حاصل کر لیا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں آپ کے لیے کوئی ایسی شے تیار کروا دوں کہ

آپ اس پر بیٹھ جایا کریں؟ کیونکہ میرا ایک غلام لکڑی کا کاریگر ہے۔" آپ (ﷺ) نے فرمایا:

"اگر تو نے ارادہ کر لیا ہے تو پھر منبر بنوا دے۔"

[بخاری، کتاب الصلوة، باب الإستعانة بالنجار والصناع ...... الخ : ٤٤٩]

پیشاب کر لینے دو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ہم سب لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور مسجد کے ایک کونے میں کھڑے پیشاب کرنے لگ گیا۔ صحابہ نے کہا: "ارے! یہ کیا کر رہا ہے؟" اور اس کے ساتھ ہی اس کی طرف بھاگنے کو لپکے، اللہ کے رسول (ﷺ) نے یہ صورتحال دیکھی تو صحابہ سے کہا: "اس کا پیشاب مت روکو، اسے کچھ مت کہو۔" چنانچہ صحابہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس دیہاتی نے اپنے پیشاب کا عمل مکمل کر لیا، اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اسے اپنے پاس بلوایا اور کہا:

"یہ جو مسجدیں ہیں ان میں پیشاب اور اس طرح کی نجاستوں سے آلودگی پھیلانا اچھی بات نہیں، یہ مسجدیں تو اللہ کے ذکر کے لیے بنائی جاتی ہیں، یہ تو نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہیں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "اس کے بعد اللہ کے رسول (ﷺ) نے لوگوں میں موجود ایک شخص کو پانی لانے کا حکم دیا، وہ پانی کا ڈول لے آیا، چنانچہ اس جگہ پانی بہا دیا گیا۔"

[مسلم، کتاب الطھارة، باب وجوب غسل البول وغیره...... الخ : ٢٨٥]

آج ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے، کسی نمازی نے آمین بلند آواز سے کہہ دی تو سارے نمازی اس کے درپے ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس اگر کوئی نمازی پاؤں سے پاؤں نہیں ملاتا تو ساتھ والا اس کی ٹانگ پکڑ کر جبراً اپنے ساتھ ملاتا ہے، یہ سارے انداز اور طریقے غلط اور جذباتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور کریمانہ اخلاق یہ ہے کہ تم جس کام کو غلط سمجھتے ہو اسے اخلاق کے ساتھ سمجھاؤ اور اگر تم خود ہی غلط ہو تو مخالف کی بات کو وزن دو۔ بہر حال، اخلاق اور ہمدردی کا دامن ہاتھوں سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کس قدر ہمدرد ہیں کہ دیہاتی کے پیشاب کو بھی درمیان میں روکنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ اس لیے کہ پیشاب

کو درمیان میں روکنا تکلیف کا باعث ہے، بیماری کا باعث بھی ہو سکتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ تو سب کے لیے باعث رحمت ہیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم (ﷺ) کے زمانے میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی جبکہ مسجد کے ستون کھجور کے تنے کے تھے۔ جب حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا دور آیا تو انھوں نے مسجد میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ پھر جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا دور آیا تو انھوں نے مسجد کو نئے سرے سے بنوایا اور تعمیر انھی بنیادوں پر کی جن پر رسول کریم (ﷺ) نے کی تھی۔ سامان بھی وہی استعمال کیا، کچی اینٹیں، کھجور کی شاخیں اور کھجور کے تنے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے مسجد نبوی کو از سر نو بہت ساری جدتوں کے ساتھ بدل دیا۔ مسجد کی دیواروں کو منقش پتھروں کے ساتھ بنوایا۔ اپنے دور کے مروج سیمنٹ سے چنائی کی اور چھت ساگوان کی لکڑی سے بنوائی۔

[بخاري، كتاب الصلوة، باب بنيان المسجد : ٤٤٦]

قارئین کرام! مسجد نبوی کی پہلی توسیع جناب رسول کریم ﷺ نے خود اس وقت کی جب آپ ﷺ خیبر فتح کر کے مدینہ واپس آئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو مضبوط کیا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے مسجد کو وسیع بھی کیا اور خوبصورت بھی بنایا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے 88ھ میں مسجد کو وسیع کیا، پھر 161ھ میں خلیفہ مہدی نے مسجد کی توسیع کی۔

اس کے بعد عثمانی خلیفہ، عبدالمجید ثانی کے عہد میں 1265ھ سے لے کر 1277ھ تک متواتر بارہ سال میں مسجد نبوی کی توسیع ہوئی۔

1368ھ بمطابق 1951ء میں جلالۃ الملک شاہ عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ نے مسجد کی توسیع پر 5 کروڑ ریال خرچ کیے۔ کل پیمائش 16326 مربع میٹر ہوگئی اور اکتوبر 1955ء میں یہ توسیع مکمل ہوگئی۔

اس کے بعد چودہ سو سالہ تاریخ کی سب سے بڑی توسیع خادم الحرمین الشریفین

شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں ہوئی۔ اس کا دورانیہ 1405ھ سے لے کر 1414ھ تک ہے۔ تعمیرات کی جدید ترین اور تیز ترین ٹیکنالوجی استعمال کی گئی۔ مسجد کی زمینی منزل کی پیمائش بیاسی ہزار مربع میٹر ہوگئی یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا جو شہر تھا، وہ سارا مدینہ شہر، شاہ فہد رحمہ اللہ کے دور میں مسجد بن گیا۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ نے 2005ء میں خادم الحرمین الشریفین کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی مسجد نبوی کی مزید توسیع کا حکم دے دیا اور یہ توسیع اب تک جاری ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے مگر کیسے......؟:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مجھے بتلایا:
''میں اہل فارس (ایران) میں سے، اصفہان کے باسیوں میں سے تھا، جس گاؤں میں رہائش تھی اس گاؤں کا نام ''جَییّ'' تھا۔ میرا باپ کاشتکار تھا، جو اپنی زمین پر کاشت کاری کرتا تھا۔ میرا والد مجھ سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ وہ اتنی محبت نہ اپنے مال سے کرتا تھا اور نہ اپنی دیگر اولاد سے۔ باپ کی یہ محبت میرے ساتھ اسی طرح رہی حتیٰ کہ اس محبت کی وجہ سے باپ نے مجھے گھر میں اس طرح روک لیا جس طرح جوان دوشیزہ کو گھر میں سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ میں اپنے دین مجوسیت کی خدمت میں لگا رہا حتیٰ کہ میں آگ کا خادم بن گیا، اسے جلائے رکھتا اور اسے ایک لحہ کے لیے بھی بجھنے نہ دیتا تھا۔ بس میں اپنے اسی کام میں مگن تھا اور باقی دنیا سے بے خبر تھا کہ میرے باپ نے ایک عمارت بنانا شروع کی اس کی کچھ زمین بھی تھی جس میں کھیتی باڑی کا کام تھا، تو اس نے مجھے بلایا اور کہا: ''میرے بیٹے! جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے صورت حال یہ ہے کہ مجھے کھیتی باڑی کے کام سے تعمیراتی کام نے مشغول کر رکھا ہے جبکہ کھیتی باڑی کے کاموں سے مطلع رہنا بھی ضروری ہے، لہٰذا تو زمینوں کی رکھوالی کر، کھیتی باڑی کرنے والوں کی نگرانی کر اور یاد رکھ تو مجھ سے (زیادہ دیر) دور نہ رہنا، کیونکہ اگر تو مجھ سے (زیادہ دیر) دور رہا تو یہ دوری مجھے ہر کام سے پریشان کر دے گی۔''

چنانچہ میں اس کام کی طرف جانے لگا تو عیسائیوں کے گرجے کے پاس سے گزر ہوا۔ میں نے ان کی آوازوں کو سنا تو کسی سے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''یہ عیسائی ہیں

اور وہ نماز ادا کر رہے ہیں۔'' چنانچہ میں دیکھنے کو اندر داخل ہوا تو میں نے ان کو جس حال میں دیکھا وہ مجھے بڑا اچھا لگا۔ اللہ کی قسم! میں انھی کے پاس بیٹھا رہا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ دوسری جانب میرے باپ نے میری تلاش میں علاقے کا کونا کونا چھان مارا، حتیٰ کہ شام کے وقت جب میں خود ہی اپنے باپ کے پاس پہنچا تو میرے باپ نے کہا: ''تو کہاں گیا تھا؟ میں نے تجھے کہاں بھیجا اور تو کدھر پھرتا رہا؟'' میں نے کہا: ''اے میرے ابا جان! میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جنھیں نصرانی کہا جاتا ہے، مجھے ان کی نمازیں اور دعائیں بڑی اچھی لگیں لہٰذا میں بیٹھا انھیں دیکھتا رہا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔'' باپ نے کہا: ''بیٹا! تیرا دین اور تیرے باپ کا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔'' میں نے کہا:

«لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِخَيْرٍ مِنْ دِينِهِمْ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ يَعْبُدُونَ اللّٰهَ وَ يَدْعُونَهُ وَ يُصَلُّونَ لَهُ وَ نَحْنُ إِنَّمَا نَعْبُدُ نَارًا نُوقِدُهَا بِأَيْدِينَا إِذَا تَرَكْنَاهَا مَاتَتْ»

''اللہ کی قسم! ہمارا دین ان کے دین سے بہتر نہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی سے دعائیں مانگتے ہیں، اسی کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور ہم ہیں کہ آگ کی عبادت کرتے ہیں، اسے اپنے ہاتھ سے جلاتے ہیں۔ جب اسے چھوڑتے ہیں تو وہ مر (بجھ) جاتی ہے۔''

میری یہ گفتگو سن کر میرا باپ مجھ سے ڈر گیا کہ یہ اب اپنے دین پر نہیں رہے گا، لہٰذا اس نے میرے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں اور اپنے پاس گھر میں روک لیا۔ میں نے کسی طرح عیسائیوں کی طرف پیغام بھیجا اور پوچھا: ''وہ دین جس پر میں نے تمھیں دیکھا ہے وہ کہاں سے ملے گا؟'' انھوں نے جواب بھیجا: ''شام میں ملے گا۔'' میں نے پھر پیغام روانہ کیا کہ جب شام سے کوئی بھی قافلہ تمھارے پاس آئے تو مجھے اطلاع ضرور کرنا۔ انھوں نے کہا: ''ضرور کریں گے۔'' چنانچہ ایک دن شام سے کچھ لوگ ان کے پاس اپنی تجارت کے سلسلہ میں آئے۔ اب کے انھوں نے میری طرف پیغام بھیجا: ''ہمارے تاجر آ گئے ہیں۔'' میں نے جواب بھیجا: ''جب وہ اپنے تجارتی امور مکمل کر لیں اور واپسی کا ارادہ کر لیں تو مجھے اطلاع کر دینا۔'' انھوں نے کہا: ''ہم کر دیں گے۔'' چنانچہ جب ان تاجروں نے اپنے امور مکمل کر لیے

اور واپس جانے لگے تو میری طرف پیغام آ گیا۔ میں نے اب اپنے پاؤں میں پڑی لوہے کی بیڑیوں کو کاٹ پھینکا اور ان تاجروں سے جا ملا، پھر میں ان کے ساتھ چل دیا حتیٰ کہ شام پہنچ گیا۔

عیسائی پادری کا خزانہ، سونے چاندی کی سات بوریاں:

شام پہنچ کر میں نے اپنے ہم سفر ساتھیوں سے پوچھا: ''اس دین کے ذمہ داران میں سے سب سے افضل کون ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اسقف (بشپ)۔'' میں اس کے پاس آیا اور اسے کہا: ''میری خواہش یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ گرجا میں رہوں، آپ کے ساتھ رہ کر اللہ کی عبادت کروں اور آپ سے خیر و بھلائی کی تعلیم حاصل کروں۔'' بشپ نے کہا: ''ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ رہیے۔'' اب میں اس کے ساتھ رہنے لگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ تو بدتر انسان ہے۔ اپنے لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے، انھیں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن لوگ مال جمع کر کے اس کے حوالے کرتے ہیں تو یہ اس مال کو اپنے پاس جمع کر لیتا ہے اور مساکین کو نہیں دیتا۔ میں نے اس کا یہ حال دیکھا تو مجھے اس پر شدید غصہ آیا۔ بہرحال وہ جلد ہی مر گیا۔ جب اس کے لوگ اسے دفن کرنے آئے تو میں نے انھیں کہا: ''یہ تو بڑا برا آدمی تھا، تم کو صدقہ کرنے کا حکم اور ترغیب دیتا تھا لیکن جب تم مال جمع کر کے اس کے حوالے کرتے تھے تو یہ اس مال کو بطور خزانہ جمع کر لیتا تھا اور مسکینوں کو نہیں دیتا تھا۔'' لوگوں نے کہا: ''اس کی دلیل کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''میں وہ خزانہ نکال کر تمھارے سامنے رکھ دیتا ہوں۔'' لوگوں نے کہا: ''لاؤ۔'' تب میں نے سونے چاندی کی بھری ہوئی سات بوریاں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں۔ لوگوں نے جب دیکھا تو کہا: ''اللہ کی قسم! اس شخص کو کبھی دفن نہیں کیا جائے گا۔'' چنانچہ انھوں نے اس کو لکڑی کی سولی پر چڑھا دیا اور اسے پتھروں کے ساتھ مارا۔

آخری نبی کے کندھے پر مہر نبوت ہو گی:

پھر وہ لوگ ایک اور شخص کو لائے اور اسے اس برے آدمی کی جگہ بٹھا دیا۔ اے ابن عباس! اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی سے پہلے ایسا نیک شخص کبھی نہیں دیکھا، وہ پانچ نمازیں پڑھتا اور دن رات نیک کام میں سخت جدو جہد کرتا۔ دنیا کے ساتھ اسے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ میں نے اس

شخص سے بڑی محبت کی۔ ایسی محبت کہ میں نے اس سے پہلے کسی سے نہ کی تھی۔ میں اس کے ساتھ ہی رہا حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ اب میں نے ان سے عرض کی: ''اللہ کا حکم آپ کے قریب آ گیا ہے، جیسا کہ آپ بھی محسوس کر رہے ہیں اور اللہ کی قسم ! میں نے آپ سے بڑھ کر آج تک کسی شے سے محبت نہیں کی، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ کس کی جانب جانے کی وصیت فرماتے ہیں ؟'' اس نے کہا: ''بیٹا ! بات یہ ہے کہ اللہ کی قسم! میں سوائے ایک شخص کے کسی کو نہیں جانتا اور وہ موصل شہر میں رہتا ہے، اس کے پاس تم چلے جاؤ، تم اسے میری ہی طرح پاؤ گے۔''

پھر وہ عالم فوت ہو گیا تو میں وہاں سے چل دیا اور موصل جا پہنچا۔ موصل میں اسی عالم کے پاس پہنچ گیا۔ ان کے پاس پہنچ کر میں نے ان سے کہا: ''فلاں عالم نے مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی وصیت کی تھی لہٰذا میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور آپ کے پاس ہی رہوں گا۔'' اس عالم نے کہا: ''ٹھیک ہے بیٹا! آپ میرے پاس ہی رہیے۔'' میں نے موصل کے اس عالم کو زہد و تقویٰ میں اسی طرح پایا جس طرح شام کے عالم کو پایا تھا۔ ان کے ساتھ وقت گزرا حتیٰ کہ ان کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا۔ چنانچہ میں نے ان سے عرض کی: ''حضرت ! شام کے عالم نے مجھے آپ کے پاس حاضر ہونے کی وصیت فرمائی، اب اللہ کا حکم (موت) جسے آپ دیکھ رہے ہیں، وہ قریب آن لگا ہے، لہٰذا آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت فرماتے ہیں؟'' اس پر موصل شہر کے اس عالم نے کہا: ''اے میرے بیٹے ! اللہ کی قسم ! میں سوائے ایک عالم کے کسی کو نہیں جانتا کہ وہ اس حق پر ہو کہ جس پر ہم ہیں اور وہ عالم نصیبین شہر میں رہتا ہے، آپ اس کے پاس جائیں اور اس کے پاس رہیں۔'' اس کے بعد یہ حضرت فوت ہو گئے اور ہم نے انھیں دفن کر دیا۔

اب کے میں نصیبین جا پہنچا۔ مذکورہ عالم کے پاس پہنچ کر انھیں بتلایا: ''شام کے عالم نے مجھے موصل کے فلاں عالم کے پاس بھیجا اور موصل کے عالم نے اب مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔'' نصیبین کے اس عالم نے مجھے کہا: ''ٹھیک ہے بیٹا! آپ میرے پاس قیام کیجیے۔'' اب میں ان کے پاس رہنے لگ گیا۔ ان کو بھی میں نے زہد و تقویٰ میں اسی طرح پایا

جس طرح پہلے علماء کو پایا تھا۔ پھر جب ان کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا تو میں نے ان سے عرض کی: ''حضرت! اللہ کا حکم آپ کے قریب آ پہنچا ہے اور آپ اسے دیکھ ہی رہے ہیں، تو جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے شام کے عالم نے موصل کے عالم کے پاس جانے کی وصیت کی، پھر موصل کے عالم نے آپ کے پاس جانے کی وصیت کی، اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت فرماتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: ''بیٹا! اللہ کی قسم! جس طرح حق پر ہم ہیں، ایسے ہی وہ عالم بھی حق پر ہو کہ جس کے پاس میں آپ کو بھیجوں تو میں ماسوائے ایک عالم کے کسی کو نہیں جانتا اور وہ سرزمین روم کے شہر ''عموریہ'' میں ہے، اس کے پاس چلا جا، تو اسے اسی حق پر پائے گا جس حق پر ہم ہیں۔'' وہ فوت ہو گئے تو ہم نے انھیں دفن کر دیا۔

میں موصل سے نکلا اور عموریہ پہنچ گیا۔ عموریہ کے عالم کو بھی میں نے پہلے جیسے علماء کی طرح نیک پایا۔ ان کے پاس قیام پذیر ہوا، یہاں میں نے کمائی بھی کی حتیٰ کہ میرے پاس بکریاں اور گائیں جمع ہو گئیں۔ پھر آخر کار مذکورہ عالم کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا اور میں نے انھیں بھی اسی طرح کہا جس طرح پہلے علماء کو کہتا رہا تھا کہ آپ کے پاس اللہ کا حکم آیا چاہتا ہے، آپ اسے دیکھ رہے ہیں، اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت فرماتے ہیں؟ اس پر عموریہ کے عالم نے کہا: ''جس حق پر ہم ہیں اس پر کوئی اور بھی ہو، اللہ کی قسم! میں ایسے کسی عالم کو نہیں جانتا کہ آپ کو اس کے پاس جانے کی وصیت کروں، لیکن بات یہ ہے کہ اس زمانے کو تو اب پالے گا کہ جس زمانے میں حرم سے ایک نبی مبعوث ہو گا، وہ ایسی سرزمین میں ہجرت کرے گا جو دو حرّوں کے درمیان ہے (پتھروں والی چٹانی سیاہ زمین گویا کہ اسے آگ نے جلا دیا ہے) وہ زمین ویران ہو گی مگر کھجوروں کے درخت سے معمور ہو گی۔ اسی طرح اس پیغمبر کی کچھ اور نشانیاں بھی ہیں۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر ہو گی، وہ نبی ہدیہ کھائے گا، صدقہ نہیں کھائے گا، اگر تو اس علاقے میں جانے کی ہمت رکھتا ہے تو وہاں چلا جا، اس پیغمبر کا زمانہ تجھ پہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔''

عموریہ کے یہ عالم اب فوت ہو گئے، ہم نے انھیں دفن کر دیا، میں اٹھ کھڑا ہوا، حتیٰ کہ عرب تاجروں کے کچھ لوگ، جن کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا، وہ گزرے۔ میں نے ان سے کہا:

''مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کر لو حتیٰ کہ مجھے سرزمین عرب میں لے جاؤ، اس کے بدلے میں میں تمھیں اپنی یہ بکریاں اور گائیں دیتا ہوں۔'' انھوں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' چنانچہ میں نے انھیں بکریاں اور گائیاں دے دیں۔ انھوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا لیکن جب وہ سرزمین عرب کی ''وادی القریٰ'' میں آئے تو انھوں نے میرے ساتھ ظلم کر ڈالا۔ انھوں نے مجھے وادی القریٰ کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اللہ کی قسم! میں نے جب کھجوروں کے درختوں کو دیکھا تو میں نے خیال کیا کہ شاید یہ وہی زمین ہو جس کی صفت میرے لیے عموریہ کے عالم نے بیان کی تھی اور یہ حقیقت میرے سامنے منکشف نہ ہوئی حتیٰ کہ وادی القریٰ کے یہودیوں میں سے بنو قریظہ قبیلے کا ایک آدمی آیا۔ اس آدمی نے مجھے اس شخص سے خرید لیا جس کے پاس میں تھا۔ اب وہ شخص مجھے لے کر یہاں سے چلا حتیٰ کہ مدینہ آ گیا۔ اللہ کی قسم! میں نے جونہی اسے دیکھا تو اس شہر کی صفات کو پہچان لیا۔ اب میں اپنے ساتھی کے ساتھ بطور غلام یہاں رہنے لگ گیا۔

میں رسول کریم ﷺ کو چومتا اور روتا چلا جا رہا تھا:

ادھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ میں مبعوث کر دیا، میں غلامی میں تھا۔ میرے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کا کبھی ذکر نہیں ہوا، حتیٰ کہ آپ ﷺ ''قباء'' میں تشریف لے آئے۔ میں اپنے ساتھی کی کھجوروں میں کام کر رہا تھا۔ میں انھی درختوں میں تھا کہ وہ یہودی جو میرا مالک تھا، اس کے چچا کا بیٹا آیا، اس نے کہا: ''اے فلاں! بنو قیلہ (یعنی اوس وخزرج) کو اللہ برباد کرے، اللہ کی قسم! وہ لوگ تو اس وقت قبا میں مکہ کے ایک آدمی کے گرد جمع ہیں اور وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ شخص نبی ہے۔'' اللہ کی قسم! میں نے جونہی یہ سنا تو میں بہت خوش ہوا، گھنے درخت کی وجہ سے میں گرنے سے بچ گیا، وگرنہ قریب تھا کہ میں اپنے مالک پر گر پڑتا۔ اب میں درخت سے نیچے اترا اور پوچھنے لگا: ''کیا خبر ہے؟ کیا ہوا ہے؟'' میرے یہودی مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے شدید طمانچہ رسید کر دیا، وہ کہنے لگا: ''تو کون ہوتا ہے اور تیرا اس خبر سے کیا تعلق؟ چل اور اپنا کام کر۔'' میں نے اسے اس قدر جواب دیا: ''بات تو کچھ

نہیں مگر میں نے ایک خبر کو سنا، میری شدید خواہش ہے کہ اس خبر کو معلوم کروں۔'' خیر جب شام ہوئی تو میرے پاس کھانے کو جو کچھ تھا میں نے اسے اٹھایا اور اللہ کے رسول ﷺ کی جانب چل دیا۔ آپ ﷺ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ ﷺ کے سامنے آ کر عرض کی: ''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ پردیسی ساتھی ہیں، میرے پاس یہ کچھ کھانا ہے جو صدقہ ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس علاقے میں جو سب سے زیادہ حقدار ہیں وہ آپ لوگ ہیں تو یہ کھانا موجود ہے، تناول فرمائیے!'' اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اپنے صحابہ سے کہا: ''کھاؤ'' اور خود نہیں کھایا۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا: ''یہ ہے وہ منظر جس کا نقشہ عموریہ کے عالم نے کھینچا تھا۔''

اب میں اپنے ٹھکانے پر چلا گیا، جب کہ اللہ کے رسول گرامی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے۔ میرے پاس کھانے کو جو کچھ تھا میں نے اسے دوبارہ جمع کیا اور جناب رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ حاضر ہو کر میں نے کہا: ''میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے، لیجیے! یہ ہدیہ و کرامہ ہے، صدقہ نہیں ہے۔'' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے خود بھی کھایا اور آپ ﷺ کے صحابہ نے بھی کھایا۔ اس پر میں نے کہا: ''دو وصف پورے ہو گئے۔''

پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ایک جنازہ سے تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے، میں آپ کے پیچھے دائیں بائیں لپکنے لگا، تاکہ آپ ﷺ کی کمر پر مہر نبوت دیکھوں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے یوں لپکتے ہوئے دیکھا کہ میں کسی شے کی تلاش میں ہوں کہ جو میرے لیے بیان کی گئی تھی تو آپ ﷺ نے اپنی چادر کو اپنے کندھوں سے سرکا دیا، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھ لیا۔ یہ اسی طرح تھی جس طرح مجھے عموریہ کے عالم نے بتلائی تھی۔ میں نے آپ ﷺ کو پیچھے سے گلے لگا لیا۔ مہر نبوت کو چومنے لگ گیا، میں روئے جا رہا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آواز دی: ''اے سلمان! سامنے آ۔'' چنانچہ میں پلٹا (اب کے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ تشریف فرما ہوئے) تو میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، اب میری خواہش تھی کہ میں اپنا سارا واقعہ آپ ﷺ کے صحابہ کو سناؤں۔ چنانچہ میں نے سارا واقعہ سنایا۔

اے عبداللہ بن عباس! جس طرح میں نے تجھے سنایا اسی طرح صحابہ کو سنایا تھا۔ پھر جب میں فارغ ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اے سلمان! اپنے مالک کو رقم دے کر آزادی حاصل کر۔'' چنانچہ میں نے اپنے مالک سے معاہدہ کر لیا، اب مجھے آزادی کے بدلے اپنے مالک کو چالیس اوقیہ چاندی دینا تھی اور اس کے باغ میں کھجوروں کے تین سو درخت کاشت کرنا تھے۔ اب ہر موجود شخص نے میری مدد کی۔ ایک نے کھجوروں کے تیس پودے دیے، ایک نے بیس دیے، ایک نے دس دیے، ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق میری مدد کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم انھیں لگانے کے لیے گڑھے کھودو اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دو تاکہ میں انھیں اپنے ہاتھ سے گڑھوں میں رکھوں۔'' میں نے گڑھے کھودے اور اللہ کے رسول (ﷺ) کے صحابہ نے بھی میرے ساتھ تعاون کیا۔ اس کے بعد ہم اللہ کے رسول (ﷺ) کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم فارغ ہو گئے۔'' اب آپ (ﷺ) بھی ہمارے ساتھ نکلے اور پودوں کی کاشت والی جگہ پہنچے۔ اب ہمارے ہاتھوں میں پودے تھے، آپ (ﷺ) اپنے ہاتھ مبارک سے لگا رہے تھے اور زمین برابر کر رہے تھے۔ اس اللہ کی قسم جس نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا! آپ (ﷺ) نے جو پودا بھی لگایا ان میں سے کوئی بھی مرا یعنی سوکھا نہیں۔

اب مجھ پر درہموں کی رقم باقی رہ گئی۔ ایسا ہوا کہ ایک بار ایک آدمی آپ (ﷺ) کے پاس رقم لے کر آیا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''وہ سلمان فارسی جس نے اپنے مالک سے رہائی کے لیے معاہدہ کیا ہے، وہ کہاں ہے؟'' چنانچہ مجھے بلایا گیا۔ میں آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''سلمان! یہ رقم لے لے اور جو تیرے ذمہ ہے اسے ادا کر دے۔'' اس پر میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) جو میرے ذمہ ہے یہ رقم تو اس سے بہت کم ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تیرا بوجھ اتارے گا۔'' اس رب کی قسم، جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! میں نے جب اپنے مالکوں کے لیے اس رقم کا وزن کیا تو وہ رقم پوری کی پوری چالیس اوقیہ ہو گئی۔ مجھے غلامی نے روک رکھا تھا، اس لیے میں اللہ کے رسول (ﷺ) کے ساتھ غزوۂ بدر اور احد میں شامل نہ ہو سکا تھا، پھر جب میں آزاد ہو

گیا تو غزوۂ خندق میں شامل ہوا اور اس کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ کسی بھی غزوہ میں شامل ہونے سے نہیں رہا۔"

[مسند أحمد : ٥/ ٤٤١ تا ٤٤٤، ح : ٢٣٧٩٩، و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام : ١/ ٢٤٦ تا ٢٤٨ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ٢/ ٩٢ تا ٩٧ و إسناده حسن لذاته]

بچہ باپ اور ماں کی صورت پر کیسے جاتا ہے؟:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کا پتا چلا تو وہ چند سوالات کرنے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے: "میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا کہ جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

پہلا سوال: "قیامت کی اولین نشانی کیا ہے؟"

دوسرا سوال: "وہ پہلا کھانا کون سا ہوگا جس سے اہل جنت کی ضیافت ہوگی؟"

تیسرا سوال: "بچہ کبھی باپ پر جاتا ہے اور کبھی ماں پر، اس کا سبب کیا ہے؟"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جبریل نے مجھے ابھی ابھی بتلایا ہے۔"

عبد اللہ بن سلام بولے: "فرشتوں میں سے یہ وہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے۔"

اللہ کے نبی ﷺ نے ترتیب وار سوالوں کے یوں جواب دیے۔

پہلا جواب: "قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے ہانک کر مغرب کی طرف لے جائے گی۔"

دوسرا جواب: "وہ پہلا کھانا جس سے اہل جنت کی مہمان نوازی کی جائے گی وہ مچھلی کی کلیجی کا بڑھا ہوا ٹکڑا (یعنی تلی) ہوگا۔"

تیسرا جواب: "بچہ باپ کی شکل پر اس وقت جاتا ہے جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچے کی صورت ماں پر چلی جاتی ہے۔"

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔'' پھر کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ یہودی بڑی بہتان باز قوم ہے۔ جب یہ سنیں گے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان لگائیں گے، لہٰذا قبل اس کے کہ ان لوگوں کو میرے مسلمان ہو جانے کا پتا چلے ان سے میرے بارے پوچھیے۔'' اس کے بعد یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے استفسار فرمایا: ''تم لوگوں میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟'' یہودی کہنے لگے: ''وہ ہم میں سب سے بہتر آدمی ہیں اور سب سے بہتر انسان کے فرزند ارجمند ہیں۔ فضیلت میں بھی وہ ہم سب سے افضل ہیں اور ان کے والد گرامی بھی سب سے افضل آدمی ہیں۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ''اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو تب تمھارا کیا خیال ہوگا؟'' کہنے لگے: ''اللہ انھیں اسلام سے محفوظ رکھے۔'' اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ عبداللہ بن سلام کے بارے میں یہودیوں سے پوچھا تو انھوں نے دوبارہ بھی وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جناب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ باہر نکل آئے اور ان کے سامنے آکر کہنے لگے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔'' یہ سنتے ہی یہودی کہنے لگے: ''یہ تو ہم میں سے سب سے شریر آدمی ہے اور شریر ترین آدمی کا بیٹا ہے۔'' وہ ان کے عیب بیان کرنا شروع ہو گئے، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی کا مجھے ڈر تھا۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب: ٣٩٣٨]

قارئین کرام! یہودیوں کے جھوٹ اور فریب کا یہ پہلا منظر نہ تھا جس کا مشاہدہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، ان کا رویہ اول تا آخر مسلمانان مدینہ کے ساتھ ایسا ہی رہا۔ جی ہاں! آج تک ایسا ہی ہے۔ یہ ظالم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں مگر ایمان اس لیے نہیں لا رہے تھے کہ ان کی خود ساختہ مذہبی چودھراہٹ کا کیا بنے گا؟ اس چودھراہٹ کا اندازہ ابوداؤد کی صحیح سند والی درج ذیل روایت سے لگائیے:

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ انصار کی ایسی عورت جس کا بچہ پیدا ہونے کے بعد زندہ نہ رہتا، وہ یہ منت مانا کرتی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنائے گی۔''

[أبو داوٗد، كتاب الجهاد، باب في الأسير يكره على الإسلام : ٢٦٨٢ و إسناده صحيح]

جی ہاں! یہودی اس مذہبی چودھراہٹ کے سائے تلے اوس اور خزرج سے نذرانے بھی کھاتے اور انھیں سود میں جکڑ کر معاشی بربادی بھی کرتے۔ اب انھیں صاف معلوم ہو رہا تھا کہ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مفادات پر کلہاڑا چلائیں گے۔

مدینہ میں بخار اور مکہ کی یاد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو بخار ہو گیا، میں ان کے پاس گئی اور خیریت پوچھنے لگی: ''ابا جان! تمھارا کیا حال ہے؟ اے بلال! آپ اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبی ﷺ و أصحابه المدينة : ٣٩٢٦]

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو اللہ کی یہ زمین سب سے زیادہ وبا والی تھی۔ مدینہ میں بطحان کے نام سے ایک نالہ تھا جس میں بدمزہ اور بدبودار پانی بہا کرتا۔

[بخاری، کتاب فضائل المدينة، باب : ١٨٨٩]

اسی طرح حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گیا تو ان کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، انھیں بخار تھا، میں نے ان کے والد کو دیکھا کہ وہ اپنی بیٹی کو بوسہ دے رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں: ''میری پیاری بیٹی! طبیعت کیسی ہے؟''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه : ٣٩١٨]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تو حال یہ تھا کہ جب انھیں بخار سے کچھ افاقہ ہوتا تو وہ درد و کرب سے بھری آواز بلند کر کے کہتے: ''کاش! میں جانتا ہوتا کہ کوئی رات مکہ کی وادی میں گزار سکوں گا، میرے اردگرد ''اذخر'' اور ''جلیل'' کی گھاس ہوگی۔ وہ

دن بھی دیکھنے کو ملے گا جب ''مجنہ'' کے چشمے کا پانی پیوں گا۔ وہ وقت بھی کبھی آئے گا کہ ''شامہ'' اور ''طفیل'' کے پہاڑوں کو یہ آنکھیں دیکھیں گی؟''

پھر کہتے: ''اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ کا بیڑا غرق کر، عتبہ بن ربیعہ کو برباد کر اور امیہ بن خلف سے اپنی رحمت کو دور کر کہ جنھوں نے ہمیں ہماری سرزمین مکہ سے نکال باہر کیا اور یہاں وباؤں کے علاقے مدینہ میں لا پھینکا۔'' ایسے حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حضور دعا کی:

''اے اللہ! ہمارے دلوں میں جس طرح مکہ کی محبت ہے اسی طرح مدینہ کی محبت پیدا کر دے، بلکہ مدینہ کو مکہ سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔ اے اللہ! ہمارے (پیمائشی پیمانوں) ''مُد'' اور ''صَاع'' میں ہمارے لیے برکت فرما، مدینہ کی آب و ہوا ہمارے لیے صحت بخش کر دے اور مدینہ کے بخاروں کو جحفہ (ایک ویران علاقہ) میں بھیج دے۔''

[بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب : ۱۸۸۹]

اپنے پیدائشی شہر اور دیس سے پیار انسان کی فطرت میں ہے۔اللہ کے رسول ﷺ بھی جب مکہ چھوڑ رہے تھے تو آپ نے اس پہ نگاہ ڈالی اور مخاطب کر کے کہا:

''مکہ! تجھے چھوڑنے کو دل تو نہیں کرتا مگر کیا کروں تیرے رہنے والوں (مشرکین) نے نکلنے پر مجبور کر دیا۔''

[الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل مکة : ۳۹۲۶ و إسناده حسن لذاته و ۳۹۲۵ إسناده صحیح۔ مسند أحمد : ۳۰۵/۴، ح : ۱۸۷۴۲ و إسناده صحیح۔ ابن ماجه : ۳۱۰۸ و إسناده صحیح]

اسی طرح صحابہ کو بھی مدینہ میں مکہ کی یاد ستانے لگی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کے لیے جو دعا کی اس کی برکت سے اللہ نے مدینہ کو محبوب بنا دیا۔ وباؤں کو بھگا کر مدینہ کو صحت افزا بنا دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی دعا کا اثر ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کو ہیں اور مدینہ منورہ میں آج تک کوئی وبا نہیں پھوٹی، آفرین ہے صحابہ پر کہ جنھوں نے وطن، مال، رشتے دار اور کاروبار وغیرہ سب کچھ چھوڑا تو محض اللہ کے لیے، اللہ کے دین کے لیے۔

میرا آدھا مال لے لو اور بیوی، جو پسند ہو، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (گھر بار چھوڑ کر مدینہ آنے والے مہاجرین یعنی) قریش اور (مدینہ کے مقامی لوگوں یعنی) انصار کے درمیان (باہم بھائی چارے) کا عہد و پیمان میرے گھر میں کروایا۔

[بخاری، کتاب الکفالة، باب قول الله عزوجل ...... الخ : ۲۲۹۴۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبی ﷺ...... الخ : ۲۵۲۹]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ قائم کروا دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت مالدار تھے۔ وہ اپنے (اسلامی مہاجر بھائی) عبدالرحمان بن عوف (رضی اللہ عنہ) سے کہنے لگے: ''انصار جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، اس لیے میں اپنا مال آدھا آدھا کر دینا چاہتا ہوں۔ نصف آپ کے لیے اور نصف اپنے لیے۔ اسی طرح میری دو بیویاں ہیں، ان دونوں میں سے آپ کو جو اچھی لگے، میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ جب اس کی عدت (کے دن) گزر جائیں تو آپ اس سے شادی کر لیں۔'' حضرت عبدالرحمان بن عوف (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال و دولت میں برکت فرمائے، مجھے یہ بتلایئے کہ بازار کدھر ہے؟'' لوگوں نے انھیں ''بنو قینقاع'' کے بازار کے بارے میں بتلا دیا۔ اس کے بعد وہ بازار سے اس وقت تک واپس نہیں آئے جب تک کہ انھوں نے گھی اور پنیر سے کچھ نفع نہیں کما لیا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے جسم پر (خوشبو کی) زردی کا نشان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''یہ نشان کیسا؟'' وہ بولے: ''میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی ہے۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا: ''مہر کیا دیا ہے؟'' حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''کھجور کی ایک گٹھلی کے برابر سونا (تقریباً سوا تولہ)'' یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ))

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب إخاء النبی ﷺ بین المهاجرین : ۳۷۸۱، ۲۰۴۸]

''ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی کا کیوں نہ ہو۔''

سبحان اللہ ! انصار بھائی کا ایثار بے مثال تھا تو مہاجر مسلمان کی خود داری کا کردار بھی لاجواب تھا۔

کہیں انصار آخرت کا سارا اجر ہی نہ سمیٹ لیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں کہ مہاجرین کہنے لگے:

''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جن لوگوں کے پاس آئے ہیں ہم نے آج تک ان جیسی قوم نہیں دیکھی کہ ان میں سے جن کے پاس مال زیادہ ہے وہ ہم پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور جن کے پاس دولت تھوڑی ہے وہ ہماری ہمدردی اور خبر گیری میں کمال دکھاتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں روز گار فراہم کیے۔ ہمیں اپنی خوشیوں اور مسرتوں میں شامل کیا۔ اس قدر کہ اب تو ہمیں یہ خوف لاحق ہوگیا ہے کہ کہیں آخرت کا سارا ثواب وہی نہ لے جائیں۔'' یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تک تم انصار کی تعریف اور ان کے لیے دعا کرتے رہو گے، تم سب ان کے اجر میں شریک رہو گے۔''

[الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ثناء المهاجرین علی صنیع الأنصار معهم : ٢٤٨٧ صحیح۔ أبوداوٗد، کتاب الأدب، باب فی شکر المعروف : ٤٨١٢ إسناده صحیح۔ مسند أحمد : ٣/٢٠٠، ٢٠١، ح : ١٣٠٧٩ صحیح]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ''اس طرح مناسب نہیں۔''

اس کے بعد انصاری لوگ مہاجرین سے کہنے لگے: ''پھر آپ لوگ ہماری زمینوں پر کام کیا کریں اور پھلوں میں ہمارے ساتھ حصے دار بن جائیں۔'' مہاجرین نے کہا: ''آپ کی یہ بات ٹھیک ہے، اسے ہم قبول کرتے ہیں (یعنی باغ تمھاری ملکیت رہیں، کام ہم کریں، پھل

آدھا آدھا کرلیں)۔''

[بخاری، کتاب الحرث والمزارعة، باب إذا قال اکفني مؤونة النخل......الخ : ۲۳۲۵]

انصار کو جب پتا چلا کہ مہاجرین تو کھیتی باڑی نہیں جانتے، زراعت کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں رکھتے تو انصار، جو نخلستانوں، زمینوں اور باغوں کے مالک تھے، کھیتی باڑی میں بھی مہاجرین کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگ گئے لیکن پیداوار میں ان کا حصہ نصف ہی رکھا گیا۔ انصار کا کیا کمال درجے کا ایثار تھا۔

یہ اپنے مسکین رشتہ داروں کو دے دو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''حضرت ابوطلحہ مدینے میں وہ انصاری شخص تھے جن کے پاس کھجوروں کے سب سے زیادہ باغات تھے۔ ان باغات میں انھیں جو باغ سب سے زیادہ پیارا تھا وہ ''بیرحاء'' کا باغ تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے ہی واقع تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے اور یہاں عمدہ اور میٹھا پانی پیتے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ [آل عمران : ۹۲/۳]

''تم اس وقت تک نیکی حاصل نہ کرسکو گے جب تک وہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمھیں بہت پیارا ہو۔''

یہ آیت سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنے باغات میں سب سے محبوب باغ ''بیرحاء'' کا باغ ہے، میں یہ باغ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اس کے ثواب کی امید کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ رہے گا، لہٰذا آپ اسے جیسے چاہیں استعمال کریں۔'' یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا خوب! یہ مال تو (آخرت میں) بہت نفع دینے والا ہے، مال تو بہت نفع دینے والا ہے۔ اے ابوطلحہ! جو تم نے کہا میں نے سن لیا، اب میری رائے یہ ہے کہ اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔''

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسا ہی کروں گا۔'' پھر انھوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں بانٹ دیا۔''

[بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون ﴾ : ٤٥٥٤]

انصار نے ایثار وقربانی کی انتہا کر دی۔ وہ اپنے مہاجر بھائیوں کو بھائی بنا کر اپنے اموال ان کے سپرد کر رہے تھے اور اللہ کا فرمان سن کر اپنی جائدادیں اللہ کی راہ میں وقف بھی کر رہے تھے۔

قربان جاؤں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ کے رشتہ داروں کا خیال کیا کہ وہ مستحق ہیں، ان پر خرچ کرو۔ یہ ایک معاشرتی المیہ ہے، جو اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک امیر آدمی اپنے سے غریب اپنے بہن بھائی، خالہ زاد، چچازاد اور ماموں زاد وغیرہ کا خیال ہی نہیں کرتا، بلکہ اپنی عیش وعشرت میں مگن رہتا ہے، یا اگر خرچ کرتا بھی ہے تو غیروں پر، اس کے مال سے اپنے محروم ہی رہیں گے۔ وہ مالدار آدمی اگر دین دار ہے تو مسجدیں اور مدارس تو بنواتا جائے گا لیکن اس کے اپنے قریبی عزیز جھونپڑی سے بھی محروم ہوں گے۔ الغرض، یہاں بھی توازن ہونا چاہیے اور اس توازن کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درس دیا ہے اور یہ ایسا درس ہے کہ اگر خاندان کا ہر امیر آدمی ان کا خیال رکھے تو معاشرے سے غربت ومسکینی اور محرومی کا بڑی حد تک خاتمہ ہو جائے۔

انصار اور مہاجرین کی فراخ دلانہ معاشرت:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ۸ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الحشر: ٥٩/ ٨، ٩]

''(جہاد وقتال کے نتیجے میں فے اور غنیمت کے اموال میں) ان فقیر مہاجروں کا حصہ ہے جنھیں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا گیا اور ان کا مال چھین لیا گیا

(محض اس وجہ سے) کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی (دین کے پھیلاؤ اور نفاذ کی جد و جہد میں) مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ راست باز ہیں۔ اس مال میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو مہاجرین کے آنے سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور یہاں (مدینہ میں) رہ رہے تھے۔ یہ لوگ ہر اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتا ہے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور وہ انھیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت ضرورت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے کردار کے لوگ ہی کامیاب ہیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے مدینے کا جو معاشرہ تشکیل دیا وہ ایمان کی بنیاد پر تھا۔ گوروں کے دیس سے آنے والا گورا صہیب رومی اور کالوں کے علاقے سے نسبت رکھنے والا بلال حبشی، مکے کا مہاجر اور مدینے کا انصاری، سارے بھائی بھائی بن گئے۔ زبان، نسل اور رنگ کے امتیاز مٹ گئے۔ مدینہ کی ریاست کا معاشرہ یوں متحد اور یک رنگ ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مقابلے کے لیے تیار اور پا بہ رکاب ہو گئے۔

یاد رہے! دشمن مسلمانوں کی جہادی تیاری اور قوت سے خائف ہو کر میدان چھوڑ جائے تو اس کا مال ''مال فے'' کہلاتا ہے۔ انصار کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس تو ہماری جائدادیں موجود ہیں، یہ جو فے کا مال ہے، یہ مہاجرین کو دے دیا جائے، تاکہ وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر معاشی طور پر مضبوط ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

چند ایک ایسے بھی واقعات تھے کہ انصار اور مہاجرین بھائی چارے کے عہد و پیمان کی وجہ سے ایک دوسرے کی جائدادوں کے وارث بھی ہو رہے تھے لیکن ایک وقت بیت جانے کے بعد اب اس کی ضرورت نہ تھی۔ معاشرہ ہر لحاظ سے مضبوط ہو چکا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾

[الأنفال : ۸/۷۵]

''اللہ کے ہاں جو خون کے رشتہ دار ہیں (وراثت میں) وہی ایک دوسرے کے حقدار ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے۔''

وراثت کے علاوہ اسلام کی معاشرت میں بھائی چارے کی جو اعلیٰ ترین خصوصیات ہیں وہ اسلام کا حصہ اور حسن ہیں، جو بھی حقیقی مسلمان ہے وہ اس حسین زیور کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

قارئین کرام! یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مدینہ میں یہودیوں کے قبائل بھی آباد تھے۔ مشرک بھی موجود تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جہاں مسلمانوں کا باہم بھائی چارہ قائم کیا وہاں یہودیوں اور مشرکوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ایک ریاست کی بنیاد بھی رکھی۔ اس معاہدے کی پہلی شق یہ تھی کہ مسلمان باقی سب سے الگ ایک امت ہوں گے یعنی مدینہ میں جو پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اس میں دو قومی نظریہ وجود میں آیا، نیز یہود وغیرہ کے ساتھ یہ بھی طے ہوا کہ باہر کا کوئی دشمن مدینہ منورہ پر حملہ کرے گا تو سب مل کر دفاع کریں گے نیز داخلی معاملات میں جیسا کہ صحیح بخاری (۶۸۴۱) سے ثابت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے یہود کے بدکار اور زانی کا فیصلہ تورات کے مطابق کیا اور وہ رجم تھا، یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مذہبی آزادی دی تھی اس کے باوجود مسلمانوں کے خلاف یہ لوگ شرارتوں اور بدعہدیوں سے باز نہیں آئے۔

مدینہ میں مہاجرین کے پہلے بچے کی پیدائش:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ شکم میں عبداللہ بن زبیر کو اٹھائے ہوئے تھیں، اسی حالت میں ہجرت کے لیے نکلیں۔ دن پورے ہو چکے تھے، میں مدینہ آئی تو پہلی منزل قبا تھی۔ قبا ہی میں عبداللہ پیدا ہوئے، پھر میں انھیں لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عبداللہ کو آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے ایک کھجور منگوائی اور اسے چبا کر عبداللہ کے منہ میں رکھ دیا۔ سب سے پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں داخل ہوئی وہ جناب رسول کریم ﷺ کا لعاب تھا۔ یوں آپ ﷺ نے عبداللہ کو



کے لیے برکت کی دعا کی۔ (حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیٹا) عبداللہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلا بچہ ہے جس کی پیدائش ہجرت کے بعد اسلام کے غلبے میں ہوئی۔

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ٣٩٠٩ـ مسلم، كتاب الآداب، باب تحنيك المولود عند ولادته......الخ : ٢١٤٦]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ''نبی کریم ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میری عمر چھ سال تھی۔ پھر ہم مدینہ آ گئے اور بنی حارث بن خزرج کے ہاں قیام کیا۔ یہاں آ کر آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے مجھے بخار ہو گیا اور اس کی وجہ سے میرے بال گرنے لگے۔ پھر جب صحت مند ہونے کے بعد کندھوں تک بال خوب لمبے ہو گئے، تو ایک دن ایسا آیا کہ میری والدہ ام رومان (رضی اللہ عنہا) آئیں، میں اس وقت جھولا جھول رہی تھی۔ میرے پاس میری چند سہیلیاں بھی تھیں۔ ماں نے مجھے آواز دی تو میں ان کے پاس چلی گئی۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ ماں کا پروگرام کیا ہے۔ ماں نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ (جھولا جھولنے اور دوڑنے کی وجہ سے) میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ جب سانس نارمل ہوا تو ماں نے تھوڑا سا پانی لیا۔ اسے میرے چہرے اور سر پر پھیرا۔ پھر مجھے گھر کے اندر داخل کر دیا۔ وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں، انھوں نے مجھے دیکھ کر دعا دی کہ خیر و برکت اور خوش نصیبی لے کر آئی ہو۔ اب میری ماں نے مجھے ان کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے میری آرائش کی۔ اس کے بعد دن چڑھے اللہ کے رسول (ﷺ) تشریف لے آئے۔ میری ماں نے مجھے آپ (ﷺ) کے سپرد کر دیا۔ میری عمر اس وقت نو سال تھی۔''

[بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ عائشة...... الخ : ٣٨٩٤]

سرزمین حجاز، خاص طور پر مکہ کا آب زم زم اور ہوا بڑی صحت افزا ہے۔ فضا گرم اور قدرے خشک بھی ہے۔ فضائی آلودگی سے آج بھی پاک صاف ہے۔ سفید کپڑا پہن لیا جائے تو کئی روز تک میلا نہیں ہوتا۔ ان خصوصیات کی بنا پر وہاں لڑکے اور لڑکیاں انتہائی کم عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں سے بھی زیادہ تیزی سے بالغ ہو جاتی ہیں۔ پھر بعض بچے نشو ونما

میں غیر معمولی تیز واقع ہوتے ہیں۔ خوب صحت مند ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحت مند ماں باپ کی بیٹی تھیں، امیر گھرانے سے تعلق تھا، لہٰذا وہ چھوٹی عمر ہی میں جوان ہو گئیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی اور پیاری بیٹی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیاہ دی۔ وہ ہم سب مومنوں کی روحانی ماں بن گئیں۔

سردار یثرب کی بادشاہت نابود ہوگئی:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''گدھے کی کمر پر فدک کی بنی ہوئی موٹی چادر رکھی گئی، اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے۔ مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ بنو حارث بن خزرج کے محلّہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا گھر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے جا رہے تھے۔ یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔ راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول موجود تھا۔ عبداللہ بن ابی مشرک تھا۔ وہ ابھی ظاہری طور پر بھی مسلمان نہ ہوا تھا۔ مجلس میں مسلمان اور مشرکین یعنی بت پرست اور یہودی ہر طرح کے لوگ تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے باعث گرد اڑی اور مجلس والوں پر پڑی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی چادر سے ناک ڈھانپ لی اور کہنے لگا: ''ہم پر گرد نہ اڑاؤ۔'' اتنے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجلس کے قریب آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا، پھر ٹھہرے اور سواری سے اتر گئے، پھر اہل مجلس کو اللہ کی توحید کی دعوت دی اور انھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس پر عبداللہ بن ابی کہنے لگا: ''جو کلام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پڑھ کر سنایا ہے اس سے عمدہ کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ کلام بہت اچھا ہے مگر ہماری مجلس میں آ کر ہمیں پریشان نہ کیا کیجیے۔ اپنے گھر جائیے پھر اگر کوئی آپ کے پاس جائے تو اسے اپنی باتیں سنائیے۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہماری مجالس میں تشریف لایا کریں، کسی کو پسند لگے یا نہ لگے ہم بہرحال پسند کرتے ہیں۔''

اس کے بعد مسلمان، مشرکین اور یہودی ایک دوسرے کے ساتھ الجھ پڑے۔ قریب تھا

کہ وہ لڑ پڑتے لیکن جناب رسول کریم ﷺ نے ان سب کو ٹھنڈا کیا۔ آخر کار سب لوگ خاموش ہوگئے پھر آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ آپ ﷺ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بھی پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کیا اور کہا: ''اے سعد! کیا آپ نے سنا جو ابو حباب نے کہا؟'' عبداللہ بن ابی کو ابو حباب کہا جاتا تھا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر فرمائیں، اس ذات کی قسم، جس نے آپ (ﷺ) پر کتاب نازل فرمائی ہے! اللہ نے آپ (ﷺ) کے ذریعے وہ حق بھیجا ہے جو اس نے آپ (ﷺ) پر نازل کیا ہے، بات یہ ہے کہ اس شہر کے لوگ اس شخص پر متفق ہو چکے تھے کہ اس کو تاج پہنا دیں اور شاہی دستار اس کے سر پر باندھ دیں لیکن وہ حق جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا، جب اس کی وجہ سے بادشاہت کا منصوبہ تہس نہس ہوگیا تو یہ شخص ضد اور عناد میں مبتلا ہوگیا اور اب یہ واقعہ اسی عناد کا اظہار ہے، جسے آپ ﷺ نے ابھی ملاحظہ فرمایا۔'' یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو معاف کر دیا۔''

[بخاری، کتاب التفسیر، باب، ولتسمعن من الذین أوتوا الکتاب......الخ : ٤٥٦٦۔
مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب في دعاء النبی ﷺ و صبره ...... الخ : ١٧٩٨]

نماز کے لیے گھنٹی نہیں اللہ اکبر کا آوازہ بلند کرو:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بتلاتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی خاطر گھنٹی بجانے کا حکم دے دیا تو رات کو جب میں سویا ہوا تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص گھنٹی اٹھائے گھوم رہا ہے۔ میں نے اسے کہا: ''اے اللہ کے بندے! کیا تو گھنٹی بیچے گا؟'' اس نے کہا: ''تم اسے کیا کرو گے؟'' میں نے کہا: ''ہم اس کے ذریعے لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے۔'' اس نے کہا: ''کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے؟'' میں نے کہا: ''کیوں نہیں، بتلائیے!'' اس نے کہا پھر کہو:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ   اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

''اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔''

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ

''نماز کی طرف آؤ، نماز کی طرف آؤ۔''

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ

''کامیابی کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ۔''

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے..... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''پھر وہ شخص تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے پیچھے ہٹا اور مجھے کہنے لگا: ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو (اقامت) یوں کہو:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

''اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔''

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں..... میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ

''نماز کی طرف آؤ..... کامیابی کی طرف آؤ۔''

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

''نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی۔''

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے..... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

پھر جب صبح ہوئی تو میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات جو کچھ خواب میں دیکھا وہ آپ ﷺ کو بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ نے چاہا تو بلاشبہ یہ خواب سچا ہے، تم بلال (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ تم نے خواب میں جو کچھ سنا، اسے بتاتے جاؤ تا کہ وہ اذان کہے۔ ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ تمھاری نسبت بلال (رضی اللہ عنہ) کی آواز بلند ہے۔''

میں بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور اسے اذان کے الفاظ بتلائے تو اس نے اذان دی، جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں اذان سنی، وہ سنتے ہی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے دوڑے اور آ کر کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) قسم اس ذات کی، جس نے آپ (ﷺ) کو حق دے کر بھیجا! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا جس طرح عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے دیکھا ہے۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ))

[مسند أحمد : ٤٣/٤، ح : ١٦٤٨٤ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ١٦٧٩ و إسناده حسن لذاته۔ أبو داود : ٤٩٩ و إسناده حسن لذاته]

''پس اللہ کا شکر ہے۔''

قارئین کرام! اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ مانگا تھا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح اکٹھا کیا جائے۔ کسی نے کہا آگ جلائی جائے، کسی نے کہا صور میں پھونکا جائے۔ یہ مشورہ بھی آیا کہ گھنٹی بجائی جائے۔ آخر کار گھنٹی پر اتفاق ہوا، لیکن اس پر عمل کی نوبت ہی نہ آئی اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھ لیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس خواب کو سچا قرار دے

دیا، یوں اس پر مہر نبوت لگ گئی اور یہ دین بن گیا۔ اللہ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اذان کے اعزاز سے نوازنا تھا، سو نواز دیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہے کر دے۔ اس نے اس فضل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر دیا۔



گوسیلا کارروائیاں اور معرکۂ بدر

شہروں کا سردار شہر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ : يَثْرِبُ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ 》

[بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب فضل المدینة وأنها تنفی الناس : ۱۸۷۱]

''مجھے ایک ایسے شہر میں رہنے کا حکم دیا گیا، تمام بستیاں جس کے ماتحت ہوں گی، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں لیکن اب وہ ''مدینہ'' ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ''مدینۃ النبیؐ'' کا نام ''طیبہ'' بھی رکھا اور ''طابہ'' بھی۔

[مسند أحمد : ۸۹/۵، ح : ۲۰۸۶۳ و إسناده حسن لذاته۔ ۱۰۱/۵، ۱۰۲، ۱۰۸، ح : ۲۱۰۲۳، ۲۱۱۰۵ و إسناده حسن لذاته]

صحیح بخاری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''کوئی شخص اس شہر میں بدعت ایجاد نہ کرے، جس نے ایسا کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔''

[بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب حرم المدینة : ۱۸۶۷]

قارئین کرام! مشرکین مکہ جو مدینہ کے مشرکوں کو ابھار رہے تھے کہ وہ مدینہ کے مسلمانوں سے جنگ کر کے انھیں مدینہ سے نکال باہر کریں۔ وہ یہودیوں سے بھی رابطے کر رہے تھے، تا کہ جب وہ مدینے پر حملہ آور ہوں تو اندر سے یہودی ان کا ساتھ دیں۔ ان حالات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شہر کے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی کی بدولت واضح کر دیا کہ مدینہ کسی کے ہاتھوں فتح نہیں ہوگا، بلکہ یہیں سے لشکر نکلیں گے، شہروں کے شہر فتح ہوں گے اور وہ مدینہ کے تحت ہوتے چلے جائیں گے۔ مدینہ سے جو حکم صادر ہوگا وہ ان شہروں پر لاگو

ہو گا۔ یوں علاقوں کے علاقے اور ملکوں کے ملک مدینہ کے لقمے بن جائیں گے۔ یہ لقمے جہاد وقتال کے ذریعے مجاہدین کے ہاتھوں سے بنیں گے۔

قتال کی باقاعدہ اجازت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قتال کے بارے میں جو پہلی آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴾ [الحج: ٢٢/٣٩]

''جن لوگوں (مسلمانوں) سے لڑائی کی جاتی رہی ہے انھیں بھی اب قتال کی اجازت دی جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ان پر ظلم کیے جاتے رہے ہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان (مظلوموں) کی مدد کرنے پر قادر ہے۔''

[السنن الكبرىٰ للنسائي، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا ﴾: ٦/٤١١، ح: ١١٣٤٦/٢ و إسناده صحيح]

مشرکین مکہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو روک رہے تھے، ان کے اموال ضبط کر رہے تھے، ان کے بیوی بچے بھی چھین رہے تھے، مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے بھی منع کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر رہے تھے۔ اب مدینہ کو مٹانے، مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو کر ان کو جڑ سے اکھاڑنے اور ان کے آخری ٹھکانے کو بھی تاراج کرنے کے منصوبے بنانے لگ گئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی اجازت دے دی کہ اپنے عقیدے اور علاقے کے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھالیں اور خود پر کیے جانے والے ظلموں کے بدلے لے لیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے دستے تشکیل دیے، تاکہ وہ تجارتی شاہراہوں پر گشت کریں۔ ان کے اقتصادی راستے روکیں اور چھاپے ماریں جس سے مشرکین مکہ کو پتا چل جائے کہ مکے کا وہ دور گزر گیا جس میں وہ مسلمانوں پر ظلم ڈھاتے تھے۔ اب تو مدینے کا دور ہے، جہاد شروع ہو چکا ہے، لہٰذا انھیں تہ تیغ کیا جائے گا۔ جس طرح انھوں نے مسلمانوں کے معاشی ناطقے بند کیے اسی طرح مکہ سے شام جانے والی شاہراہ پر ان کا ناطقہ بند کیا جائے گا۔ مدینہ اسی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس مقصد کے لیے اس شاہراہ اور اردگرد کے علاقوں میں مجاہدین کے جو دستے روانہ کیے گئے، وہ سرایا کہلاتے

ہیں۔ سرایا کا واحد ''سَرِیّہ'' ہے۔ اس کا مطلب جہادی گوریلا دستہ ہے، جو دشمن کو دہشت زدہ کرنے کے لیے چھپ کر حملہ کرتا ہے اور نقصان پہنچا کر اپنی راہ لیتا ہے۔ موجودہ زبان میں اس عمل کو Hit And Run (مارو اور بھاگو) کہا جاتا ہے۔

دھاوے اور معرکے:

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں: ''میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تھا، ان سے دریافت کیا گیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی؟'' انھوں نے کہا: ''انیس غزوات میں۔'' ان سے سوال ہوا: ''تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی جنگیں لڑی ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''سترہ۔'' میں نے سوال کیا: ''پہلا غزوہ کون سا تھا؟'' انھوں نے عشیرہ یا عسیرہ کہا۔ پھر میں نے قتادہ رحمہ اللہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے عشیرہ کہا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة العشيرة...... الخ : ۳۹۴۹۔ مسلم، کتاب الجهاد، باب عدد غزوات النبی ﷺ : ۱۲۵۴ بعد ۱۸۱۲]

''سَرِیّہ'' ...... گوریلا جنگ کے اس دستے کو کہا جاتا ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود شامل نہیں ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ''غزوہ'' اس جنگ یا لڑائی کو کہا جاتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود شامل ہوئے۔

یاد رہے! اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب غزوہ کا لفظ عام ہے۔ وہ جنگ جو اللہ کے دین کی بلندی کے لیے مسلمان لڑیں اس جنگ کو غزوہ بھی کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو جہنم کی آگ سے آزاد ہونے کی خوشخبری سنائی جو ہندوستان کے خلاف غزوہ کرے گا، فرمایا:

((عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِيْ أَحْرَزَهُمُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ، عِصَابَةٌ تَغْزُوْ الْهِنْدَ وَ عِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ))

''میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم کی آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے خلاف غزوہ کرے گا اور ایک گروہ وہ ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہو کر غزوہ کرے گا۔''

[مسند أحمد : ۲۷۸/۵، ح : ۲۲۷۵۹ و اسناده حسن لذاته]

آپ کے الفاظ :((تغزو الهند)) واضح کر رہے ہیں کہ غزوہ کا لفظ مسلمانوں کی جنگ پر قیامت کے دن تک بولا جا سکتا ہے۔

اڑھائی ہزار اونٹوں کے قافلے کا تعاقب :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ''بواط'' کی وادی میں غزوہ کے لیے گئے تو آپ ﷺ مجدی بن عمرو جہنی کا پیچھا کر رہے تھے۔''

[مسلم، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل ...... الخ : ٣٠٠٩]

یاد رہے! بواط مدینہ منورہ سے ایک سو کلومیٹر کی مسافت پر واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ اسی تجارتی شاہراہ پر واقع ہے جہاں قریش مکہ اپنے تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتے تھے، سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ قریش کا قافلہ اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا تعاقب کر کے قریش کو پیغام دیا کہ وہ مدینہ کے مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کی جو سازشیں مدینہ کے یہود اور اردگرد کے مشرک قبائل کے ساتھ مل کر کر رہے ہیں، ان سے باز آ جائیں وگرنہ تجارتی سودوں میں نفع کے بجائے خسارے کا سودا کر بیٹھیں گے۔

مشرکوں کے تجارتی قافلے کا تعاقب :

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں جناب ابو اسحاق کی روایت میں ''غزوہ عشیرہ'' کا ذکر کیا ہے۔

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة العشيرة ...... الخ : ٣٩٤٩]

مولانا صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الرحیق المختوم'' میں اور دارالسلام کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب ''اٹلس سیرت نبوی'' میں ڈاکٹر شوقی ابو خلیل نے اس غزوہ کے بارے میں جو لکھا ہے، اس کے مطابق یہ غزوہ 2 ہجری بمطابق دسمبر 626ء کو ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہمراہ ڈیڑھ یا دو سو مہاجر مجاہدین کو لیا۔ لشکر کے پاس صرف تیس اونٹ تھے۔ مجاہدین باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس مہم کا مقصد قریش کے اس تجارتی قافلے کو روکنا تھا جو شام جا رہا تھا۔ جب آپ ﷺ اس قافلے کے تعاقب میں ''عشیرہ'' کے مقام پر پہنچے تو قافلہ نکل چکا تھا۔

عشیرہ کو ''ذوالعشیرہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مقام بحر قلزم کے ساحل پہ واقع ینبع شہر کے نواح میں ہے۔ عشیرہ مدینہ منورہ سے ایک سو تیس کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔

تجارتی راستہ بند کرنے کی دھمکی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے انھیں بتلایا کہ وہ (تجارتی امور میں) امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ جب بھی امیہ (شام جانے کے لیے) مدینہ سے گزرتا تو ان کے یہاں قیام کرتا۔ اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ (تجارتی اور دیگر امور میں) جب مکہ سے گزرتے تو امیہ کے ہاں قیام کرتے۔ پھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے مکہ گئے، وہاں انھوں نے امیہ کے ہاں قیام کیا تو امیہ سے کہا: ''میرے لیے تنہائی کا کوئی وقت دیکھو تا کہ میں اس دوران بیت اللہ کا طواف کر لوں۔'' امیہ دوپہر کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلا تو ابوجہل کی ان دونوں سے ملاقات ہوگئی۔ ابوجہل اب امیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''اے ابوصفوان! یہ تیرے ساتھ کون ہے؟'' امیہ نے کہا: ''یہ سعد بن معاذ ہیں۔'' یہ سن کر ابوجہل جناب سعد رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: ''اچھا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم تو بڑے امن و اطمینان سے طواف کر رہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو (اپنے ہاں مدینہ میں) پناہ دے رکھی ہے اور یہ بھی ارادہ رکھتے ہو کہ (دوران لڑائی) ان کی مدد بھی کرو گے۔ اللہ کی قسم! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو سلامت بچ کر گھر نہ جاتے۔'' اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی آواز ابوجہل کے خلاف اونچی ہوگئی، وہ اسے کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اگر آج تم نے مجھے طواف سے روکا تو میں تمھیں ایسی چیز سے روکوں گا جو تمھارے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ ہوگی، تیرا (تجارتی) راستہ تو مدینہ ہی سے ہو کر جاتا ہے نا۔''

امیہ درمیان میں آ گیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: ''سعد! ابوالحکم (ابوجہل) کے سامنے بلند آواز سے مت بولو، یہ مکہ کے لوگوں کا سردار ہے۔'' اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیہ سے کہنے لگے: ''امیہ! تو اس کی کیا بات کرتا ہے، اللہ کی قسم! میں نے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ لوگ تجھے مروائیں گے۔" امیہ کہنے لگا: "کیا مکہ میں؟" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس کا مجھے نہیں پتا۔" امیہ یہ سن کر سخت گھبرا گیا پھر جونہی اپنے گھر آیا تو بیوی سے کہنے لگا: "اے ام صفوان! دیکھتی نہیں، یہ سعد میرے متعلق کیا کہہ رہے ہیں؟" بیوی کہنے لگی: "انھوں نے تجھے کیا کہہ دیا ہے؟" امیہ کہنے لگا: "یہ کہہ رہے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کو آگاہ کیا ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں گے۔ میں نے سعد (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ کیا مکہ میں؟ تو وہ کہنے لگے کہ اس کا مجھے نہیں معلوم، اب اللہ کی قسم! میں تو مکہ سے باہر قدم نہیں رکھوں گا۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر: ۳۹۵۰]

مشرکین مکہ ہوش کے ناخن نہیں لے رہے تھے۔ وہ تو بیت اللہ کے دروازے بھی مسلمانوں کے لیے بند کر رہے تھے۔ ایک مسافر اور مہمان کو قتل کی دھمکی مکہ جیسے پر امن شہر میں دے رہے تھے۔ جواب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی واضح کر دیا کہ تمھاری تجارتی شہ رگ ہمارے ہاتھ میں ہے جب اسے دبائیں گے تو تمھاری چیخ بھی نہ نکل سکے گی اور آنکھیں تاڑے لگ جائیں گی۔ مزید برآں! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیہ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیشگوئی سنائی، وہ بدر کے میدان میں پوری ہو کر رہی۔

مجاہدین کے ہاتھوں پہلی بار کافر کا قتل:

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہادی دستہ تشکیل دیا۔ کمانڈر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ وہ چلنے لگے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کے غم میں زار و قطار رونے لگے اور بیٹھ گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کیفیت دیکھ کر ان کی جگہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو کمانڈر مقرر کر دیا۔ ایک تحریر بھی ان کے حوالے کی اور حکم دیا: "جب تک تم فلاں جگہ نہ پہنچ جاؤ تحریر نہ پڑھنا۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "جب اس مقام پر پہنچو تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو آگے جانے پر مجبور نہ کرنا۔" چنانچہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جب مقررہ مقام پر پہنچے تو خط پڑھنے لگے، شہادت کی موت کا خیال آیا تو ((اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)) پڑھا اور کہنے لگے: "ہم نے (فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سنا اور (سننے کے بعد)

اطاعت پر ڈٹ گئے۔'' پھر انھوں نے اپنے جہادی ساتھیوں کو صورتحال بتلائی (کہ جو آگے جانا چاہتا ہے وہ جائے اور جو نہیں جانا چاہتا وہ یہیں ٹھہر جائے) اور خط پڑھ کر سنایا۔ کل بارہ ساتھیوں میں سے اب دس مجاہد موجود تھے کیونکہ دو آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا۔ ایک ایک کر کے باری باری سوار ہوتے تھے جبکہ راستے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا اونٹ گم ہوگیا تھا اور وہ کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ باقی سفر پر گامزن ہو گئے، حتیٰ کہ وہ وادیٔ نخلہ میں جا پہنچے۔ وہاں ان کا سامنا مشرکین کے تجارتی قافلے سے ہوا تو واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تیر نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا۔ مجاہدین کو یہ پتا نہ چل سکا کہ معرکے کا یہ دن رجب کے مہینے کا ہے یا جمادی الثانی کا ہے۔ اس پر مشرکین مسلمانوں کو طعنہ دینے لگے کہ انھوں نے حرمت والے مہینے میں قتل کا اقدام کرلیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ [البقرة : ۲/۲۱۸]

''بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے، انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں (باقی دوران جہاد بھول چوک سے جو غلطی ہوگئی تو) اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔''

[السنن الكبرىٰ للبيهقي : ۹/۱۱، ۱۲، ح : ۱۷۷٤٥ إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ۲/٦۳، ٦٤، ح : ۱۵۳۱ إسناده حسن لذاته۔ طبراني كبير : ۲/۱٦۲، ۱٦۳، ح : ۱٦۷۰ إسناده حسن لذاته]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں جو لکھا ہے اس کے مطابق مشرکوں کے تجارتی مال کو مسلمانوں نے مال غنیمت بنایا۔ پانچواں حصہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھا اور باقی مجاہدین میں تقسیم کیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ جب مجاہدین مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مدینہ میں آئے تھے اور وہاں یہودیوں نے بھی شور مچا رکھا تھا کہ دیکھو، حرمت والے مہینے میں کہ جس میں جنگ و قتال منع ہے، مسلمانوں نے قتال کیا ہے۔ مشرکین مکہ نے بھی خوب پروپیگنڈا کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ طیش میں بھی تھے۔ اس صورتحال میں مجاہدین بھی فکر مند ہو گئے کہ ان سے جو غلطی ہوئی اس کا کیا بنے گا؟ تاہم اللہ تعالیٰ

نے سورۂ بقرہ کی آیت نازل کر کے مجاہدین کو اطمینان دلایا کہ وہ ایمان، ہجرت اور جہاد کے جس راستے پہ گامزن ہیں وہ اللہ کی رحمتوں کا راستہ ہے اور اس راستے پہ چلتے ہوئے جو کوئی غلطی وغیرہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈے کا جواب مشرکین اور دیگر اعتراض کرنے والوں کو بھی دیا اور اس وقت مشرکین مکہ کو بھی کہ جب وہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے مدینہ آئے تھے اور انھوں نے بھی یہی اعتراض کیا کہ بتلاؤ رجب کے مہینے میں قتال کرنا کیسا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اپنے نبی ﷺ پر یوں نازل فرمایا:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ﴾

[البقرة: ٢/٢١٧]

”(میرے نبی!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ ان کو جواب دو ٹھیک کہ حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنا بہت برا ہے مگر یہ تو بتلاؤ کہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا، اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور پھر حرمت والی مسجد کا راستہ بند کرنا، پھر مکہ کے رہنے والے (مسلمانوں) کو وہاں سے نکال باہر کرنا، یہ سارے اقدامات تو اللہ کے ہاں کہیں زیادہ برے ہیں۔ (قتل پر شور مچاتے ہو، جبکہ یہ تمھارا برپا کیا ہوا) فتنہ تو اس قتل سے کہیں بڑا جرم ہے (جس کا تم ارتکاب کرتے پھرتے ہو)۔“

یاد رہے! اسلام کی تاریخ میں حضرمی پہلا کافر تھا جو قتل ہوا، اسی طرح جو دو قیدی بنے، یہ پہلے قیدی تھے جو اسلام کی قید میں آئے اور مال غنیمت بھی پہلا مال غنیمت تھا جو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے حاصل کیا۔ انھوں نے اس مال میں سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے اور پانچواں حصہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے رکھا۔ مال غنیمت کے ابھی احکام نہیں آئے تھے لیکن بعد میں اسلام کے اندر اسی فیصلے کو برقرار رکھا گیا جو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

مشرکین کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے تھا کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا دستہ مکہ

کے قریب سے اپنی کارروائی کر کے...... مدینہ میں اتنی دور سلامتی کے ساتھ واپس چلا گیا اور یہ کہ وہ اب اپنے گھر کے اردگرد بھی محفوظ نہیں ہیں، لہٰذا انھیں امن کا راستہ نکالنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خون بہا ادا کر کے اور قیدیوں کو رہا کر کے جس عدل واحسان اور فراخ دلی کا ثبوت دیا، اس سے بھی ان لوگوں کو نرم ہونا چاہیے تھا لیکن وہ تو اور زیادہ بپھر گئے، جوش اور انتقام میں بھڑکنے لگے اور مدینہ کو تاراج کرنے کی بھرپور تیاریاں کرنے لگے اور یہاں تک دھمکی دینے لگے کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کا صفایا کر دیا جائے گا۔

صحابہ نے رکوع ہی میں رخ بدل لیا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، پھر وہ وقت آیا کہ قرآن کا یہ مقام نازل ہوا:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ﴾ [البقرة : ٢/١٤٤]

"(میرے رسول) ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمھارا چہرہ بار بار آسمان کی جانب اٹھ رہا ہے (اس خواہش کے ساتھ کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ قبلہ بن جائے) تو ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے، جو آپ کو پسند ہے، چنانچہ اب اپنا رخ حرمت والی مسجد (کعبہ) کی جانب کر لو"

[مسلم، كتاب المساجد، باب تحويل القبلة...... الخ : ٥٢٧]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "رسول کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ آپ کی خوشی اس بات میں تھی کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی وہ عصر کی نماز تھی۔ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ ایک آدمی جو ان نمازیوں میں شامل تھا، وہ یہاں سے نکلا اور اس کا گزر ایک دوسری مسجد کے نمازیوں کے پاس سے ہوا۔ یہ نمازی رکوع کی حالت میں تھے۔ مذکورہ شخص نے پکار کر کہا: "میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ابھی اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ مکہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی

ہے۔'' یہ نمازی جس حالت میں تھے اسی حالت (رکوع) میں کعبہ کی طرف مڑ گئے۔''

[بخاری، کتاب الإیمان، باب التوجه نحو القبلة حیث کان : ۳۹۹]

جس وقت قبلے کی تبدیلی کا حکم آیا تو آپ ﷺ اس وقت سلمہ قبیلے کے محلے کی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھا لی تھیں۔ اس دوران قبلے کی تبدیلی کا حکم آ گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے باقی دو رکعتیں کعبہ کی طرف رخ پھیر کر پڑھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسجد کو مسجد ذو قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد کہا جاتا ہے۔ قربان جائیں آپ ﷺ کے صحابہ پر کہ انھیں جب اور جہاں جہاں اس حکم کی خبر ملی، انھوں نے فوراً قبلہ تبدیل کر لیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق قبا کے لوگوں کو فجر کے وقت ایک شخص نے قبلے کی تبدیلی کا حکم نماز پڑھنے کے دوران سنایا تو انھوں نے اپنے چہرے جو شام کی طرف تھے، کعبہ کی طرف کر لیے۔ حوالہ جات کے لیے ملاحظہ کیجیے۔

[مسلم، کتاب المساجد، باب تحویل القبلة من المقدس إلی الکعبة : ۵۲۶]

قبلے کی تبدیلی اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ مشرکین مکہ توحید کے مرکز خانہ کعبہ کی خدمت کے اہل نہیں، چنانچہ ان سے یہ منصب اور ذمہ داری ہی نہیں بلکہ مکہ اور خانہ کعبہ بھی چھن جانے والے ہیں۔ اس حکم میں یہودیوں کو بھی یہ پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی، ان کی کرتوتوں کی وجہ سے وہ نعمت چھین لی گئی ہے۔ عیسائیوں کو بھی اس فیصلے کے ذریعے آگاہ کر دیا گیا کہ یروشلم کا شہر، جس پر اب قبضہ تمھارا ہے یہ مسلمانوں کا قبلہ اول بن چکا ہے، لہٰذا اس شہر کی چابیاں مسلمانوں کے حوالے کرنا ہوں گی، یعنی قبلے کی تبدیلی کا فیصلہ دراصل تینوں قوموں کی معزولی کا فیصلہ تھا۔ اس بات کا فیصلہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وارث مشرکین مکہ نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔ اسی طرح ہیکل سلیمانی بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث اب یہودی نہیں رہے بلکہ مسلمان بن گئے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وارث عیسائی نہیں رہے بلکہ مسلمان ہیں۔ تحویل قبلہ کے حوالے سے اس فیصلے کا اعلان ہو چکا تھا، اب عملدر آمد کا مرحلہ تھا۔

یہ مرحلہ آگے چل کر جہاد کے ذریعے طے ہوا، چنانچہ سب سے پہلے مکہ فتح ہوا اور مشرکین

عملاً معزول ہوگئے، پھر بیت المقدس فتح ہوا، عیسائیوں نے اپنے ہاتھوں سے شہر کی چابیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں اور یوں عیسائی اور یہودی دونوں عملاً مغلوب اور معزول کر دیے گئے اور وہ لوگ جو آخری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پکے اطاعت گزار تھے وہ آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں کے حقیقی وارث بنا دیے گئے۔ مسلمانوں کی یہ پاکباز جماعت صحابہ کی جماعت تھی۔

جی ہاں! مستقبل میں مندرجہ بالا بڑی کامیابیوں کے حصول کا اب تقاضا تھا کہ کسی بڑے معرکے کی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ اس معرکے کے اسباب پیدا ہوئے، ''بدر'' میں کفر و اسلام کے درمیان پہلا باقاعدہ معرکہ ہوا۔

مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ کا آغاز:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے قافلے کے آنے کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس مشاورت کا انعقاد کیا اور قافلے پر یلغار کا مشورہ مانگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی توجہ نہ دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی تو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورے پر دھیان نہ دیا۔ اب انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) لگتا ہے آپ چاہتے ہیں کہ ہم بولیں، اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے سمندر میں دوڑا دیں تو ہم گھوڑوں کو سمندر کی نذر کر دیں اور اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم انتہائی دور برک غماد تک جا پہنچیں تو ہم وہاں پہنچ جائیں۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔''

[مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة بدر : ۱۷۷۹]

طالوت کے مجاہد 313، بدر کے جاں نثار بھی 313:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ابوسفیان اپنے تجارتی قافلے کے ہمراہ شام سے واپس آ رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب

دلائی کہ وہ قافلے والوں کی طرف لپکیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان لوگوں کا مال اموال ہے، لہٰذا اس قافلے کی طرف نکلو۔ شاید اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اس قافلے کا مال بطور غنیمت کے عطا فرما دے۔''

[سیرت ابن هشام : ۲/ ۲۵۰ إسناده حسن لذاته ـ دلائل النبوة للبیهقی : ۳/ ۳۲]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ہم اللہ کے رسول (ﷺ) کے صحابہ اس بات پر گفتگو کیا کرتے تھے کہ بدر کے مجاہدین کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی جناب طالوت کے مجاہدین کی تھی، وہ کہ جنھوں نے جناب طالوت کے ہمراہ دریا پار کیا تھا۔ اس دریا کو سوائے مومن کے کسی نے پار نہیں کیا تھا، یہ لوگ تین سو تیرہ تھے۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب عدة اصحاب بدر : ۳۹۵۸]

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال باہر کیا۔ دین کے معاملے میں ان پر جبر اور ظلم کیا۔ ہجرت کے وقت جہاں مکانات اور دیگر جائدادیں چھین لیں، وہاں نقد رقم اور زیورات تک چھین لیے، سواریاں چھین لیں حتیٰ کہ بیوی بچے چھین لیے اور کئی ایک کو قید کر دیا، پھر اسی پر بس نہیں، وہ مدینہ میں بھی مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے لیے متواتر منصوبے بنا رہے تھے۔ یثرب کے یہود اور مشرکین سے ساز باز کر چکے تھے۔ مدینہ میں سرکاری چراگاہ پہ چھاپہ مار کر اونٹ لے گئے تھے۔ مسلمان اس واقعہ سے پہلے بھی یہ حق رکھتے تھے کہ ان کے تجارتی اموال کے قافلوں کو مال غنیمت بنا کر بدلے لیں لیکن اب تو بدلہ لینا ان پہ واجب ہو چکا تھا، لہٰذا طائف کے قریب یہ بدلہ مسلمانوں نے لیا، لیکن رجب کے مہینے میں یہ جھڑپ ہو جانے کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے کمال عدل و احسان سے اس کا مداوا کیا۔ مشرکین پھر بھی ساز باز سے باز نہ آئے، لہٰذا وہ قافلہ جو شام جاتے وقت عشیرہ کے مقام پر بچ نکلا تھا، اب جب وہ واپس مکہ آ رہا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس قافلے پہ یلغار کرنے کا اعلان کر دیا اور یہ بالکل برحق تھا۔ اس قافلے میں اہل مکہ کی دولت بڑے پیمانے پر لگی ہوئی تھی اور یہ دولت وہ تھی جو مسلمانوں کی جائدادیں بیچ کر حاصل کی گئی تھی۔ قریش نے طے کیا تھا کہ مسلمانوں کی اس دولت سے جو منافع ہوگا وہ مسلمانوں کو مٹانے کے پروگرام پر استعمال ہو گا، جبکہ اصل رقم لوگوں کو واپس کر دی جائے گی۔ یہ دولت کس قدر تھی اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس قافلے

میں ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دو سو ساڑھے باسٹھ کلو سونے) کی مالیت کا سامان لدا ہوا تھا۔

ثواب کا حریص ہوں، پیدل چلوں گا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''بدر کے دن ہم لوگ سواریوں کی قلت کی وجہ سے ایک اونٹ پر تین تین سوار ہوتے تھے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اونٹ پر باری باری سواری ہوتی تھی۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدل چلنے کی باری آئی تو ابولبابہ اور جناب علی رضی اللہ عنہما نے عرض کی: ''آپ تشریف رکھیں، ہم آپ کی طرف سے باری باری پیدل چلتے رہیں گے۔'' اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

((مَا أَنْتُمَا بِأَقْوٰى مِنِّيْ وَلَا أَنَا بِأَغْنٰى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا))

[مسند أحمد: ٤١١/١، ٤١٨، ح: ٣٩٠٠۔ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان: ٤٧٣٣ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم: ٢٠/٣، ح: ٤٢٩٩ إسناده حسن لذاته]

''تم دونوں مجھ سے زیادہ باہمت نہیں ہو اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ تم دونوں تو اجر لے جاؤ اور میں محروم رہ جاؤں۔''

رسولوں کے سردار ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، قیامت تک کے لیے رسول ہیں، مدینے کے حکمران بھی ہیں اور اپنی فوج کے سپریم کمانڈر بھی مگر عاجزی اور ثواب کی طلب کا انداز ملاحظہ ہو، بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ اے اللہ! اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار حکمران عطا فرما، جو ہجرت و جہاد کے سفروں کی عظمت کا ادراک رکھتے ہوں۔ (آمین!)

مشرک نے کہا ''میں آپ کی کمان میں لڑ کر مرنا چاہتا ہوں'':

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب محو سفر ہوئے۔ جب آپ ''حرة الوبرة'' کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ وہ جرأت و بسالت کے تذکرے کرنے لگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب اسے دیکھا تو بڑے خوش ہوئے۔ اب اس کے اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

مشرک : ''میں تو آیا ہوں کہ آپ کے پیچھے پیچھے چلوں، آپ کے ساتھ ہوکر لڑوں اور مارا جاؤں۔''

رسول کریم ﷺ : ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آ۔''

مشرک : ''نہیں !''

رسول کریم ﷺ : ''تو پھر جدھر سے آیا ہے ادھر ہی چلا جا، مجھے کسی مشرک کی مدد کی ضرورت نہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں : ''وہ چلا گیا، پھر جب ہم ایک درخت کے پاس آئے تو وہ آدمی دوبارہ آیا اور آپ (ﷺ) سے پھر وہی پہلے والی بات کرنے لگا۔ آپ (ﷺ) نے اسے وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے۔ اس کے بعد جب رسول کریم ﷺ ''بیداء'' کے مقام پر پہنچے تو وہ شخص پھر آگیا۔ آپ (ﷺ) کے پاس آیا اور پھر وہی بات دہرا دی۔ آپ (ﷺ) نے بھی اسے پہلے والا ہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آ۔ اب کے اس نے کہا : ''ہاں! میں ایمان لاتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے اسے کہا : ''ٹھیک ہے! پھر چل ہمارے ساتھ۔''

[مسلم، کتاب الجهاد، باب کراهة الاستعانة فی الغزو بکافر...... الخ : ۱۸۱۷۔ أبوداوٗد : ۲۷۳۲ و إسناده صحیح۔ الترمذی : ۱۵۵۸ و إسناده صحیح۔ مسند أحمد : ۱۴۸/۶، ۱۴۹، ح : ۲۵۶۷۳ و إسناده صحیح]

قارئین کرام! قافلہ اپنے دامن میں اس نئے مومن مجاہد کو لے کر چل رہا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق مہاجرین کی تعداد ساٹھ سے ذرا اوپر تھی اور انصار کی تعداد دو سو چالیس سے ذرا زیادہ تھی۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب عدة أصحاب بدر : ۳۹۵۶]

ابوسفیان کا خوف اور مکہ میں خطرے کا سائرن :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں : ''ابوسفیان جب حجاز کے قریب آیا تو وہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا، کیونکہ اسے اس

بات کا خوف تھا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ اس کے قافلے کا راستہ روکیں گے اور اس کے پاس قریش کا جو مال و دولت ہے وہ سب چھین لیں گے۔ آخر کار اس نے بعض سواروں سے یہ خبر سن ہی لی کہ محمد کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ تیرے اور تیرے قافلے کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ چوکنا ہو گیا اور اس نے فوراً ایک شخص کی خدمات حاصل کیں۔ اس کا نام ضمضم بن عمرو غفاری تھا۔ اسے اشرفیاں بھی دیں اور اسے مکہ روانہ کر دیا، یہ حکم دے کر کہ وہ قریش میں خطرے کا سائرن بجائے اور انھیں آگاہ کرے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی قافلے پر یلغار کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ اپنے قافلے کی مدد اور اس کو بچانے کے لیے مکہ سے نکلیں، چنانچہ ضمضم برق رفتاری سے مکہ دوڑا۔''

[سیرة ابن هشام : ۲۴۹/۲، ۲۵۰، إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقی : ۳۲/۳]

حالت جنگ میں بھی عہد کی وفا:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''بدر میں جہاد کرنے سے جس چیز نے مجھے روکا، وہ یہ تھی کہ مدینہ جانے کے لیے مکہ سے میں بھی نکلا اور میرے والد جناب حسیل بھی نکلے۔ ہمیں کفار نے پکڑ لیا، کہنے لگے: ''تمھارا ارادہ محمد (ﷺ) کے پاس جانے کا ہے؟'' ہم نے کہا: ''ہمارا ارادہ تو مدینہ جانے کا ہے۔'' تب انھوں نے ہم سے اللہ کے نام پر عہد اور میثاق لیا کہ ہم راستے میں محمد (ﷺ) کے پاس نہیں بلکہ سیدھے مدینے جائیں گے اور محمد (ﷺ) کے ساتھ مل کر ہم سے لڑائی نہیں کریں گے۔'' چنانچہ ہم راستے میں اللہ کے رسول ﷺ سے ملے اور ہم نے آپ ﷺ کو اس سارے واقعہ سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم دونوں مدینہ چلے جاؤ۔ ہم ان (کفار) کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے۔''

[مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الوفاء بالعهد : ۱۷۸۷۔ مسند أحمد : ۳۹۵/۵ ح : ۲۳۷۴۶، إسناده صحيح ۔ مستدرك حاكم : ۳۷۹/۳، ح : ۵۶۶۱، صحيح]

ابوجہل کے اصرار پر امیہ جنگ کے لیے نکل کھڑا ہوا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جب بدر کی لڑائی کا موقع آیا تو ابوجہل نے لڑائی کی تیاری کے لیے قریش کو مکہ سے نکالا اور لوگوں سے کہنے لگا: ''اپنے قافلے کی مدد کو نکلو۔'' (لوگ نکل رہے تھے) لیکن امیہ کا دل نکلنے کو نہیں مان رہا تھا۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے ابوصفوان! تم وادی کے سردار ہو، جب لوگ دیکھیں گے کہ تم جیسا آدمی لڑائی کے لیے نہیں نکل رہا تو وہ بھی نکلنے سے رک جائیں گے۔'' ابوجہل متواتر اسے مجبور کرتا رہا، حتیٰ کہ امیہ کو کہنا پڑا: ''جب تو نہیں مانتا تو اللہ کی قسم! میں یہ کروں گا کہ ایسا تیز رفتار اونٹ خریدوں گا کہ اس جیسا اونٹ مکہ میں نہ ہوگا۔'' پھر (امیہ اپنی بیوی سے) کہنے لگا: ''ام صفوان! لڑائی کا سامان تیار کر دے۔'' بیگم کہنے لگی: ''ابوصفوان! کیا اپنے یثربی یار کی بات بھول گئے ہو؟'' امیہ بولا: ''بھولا نہیں ہوں، فکر نہ کر، بس میں ان لوگوں کے ساتھ تھوڑی دور تک جاؤں گا (اور راستے ہی میں کہیں سے واپس آ جاؤں گا'') لیکن جب وہ نکل کھڑا ہوا تو راستے میں جس منزل پر بھی ٹھہرتا (واپس جانے کا سوچتا، اور) اونٹ اپنے پاس ہی باندھے رکھتا۔ وہ ہر پڑاؤ پر ایسا ہی کرتا رہا حتیٰ کہ (کرتے کرتے بدر جا پہنچا اور وہاں) اللہ نے اسے (مسلمانوں کے ہاتھوں) قتل کروا دیا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر : ۳۹۵۰]

ابوجہل کی قیادت میں ایک ہزار مشرکین کا لشکر نکل کھڑا ہوا، پھر راستے میں یہ خبر ملی کہ ابوسفیان کے قافلے نے راستہ بدل لیا اور اب وہ مسلمانوں سے بچ کر محفوظ و مامون مکہ میں جا رہا ہے تو اس پر بعض لوگوں نے واپس جانے کی رائے دی مگر ابوجہل نہیں مانا، چنانچہ یہ لوگ متواتر مسلمانوں کی طرف بدر کی جانب بڑھتے رہے کیونکہ انھیں خبر تھی کہ مسلمانوں کا رخ بدر کی طرف ہے۔ قریش مکہ یہ عزم لے کر آ رہے تھے کہ اب پوری طرح مسلح ہو کر نکل ہی کھڑے ہوئے ہیں تو مسلمانوں کا قلع قمع کر کے ہی جائیں گے۔

مجاہدو! دونوں میں سے ایک آج ترنوالہ بنے گا:

﴿ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴾ [الأنفال : ۷/۸]

''یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں (لشکر یا قافلہ) میں سے ایک تمھاری دسترس میں آئے گا۔ (مسلمانو!) تم تو یہ چاہتے تھے کہ قافلہ تمھارے ہاتھ لگ جائے جبکہ اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام کے ذریعے حق کو حق ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔''

یہودی موسیٰ علیہ السلام کو پیٹھ دکھا گئے، لیکن ہم آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ کے نبی ﷺ کو ابوسفیان کے قافلہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بات کی تو آپ ﷺ نے اعراض کیا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی:

((إِيَّانَا تُرِيدُ؟ يَارَسُولَ اللهِ ! وَالَّذِي نَفْسِيْ بِيَدِهِ ! لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا))

''اگر آپ ہم (انصار) سے مشورے کے طالب ہیں تو قسم ہے مجھے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آپ (ﷺ) اگر ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم دشمن سے لڑنے کے لیے سمندر میں کود جائیں تو ہم کود جائیں گے اور اگر آپ (ﷺ) ہمیں برک الغماد تک بھی چلنے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے حکم کی پیروی کریں گے۔''

پھر نبی کریم ﷺ لوگوں کو جمع کر کے بدر کی طرف نکل گئے۔

[مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة بدر : ۱۷۷۹۔ مسند أحمد : ۲۵۷/۳، ۲۵۸، ح : ۱۳۷۱۱ و إسناده صحيح]

اسی طرح کے الفاظ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے بھی کہے تھے۔

[مسند أحمد : ۲۱۹/۳، ۲۲۰، ح : ۱۳۳۰۱ و إسناده صحيح]

صحیح بخاری میں ہے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! إِنَّا لَا نَقُوْلُ لَکَ کَمَا قَالَتْ بَنُوْ إِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی ﴿ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴾ وَ لٰکِنِ امْضِ وَ نَحْنُ مَعَکَ))

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله...... الخ : ٤٦٠٩]

''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۳۹۵۲) میں ان کے یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں :

((نُقَاتِلُ عَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ وَبَیْنَ یَدَیْکَ وَ خَلْفَکَ))

''ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔''

یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک اٹھا۔

ملت نیند میں، مگر رہبر کھڑا جاگ رہا تھا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جب ہم ''بدر'' میں رات کے وقت آئے تو ہم میں سے کوئی ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو سو نہ گیا ہو، سوائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور دعا کر رہے تھے۔''

[مسند أبی یعلی : ١/١٤٦، ح : ٢٧٥ و إسناده صحیح۔ مسند أحمد : ١/١٢٥، ح : ١٠٢٣ و إسناده صحیح]

قارئین کرام! میں نے بدر کا میدان دیکھا ہے۔ تصور مجھے چودہ سو سال پیچھے لے گیا۔ میں دیکھتا ہوں تمام مجاہدین نیند کی گہری وادی میں جا چکے ہیں، وہ تھکاوٹ سے چور اپنے اونٹوں کے پاس ریتلی اور پتھریلی زمین پہ پڑے ہیں۔ کوئی خراٹے لے رہا ہے اور کئی ہموار سانس لیتے جا رہے ہیں۔ ان سب کے چیف کمانڈر جناب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ چل کر آئے ہیں۔ کسی پروٹوکول اور سہولت کے بغیر آئے ہیں۔ اپنی باری پہ پیدل چل کر آئے ہیں۔ تھکاوٹ سے وہ بھی چور ہیں مگر کھڑے ہیں، ہاتھ اٹھائے اپنے رب کے دربار میں کہ مولا! دیکھنا! میرا تیار کیا ہوا باغ کہیں اجڑ نہ جائے؟

مولا! پروردگار! ہائے! کہاں سے لاؤں ایسا کمانڈر انچیف جو آج کے دور میں جرنیل اعظم محمد اکرم ﷺ کے نقوش قدم پر نگاہ و دل وارے اور فتح اس کے گلے کا ہار بنے۔

بارش کی ہلکی ہلکی پھوار کے ساتھ مجاہدین کی مدد:

﴿ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴾ [الأنفال: ٨/ ١١]

''وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تمھارا خوف دور کرنے کے لیے تم پر غنودگی طاری کر دی اور آسمان سے تم پر بارش برسا دی، تاکہ تمھیں پاک کر دے اور تمھارے قدم جما دے اور شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست تم سے دور کر دے۔ تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھارے قدم جما دے۔''

بارش بھی ہوئی اور پھوار بھی برستی رہی، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان جو اونچی جگہ تھے، وہاں انھوں نے حوض بنا کر پینے کے پانی کا بندوبست کر لیا۔ ریتلی مٹی جم گئی، جس سے ان کے قدم جم گئے۔ دوسری طرف مشرکین نشیبی جگہ تھے، وہاں کیچڑ ہو گیا، پھر رات کو مجاہدین پر اونگھ بھی طاری رہی، جس سے وہ تازہ دم ہو گئے۔ مجاہدین کے دلوں میں شیطان کے وساوس کہ مشرکوں کی فوج اور وسائل بہت زیادہ ہیں، سب ختم ہو گئے۔ اس خصوصی نعمت اور مدد کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تذکرہ فرمایا ہے۔

صحیح بخاری کی روایات (۳۹۱۵، ۴۸۷۵، ۴۸۷۷) کے مطابق آپ ﷺ کے لیے ایک جھونپڑا بھی بنایا گیا، جسے قبہ اور عریش کہا گیا ہے۔ یہ اس لیے بنایا گیا کہ یہاں سے اللہ کے رسول ﷺ جنگ کی قیادت فرمائیں گے۔

یا اللہ! اپنے وعدے پورے کر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک قبلے کی طرف کر لیا، اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور اپنے رب سے دعا کرنے لگے:

((اَللّٰهُمَّ ! اَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ، اَللّٰهُمَّ ! آتِ مَا وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ ! إِنَّكَ إِنْ

تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ اَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ ››

”اے اللہ! مجھ سے تو نے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کر دے۔ اے اللہ! جس (فتح) کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا وہ عطا فرما دے۔ اے اللہ! اگر آج اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔“

آپ ہاتھ پھیلائے، قبلہ کی جانب رخ کیے ہوئے لگا تار اپنے رب کو پکارتے رہے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، آپ کی چادر کو اٹھایا، اسے آپ کے کندھوں پر ڈالا اور پھر آپ کے پیچھے سے آپ کو چمٹ کر کہنے لگے: ”اے اللہ کے نبی! (ﷺ) بس کیجیے! آپ کی اتنی دعا ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔“ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴾

[الأنفال : ٨/٩]

”(یاد کرو وہ وقت جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، اس نے تمھاری فریاد کو قبول کر لیا اور کہا میں تمھاری مدد کو پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔“

[مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة...... الخ : ١٧٦٣]

② حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آخر پر اللہ کے رسول ﷺ اس طرح رب کے حضور فریاد کناں تھے:

‹‹ اَللّٰهُمَّ ! اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ ، اَللّٰهُمَّ ! اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ، اَللّٰهُمَّ ! اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ ››

”اے اللہ! یہ پاؤں سے ننگے ہیں، ان کو جوتے اور سواریاں عطا فرما۔ اے اللہ! یہ ننگے ہیں ان کو لباس عطا فرما، اے اللہ! یہ (مجاہدین) بھوکے ہیں، ان کو سیر کر دے۔“

چنانچہ اللہ نے بدر کے دن فتح عطا فرمائی تو مجاہدین گھروں کو جب پلٹے تو ان میں سے کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کے پاس ایک یا دو سواریاں نہ ہوں، اسی طرح انھیں پوشاکیں بھی

ملیں اور خوراکیں بھی وافر ہو گئیں۔

[أبو داوٗد، کتاب الجهاد والسیر، باب فی النفل للسریة...... الخ : ۲۷۴۷۔ إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاکم : ۱۴۵/۲، ح : ۲۶۴۲ و إسناده حسن لذاته]

④ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بدر کے دن کہا: ''یہ جبریل ہیں، اپنے گھوڑے کے سر (کے بالوں) کو پکڑے ہوئے ہیں، جنگ کے ہتھیار زیب تن کیے ہوئے ہیں۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب شهود الملائکة بدرًا : ۳۹۹۵]

قارئین کرام! اب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، عتبہ مبارزت کے لیے میدان میں آچکا تھا، مبارزت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں لشکروں میں سے ایک ایک، دو دو، یا تین تین جنگجو نمودار ہوتے، ان کے مابین جنگ ہوتی اور دونوں لشکر یہ منظر دیکھتے۔ ان کی فتح و شکست کے بعد گھمسان کا رن پڑتا۔

صحیح بخاری کی روایت (۳۹۶۵) کے مطابق تین تین شہسوار میدان میں آئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابلے کے لیے قریش کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ولید بن عتبہ آئے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں شیبہ بن ربیعہ آئے۔

رب رحمان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھوں گا:

حضرت قیس بن عبادہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میں سب سے پہلے رب رحمان کے حضور دو زانو بیٹھ کر اپنا مقدمہ پیش کروں گا۔'' قیس بن عبادہ کہتے ہیں کہ انھی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ﴾ [الحج : ۱۹/۲۲]

''یہ ہیں لڑنے جھگڑنے والے دو گروہ جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔''

(یہ جھگڑا کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو بدر کے دن مبارزت کے میدان میں نکلے:

① حمزہ رضی اللہ عنہ...... عتبہ بن ربیعہ کے مقابل۔

② علی رضی اللہ عنہ ...... ولید بن عتبہ کے مقابلے میں۔

③ عبیدہ رضی اللہ عنہ ...... شیبہ بن ربیعہ کے لیے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جهل : ۳۹۶۵]

حضرت علی رضی اللہ عنہ قیامت کے دن رب کے حضور شاید یوں کہیں گے: ''اے اللہ! ہمارا ان مشرکوں سے جھگڑا تھا تو صرف تیری خاطر، دعوت کے میدان میں ماریں کھائیں تو صرف تیرے لیے، ہم مبارزت کے میدان میں آئے تو تیری خاطر اور تیری خاطر ہی تیرے دشمنوں کو قتل کیا۔'' جب قرآن قیامت تک کے لیے ہے تو دو گروہ بھی قیامت تک رہیں گے، ایک گروہ میں کتاب و سنت کے حامل سیرت نبوی پہ عمل پیرا مسلمان ہیں اور دوسرے گروہ میں مشرکین، ہندو، بدھ مت، سکھ اور یہودی و عیسائی وغیرہ ہیں، دوسرے گروہ کے ساتھ جو مسلمان لڑ جھگڑ رہے ہیں، یہ بڑے خوش قسمت مسلمان ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اللہ کے حضور دو زانو ہو کر سامنے بیٹھ جائیں گے اور وہ جس انداز کے جھگڑے کرتے رہے، ان کی تفصیل اپنے رب کو سنا کر کافروں کے خلاف مقدمے بنوائیں گے:

① خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی خاطر تقریریں کرتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، کانفرنسیں اور اجتماعات کا انعقاد کرتے ہیں۔

② کالم لکھتے ہیں، تحریریں سامنے لاتے ہیں، کتب لکھتے ہیں، میگزین جاری کرتے ہیں، انٹرنیٹ کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، ویب سائٹس بناتے ہیں اور دیگر ذرائع بروئے کار لاتے ہیں، تاکہ رب کی خاطر خوب جھگڑے کریں۔

③ جھگڑنے کا آخری مرحلہ جہاد و قتال ہے، وہ یہاں بھی برسرپیکار ہیں، آفرین ہے ان پاکباز مجاہدین پر جو اس مبارزت کو قبول کر کے لڑتے جھگڑتے چلے جا رہے ہیں۔

اسلحہ کے استعمال کی عسکری ہدایت:

حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر والے دن ہمیں یہ ہدایت دی: ''جب دشمن تمھارے قریب آ جائیں تو ان پر تیر چلاؤ، (ابھی) اپنے تیر بچا کر رکھو۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۳۹۸٤]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری ہدایت ایک اعلیٰ ترین جنگی اصول ہے یعنی ہدف متعین کیے

بغیر تیر ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اسلحہ پہلے ہی کم ہے، لہٰذا اسے بچا کر رکھا جائے۔
مجاہدین اپنے جرنیل اعظم جناب محمد کریم ﷺ کی ان عسکری ہدایات کو پلے باندھے دشمن کے چھکے چھڑا رہے تھے۔

عمیر رضی اللہ عنہ واہ! واہ! کر اٹھے اور پھر......؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مشرک قریب آگئے تو آپ ﷺ نے (مجاہدین کو ترغیب دیتے ہوئے) فرمایا:

((قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ))

''(مجاہدو!) لپکو ایسی جنت کی جانب کہ جس کی چوڑائی اس قدر ہے جس قدر کہ ساتوں آسمان اور زمین ہے۔''

(یہ سنتے ہی) عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ایسی جنت کہ جس کی چوڑائی ہی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''بالکل!'' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''بخ، بخ! یعنی واہ واہ! ...... کیا بات ہے۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بخ، بخ کس وجہ سے کہا ہے؟'' جناب عمیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ کی قسم! اس کے علاوہ کچھ نہیں، بس خواہش ہے تو یہی کہ میں اس جنت کے رہنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاِنَّکَ مِنْ اَھْلِھَا))

''تو اس جنت کے باسیوں میں سے ہے۔''

اب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تھیلی میں سے کھجوروں کو نکالا اور کھانے لگے پھر (جنت کا خیال آگیا تو) کہنے لگے:

((لَئِنْ اَنَا حَیِیْتُ حَتّٰی اٰکُلَ تَمَرَاتِیْ ھٰذِہٖ، اِنَّھَا لَحَیَاۃٌ طَوِیْلَۃٌ))

''اگر ان کھجوروں کو کھانے تک میں زندہ رہا تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہے۔''

پھر ان کے پاس جو کھجوریں تھیں انھیں انھوں نے پھینک دیا اور قتال کرنے لگے حتیٰ کہ

شہید ہو گئے۔

[مسلم، کتاب الأمارة، باب ثبوت الحنة للشهيد : ۱۹۰۱۔ مسند أحمد : ۱۳۶/۳، ۱۳۷، ح: ۱۲٤۰۷و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم: ٤۲٦/۳، ح: ۵۹۹۸ و إسناده صحيح]

کس قدر پختہ ایمان ہے رسول اللہ ﷺ کے مجاہد کا کہ جنت کی چوڑائی کا سن کر کھجوریں کھانے پر چار پانچ منٹ لگانے بھی گوارا نہ کیے، بلکہ ان کے لیے یہ چند منٹ زندہ رہنا بھی مشکل ہوگیا۔ اللہ، اللہ! ان چند منٹوں کو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ایک لمبی زندگی قرار دے رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا سوچ ہے جنت کو پانے کے لیے ایک مجاہد کی۔

فرشتے نے مشرک کے منہ پر کوڑا دے مارا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن ایک مجاہد ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ مشرک اس کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ اس دوران اوپر سے کوڑا پڑنے کی آواز مجاہد کے کان میں پڑی۔ ساتھ ہی ایک گھڑسوار کی آواز سنائی دی۔ وہ (اپنے گھوڑے کا نام لے کر) کہہ رہا تھا: ''اے حیزوم! آگے بڑھ۔'' اب مجاہد نے جونہی اپنے سامنے نظر دوڑائی تو وہی مشرک چاروں شانے چت گرا پڑا تھا۔ مجاہد نے اس کو دیکھا تو اس کی ناک پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی ضرب سے اس کا چہرہ پھٹ چکا تھا۔ چہرے کا رنگ بدل کر سبز ہو گیا تھا۔ یہ منظر دیکھنے والا انصاری مجاہد آیا۔ اس نے سارا واقعہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ))

''تو نے سچ کہا ہے، یہ مدد تیسرے آسمان سے آئی تھی۔''

[مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة......الخ : ۱۷٦۳]

معاذ اور معوذ باز کی طرح جھپٹے:

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''بدر کی جنگ کے موقع پر میں صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو جوانی میں قدم رکھنے والے دولڑکے کھڑے تھے۔ میں نے ان کو دیکھ کر اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کیا۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے آہستہ سے مجھ

سے بات کی تا کہ اس کا ساتھی سننے نہ پائے۔ کہنے لگا: ''چچا جان! مجھے ابو جہل تو دکھلایئے۔'' میں نے کہا: ''بھتیجے! تم اس کو دیکھ کر کیا کرو گے؟'' اس نے کہا: ''میں نے اللہ کے سامنے یہ عہد کیا ہے کہ یا تو اسے قتل کروں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔'' دوسرے لڑکے نے بھی اپنے ساتھی سے چھپاتے ہوئے مجھ سے یہی بات پوچھی۔ اب یہ منظر دیکھ کر دونوں کے درمیان اپنے آپ کو کھڑا پا کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے اشارے سے ان کو ابو جہل دکھلا دیا۔ وہ تو دیکھتے ہی دیکھتے باز کی طرح ابو جہل پر جھپٹے اور اسے فوراً ہی مار گرایا۔ یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۳۹۸۸]

ان دونوں لڑکوں کا نام معاذ بن عفراء اور معوذ بن عفراء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے متکبر کا غرور توڑا تو انصار کے دو لڑکوں کے ہاتھوں سے اور اب وہ چاروں شانے چت میدان بدر میں سسک رہا تھا۔ اللہ کا قانون یہی ہے کہ وہ متکبروں کو کمزوروں کے ہاتھوں مروا کر ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

قرآن کے مفسر نے ابو جہل کا سر تن سے جدا کر دیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''کوئی ہے جو معلوم کرے کہ ابو جہل کا کیا حشر ہوا؟''

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (اس کا حال معلوم کرنے کے لیے) چلے گئے۔ جب وہ ابو جہل کے قریب سے گزرے تو اس میں ابھی جان کی رمق باقی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو جہل سے پوچھا: ''کیا تو ہی ابو جہل ہے؟'' پھر اس کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ ابو جہل (اپنے بارے میں) کہنے لگا: ''کیا اس سے بھی بڑا کوئی آدمی ہے جسے آج تم نے قتل کر ڈالا ہے۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جهل : ۳۹۶۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس امت کے فرعون کو ذبح کرنے کا اعزاز حاصل کرتے ہیں اور وہ بات جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہی تھی کہ میں تمھیں ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں، وہ آج بدر کے دن ان کے ہاتھوں پوری ہو گئی۔

اسی طرح امیہ بن خلف جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تپتی ریت پر لٹایا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس امیہ بن خلف کو قتل کر دیا۔ یعنی اللہ نے بدر کے دن بدلہ دلوا دیا اور بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا سینہ ٹھنڈا کر دیا۔

دیکھیے [بخاری، کتاب الوکالة، باب إذا وکل المسلم...... الخ : ۲۳۰۱]

مشرک مقتولوں اور قیدیوں کی تعداد:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے بدر کے دن ایک سو چالیس مشرکوں کو نقصان سے دو چار کیا، یعنی ستر قیدی بنا لیے گئے اور ستر مارے گئے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۳۹۸۶]

اس جنگ میں مجاہدین کے ہاتھوں کفر کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کو مسلمانوں (مجاہدین) کے درمیان تقسیم کر دیا۔

[ابن حبان : ٤٨٥٥ و إسناده حسن لذاته]

میدان جنگ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کر کے ہاتھ پھیلا کر جو دعا مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے وہ قبول فرمالی اور اب مجاہدین واپس گھروں کو پلٹ رہے تھے تو وہ مشرکین کے چھوڑے ہوئے راشن سے سیر ہو کر آ رہے تھے۔ ان کے جوتے پہن کر اور ان کی سواریوں پہ سوار ہو کر پلٹ رہے تھے۔ جو بدن سے ننگے تھے وہ چادروں اور کپڑوں سے لدے ہوئے مدینہ کو واپس آ رہے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے یعنی عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے رکھا اور باقی مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔

مکہ میں نوحہ گری سے ممانعت:

مکہ میں مشرکین کی آہ و زاری، رونا پیٹنا اور نوحہ گری سنی نہ جاتی تھی، گھر گھر ماتم تھا۔ طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''مشرکین یہ صورتحال

دیکھ کر بڑے شرمندہ ہوئے، چنانچہ انھوں نے شرمندگی سے بچنے کے لیے مکہ میں اعلان کیا کہ اپنے مارے گئے لوگوں پر نوحہ گری مت کرو، کیونکہ نوحہ گری کی یہ خبر محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ کے پاس پہنچی تو وہ تمھاری اس حالت پر خوشیاں منائیں گے۔"

[طبرانی کبیر: ۱۷/۲۱، ح: ۱۱ و إسناده حسن لذاته]

مدینہ میں فتح کی بشارت:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی پر سوار "عضباء" کے مقام پر فتح کی خوشخبری لے کر آئے تو میں نے گھبراہٹ اور خوف کا ایک شور سنا۔ میں جب تیزی کے ساتھ باہر نکلا تو کیا دیکھا کہ جناب زید رضی اللہ عنہ خوشخبری لے کر آئے ہیں ...... اللہ کی قسم! جب تک ہم نے قیدیوں کو دیکھ نہ لیا، فتح کا یقین نہیں آیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ مال غنیمت میں سے نکالا، کیونکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ان کی بیماری کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "مجھے بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اسی مقصد کے لیے مدینے میں رہنے کو کہا تھا۔"

[السنن الکبریٰ للبیهقی: ۱۷٤/۹، ح: ۱۸۵۸۵ و إسناده حسن لذاته ۔ مستدرك حاکم: ۲۱۷/۳، ۲۱۸، ح: ٤۹۵۹ و إسناده حسن لذاته]

مجھے بھی بتلاؤ، تا کہ میں بھی آنسو بہاؤں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے، اس طرح ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کا کیا کیا جائے؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے نبی! (ﷺ) ہم ایک دوسرے کے چچا زاد اور رشتہ دار ہیں، لہٰذا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ (قید کے بدلے میں مال) لے لیں، اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس مال سے کافروں کے مقابلے میں ہماری دفاعی قوت مضبوط ہوگی، دوسرا فائدہ یہ کہ ممکن ہے اللہ ان قیدیوں کو اسلام کی طرف لا کر ہدایت

سے نواز دے۔'' اب اللہ کے رسول ﷺ نے جناب عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے خطاب کے بیٹے! تمھاری رائے کیا ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کی نفی کرتے ہوئے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ آپ (ﷺ) ان قیدیوں کو ہمارے سپرد کریں، تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں، علی کا بھائی عقیل اس کے سپرد کیا جائے، وہ اس کی گردن اڑائے اور میرے فلاں عزیز کو میرے سپرد کیجیے، میں اس کی گردن مارتا ہوں کہ یہ لوگ کفر کے سردار اور کفار کے رؤسا ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مشورہ دیا اللہ کے نبی ﷺ کا رجحان ادھر ہوگیا اور جو میں نے مشورہ دیا ادھر آپ (ﷺ) کا رجحان نہیں ہوا، جب اگلا دن ہوا اور میں آپ (ﷺ) کے پاس گیا تو آپ (ﷺ) بھی رو رہے تھے اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بھی رو رہے تھے۔

میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) مجھے بتلایئے سبب کیا ہے کہ آپ بھی رو رہے ہیں اور آپ کا ساتھی بھی رو رہا ہے؟ اگر مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی آنسو بہاؤں اور اگر مجھے آنسو بہانے کا سبب نہ ملے تو میں اس وجہ سے آنسو بہانے شروع کر دوں کہ آپ دونوں رو رہے ہو۔'' اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا:

''فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے جو چیز تمھارے ساتھیوں کے سامنے پیش کی گئی ہے میں اس وجہ سے رو رہا ہوں۔ مجھ پر عذاب اس (قریبی) درخت سے بھی زیادہ نزدیک لایا گیا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ [الأنفال: ٨/٦٧، ٦٨]

''کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ اس کے ہاں قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون بہالے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ

سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے، اگر اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی بات نہ ہوتی، جو پہلے طے ہو چکی تو تم نے جو کچھ لیا اس کی وجہ سے تمھیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔''

[مسلم، كتاب الجهاد، باب الإمداد بالملائكة..... الخ : ١٧٦٣]

اللہ کی ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ مولا کریم چاہتے تھے کہ قیدی بنانے کی جلدی نہ کی جاتی۔ پہلے کافروں کو تہ تیغ کر کے خوب خون ریزی تو کر لی جاتی۔ اس کے بعد ﴿ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ﴾ [محمد : ٤٧/ ٤] احسان کر کے چھوڑنا یا فدیہ لے کر چھوڑنا بعد کی باتیں ہیں۔ اللہ کا یہ بتلایا ہوا اصول اور ضابطہ بعد میں اس طرح سامنے آیا کہ اگر بدر کے دن ۷۰ کی بجائے مشرکین مکہ سات سو کی تعداد میں مارے جاتے تو وہ احد اور احزاب میں آنے کی ہرگز جرأت نہ کرتے یعنی اللہ چاہتے ہیں کہ موقع مل جائے تو پھر کفار کو پیس کے رکھ دیا جائے، اس قدر کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہیں۔

جواں سال حارثہ، جنت الفردوس میں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جواں سال حارثہ (رضی اللہ عنہ) بدر کے دن شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) حارثہ مجھے کس قدر پیارا تھا، یہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معلوم ہے، اب اگر وہ جنت میں ہے تب تو میں صبر کروں گی اور اجر و ثواب کی امید رکھوں گی، لیکن اگر وہ کسی دوسری جگہ ہے تب آپ دیکھیں گے کہ میں (رونے پیٹنے کا عمل) کیسے کرتی ہوں؟'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَيُحَكِ اَوَ هَبِلْتِ أَوَ جَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ ؟ اِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيْرَةٌ وَ اِنَّهُ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ))

اللہ تم پر رحم کرے، کیا تو پاگل ہو گئی ہے، وہاں بھلا کوئی ایک جنت ہے؟ جنتیں تو بہت ہیں اور جہاں تک حارثہ کا تعلق ہے، وہ تو (سب سے اعلیٰ جنت) جنت الفردوس میں ہے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب فضل من شهد بدرًا : ٣٩٨٢]

بدری صحابہ ہی نہیں بدری فرشتے بھی بلند مقام ہیں:

حضرت رفاعہ بن رافع بن زرقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھنے لگے: ''تم لوگ اپنے اندر بدری مجاہدین کو کیا مقام دیتے ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''تمام مسلمانوں سے افضل۔'' اس پر حضرت جبریل علیہ السلام کہنے گے: ''بالکل! اسی طرح ہم بھی ان فرشتوں کو سب سے افضل سمجھتے ہیں جو بدر کی جنگ میں شریک تھے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب شهود الملائكة بدرًا : ٣٩٩٢]

بیٹی نے خاوند کو رہا کروانے کے لیے قیمتی ہار بھیجا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ جب مکہ کے لوگوں نے اپنے قیدی چھڑوانے کے لیے مال بھیجنا شروع کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابوالعاص بن ربیع کو چھڑوانے کے لیے بھی مال بھیجا۔ اس مال میں ان کا ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار وہ تھا کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیٹی کو ابو العاص کی دلہن بنا کر رخصت کیا تھا تو یہ ہار اس کے گلے میں ڈالا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ہار دیکھا تو آپ موم ہو گئے، آنسو چھلک پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

''تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر تم زینب کا قیدی رہا کر دو اور زینب کا ہار اسے واپس لوٹا دو۔''

صحابہ نے کہا: ''ٹھیک ہے، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)'' اور پھر صحابہ نے ہار واپس لوٹا دیا۔ ابوداوٗد میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص کو رہا کرتے ہوئے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ جاتے ہی زینب رضی اللہ عنہا کو روانہ کر دے گا۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور انصار کے ایک آدمی کو بھیجا اور حکم دیا:

''تم دونوں ''یاجج'' مقام کے دامن میں ٹھہر جانا اور جب زینب رضی اللہ عنہا تمھارے قریب سے گزرے تو تم ساتھ چل پڑنا اور یہاں مدینہ لے آنا۔''

[أبو داوٗد : ٢٦٩٢، و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٢٣/٣، ح : ٤٣٠٦ وإسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٢٧٦/٦، ح : ٢٦٤١٦ و إسناده حسن لذاته]

ابو العاص قیدی بن کر آئے تھے، رسول کریم ﷺ کے داماد تھے۔ جب آپ ﷺ نے بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا بھیجا ہوا ہار دیکھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں، وہی خدیجہ رضی اللہ عنہا جو عرب کی مالدار ترین تاجر خاتون تھیں، وہ کہ جنھوں نے اپنا سارا مال اسلام کے لیے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ جی ہاں! آج اسی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آ گئی۔ بیٹی کی رخصتی کا منظر یاد آ گیا۔ باپ جو مدینے کا حکمران، سپریم کمانڈر اور فاتح بدر ہے، آپ ﷺ کی آنکھیں چھلک پڑیں، سوچا ہو گا کہ بیٹی نے ماں کی نشانی گلے سے اتار کر باپ کی خدمت میں بھیج دی ہے، قربان جاؤں، ایسے حکمران پر! دنیا نے آج تک نہ دیکھا ہو گا کہ وہ حکمران باقی مال تو رکھ لیتا ہے کہ عدل کا یہی تقاضا ہے، صرف ایک ہار واپس بیٹی کو بھیجنے کا کہہ رہا ہے مگر خود کوئی فیصلہ نہیں سنا رہا، معاملہ صحابہ کے سپرد کر دیا ہے کہ اگر تم مسلمان اجازت دو تو اپنی بیٹی کے بارے میں ہار کی واپسی کا فیصلہ کر لوں۔ لوگو! یہ دنیا جمہوری نظام لیے پھرتی ہے..... عوامی راج کی باتیں ہیں، اللہ کی قسم! عوامی راج کا جو نمونہ مدینہ کے حکمران نے پیش کیا ہے، کوئی ایسا حکمران ہے جو اس کی مثال پیش کر سکا ہو.....؟ آج تک کوئی ایک ہی مثال ایسی ہو؟

جس دن اللہ کے رسول ﷺ فاتح بدر ہو کر مدینہ میں داخل ہوئے اسی دن آپ ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دفن کر کے فارغ ہوئے تھے۔

[مستدرك حاكم : ٣/٢١٧، ٢١٨ و إسناده حسن لذاته]

اور پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار سامنے آ گیا، یوں باپ کا غم کئی گنا بڑھ گیا۔ خوشیوں کے ساتھ غمیاں، غموں کے ساتھ خوشیاں، یہ اللہ کا نظام ہے اور اللہ کے محبوب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ادھر ابو العاص نے وعدہ پورا کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں آ گئیں، بعد میں ابو العاص مسلمان ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے پہلے ہی نکاح پر بیٹی کو ابو العاص رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا۔

ایک درہم بھی مت چھوڑو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ اگر وہ اجازت دے دیں تو ہم اپنے بھانجے عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں،

آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَ اللّٰهِ ! لَا تَذَرُوْنَ مِنْهُ دِرْهَمًا))

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ٤٠١٨]

''اللہ کی قسم! عباس کو ایک درہم بھی مت چھوڑنا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سگے چچا تھے۔ انصار نے انھیں اپنا بھانجا اس لحاظ سے کہا کہ ان کی دادی یعنی عبدالمطلب کی والدہ بنونجار کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس رشتہ کی بنا پر انصار نے ان کا فدیہ معاف کرنا چاہا مگر اللہ کے رسول ﷺ نے اس بنا پر ایسا نہ کرنے دیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مالدار شخص تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے سوچا کہ انصاری مسلمانوں کو حق ملنا چاہیے۔ یہ ہیں رسول کریم ﷺ جو عدل و انصاف کا ترازو تھامے ہوئے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس انداز سے کہ مجال ہے جو معمولی سا بھی جھکنے پائے اگرچہ سگا چچا ہی کیوں نہ ہو، انسانی تاریخ میں ایسا کوئی چیف جسٹس دنیا پیش کر کے دکھلائے تو سہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی مومنوں کی ماں بن گئیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے۔ وہ بدر کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے، مدینہ میں فوت ہوئے۔ اب میری ملاقات حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا کہ وہ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح ان سے کر دوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''مجھے سوچ لینے دیجیے۔'' میں چند دنوں تک انتظار کرتا رہا، پھر انھوں نے کہا: ''میری رائے یہی بنی ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں۔'' اس کے بعد میری ملاقات ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان سے بھی میں نے یہی کہا کہ اگر وہ چاہیں تو میں حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح ان سے کر دیتا ہوں۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے اس طرز عمل نے جناب عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر مجھے رنجیدہ کر دیا۔ میں خاموش ہو گیا اور پھر جناب نبی کریم ﷺ نے خود حفصہ کا رشتہ مانگ لیا، چنانچہ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول کریم ﷺ سے کر دیا۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے: ''جب آپ مجھ سے ملے تھے اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے نکاح کی بات کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو میرے اس طرز عمل سے آپ کو تکلیف تو ہوئی ہو گی؟'' میں نے کہا: ''یقیناً!'' اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اصل بات یہ تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا تذکرہ کیا تھا۔ اب میں آپ کے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر نہیں کر سکتا تھا، اس لیے خاموش ہو گیا، ہاں البتہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکاح نہ کرتے تو میں ضرور کر لیتا۔''

[بخاري، كتاب النكاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته على أهل الخير : ۵۱۲۲۔ ابن حبان : ۴۰۳۹ و إسناده صحيح]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اس لیے نہیں بنی تھی کہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح ہو جائے گا، یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کائنات کا بہترین شوہر عطا فرما دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا رشتہ عطا فرما دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین میں اپنے قریبی دوستوں اور ساتھیوں سے رشتہ جوڑنے کے کس قدر خواہش مند تھے۔ دین کے ساتھ یہ ان کی والہانہ محبت تھی اور اہل دین کو باہم ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کی بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهَا صَغِيْرَةٌ))

''فاطمہ ابھی چھوٹی ہیں۔

اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رشتہ طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔''

[السنن الكبرىٰ للنسائي ، كتاب الخصائص، باب ذكر ما خص...... الخ : ۱۴۳/۵، ح : ۸۵۰۸ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ۶۹۴۸ و إسناده صحيح]

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں گئی جب صبح

ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے دروازہ کھٹکھٹایا، ام ایمن نے دروازہ کھولا، رسول اللہ ﷺ نے ام ایمن کو کہا: ''میرے بھائی (علی) کو بلاؤ۔''

ام ایمن عرض گزار ہوئیں اللہ کے رسول! (ﷺ) علی تو آپ (ﷺ) کے بھائی ہیں اور آپ (ﷺ) اپنی بیٹی کا رشتہ بھی ان کو دے رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے کہا: ''ہاں!'' (یعنی چچا زاد بھائی ہیں، سگے نہیں) اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''وہاں موجود عورتوں نے جب آپ ﷺ کی آواز سنی تو ایک طرف ہوگئیں تو میں نے بھی ایک کونے میں جگہ لی، جب علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور ان پر پانی چھڑکا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ کو بلاؤ۔'' شرم و حیا کا پیکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میں نے تیرا نکاح اپنے اہل بیت میں محبوب ترین شخص سے کر دیا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کے لیے دعا کی اور ان پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔''

[السنن الكبرىٰ للنسائي، كتاب الخصائص، باب ذكر ما خص به علي دون ...... الخ : ١٤٢/٥، ح : ٨٥٠٩ و إسناده صحيح]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کر کے روانہ کیا تو ایک چادر عطا فرمائی ...... پانی کی مشک دی اور چمڑے کا ایک تکیہ دیا جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی۔''

[مسند أحمد : ٨٤/١، ح : ٦٤٥ و إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ضجاع آل محمد : ٤١٥٢۔ دلائل النبوة للبيهقي : ١٦١/٣]

یہ تھی آسان اور سادہ شادی جو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی اس بیٹی کی فرمائی جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ کاش! ہمارے انداز بھی سنت کے مطابق ہو جائیں تو معاشرہ ہندوانہ رسومات سے بچ جائے اور جاہلی خرچوں کے ناروا بوجھ لوگوں کے سر سے اتر جائیں۔

یہودیوں کے شرارتی سردار کا قتل:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک دن صحابہ سے) فرمایا:

''کعب بن اشرف سے کون نبٹے گا؟ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ستائے جا رہا ہے۔''

اس پر محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پسند فرمائیں تو میں اسے قتل کر دیتا ہوں۔'' محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے یہ بھی اجازت دے دیجیے کہ کچھ ایسی ویسی باتیں بھی کر لوں۔'' محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اجازت ہے، کر لینا۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آگئے اور اسے کہنے لگے: ''یہ شخص (محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آئے روز ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے۔ ہمیں تو اس نے تھکا مارا ہے۔ میں اب جو تمھارے پاس آیا ہوں تو میرا مقصد آپ سے قرض لینا ہے۔''

کعب بن اشرف: ''ہاں ہاں! اللہ کی قسم! ابھی تو مزید تھکا مارے گا۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ: ''یار! بات یہ ہے کہ ہم اس کی اطاعت کا دم بھر بیٹھے ہیں، اب جب تک یہ کھل کر سامنے نہ آ جائے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے تب تک یہ مناسب نہیں کہ ہم اس کو چھوڑ دیں۔ ہماری غرض یہ ہے کہ آپ سے ایک یا دو وسق غلہ قرض لیں۔''

کعب بن اشرف: ''اچھا! تو پھر آپ کو کچھ گروی رکھنا ہوگا۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ: ''گروی کون سی شے پسند کرو گے؟''

کعب بن اشرف: ''اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھ دو۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ: ''تم سارے عرب میں مشہور خوبصورت مرد ہو تو ہم تمھارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟''

کعب بن اشرف: ''اچھا! تو پھر اپنے بیٹے رہن میں رکھ دو۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ: ''ہم تمھارے پاس اپنے بچوں کو کس طرح گروی رکھ دیں؟ کل کو کوئی انھیں گروی کا طعنہ دے ڈالے گا کہ ایک یا دو وسق پر اس کو گروی رکھا گیا تھا۔ یہ تو ہمارے لیے حد درجہ بے غیرتی ہوگی۔ ہاں! البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم تمھارے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ دیں۔''

اس کے ساتھ ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا اور رات کے

وقت اس کے پاس پھر جا پہنچے۔ اب ان کے ہمراہ ابو نائلہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ یہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ انھوں نے کعب کے قلعہ کے پاس جا کر آواز دی۔ کعب بن اشرف باہر نکلنے لگا تو بیوی نے کہا: ''اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے کہا: ''یہ تو محمد بن مسلمہ (رضی اللہ عنہ) اور میرا بھائی ابو نائلہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔'' بیوی نے کہا: ''مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔'' کعب نے کہا: ''عزت دار آدمی کو اگر رات کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔''

محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ان ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ جب کعب آئے اور میں اس کے سر کے بال ہاتھ میں لے کر سونگھنے لگوں اور تم اندازہ لگا لو کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے تو تم اسے قتل کرنے کے لیے تیار ہو جانا اور قتل کر ڈالنا۔

اب کعب چادر لپیٹے ہوئے باہر آ گیا۔ اس کے جسم سے خوشبو کی مہکیں اٹھ رہی تھیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی کہا: ''آج جس قدر عمدہ خوشبو آ رہی ہے، اس سے بڑھ کر میں نے آج تک نہیں سونگھی۔'' کعب بولا: ''میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت خوشبو میں لپٹی رہتی ہے۔ حسن و جمال میں بھی اس عورت کی کوئی مثال نہیں۔'' اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: ''کیا آپ کا سر سونگھنے کی اجازت ہے؟'' کعب نے کہا: ''کیوں نہیں!'' اب جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سر سونگھا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کعب کا سر سونگھنا شروع کیا، پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''کیا دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے؟'' کعب بن اشرف نے کہا: ''لو...... سونگھو۔'' اب جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب کو پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا کہ تیار ہو جاؤ، ساتھیوں نے کعب کو قتل کر ڈالا اس کے بعد یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر کر دی۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب قتل كعب بن أشرف : ٤٠٣٧]

کعب بن اشرف بڑا مالدار یہودی تھا۔ شاعر بھی تھا۔ قلعہ نما محل میں رہتا تھا۔ مدینہ سے



چند کلو میٹر کے فاصلے پر میں نے اس کا قلعہ دیکھا ہے۔ اس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں، یہ شخص شعروں میں اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا۔ الغرض، اس کی خباثتوں کی انتہا ہوگئی تھی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے قتل کروا دیا۔

اسی طرح ''صحیح بخاری کتاب المغازی: (۴۰۲۸)'' میں ہے کہ ''بنو قینقاع'' کو بھی جو مدینہ میں رہنے والے یہودی تھے، جلا وطن کر دیا۔ جی ہاں! یہ بھی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے، حتیٰ کہ ان کے لفنگے مسلمان خواتین کو پریشان کرنے لگ گئے تھے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ کو ان سے پاک کر دیا۔ ان شریر یہودیوں کی جلا وطنی اور کعب بن اشرف جیسے موذی کے قتل کا فائدہ یہ ہوا کہ باقی یہودیوں کی شرارتیں وقتی طور تھم گئیں۔



احد پہاڑ کے دامن میں جنگ

غزوۂ احد کا منظر سالار صحابہ ﷺ کے خواب میں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بتلایا:

''میں نے خواب دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کی تعبیر اس نقصان کی صورت میں ظاہر ہوئی جو مسلمانوں کو احد کی جنگ میں اٹھانا پڑا۔''

پھر آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''میں نے دوبارہ اس تلوار کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ شاندار بن گئی۔ اس کی تعبیر اس طرح سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (شکست کے بعد) فتح سے نوازا اور تتر بتر مسلمان نئے سرے سے (لڑائی کے لیے) ایک جگہ جمع ہو گئے۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

''میں نے خواب میں ایک گائے بھی دیکھی (جو ذبح ہو رہی تھی)، اللہ کے سارے کاموں ہی میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ گائے سے مراد وہ مسلمان تھے جو احد کی جنگ میں شہید ہو گئے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب من قتل من المسلمين يوم أحد : ٤٠٨١]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی اس تلوار کا نام ''ذوالفقار'' تھا۔ میدان بدر میں یہ تلوار آپ ﷺ کے پاس تھی۔ اسی کو آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں۔''

[مسند أحمد : ۲۷۱/۱، ح : ۲٤٤۹ و إسناده حسن لذاته۔ ترمذی : ۱۵٦۱/۲ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام ! اس کا مطلب آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ مدینہ محفوظ رہے گا۔ اس روایت میں آپ ﷺ نے خواب میں ذبح ہوتی ہوئی گائے دیکھی، چنانچہ احد کے میدان میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ اللہ کے ہر کام میں بہتری کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا اور اس سے بہتر اور کیا چیز ہوسکتی ہے؟ گائے کی تعبیر کا ذکر زیر نظر حوالہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

[بخاری، کتاب التعبیر، باب إذا رأی بقرا تنحر : ۷۰۳۵]

یاد رہے ! مشرکین مکہ نے بدر کی لڑائی میں شکست کھانے کے بعد وہیں اعلان کر دیا تھا کہ اگلے سال پھر لڑیں گے، چنانچہ اب وہ لڑنے کے لیے تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف آ رہے تھے۔ آپ ﷺ کو ان کی آمد کی تمام تر معلومات مل رہی تھیں، چنانچہ مسند احمد کی صحیح روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا:

''تمھاری کیا رائے ہے کہ اگر ہم مدینہ ہی میں رہ کر دفاع کریں اور جب وہ مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو ہم ان سے لڑائی کریں؟''

اس پر انصار کہنے لگے : ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ کی قسم! جاہلیت کے دور میں بھی کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ مدینہ میں داخل ہو، اب تو ہم مسلمان ہو گئے ہیں، لہٰذا وہ کیسے داخل ہوسکیں گے؟'' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فیصلہ یہی کیا کہ مدینہ سے باہر جا کر ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے اپنے اس فیصلے کا اظہار عملی طور پر کیا اور زرہ پہن کر صحابہ میں نمودار ہو گئے۔

[مسند أحمد : ۳۵۱/۳، ح : ۱٤۷۹۹، صحیح]

تیراندازو! یہاں سے نہ ہٹنا:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکوں سے ہمارا سامنا ہوا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے تیراندازوں کا ایک لشکر (پہاڑی پر) متعین فرمایا۔ ان کا کمانڈر جناب عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ

کو بنایا اور یہ حکم دیا:

''یہاں سے ہٹنے نہ پانا، اگر تم دیکھو کہ ہم مشرکوں پر فتح حاصل کر گئے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکوں کو دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آگئے ہیں تو ہماری مدد کو بھی نہ آنا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد : ۴۰۴۳]

ابو داؤد میں یہ تفصیل بھی ہے کہ یہ تیر انداز پچاس تھے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہاں متعین فرمایا اور تاکید کی:

''اگر تم یہ بھی دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا، یہاں تک کہ میں تم لوگوں کو بلا بھیجوں اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم اپنے دشمن پر غالب آچکے ہیں، ہم نے انھیں قدموں تلے روند ڈالا ہے، تب بھی تم اپنی جگہ جمے رہنا، حتیٰ کہ میں تمھیں بلا بھیجوں۔''

[أبو داوٗد، کتاب الجهاد، باب في الکمناء : ۲۶۶۲۔ و إسناده صحیح]

یہ پہاڑی، جسے ''جبل رماۃ'' کہا جاتا ہے۔ اس پر متعین تیر اندازوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے سخت ترین ہدایت کی تھی کہ یہ دفاعی طور پر اہم ترین جنگی پوزیشن تھی۔ مشرکوں کا لشکر اس طرف سے آکر نقصان پہنچا سکتا تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پوزیشن کو مضبوط کیا اور یہاں جمے رہنے کی تاکید بھی فرمائی۔

کون اس تلوار کا حق ادا کرے گا؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن (میدان احد میں مجاہدین کے سامنے) تلوار لہرائی اور فرمایا:

((فَمَنْ يَأْخُذُهُ بِحَقِّهِ؟))

''کون ہے جو مجھ سے یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کرے؟''

یہاں موجود تمام صحابہ میں سے ہر ایک نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور کہنے لگا: ''میں ...... میں (اس کا حق ادا کروں گا)'' مجاہدین کا جمگھٹا لگ گیا تو حضرت سماک ابو دجانہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے: ''میں اس کا حق ادا کروں گا۔'' چنانچہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے تلوار لے لی اور

مشرکوں کی کھوپڑیوں کے پرخچے اڑا دیے۔

[مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبی دجانة : ۲٤۷۰]

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن (مجاہدین کے سامنے) تلوار پیش کی تو فرمایا:

((مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ ؟))

''کون ہے جو اس تلوار کا حق ادا کرے؟''

خرشہ کا بیٹا سماک ابو دجانہ اٹھا اور کہنے لگا:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَنَا آخُذُهُ بِحَقِّهِ، فَمَا حَقُّهُ ؟))

''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کا حق ادا کروں گا، اس کا حق کیا ہے؟''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار ابو دجانہ کے حوالے کر دی۔

[كشف الأستار عن زوائد البزار : ۳۲۲/۲، ح : ۱۷۸۷ و إسناده حسن لذاته]

مطلب یہی تھا کہ اس تلوار سے کوئی مسلمان قتل نہ ہونے پائے اور کوئی کافر اس سے بچ کر نہ جائے۔

تلوار عورت کا سر چیرنے لگی مگر......؟

صحیح مسلم کی روایت (۲۴۷۰) ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کے جتھوں کو چیر پھاڑ کے رکھ دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تہیہ کر لیا کہ ابو دجانہ پر آج ہر صورت نظر رکھوں گا کہ وہ کس طرح قتال کرتے ہیں۔ وہ جس جانب بھی قتال کا رخ کرتے تو جتھے کو خوب پہچان کر رخ کرتے۔ ان کے سامنے جو بھی آتا وہ اسے کاٹ کے رکھ دیتے حتیٰ کہ وہ (مشرکین کی صفیں چیرتے اور انھیں درہم برہم کرتے ہوئے) پہاڑ کے دامن میں (مشرکوں کے لشکر کے آخر پر) عورتوں تک جا پہنچے۔ ان عورتوں کے پاس بجانے کو دفیں تھیں اور وہ گانے گا رہی تھیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو دجانہ نے اس عورت پر تلوار سونتی کہ اسے اڑا دیں، پھر اس سے تلوار کو روک لیا۔ جب لڑائی اختتام کو پہنچی تو میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''میں نے آپ کی ساری معرکہ آرائی دیکھی کہ جو سامنے آیا اسے اڑا کے رکھ دیا مگر جب عورت سامنے آئی تو آپ نے اپنی سونتی ہوئی تلوار روک لی اور اسے قتل نہیں کیا؟'' حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

((إِنَّهَا نَادَتْ فَلَمْ يُجِبْهَا أَحَدٌ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَضْرِبَ بِسَيْفِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِمْرَأَةً لَا نَاصِرَ لَهَا))

[كشف الأستار عن زوائد البزار : ٢/ ٣٢٢، ح : ١٧٨٧ و إسناده حسن لذاته]

''وہ (مشرکین) کو اپنی مدد کے لیے پکارتی رہی اور کوئی اس کی مدد کو نہ آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایسی عورت کو قتل کرنا ناپسند کیا جس کی مدد کو کوئی بھی نہ آیا۔''

قارئین کرام! مشرکین مکہ اپنے ساتھ عورتیں لائے تھے جو دف بجا بجا کر اور گا گا کر انھیں لڑنے پر ابھار رہی تھیں۔

یہ جو عورت تھی یہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی...... مسلمانوں کا عظیم کردار بھی ملاحظہ ہو اور کفار کا کردار بھی جو آج بھی عورتوں اور بچوں پر کارپٹ بمباری کر کے بے دریغ قتل عام کرتے ہیں۔

احد میں مبارزت کا نظارہ:

جناب وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے جنگ احد کی یاد تازہ کرتے ہوئے جعفر بن عمرو کو بتلایا: ''جب جنگ کے لیے دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے تو قریش کی طرف سے سباع نکلا اور مبارزت کی دعوت دیتے ہوئے کہنے لگا: ''ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟'' اس پر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور اسے مخاطب کرتے ہوئے یوں گرجے:

''اے ختنے کرنے والی ام انمار کے بیٹے! تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو للکارتا ہے؟''

اس کے ساتھ ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس قدر تیزی سے اور اتنا شدید وار کیا کہ وہ یوں مٹ گیا جیسے گزرا ہوا کل اپنا نام ونشان نہیں رکھتا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب رضی الله عنه : ٤٠٧٢]

تلوار سونتی جا چکی تھی کہ......:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ (مشرکین کے سپریم کمانڈر) کے پاس جا پہنچے۔ وہ تلوار کا وار کرنے ہی لگے تھے کہ اسود کے بیٹے شداد نے حنظلہ پر وار کر کے ان کو شہید کر دیا۔

[مستدرك حاكم : ٢٠٤/٣، ٢٠٥، ح : ٤٩١٧ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرىٰ للبيهقی : ١٥/٤ ح ١٦١٤ و إسناده حسن لذاته]

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے لیکن اس سے یہ تو واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا یہ جری شیر بہادر نہ جانے کتنے مشرکوں کو قتل کر کے، صفیں الٹ کے سپریم کمانڈر تک جا پہنچا تھا۔ اس سے مشرکین کی صفوں میں کھلبلی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مزید برآں! جنگ کا پانسا مسلمانوں کے حق میں اس قدر پلٹا کہ مولانا صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ کی دی ہوئی تفصیلات کے مطابق مشرکوں کے جھنڈا بردار عثمان بن ابی طلحہ تک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جا پہنچے۔ انھوں نے اس قدر زور سے تلوار ماری کہ عثمان کے کندھے پر لگی اور پورے جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی۔ ایک ہی خاندان کے یکے بعد دیگرے جھنڈا بردار چھ افراد مارے گئے۔ اس کے بعد چار افراد نے جھنڈا اٹھایا اور وہ بھی مارے گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المطالب العالیہ) میں مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالے سے ایک روایت لائے ہیں اور انھوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جھنڈا اٹھانے والے مارے گئے حتیٰ کہ ایک حبشی غلام ''صواب'' نے جھنڈا اٹھایا تو وہ بھی مارا گیا۔ چنانچہ جھنڈا پھینک دیا گیا اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اس کے قریب تک

جانے والا نہ تھا۔

[المطالب العالية : ٩/٥٥٨، ٥٥٩، ح : ٤٧٣٨ و إسناده حسن لذاته]

دوڑتی ہوئی عورتوں کی ننگی پنڈلیاں اور پازیبیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب کفار کے ساتھ ہم گھمسان کی لڑائی لڑنے لگے تو مشرک بھاگ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا وہ پہاڑیوں پر سرپٹ دوڑی جا رہی تھیں۔ وہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھا کر بھاگ رہی تھیں اور پاؤں میں پہنی ان کی پازیبیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد : ٤٠٤٣]

مشرک مرد بھی بھاگ اٹھے۔ عورتیں بھی اپنے گانے بجانے کا سامان چھوڑ کر بھاگ اٹھیں۔ مسلمانوں کو فتح مل گئی۔ اللہ کا وعدہ پورا ہوگیا مگر پھر کیا ہوا؟ جو ہوا وہ منظر انتہائی غمزدہ کرنے والا ہے۔

فتح شکست میں بدل گئی :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے (تیر انداز) ساتھی کہنے لگے: ''غنیمت کا مال، غنیمت کا مال۔'' اس پر (ان کے کمانڈر) حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا (لہٰذا تم لوگ مال غنیمت لوٹنے مت جاؤ)'' لیکن ان کے ساتھیوں نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کی اس حکم عدولی کے نتیجے میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوگئی اور ستر مسلمان شہید ہوگئے۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد : ٤٠٤٣]

''المطالب العالیہ'' میں اسحاق بن راہویہ کی روایت جس کی سند کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح کہا ہے اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب تیر اندازوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے تو گھڑ سوار ہم پر چڑھ آئے، انھوں نے ہمیں روند ڈالا اور ہم شکست کھانے لگے۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مزید بتلاتے ہیں: ''تیر اندازوں کے درمیان اختلاف ہوگیا، کچھ لوگ کہنے لگے: ''دیکھو! لوگ مال غنیمت لے

گئے، اللہ نے مشرکوں کو شکست سے دوچار کر دیا اور مسلمان غنیمت کا مال لے رہے ہیں، تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟" باقی لوگ جواباً کہنے لگے: "اللہ کے رسول ﷺ تمھیں کہہ چکے ہیں کہ اپنی پوزیشن نہ چھوڑنا چاہے ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو جائے۔" یوں تنازعہ کھڑا ہوگیا۔ آخر کار پہلی رائے والے لوگوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ تیر انداز دستے کے ساتھ مل کر یہیں کھڑے رہ جائیں۔ دستے میں افتراق پیدا ہوگیا۔ انھوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب مشرکوں کے گھڑ سواروں نے اس جانب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔"

[المطالب العالية: ٥٥٩/٩، ح: ٤٧٣٨ و إسناده حسن لذاته]

اسحاق بن راہویہ کی روایت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس صورتحال کو دیکھ کر (بھاگتے ہوئے مشرکین واپس پلٹے) اور ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا۔ مشرک جھنڈے کے ارد گرد اکٹھے ہونے لگے (اور یوں جنگ نئے سرے سے شروع ہوگئی)۔

[المطالب العالية: ٥٥٨/٩، ح: ٤٧٣٨ و إسناده حسن لذاته]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے:

حضرت جعفر بن عمرو ضمری رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ میں عبید اللہ بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا۔ جب ہم شام کے شہر "حمص" میں پہنچے تو عبید اللہ مجھے کہنے لگا: "آپ کا کیا خیال ہے، اگر ہم وحشی بن حرب کے پاس جائیں جو یہیں حمص میں رہتا ہے اور اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں پوچھیں؟" میں نے کہا: "کیوں نہیں! ضرور چلتے ہیں۔" اب ہم نے اس کا پتا معلوم کرنا شروع کیا تو ہمیں بتلایا گیا کہ وہ جو نظر آ رہا ہے، اپنے گھر کے سائے میں بیٹھا ہوا ہے، وہی ہے۔ وہ ایسے نظر آیا جیسے بڑا سا کپا ہو۔ بہر حال ہم اس کے پاس جا پہنچے اور جا کر لمحہ بھر کھڑے ہوئے اور اسے سلام کہا۔ جناب وحشی نے سلام کا جواب دیا۔ میرا ہم سفر ساتھی عبید اللہ تھا۔ اس نے اپنی بڑی سی پگڑی کو اپنے جسم پر اس طرح لپیٹ لیا کہ حضرت وحشی صرف آنکھیں اور پاؤں ہی دیکھ سکے۔ اب عبید اللہ نے وحشی سے پوچھا: "تم نے مجھے پہچانا کہ میں کون ہوں؟"

وحشی نے عبید اللہ کی طرف نظر دوڑائی اور کہنے لگا: "نہیں، اللہ کی قسم! ہاں البتہ اتنا جانتا



ہوں کہ عدی بن خیار نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا۔ وہ عورت ابو العیص کی بیٹی تھی اس عورت کو ام قتال کہا جاتا تھا۔ مکہ میں اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ میں اس بچے کی پرورش کے لیے کسی دودھ پلانے والی کی تلاش کے لیے گیا تھا، وہ مل گئی تو میں نے اس بچے کو اٹھا لیا۔ اس کی ماں ام قتال بھی ساتھ تھی ہم اس بچے کو دودھ پلانے والی کے پاس لے گئے، اس دوران میں نے اس کے پاؤں دیکھے اور اب مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کے پاؤں وہی ہیں۔"

عبیداللہ بن عدی نے اب اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا لیا (کیونکہ وحشی نے انھیں پہچان لیا تھا) وہ وحشی سے کہنے لگے: "کیا تم ہمیں حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا واقعہ بتلاؤ گے کہ وہ کس طرح شہید ہوئے؟" وحشی کہنے لگا: "کیوں نہیں۔" اور پھر اس نے واقعہ سنانا شروع کیا:

(ہوا اس طرح تھا کہ) "حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے بدر کے میدان میں طعیمہ کو قتل کر دیا تھا۔ اب میں جس کا غلام تھا میرے اس آقا جبیر بن مطعم نے کہا: "اگر میرے چچا طعیمہ کے بدلے تم حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔" پھر وہ وقت آیا کہ مکہ کے لوگ عینین کی جنگ کے لیے نکلے، عینین اس پہاڑی کا نام ہے جو احد پہاڑ کے سامنے واقع ہے اور ان دونوں کے درمیان وادی حائل ہے، بہرحال! میں بھی لڑائی کے ارادے سے مکہ کے لوگوں کے ہمراہ ہو لیا۔ جب احد میں پہنچے اور لڑائی شروع ہوئی تو میں ایک چٹان کے نیچے حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی تاک میں بیٹھ گیا، جنگ کے دوران آخر کار ایک موقع ایسا آیا کہ وہ مجھ سے قریب ہو گئے۔ میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینکا، نیزہ ان کی ناف کے نیچے لگا اور پار ہو گیا۔ اس سے وہ شہید ہو گئے اور میرا عہد پورا ہو گیا۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه : ٤٠٧٢]

صحیح ابن حبان میں وحشی کا مزید بیان یوں ہے: "چونکہ میں حبشی تھا لہٰذا حبشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا، جب حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے تو میں نے جا کر اپنا نیزہ نکال لیا اور واپس لشکر میں جا کر بیٹھ گیا، میرا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ کسی اور کو قتل کرنے کی ضرورت نہ تھی، میں نے یہ قتل محض اس لیے کیا تھا کہ آزاد ہو جاؤں، چنانچہ میں مکہ میں آیا اور مجھے آزادی مل گئی۔"

[ابن حبان : ٧٠١٦ و إسناده حسن لذاته]

رسول اللہ ﷺ پر ہر جانب سے دھاوا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''احد کے دن اللہ کے رسول ﷺ الگ تھلگ رہ گئے تھے۔ آپ کے پاس صرف سات انصاری اور دو قریشی (مجاہدین) رہ گئے تھے۔ جب دھاوا بولنے والے (مشرکین) آپ کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کون ہے جو ہمارا دفاع کر کے ان کا منہ پھیر ڈالے؟ بدلے میں اس کے لیے جنت ہے، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔''

یہ سن کر انصار کا ایک شخص آگے بڑھا اور لڑتا لڑتا شہید ہوگیا، پھر دوبارہ ایسا موقع آیا کہ مشرکین پھر آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ اب کے پھر آپ ﷺ نے وہی جملہ دہرایا:

''کون ہے جو ہمارا دفاع کرتے ہوئے ان کو دفع کرے تو ایسا کرنے والے کے لیے جنت ہے، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔''

چنانچہ انصار کا ایک شخص آگے بڑھ کر لڑنے لگا اور لڑتا لڑتا شہید ہوگیا۔ لگاتار وقفے وقفے سے ایسا ہی منظر بپا ہوتا رہا حتیٰ کہ ایک ایک کر کے ساتوں انصاری صحابہ شہید ہوگئے۔''

[مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة أحد : ١٧٨٩]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اب آپ ﷺ کے دفاع کے لیے صرف دو قریشی مجاہد حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما رہ گئے تھے۔

[بخاري، كتاب المغازي، باب ﴿اذهمت طائفتان......﴾ : ٤٠٦٠]

تجھ پر میرے ماں باپ قربان:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے احد کے دن اپنے ترکش کے تیر میرے سامنے پھیلا دیے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

((اِرْمِ فَدَاكَ أَبِيْ وَ أُمِّيْ))

[بخاري، كتاب المغازي، باب﴿ إذ همت طائفتان......﴾ : ٤٠٥٥]

''تیر چلا! تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔''

صحیح بخاری ہی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ کو کسی کے

لیے ایسا کہتے ہوئے نہیں سنا سوائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے احد کے دن ان کے لیے اپنے والد اور والدہ دونوں کو اکٹھا کر کے فرمایا:

''سعد! تجھ پہ میرے ماں باپ قربان، تیر چلا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿إذ همت طائفتان......﴾ : ٤٠٥٩]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو برابر لڑ رہے تھے اور مسلسل تیر اندازی کر رہے تھے، سالارِ صحابہ کی طرف سے ان کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے اور یہ اعزاز کسی کو نہیں ملا سوائے اس مجاہد کے۔

ایک موقع ایسا بھی آیا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ، جو حضرت ام سلیم جیسی عظیم مجاہدہ کے خاوند ہیں، نے اللہ کے رسول ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے تیر چلائے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ وہ بڑے زبردست تیر انداز تھے۔ تیر کو خوب کھینچ کر چھوڑتے جس کے باعث دو یا تین کمانیں بھی ٹوٹ گئیں، چنانچہ جب کوئی شخص ترکش لے کر اللہ کے رسول ﷺ کے قریب سے گزرتا تو آپ ﷺ اسے کہتے: ''ان تیروں کو ابوطلحہ کے سامنے پھیلا دے (کیونکہ وہ ان تیروں کا حق خوب ادا کرتے ہیں)۔''

اللہ کے رسول ﷺ ابوطلحہ کی اوٹ میں اپنا سینہ ان کی کمر کے ساتھ ملا کر کھڑے ذرا اوپر جھانک کر دیکھتے کہ تیر نے کس کو گھائل کیا ہے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے:

''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ پر میرا باپ قربان! جھانک کر نہ دیکھیے، کہیں آپ (ﷺ) کو تیر نہ لگ جائے۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿إذ همت طائفتان......﴾ : ٤٠٦٤]

صحابہ کی ان جاں نثاریوں، قربانیوں اور حب رسول (ﷺ) میں فدا کاریوں کے لازوال مناظر پیدا کرنے کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ زخمی ہو گئے، کیونکہ قریش نے ایڑی چوٹی کا زور اس بات پر لگا دیا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو شہید کر دیں، لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب کہیں وہ کامیابی کے قریب ہوتے تو اللہ کے فرشتے رسول کریم ﷺ کے دفاع پر لگ جاتے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''میں نے احد کے روز دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دائیں بائیں سفید کپڑوں

میں ملبوس دو آدمی تھے جو زوردار لڑائی لڑ رہے تھے۔ میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد ان دونوں کو کبھی نہیں دیکھا۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿ إذ همت طائفتان...... ﴾ : ٤٠٥٤ ۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب إکرامه ﷺ بقتال الملائکة معه ﷺ : ٢٣٠٦]

چہرۂ انور زخمی اور دانت مبارک شہید:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں: "اس (احد) کے دن آپ ﷺ کے اگلے دندان مبارک ٹوٹ گئے، آپ ﷺ کا چہرۂ انور زخمی ہوگیا اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر جو خود تھی وہ ٹوٹ گئی۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی ﷺ...... الخ : ٤٠٧٥]

جب مشرکین اللہ کے رسول ﷺ پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حملے کر رہے تھے تو اس دوران عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ کو پتھر مارا جس سے داہنا نچلا دانت مبارک شہید ہوگیا۔

مجھے تو دامن احد سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ان کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی جنگ میں شامل نہ ہو سکے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو کر پہلی جنگ لڑنے سے غیر حاضر رہا، اب اگر اللہ نے مجھے موقع دیا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو کر جنگ کروں تو اللہ دیکھے گا کہ میں کس بے جگری سے جنگ کرتا ہوں۔"

اور جب غزوۂ احد کے دن مسلمانوں کو عارضی شکست سے دو چار ہونا پڑا تو وہ فرمانے لگے:

" اے اللہ! ان مسلمانوں نے آج (اجتہادی غلطی کی وجہ سے اپنے نبی ﷺ کی حکم عدولی کر کے) جو کچھ کیا اس سے میں تیرے حضور معذرت پیش کرتا ہوں، مشرکوں نے (تیرے نبی ﷺ مسلمانوں اور شہداء کی لاشوں کے ساتھ) جو کچھ کیا، میں تیری جناب میں اس سے شدید کرب کا اظہار کرتا ہوں۔" پھر آگے بڑھے تو ان کی ملاقات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: "سعد! کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو دامن

احد سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور لڑنے لگے، حتیٰ کہ شہید کر دیے گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لاش پہچانی نہ جا رہی تھی حتیٰ کہ ان کی بہن ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے ان کی انگلیوں کے پورے سے ان کی لاش پہچانی۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو اسی (۸۰) سے زائد زخم لگے تھے۔ یہ زخم اور چرکے، نیزے، تلوار اور تیروں کے تھے۔

[بخاری، کتاب الجهاد و السير، باب قول الله ﴿من المومنين رجال......﴾ : ۲۸۰۵]

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ صحابہ خیال کیا کرتے تھے کہ یہ آیت انس بن نضر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴾ [الأحزاب : ۲۳/۳۳]

''ایمان والوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے جس بات پر عہد کیا سچا کیا پھر ان میں سے کوئی تو وہ ہے جو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے اور انھوں نے اپنے عزم و عہد میں تبدیلی کے بارے سوچا تک نہیں۔''

[مسلم، كتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد : ۱۹۰۳]

مشکل ترین حالات میں بھی حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے اور انھوں نے صحابہ کو بھی ثابت قدمی پہ ابھارا۔ انھوں نے حالات کی پروا نہ کی اور اپنے رب سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر کے رہے۔ استقامت کا پہاڑ بن جانے والے کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام دیا کہ زندگی ہی میں میدان قتال کے اندر جنت کی خوشبو سے ان کا دماغ معطر کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاد و قتال میں ثابت قدمی اختیار کرنے والے صحابہ جیسی استقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ صحابہ کی استقامت ہی تھی جس کے پیش نظر قریش مکہ نے جنگ بند کر کے واپس مکہ نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔

توحید اور شرک کے نعروں کا مقابلہ:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ابوسفیان نے پہاڑی پر سے آواز لگائی: ''مسلمانو!

کیا تمھارے اندر محمد (ﷺ) موجود ہیں؟'' اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''کوئی جواب نہ دے۔''

اس نے پھر آواز دی: ''کیا تمھارے اندر ابو قحافہ کا بیٹا (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہے؟'' اللہ کے رسول ﷺ نے اب بھی یہی فرمایا: ''کوئی جواب نہ دے۔'' اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا: ''کیا تمھارے اندر خطاب کا بیٹا (عمر رضی اللہ عنہ) موجود ہے؟'' اور پھر اس کے ساتھ ہی کہنے لگا: ''یہ لوگ تو مارے گئے، اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب ضرور دیتے۔'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور با آواز بلند کہا: ''او! اللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے، اللہ نے تجھے رسوا کرنے کے لیے ابھی ان لوگوں کو زندہ رکھا ہے۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ''ہبل کی جے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ سے کہا: ''تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟'' صحابہ نے پوچھا: ''ہم کیا جواب دیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کہو کہ اللہ ہی سب سے بلند اور بزرگ و برتر ہے۔'' ابوسفیان یہ سن کر کہنے لگا: ''ہمارے پاس عزیٰ (ایک نیک آدمی کی مورتی یا بت) ہے اور تمھارے پاس کوئی عزیٰ نہیں (جو تمھاری مدد کو آئے)'' آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا: ''اسے جواب دو۔'' صحابہ نے عرض کی: ''ہم کیا کہیں، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُولُوا اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ»

''تم کہو کہ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں۔''

اب کے ابوسفیان کہنے لگا: ''آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ ڈول کی طرح ہے (کبھی تمھارے ہاتھ میں اور کبھی ہمارے ہاتھ میں۔)''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر بولے اور کہا: ''برابر کا بدلہ بالکل نہیں، ہمارے قتل ہونے والے جنت میں، جبکہ تمھارے قتل ہونے والے جہنم میں ہیں۔'' اس پر ابوسفیان کہنے لگا: ''اچھا! تمھارا یہ دعویٰ ہے، اگر یہی بات ہے تب تو ہم برباد ہوگئے۔'' پھر کہنے لگا: ''تم لوگ اپنی لاشوں کی بے حرمتی دیکھو گے، میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن جو کیا گیا مجھے اس پر

کوئی پشیمانی بھی نہیں۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ بدر : ٤٠٤٣۔ مسند أحمد : ٢٩٢/٤، ح : ١٨٧٩٤و إسنادہ صحیح۔ و ٢٨٨،٢٨٧/١، ح : ٢٦١٣ و إسنادہ حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٢٩٧،٢٩٦/٢، ح : ٣١٦٣ و إسنادہ حسن لذاته]

قارئین کرام! مشرکین کے آرمی چیف نے جناب محمد کریم ﷺ کا نام لے کر معلوم کرنا چاہا کہ آپ ﷺ زندہ ہیں یا شہید ہوگئے ہیں لیکن نبی ﷺ نے جواب دینے سے منع کر دیا، دوسری بار بھی روک دیا اور جب ابوسفیان نے سب کے قتل ہونے کی بات کی تو تب بھی اللہ کے رسول ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہو سکا اور انھوں نے خوب جواب دیا۔ اس کے بعد جب ابوسفیان نے غیر اللہ کے نام کا نعرہ لگایا تو رب کبریا کے محبوب جناب محمد کریم ﷺ برداشت نہیں کر سکے اور صحابہ سے کہا کہ فوراً جواب دو، اللہ کی عظمت بلند کرو اور شرکیہ نعرے کا منہ توڑ موحدانہ جواب دو۔ یہ تھی توحید کی غیرت، جس کا اظہار اللہ واحد کے رسول گرامی ﷺ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی سنت کا والہ وشیدا بنا کر ہمیں بھی اپنی توحید کی ایسی ہی غیرت وحمیت عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باپ کی مرہم پٹی کرتی ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زخموں کو کس نے دھویا تھا، کون ان زخموں پر پانی ڈال رہا تھا اور کس مرہم سے آپ کا علاج کیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے زخموں کو دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں لیا ہوا پانی بہا رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون اور زیادہ نکل رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اسے جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر لگا دی، اس سے خون رسنا بند ہو گیا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی ﷺ من الجراح یوم أحد : ٤٠٧٥]

خواتین مجاہدین کو پانی پلاتی ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو

دیکھا کہ وہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے کمر پر پانی کے مشکیزے لا کر زخمیوں کے منہ میں انڈیل رہی تھیں۔“

[بخاری، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء و قتالهن مع الرجال : ۲۸۸۰]

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”احد کے دن حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا ہمارے لیے مشکیزے بھر بھر کر لا رہی تھیں۔“

[بخاری، كتاب الجهاد والسير، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزوة : ۲۸۸۱]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے محبوب ہیں، مدینہ کے حکمران اور فوجوں کے سالار ہیں، ان کی زوجہ محترمہ جنگ کے اختتام پر دیگر خواتین کے ہمراہ زخمیوں کو پانی پلا رہی ہیں۔ مجاہدین کی خدمت کا یہ وہ اعزاز ہے جو رہتی دنیا تک خواتین اسلام کے لیے یادگار رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہنگامی حالت میں جبکہ فتنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں اس دوران خواتین اسلام مسلمانوں کی خدمت بجا لاسکتی ہیں اور مسلمان حضرات ہنگامی حالت میں خواتین کے کام آسکتے ہیں، مثلاً میدان جنگ، زلزلے، سیلاب اور حادثات وغیرہ۔

کان اور ناک دھاگے میں پرو دیے گئے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے احد کے روز ان سے کہا: ”تم اللہ سے دعا کرو، میں آمین کہوں گا اور پھر میں دعا کروں گا اور تم آمین کہنا۔“ چنانچہ یہ دونوں باقی مجاہدین سے ذرا الگ ہو گئے۔ پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور کہنے لگے: ”اے میرے رب! جب دشمن سے معرکہ آرائی ہو تو میری رزم آرائی کسی ایسے شخص سے ہو جو لڑائی میں زبردست ماہر ہو اور غضب میں شدید ہو، میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر مجھے اس پر غلبہ عطا فرما دے کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں اور اس کی لڑائی کا سامان لے لوں۔“ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ”آمین“ کہا۔

اب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دعا کرنے لگے: ”اے میرے اللہ! میرا سامنا بھی کسی ایسے ہی دشمن سے ہو جو لڑائی میں سخت غصے والا اور جنگ لڑنے میں شدید ہو، میں اس سے محض تیری خاطر لڑائی کروں، وہ مجھے قتل کر دے، پھر میری ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ میں

جب کل کو آپ سے ملاقات کروں تو آپ جل جلالہ مجھ سے پوچھیں: ''(عبداللہ)! یہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹ ڈالے گئے؟'' میں جواب دوں: ''(اللہ!) تیری (توحید کی) خاطر اور تیرے رسول ﷺ (کی اطاعت و محبت) کی خاطر۔'' پھر (اے اللہ!) آپ مجھ سے کہیں: ''(اے عبداللہ!) تو نے سچ کہا۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس دعا پر آمین کہا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو یہ واقعہ سناتے ہوئے بتلاتے ہیں: ''بیٹا! عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی، معرکے کے دن میں نے آخر پر یہ منظر دیکھا کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی ناک اور کان دھاگے میں پروئے ہوئے لٹک رہے تھے۔''

[مستدرك حاكم: ٧٦/٢، ٧٧، ح: ٢٤٠٩ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٣٠٧/٦، ٣٠٨، ح: ١٢٧٦٩ و إسناده حسن لذاته۔ حلية الأولياء: ١٥٤/١، ح: ٣٤٥]

محمد کریم ﷺ کی حفاظت میں غفلت نہ کرنا:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کے روز اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بھیجا کہ میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کروں مزید مجھے فرمایا:

''اگر سعد کو دیکھ لو تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ تمھاری خیریت معلوم کر رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں شہدا کے درمیان چلتا چلتا ان تک پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہے تھے، انھیں نیزے، تلوار اور تیر کے ستر سے زیادہ زخم لگے تھے۔ میں نے ان سے کہا: ''اے سعد! اللہ کے رسول ﷺ تجھے سلام کہہ رہے ہیں اور تمھاری خیریت دریافت فرما رہے ہیں، مجھے بتلایئے، آپ اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ''اللہ کے رسول! (ﷺ) پر اور آپ پر بھی سلام ہو، رسول اللہ ﷺ سے عرض کیجیے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے تو جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ میری قوم انصار کو میرا یہ پیغام دینا کہ اگر تم میں سے ایک آنکھ بھی جنبش کرتی رہی اور دشمن اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچ گیا تو اللہ کے ہاں تمھارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔'' اور اس کے ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔''

[مستدرك حاكم: ٢٠١/٣، ح: ٤٩٠٦ إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي: ٢٨٥/٣، حسن۔ سيرة ابن هشام: ٧٥/٣]

کافر میدان جنگ میں مومن بنا، شہید ہوا اور......؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن اقیش جاہلی دور میں دی ہوئی رقوم کا سود کھاتا تھا (اسے کئی بار اسلام کی دعوت دی گئی) مگر اسے یہ بات گوارا نہ تھی کہ وہ اپنا سود لیے بغیر مسلمان ہو جائے، لہٰذا وہ انکار کرتا رہا۔ پھر احد کے دن وہ (اپنے محلّہ میں) آیا اور پوچھنے لگا: ''میرے چچا کے بیٹے کدھر گئے؟'' لوگوں نے کہا: ''وہ تو احد میں گئے ہیں۔'' پھر پوچھنے لگا: ''وہ فلاں کدھر گیا؟'' جواب ملا: ''وہ بھی احد میں۔'' اب اس نے جنگی ہتھیار زیب تن کیے، گھوڑے پر سوار ہوا اور احد کی طرف چل دیا۔ جب احد میں موجود مسلمانوں نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو (حیران رہ گئے) قریب آیا تو اس سے پوچھا: ''عمرو! تم کہاں؟'' اس نے کہا: ''میں مسلمان ہو چکا ہوں۔'' اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی تو وہ لڑنے لگ گیا اور زخمی ہو گیا۔

زخمی حالت میں اسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیا گیا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور عمرو کی بہن سے کہنے لگے: ''اس سے پوچھو! یہ قومی غیرت اور اپنے لوگوں کی حمایت میں غضبناک ہو کر لڑا، یا عزت و جلال والے اللہ کی حمایت میں غضبناک ہو کر لڑا؟'' عمرو کہنے لگا: ''قوم کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ کے لیے غضبناک ہو کر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں غضبناک ہو کر لڑا ہوں۔'' اس کے بعد وہ شہید ہو گئے اور جنت میں جا داخل ہوئے، حالانکہ انھوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔

[أبو داوٗد، کتاب الجهاد، باب فیمن یسلم و یقتل مکانه فی سبیل الله تعالٰی : ۲۵۳۷ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ۵/ ۴۲۸، ۴۲۹،ح : ۲۳۶۹۸ و إسناده حسن لذاته۔ سیرة ابن هشام : ۳/ ۵۲، ۵۳ و إسناده حسن لذاته، دلائل النبوة للبیهقی : ۳/ ۲۴۷، ۲۴۸ و إسناده حسن لذاته]

ابن ہشام میں اس طرح ہے کہ جب صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصیرم رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جنتیوں میں سے ہے۔''

[سیرة ابن هشام : ۳/ ۵۲، ۵۳ و إسناده حسن لذاته]

یاد رہے! اصیرم رضی اللہ عنہ ہی کو عمرو بن اقیش اور عمرو بن ثابت کہا جاتا ہے۔

صحابہ کا یہ جملہ کہ اس نے اللہ کے حضور ایک بھی نماز ادا نہیں کی اور جنت میں داخل ہوگیا، اس سے نماز کی اہمیت کا پتا چلتا ہے یعنی نماز کے بغیر جنت کا حصول ناممکن ہے، اصیرم جو جنت میں کوئی بھی نماز پڑھے بغیر داخل ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ مسلمان ہوا، جہاد کیا اور شہید ہوگیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کا غسل:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''حنظلہ بن ابی عامر لڑتے ہوئے ابوسفیان کے پاس جا پہنچے، وہ اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ شداد بن اسود نے حنظلہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کر کے انھیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا:

((اِنَّ صَاحِبَکُمْ حَنْظَلَةَ تُغَسِّلُهُ الْمَلَائِکَةُ فَسَلُوْا صَاحِبَتَهٗ))

''تمھارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، اس کی بیوی سے پوچھو (کہ اس کا سبب کیا ہے؟)''

بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے بتلایا کہ جب حنظلہ نے معرکہ آرائی کا سنا تو اس پر غسل واجب تھا لیکن وہ اللہ کے راستے میں اسی حالت میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَذَاكَ قَدْ غَسَّلَتْهُ الْمَلَائِکَةُ))

[ابن حبان : ۷۰۲۵ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ۳/۲۰۴، ۲۰۵، ح : ۴۹۱۷ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي : ۴/۱۵، ح : ۶۸۱۴ و إسناده حسن لذاته]

''اسی وجہ سے فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کٹی پھٹی لاش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو دیے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا: ''کوئی ہے جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت کو دیکھا ہو؟'' ایک آدمی جو ذرا ہٹ کے کھڑا

تھا، کہنے لگا: ''میں نے دیکھا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں وہاں لے چلو۔'' اور اللہ کے رسول ﷺ چل پڑے یہاں تک کہ چلتے ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چیرا ہوا ہے اور ان کی ناک اور کان وغیرہ کاٹ کر بے حرمتی کی گئی ہے۔ جو مجاہد آپ ﷺ کو لے کر یہاں آیا تھا، عرض کرنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ کی قسم! حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا ''مثلہ'' کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہ کی اور دوسرے شہیدوں کے درمیان جا کھڑے ہوئے، فرمانے لگے:

''میں (قیامت کے دن) ان شہداء پر گواہ بنوں گا (کہ ان دلاوروں نے اللہ کے لیے اپنی جانیں نچھاور کیں) ان (شہیدوں) کو جو اپنے خون میں لت پت ہیں، میرے صحابیو! اسی طرح غسل دیے بغیر کفن پہنا دو۔ ہر وہ زخم جو اللہ کے راستے میں آیا ہے، قیامت کے دن اس سے خون بہنا شروع ہو جائے گا۔ اس کا رنگ تو خون جیسا ہی سرخ ہو گا مگر اس سے جو خوشبو آئے گی وہ کستوری کی ہو گی۔''

[مصنف ابن أبي شيبة: ٣٧٢/٧، ح: ٣٦٧٧٦ صحيح۔ طبراني كبير: ١٩/٨٢،٨٣، ح: ١٦٧ صحيح۔ طبقات ابن سعد: ٩/١، صحيح۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي: ١١/٤، ح: ٦٧٩٩، صحيح]

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''احد کے دن ایک خاتون انتہائی تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی آ رہی تھی حتیٰ کہ وہ اس قدر قریب آ گئی کہ شہیدوں کے پاس پہنچ کر ان پہ نظر ڈالنے ہی والی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ یہ خاتون ان شہداء کو دیکھے (جن کی لاشوں کا مثلہ کیا گیا تھا) چنانچہ آپ ﷺ نے آواز دی: ''عورت، عورت (اسے روکو۔)''

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس خاتون کو پہچان چکا تھا کہ یہ تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ، رسول کریم ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن) ہیں، چنانچہ میں ان کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھا اور قبل اس کے کہ وہ شہیدوں کے پاس جا پہنچیں، میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی مضبوط اعصاب والی اور باہمت

خاتون تھیں، انھوں نے میرے سینے پر زور سے ہاتھ مار کر دھکا دیا اور کہا: ''دور ہٹ جا میرے راستے سے، پرے ہو جا۔'' میں نے عرض کی: ''(امی جان!) اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا کہا ہے، وگرنہ میری کیا مجال کہ میں آپ کو روکوں۔'' یہ سن کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو گئیں۔ اب کے انھوں نے دو کپڑے نکالے جو وہ اپنے ساتھ لائی تھیں اور مجھے کہنے لگیں: ''یہ دو کپڑے ہیں، میں ان کپڑوں کو اپنے بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے لائی تھی، کیونکہ مجھے خبر ملی تھی کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ ان دونوں کپڑوں میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفن دے دو۔'' ہم نے ان کپڑوں کو لے لیا، تاکہ (ماموں جان) جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان میں کفن دے دیں۔ کفن پہنانے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایک جانب ایک انصاری کی لاش پڑی ہے۔ ان کی لاش کو بھی اسی طرح چیرا پھاڑا گیا تھا جس طرح جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو چیرا پھاڑا گیا ہے، اب اگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن دیتے ہیں تو انصاری کے لیے ایک کپڑا بھی نہیں بچتا، چنانچہ ہم نے ایک کپڑے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے میں انصاری کو کفن دے دیا۔ ان چادروں میں سے ایک چادر چھوٹی تھی اور دوسری بڑی۔ اب ہم نے حضرت حمزہ اور انصاری صحابی رضی اللہ عنہما کے درمیان قرعہ ڈالا اور پھر جس کی قسمت میں جو چادر تھی اس میں اسے کفن دے دیا۔''

[مسند أحمد : ١/١٦٥، ح : ١٤٢٢ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرى للبيهقي : ٣/٤٠١، ٤٠٢، ح ٦٦٨٤ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ٣/٢٨٩، ٢٩٠ و إسناده حسن لذاته]

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے کفن دفن کا منظر:

جناب ابراہیم بتلاتے ہیں: ''ان کے والد گرامی حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا تھا۔ ان کے پاس کھانا لایا گیا تو وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے ہوئے کہنے لگے: ''وہ احد میں شہید کر دیے گئے اور وہ مجھ سے کہیں زیادہ افضل و برتر تھے۔ انھیں ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ وہ چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ اگر اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو

پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا۔'' جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، انھوں نے مزید کہا: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے۔ وہ بھی مجھ سے افضل اور برتر تھے، پھر جیسا کہ دیکھ رہے ہو، ہمارے لیے اب دنیا کی آسائشیں وسیع کر دی گئی ہیں۔ اس وسعت کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمیں ہماری نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں تو نہیں دے دیا گیا۔'' یہ کہہ کر وہ رونے لگ گئے اور کھانا اپنی جگہ پڑا رہ گیا۔''

[بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا لم یوجد إلا ثوب واحد : ۱۲۷۵، ۱۲۷٤]

لاش پر فرشتے اپنے پروں کا سایہ کیے رہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''جب میرے والد صاحب احد کی جنگ میں شہید کر دیے گئے تو میں ان کے چہرے سے بار بار کپڑا ہٹا کر دیدار کرتا اور روتا۔ رسول کریم ﷺ کے صحابہ مجھے ایسا کرنے سے روکتے مگر اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بالکل منع نہیں کیا۔ یہ منظر دیکھ کر میری پھوپھی (فاطمہ) بھی رونے لگیں۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ فرمانے لگے:

((تَبْكِيْنَ أَوْلَا تَبْكِيْنَ، فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رَفَعْتُمُوْهُ))

[بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت ...... الخ : ۱۲٤٤]

''تم لوگ روؤ یا چپ رہو، جب تک تم لوگ میت کو اٹھاتے نہیں فرشتے تو برابر اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے ہوئے ہیں۔''

شہداء کی لاشیں واپس میدان جہاد میں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میرے والد گرامی احد کے میدان میں شہید کر دیے گئے، چنانچہ میری بہنوں نے اپنا اونٹ میرے پاس بھیجا اور کہا: ''اس اونٹ پر ابا جی کو سوار کر کے لے آ اور بنوسلمہ کے قبرستان میں دفن کر دے۔'' چنانچہ میں اپنے والد کے پاس آیا۔ میرے ساتھ میرے معاون بھی تھے، اس سارے پروگرام کی اطلاع اللہ کے رسول ﷺ کو ہو گئی۔ آپ اس وقت احد ہی میں تشریف فرما تھے، چنانچہ ایک اعلان کرنے والے نے کہا:

((أَلَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَرْجِعُوْا بِالْقَتْلٰى فَتَدْفِنُوْهَا

فِیْ مَصَارِعِهَا حَیْثُ قُتِلَتْ))

"خبردار! اللہ کے رسول ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ مقتولوں کو وہیں لوٹا دو اور انھیں وہیں دفن کر دو جہاں انھوں نے جام شہادت نوش کیا ہے۔"

چنانچہ انھیں ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہی احد میں دفن کر دیا گیا۔

[مسند أحمد : ٣٩٧/٣، ٣٩٨، ح : ١٥٢٨٧ و إسناده صحيح]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں: "وہ شہداء جنھیں دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا، ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ایک اعلان کرنے والے نے صدا لگائی:

((رُدُّوا الْقَتْلٰی اِلٰی مَضَاجِعِهَا))

[مسند أحمد : ٢٩٧/٣ ح : ١٤١٧٧ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ٣١٨٣ و إسناده حسن صحيح۔ ترمذی : ١٧١٧، أبو داؤد : ٣١٦٥۔فی أسانيدهم نبيح بن عبدالله وهو ثقة وثقه أبو زرعة و الترمذی (١٧١٧) و ابن حبان و ابن خزيمة (٥٦/١، ٥٧) والحاكم والذهبی (١١١/٤) بتصحيح حديثه]

"شہیدوں کو ان کی جائے شہادت پر واپس لاؤ۔"

ثابت ہوا کہ شہداء کو معرکے کے میدان ہی میں دفن کرنا چاہیے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا یہی عمل اور پسندیدہ حکم ہے۔

شہید بھی اور قرآن کا عالم بھی:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: "اللہ کے رسول ﷺ نے احد کے شہداء کو اس طرح کفن دیا کہ دو دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں کفن دے کر دفن کر دیا، آپ ﷺ صحابہ سے پوچھتے:

((اَیُّهُمْ اَکْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟))

"ان میں سے قرآن کا زیادہ عالم کون ہے؟"

پھر جب کسی ایک کی جانب اشارہ کر کے آپ ﷺ کو بتایا جاتا (کہ یہ قرآن کے علم اور حفظ میں زیادہ ہے) تو آپ ﷺ اسے لحد میں مقدم کر دیتے اور فرماتے:

《أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ》

''قیامت کے دن میں ان لوگوں پر گواہ ہوں گا۔''

پھر آپ ﷺ نے خون سمیت تمام شہیدوں کو دفن کرنے کا حکم دیا، نیز آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی اور غسل بھی نہیں دیا۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب من قتل من المسلمين يوم أحد : ٤٠٧٩]

کیا مقام ہے شہداء کا کہ نہ غسل کی ضرورت ہے نہ جنازے کی حاجت ہے اور نہ کفن کا پہناوا لازم ہے بلکہ خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کیا جا رہا ہے۔ جس کے لیے چھوٹی یا بڑی کوئی چادر مل گئی اس پر بطور کفن ڈال دی، جس کے لیے نہ ملی خون آلود لباس ہی اس کا کفن ہے۔ جی ہاں! یہ اعزاز ہے شہید کا۔

اللہ نے عبداللہ کو اپنے سامنے بٹھا کر بات کی:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے پریشان دیکھا تو کہنے لگے:

''اے جابر! ادھر آ، میں تجھے ایک بات بتلاؤں، اللہ تعالیٰ نے آج تک جس سے بھی بات کی پردے میں کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے والد کو سامنے بٹھا کر بات چیت کی۔ اللہ تعالیٰ پوچھنے لگے: ''اے میرے بندے! ''مجھ سے مانگ تجھے عطا کروں۔'' اس پر تیرے والد نے عرض کی: ''میرے مولا! عرض یہی ہے کہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں تیری خاطر دوسری بار قتل کیا جاؤں۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے عبداللہ سے کہا: ''یہ تو میرا فیصلہ ہو چکا کہ جو لوگ یہاں آگئے وہ واپس دنیا میں نہیں جا سکتے۔'' یہ سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! پھر میرے پیچھے دنیا میں جو میرے ساتھی ہیں انھیں (میری جنت کی خوشحال زندگی کے بارے میں) آگاہ کر دیجیے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

[آل عمران : ٣/ ١٦٩]

”جو اللہ کے راستے میں شہید کر دیے گئے ان کے بارے میں مت خیال کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں رزق دیے جاتے ہیں۔“

[الترمذی، کتاب تفسیر القرآن (باب) و من سورة آل عمران : ۳۰۱۰ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ۲۰۳/۳، ۲۰٤، ح : ٤٩١٤۔ ابن ماجه : ۲۸۰۰، ۱۹۰ و إسناده حسن لذاته]

ثابت ہوا جو شخص اس دنیا کو چھوڑ کو چلا جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا، یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے۔ نیک آدمی جنت جیسی جگہ چھوڑ کر نہ تو خود واپس آنا چاہے گا اور نہ اللہ ہی آنے دے گا۔ شہید نے اس وجہ سے واپس آنے کی خواہش کا اظہار کیا کہ اس نے شہادت کے اونچے مرتبے کو ملاحظہ کیا تو دل نے چاہا کہ اور زیادہ مرتبے ملیں مگر اللہ نے واضح کر دیا کہ واپسی ناممکن ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا صحابی شہید ہے اور شہید بھی ایسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سامنے بٹھا کر ملاقات اور بات چیت کی، لیکن دنیا میں واپس آنے کی اجازت نہیں ملی، تو جب اللہ کا ایسا مقرب وشہید ولی واپس نہیں آسکتا تو اور کس بزرگ کی مجال ہے کہ اس کی روح دنیا میں آئے یا دنیا سے کوئی تعلق رکھے؟ اسی طرح جو شخص برا ہوگا، وہ جہنم میں جائے گا تو اسے جہنم کی قید سے کوئی واپس نہیں آنے دے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کی روح بد روح بن کر دنیا میں بھٹکتی پھرے۔ الغرض، اللہ کا اٹل فیصلہ یہی ہے کہ جو اس دنیا کی سرحد پار کر کے اگلی دنیا میں چلا گیا اس کی واپسی ناممکن ہے۔

قرآن مجید نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ ہر طرح کی نعمت اور کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ یہ کھانے اللہ کے ہاں جنت میں کھاتے ہیں نہ کہ جمعرات کے روز اس دنیا میں آکر ہمارے حلوے اور کھیریں کھاتے ہیں۔ یہاں انسان بکرے کی ران، دیسی مرغ اور تیتر و بٹیر وغیرہ جو کچھ بھی کھائے گا، نتیجہ بدبودار اور متعفن پاخانہ ہے جبکہ جنت کے لوگ جنت کے پرندے اور پھل کھائیں گے تو وہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، بلکہ ہلکا سا پسینہ جسم پر نمودار ہوگا اور سب کچھ ہضم ہو جائے گا، اس پسینے سے بھی خوشبو کستوری کی آئے گی وہ پاک روحیں یہاں آبھی جائیں تو وہ بول و براز بن جانے والے کھانے کیسے کھائیں گی؟ تو...... آتا ہی کوئی نہیں، آسکتا ہی نہیں، کیا کھانا اور کہاں کا کھانا؟

شہید نے اللہ کے حضور عرض کر کے جو پیغام بھجوایا وہ قابل غور ہے، مقصد یہ ہے کہ لوگو! جہاد کرو، شہادت پاؤ اور جنت کے مزے اڑاؤ، اللہ سے ملاقات کرو اور رب کریم کا دیدار پاؤ۔

مولا! ہم پر جو انعامات کیے ان کی خبر دنیا والوں کو پہنچا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں مخاطب کر کے آگاہ کیا: ''تمھارے وہ بھائی جو احد میں شہید ہوگئے، اللہ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں ڈال دیا، وہ جنت کی نہروں پہ اڑتے پھرتے ہیں، نہروں کے اردگرد لگے درختوں کے پھلوں کو کھاتے ہیں، پھر وہ ان قندیلوں میں آکر بیٹھ جاتے ہیں جو سونے کی بنی ہوئی ہیں اور عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں۔ جب ان شہداء نے دیکھا کہ ان کا کھانا پینا اور ٹھکانا انتہائی باکمال ہے تو وہ کہنے لگے: ''اے کاش! جو سلوک ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اس کی خبر دنیا میں ہمارے بھائیوں کو ہو جائے تو وہ جہاد میں سستی نہ کریں اور نہ جنگ سے بھاگیں۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [آل عمران: ۳/۱۶۹تا۱۷۱]

''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے ہیں، انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں سے رزق پا رہے ہیں۔ اللہ کا ان پر جو فضل ہو رہا ہے، اس سے وہ بہت خوش ہیں اور اپنے ان (ساتھی) لوگوں سے بھی بہت خوش ہیں جو ان کے پیچھے ہیں اور ابھی تک (شہید ہو کر) ان سے ملے نہیں (شہادت کی موت کے بعد) انھیں کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ یاد رہے! اللہ تعالیٰ کا ان (شہداء) پر جو فضل اور انعام ہو رہا ہے اس سے وہ خوش ہوتے ہیں اور اللہ یقیناً مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

[مسند أحمد: ۱/۲۶۵، ۲۶۶، ح: ۲۳۸۸، حسن۔ أبو داوٗد: ۲۵۲۰۔ مسند أبي

يعلى : ٣٦٩/٢، ح : ٢٣٢٧، حسن۔ مستدرك حاكم : ٨٨/٢، ح : ٣٤٤٤ حسن]

اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی کا محبت آمیز انداز :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس آیت (سورہ آل عمران کی مندرجہ بالا آیت) کا مطلب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں قندیلوں کے اندر ہیں، ان کا ٹھکانا ایسی قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ جہاں چاہتی ہیں چرتی پھرتی ہیں، پھر اپنی قندیلوں میں آ رہتی ہیں۔ یہ اپنی اس زندگی میں مگن تھیں کہ ان کے رب نے ان کی طرف جھانک کر دیکھا اور ان سے پوچھا: ''تمھیں کچھ چاہیے؟'' انھوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! ہم کیا مانگیں؟ جہاں ہم چاہتے ہیں جنت میں سیریں کرتے ہیں، نعمتیں خواہشات سے بڑھ کر موجود ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان سے تین بار یہی پوچھا، چنانچہ شہیدوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے رہیں گے، جب تک کہ وہ کچھ نہ کچھ مانگیں گے نہیں، آخر کار وہ کہنے لگے : ''اے اللہ! ہمارا سوال یہی ہے کہ ہماری روحوں کو دنیا کے اندر ہمارے جسموں میں لوٹا دے، حتیٰ کہ ہم تیرے راستے میں (ایک بار پھر) شہید کر دیے جائیں۔'' چنانچہ جب اللہ نے دیکھا کہ ان کی کوئی خواہش نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔''

[مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة...... الخ : ١٨٨٧]

سبحان اللہ! اللہ کی محبت اپنے شہید بندوں سے کس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار پوچھتے ہیں کہ میری جنت میں آئے ہو، ضرورت اور خواہش بتلاؤ، مگر ضرورت اور خواہش کی بلند پروازی تک بلکہ اس سے کہیں آگے تک وہ وہ کچھ مل چکا ہے جس کا گمان تک نہ تھا تو اب یہ بندے مانگنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے کہ کیا مانگیں؟ آخر کار وہ یہی مانگ سکے کہ اگر شہادت کا اجر یہ نعمتیں ہیں تو پھر مولا! ایک شہادت اور عطا فرما، لیکن یہ تو ہو نہیں سکتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے پوچھنا ہی چھوڑ دیا۔

سالارِ صحابہ ﷺ کی زبان سے اللہ کی حمد اور شکر کے بکھرتے موتی:

حضرت عبیداللہ بن رفاعہ الزرقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کی جنگ کے بعد مشرک واپس چلے گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے کہا:

''برابر ہو جاؤ، تاکہ میں اپنے پروردگار کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاؤں۔''

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پیچھے صفیں بنائے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ اپنے رب سے یوں باتیں کرنے لگے:

① اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لیے۔
② اے اللہ! تو جس کے لیے فراخی پیدا کر دے اس فراخی کو کوئی سکیڑ نہیں سکتا۔
③ اے اللہ! جس شخص کے لیے تو تنگی پیدا کر دے اس تنگی کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔
④ اے اللہ! جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔
⑤ اے اللہ! جسے تو ہدایت سے نواز دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔
⑥ اے اللہ! جس شخص سے تو کوئی نعمت روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔
⑦ اے اللہ! جس کو تو عطا کر دے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔
⑧ اے اللہ! جس کو تو اپنے سے دور کر دے اسے کوئی تیرے قریب نہیں کر سکتا۔
⑨ اے اللہ! جس کو تو قریب کر لے اسے کوئی تیرے سے دور نہیں کر سکتا۔
⑩ اے اللہ! ہم پر اپنی برکتیں پھیلا دے۔
⑪ اے اللہ! اپنی رحمتیں سایہ فگن کر دے۔
⑫ اے اللہ! اپنے فضل کا سائبان بنا دے۔
⑬ اے اللہ! اپنے رزق کی کشائش کر دے۔
⑭ اے اللہ! تجھ سے ایسی نعمت کا سوالی ہوں جو سدا برقرار رہے، نہ ہٹنے کا نام لے اور نہ ٹلنے پائے۔
⑮ اے اللہ! کوئی فقیری کا دن آجائے تو مدد کا سوالی ہوں۔
⑯ اے اللہ! کوئی خوف کا دن آجائے تو امن کا بھکاری ہوں۔

⑰ اے اللہ! تو نے جو کچھ ہمیں دیا ہے اس کے نقصان سے میں تیری حفاظت مانگتا ہوں۔
⑱ اے اللہ! جو ہمیں عطا نہیں فرمایا اس کے شر سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔
⑲ اے اللہ! ایمان کو ہمارا محبوب بنا دے۔
⑳ اے اللہ! اسے ہمارے دلوں کا حسن بنا دے۔
㉑ اے اللہ! ناشکری سے ہمیں نفرت دلا دے۔
㉒ اے اللہ! حق سے ہٹنے اور نافرمانی کرنے کو ناپسند بنا دے۔
㉓ اے اللہ! ہدایت والے لوگوں میں ہمیں شامل فرما دے۔
㉔ اے اللہ! ہم مریں تو مسلمان ہو کر۔
㉕ اے اللہ! اگر زندہ رہیں تو فرماں بردار ہو کر۔
㉖ اے اللہ! اخروی ملاقات کریں تو نیکوکاروں سے۔
۲۷۔ اے اللہ! نہ ہم رسوائیوں میں پڑیں اور نہ فتنوں سے دوچار ہوں۔
۲۸۔ اے اللہ! کافروں کو ہلاک کر، جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں۔
۲۹۔ اے اللہ! انھیں برباد کر کہ جو تیرے راستے سے روکتے ہیں۔
۳۰۔ اے اللہ! ان کو دھمکا اور ان پر اپنا عذاب مسلط فرما۔
۳۱۔ اے اللہ! اے معبود برحق! ان کافروں کو بھی تباہ و برباد کر جن کو تو نے کتاب دی ہے۔

[مسند أحمد : ۳/ ۴۲۴ ح : ۱۵۴۹۸ و إسناده صحیح۔ مستدرك حاكم : ۳/ ۲۳، ۲۴ ح : ۴۳۰۸ و إسناده صحیح ، الأدب المفرد للبخاری : ۲/ ۱۵۴، ۱۵۵ ح : ۶۹۹ و إسناده صحیح۔ السنن الكبرى للنسائی : ۶/ ۵۶ ح : ۱۰۴۴۵ و إسناده صحیح]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق احد کے میدان میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ صحیح بخاری اور زیادات مسند احمد کی روایت کے مطابق (۶۴) انصاری اور (۶) مہاجر، یوں کل ستر مجاہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

[صحیح بخاری : ۳۰۳۹۔ مسند احمد : ۶/ ۲۹۳ و إسناده صحیح۔ زیادات مسند احمد : ۵/ ۱۳۵ وإسناده حسن لذاته۔مستدرك حاكم : ۲/ ۳۵۸، ۳۵۹ و إسناده حسن لذاته]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زخمی صحابہ کے ہمراہ خود بھی زخمی ہیں لیکن مصیبت اور آزمائش کے

ان لمحات میں رسول رحمت ﷺ اپنے مولا کریم کو کس قدر آہ و زاری سے یاد کرتے ہیں۔ جنگ کی دہکتی ہوئی بھٹی میں تپائے ہوئے صحابہ کو ہمراہ لے کر اللہ کی تعریف میں رطب اللسان اور مدد کے خواستگار ہیں۔ اللہ کی قسم! موتی ہیں جو حلم و صبر کے کوہ ہمالیہ، جرنیل اعظم اور رسول ہاشمی جناب محمد کریم ﷺ کی زبان مبارک سے بکھر رہے ہیں۔ اے اللہ! مسلمانوں کو ایسی ہی استقامت عطا فرما۔ (آمین!)

باپ شہید کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعائیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ''احد کے میدان میں لڑی جانے والی جنگ کے آغاز میں مشرک شکست کھا گئے تھے (پھر جب خالد بن ولید کے عقب سے حملہ کرنے کی وجہ سے بھگدڑ مچی) تو ابلیس پر اللہ کی لعنت ہو، اس دوران اس نے دھوکا دینے کے لیے آواز لگائی: ''اے اللہ کے بندو! (مسلمانو!) اپنے پیچھے والوں سے خبردار ہو جاؤ۔'' اس پر وہ مسلمان جو آگے تھے وہ اپنے پیچھے والوں پہ پل پڑے۔ حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے جو دیکھا تو ان کے والد حضرت یمان (رضی اللہ عنہ) پیچھے والوں میں سے تھے (مسلمان ان کو مار رہے تھے) حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) شور ڈالنے لگے کہ یہ میرا باپ ہے، میرا باپ، لیکن اللہ کی قسم! مسلمانوں نے نہ چھوڑا اور (غلطی سے) انھیں شہید کر ڈالا۔ حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے:

((يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ))

''مسلمانو! اللہ تمھیں معاف کرے۔''

حضرت عروہ بتلاتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان (رضی اللہ عنہما) زندگی بھر ان لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

[بخاري، كتاب المغازي، باب ﴿ إذ همت طآئفتان ...... ﴾ : ٤٠٦٥]

ابن ہشام اور تاریخ طبری میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس طرح بھی مرقوم ہیں کہ انھوں نے کہا: ((يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ))

''اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

بعد میں ان مسلمانوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم نے انھیں پہچانا ہی نہ تھا۔'' وہ سچے تھے،

لہٰذا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہی کہا: ''اللہ تمھیں معاف کرے۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیت دینے کا ارادہ کیا مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے حد متاثر ہوئے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ میں کس قدر خیر ہے۔

[سیرة ابن ھشام : ۵۰/۳ و إسناده حسن لذاته۔ تاریخ طبری : ۵۰۳/۲، حسن]

یہ تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہ جن کے دل اس قدر شفاف اور مسلمانوں کے لیے موم تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کے لیے زندگی بھر مغفرت کی دعائیں مانگتے رہے جنھوں نے غلطی سے ان کے والد کو شہید کر دیا تھا۔ خوب فرمایا مولا کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور یہ صحابہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

اے اللہ! چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر دلوں میں کینہ، حسد اور بغض پالنے والے مسلمانوں کو صحابہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین!)

شہدائے احد کی غائبانہ نماز جنازہ:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد غزوۂ احد کے شہیدوں پر نماز جنازہ ادا کی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے یا مسجد سے) باہر تشریف لائے اور احد کے شہیدوں پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد : ۴۰۴۲، ۱۳۴۴]

ثابت یہ ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی، البتہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی، چنانچہ مشہور ثقہ محدث حضرت مولانا عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھنا اور نہ پڑھنا ہر دو امور جائز ہیں۔ اب مسئلہ رہ گیا شہید کی نماز جنازہ کا تو وہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد نماز جنازہ پڑھائی۔ اس حدیث کو امام بخاری کتاب الجنائز میں لائے ہیں تو اسی لیے لائے ہیں کہ یہ شہداء کے لیے عام دعا نہ تھی بلکہ نماز جنازہ تھی اور ایسی نماز تھی جو میت

پر پڑھی جاتی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ معرکے کے شہید کی نماز جنازہ نہ پڑھنا بھی ثابت ہے اور پڑھنا بھی اور غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔

قارئین کرام! آیئے اب صحابہ کی استقامت دیکھتے ہیں جو جنگ کے بے پناہ زخموں کے باوجود مشرکوں کا پیچھا کر رہے تھے۔

مشرکوں کا تعاقب:

جناب ہشام کے والد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ [آل عمران: ۳/۱۷۲]

''وہ لوگ کہ جنھوں نے جنگ کے کاری زخم لگنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان میں سے جنھوں نے (اپنے شہیدوں، زخمیوں اور خود بھی زخمی ہونے کے باوجود مشرکوں کا پیچھا کرنے جیسی) نیکی کی اور (جہاد پر لبیک کہنے کا) تقویٰ اختیار کیا، ان کے لیے اجر عظیم ہے۔''

اور اپنے بھانجے عروہ رضی اللہ عنہما سے کہا: ''میری بہن کے بیٹے! احد کی لڑائی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ تکلیف پہنچی پھر مشرک واپس پلٹ گئے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں وہ دوبارہ پلٹ کر حملہ آور نہ ہو جائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ يَّذْهَبُ فِيْ إِثْرِهِمْ؟))

''ان کے تعاقب میں کون کون نکلے گا؟''

تو اس وقت جو لوگ نکلے وہ ستر تھے (انھی کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن میں کر رہا ہے) انھی لوگوں میں تمھارے والد زبیر رضی اللہ عنہ اور (نانا) ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب ﴿الذين استجابوا لله والرسول﴾ : ٤٠٧٧]

مدینہ تشریف لانے کے بعد اگلے ہی دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تعاقب کے لیے نکل

کھڑے ہوئے۔ صحابہ نے رات بھی پہرا دیتے ہوئے گزاری۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے پناہ آزمائشوں کے باوجود صحابہ کے سپریم کمانڈر جناب رسول کریم ﷺ کس قدر چوکس اور انتہائی بیدار مغز تھے کہ آپ ﷺ نے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے ساتھیوں کو دشمن سے غافل نہیں ہونے دیا اور جو آپ کا خدشہ تھا کہ مشرکوں کو آگے جا کر احساس ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو نابود کرنے کے بغیر ہی احد سے نکل آئے ہیں، وہ بھی صحیح ثابت ہوا کہ مشرک راستے میں افسوس کرتے جا رہے تھے کہ وہ فتح کے مقاصد حاصل کیے بغیر ہی چلے آئے ہیں۔

چنانچہ روحاء جو مدینہ سے ۳۶ کلو میٹر دور ہے وہاں ٹھہرے مشرکوں تک جب یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ان کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ہیں تو انھوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ جلدی سے کوچ کر کے مکہ پہنچیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی درگت بنوا بیٹھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ زخمی ہونے کے باوجود پانچ دن مدینہ سے باہر رہے۔ جناب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کے مجاہد کو لاٹھی کا تحفہ دیا:

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا:

''مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نبیح کا پوتا خالد بن سفیان لوگوں کو اکٹھا کر رہا ہے، اس کا مقصد مجھ سے جنگ کرنا ہے۔ اس وقت وہ ''عُرَنَۃ'' کے مقام پر موجود ہے۔ اس تک پہنچو اور اسے قتل کر دو۔''

میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اس کی کوئی نشانی بتلا دو، تا کہ میں اسے پہچان سکوں۔'' آپ ﷺ نے بتلایا: ''جب تو اسے دیکھے گا تو محسوس کرے گا کہ اس پر کپکپی طاری ہے۔'' اب میں نے اپنی تلوار لٹکائی اور نکل کھڑا ہوا۔ آخر کار میں نے ''عُرَنَہ'' میں اس کو جا لیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو کجاوے اس کی اونٹنیوں پہ رکھے جانے کے لیے تیار تھے، جن میں اس کی عورتیں بیٹھی تھی، کوچ ہونے والا تھا۔ اس وقت عصر کی نماز کا وقت بھی ہو

چلا تھا۔ میں نے جب خالد بن سفیان کو دیکھا تو اسے اسی طرح پایا جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بتلایا تھا اب میں نے اس کی جانب رخ کر لیا۔ میں اس بات سے بھی ڈرنے لگا کہ میرے اور اس کے درمیان کشمکش طول پکڑ گئی تو کہیں اس وجہ سے میری نماز ہی نہ رہ جائے۔ چنانچہ میں نے نماز پڑھنا شروع کر دی اور اس کی جانب چلنے لگا۔ سر کے اشارے سے رکوع اور سجدہ کرتا چلا گیا۔ پھر جب میں اس تک پہنچ گیا تو وہ (مجھے دیکھ کر) پوچھنے لگا: ''کون آدمی ہے؟'' میں نے کہا: ''عرب کا ایک شخص ہے، اس نے آپ کے بارے میں سنا ہے اور اس شخص (محمد کریم ﷺ) کے خلاف لڑائی کے لیے لوگوں کے اجتماع کے بارے میں سنا ہے، چنانچہ یہ شخص اس مقصد کے لیے آ گیا ہے۔'' یہ سن کر وہ کہنے لگا: ''ہاں، ہاں! یہ سارا کچھ میں ہی کر رہا ہوں۔'' اب میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا حتیٰ کہ جب میں نے دیکھا کہ اب وہ میری دسترس میں آ گیا ہے تو میں نے موقع پا کر تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ پھر میں نکل کھڑا ہوا اور اسے اس حال میں چھوڑا کہ کجاووں میں بیٹھی اس کی عورتیں اس کی لاش پر اوندھے منہ گری پڑی تھیں۔ پھر میں منزلیں طے کرتا ہوا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آ پہنچا۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا:

((اَفْلَحَ الْوَجْهُ))

''چہرہ کامیابی پا کے آیا ہے۔''

میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں نے اسے قتل کر ڈالا ہے۔''
آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا ہے۔'' پھر آپ ﷺ میرے ساتھ کھڑے ہو گئے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور باہر آ کر مجھے ایک لاٹھی عطا فرمائی اور کہا:

((اَمْسِكْ هٰذِهٖ عِنْدَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اُنَيْسٍ !))

''اے انیس کے بیٹے عبداللہ! اس کو اپنے پاس سنبھال کے رکھنا۔''

یہ عصا لے کر جب میں لوگوں کے پاس آیا تو صحابہ نے پوچھا: ''اس عصا کا مطلب کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''یہ عصا مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اس کو

سنبھال کر رکھنا۔" صحابہ نے کہا: "کیا تم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جاتے نہیں اور جا کر اس کے بارے میں پوچھتے نہیں؟" چنانچہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پلٹا اور آپ سے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ نے یہ عصا مجھے کس مقصد کے لیے عطا فرمایا ہے؟"
آپ ﷺ نے فرمایا:

((آيَةٌ بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ أَقَلَّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُونَ يَوْمَئِذٍ))

"یہ لاٹھی میرے اور تیرے درمیان قیامت کے دن ایک نشانی ہوگی، بلاشبہ اس روز لوگوں میں سے بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جو قیامت کے دن ٹیک لگائے ہوں گے۔"

چنانچہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے ساتھ اس عصا کو بھی چمٹا کر رکھا۔ یہ عصا ہمیشہ ان کے پاس رہا، حتیٰ کہ جب وہ فوت ہونے لگے تو اس کے بارے میں اپنے ساتھ دفن کا حکم دے گئے، چنانچہ یہ عصا بھی ان کے ساتھ ہی رکھ دیا گیا اور دونوں کو ایک ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔

[ابن حبان : ٧١٦٠ و إسناده حسن لذاته، مسند أحمد : ٤٩٦/٣، ح و إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ٣٧٢/١، ٣٧٣، ح : ٩٠١ و إسناده حسن لذاته۔ صحيح ابن خزيمة : ٩١/٣، ٩٢ ح : ٩٨٢۔ السنن الكبرى للبيهقي : ٢٥٦/٣، ح : ٦٠٢٤ و إسناده حسن لذاته۔ في أسانيدهم عبد الله بن عبد الله بن أنيس، وهو صدوق حسن الحديث ذكره ابن حبان في الثقات (٣٧/٥) وثقه ابن خزيمة و ابن حبان بتصحيح حديثه و أبو نصرعمر بن عبدالعزيز بن عمر بن قتادة أيضا صدوق حسن الحديث وثقه البيهقي بتصحيح حديثه۔ السنن الكبرى : ٣٣٦/٤، ٢٤٨و ١٦٩/٢]

قارئین کرام! غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو زک اٹھانا پڑی اس کا نتیجہ یہ نکلنے لگا کہ عرب کے وہ قبائل جو غزوۂ بدر کے بعد دب کر بیٹھ گئے تھے، اب نہ صرف سر اٹھانے لگے تھے بلکہ مدینہ پر چڑھائی کے لیے روانہ ہونے لگے تھے۔ اللہ کے رسول جناب محمد کریم ﷺ پوری طرح ان حالات کا سامنا کرنے کے لیے چوکس اور تیار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی آپ ﷺ کو اطلاع ملی، آپ ﷺ نے سرکوبی کے لیے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ایسے مجاہد پہ قربان جائیں کہ نماز کی کس قدر فکر ہے؟ اللہ کو

یہ انداز کس قدر پسند آیا ہوگا کہ وہ اشاروں سے نماز بھی پڑھتے چلے جا رہے ہیں، رب کے حضور رکوع کرتے اور سجدہ ریز بھی ہوتے جا رہے ہیں اور رسول کریم ﷺ پر حملہ آور ہونے والے کا تیا پانچہ کرنے کا بھی سوچتے جا رہے ہیں۔

عصا کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی تین باتیں بڑی واضح ہیں، عصا کو سنبھال کر رکھنا، قیامت کے دن نشان بننا اور قیامت کے دن اس پر ٹیک لگانا، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کے مجاہد صحابی نے اس پر عمل کیا، اس عصا کو ایسا سنبھال کر رکھا کہ وہ دفن بھی ساتھ ہی ہوا، اس لیے کہ قیامت کے دن اس نے نشانی بننا تھا۔ عصا ایک جہادی نشان ہے اور یہ ان لوگوں کا علاج ہے جو مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہوئے یلغار کرنے کے پروگرام بناتے ہیں۔ یہ عصا قیامت کے مشکل ترین دن میں جہاد کا عمل صالح بن کر مجاہد کے لیے سہارا بن جائے گا۔

یاد رہے! وہ لوگ جو میت کے ساتھ بعض متبرک تحریروں یا چیزوں کو دفن کرتے ہیں اس کا کوئی ثبوت اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ سے نہیں ملتا، لہٰذا ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ صرف حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ایسے مجاہد کا عمل ہے اور ان کا عمل اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایت اور فرمان کی روشنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

''معجم البلدان'' میں ہے کہ عرفات کے قریب ایک وادی کا نام ''عُرَنَہ'' ہے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دس صحابہ کو (کفار کے مطالبے پر اسلام کی تبلیغ کے لیے) روانہ فرمایا۔ ان کا امیر عاصم بن ثابت انصاری (رضی اللہ عنہ) کو بنایا۔ یہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے عاصم کے نانا جان تھے۔ یہ لوگ جب ''ھَدَۃ'' کے مقام پر پہنچے، جو مکہ اور عسفان کے درمیان ہے تو ''بنی ہذیل'' کے ایک قبیلے کو ان کے آنے کی خبر ہوگئی۔ قبیلے کا نام ''بنی لحیان'' تھا۔ اس قبیلے کے سو تیر انداز صحابہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور صحابہ کے قدموں کے نشانات پر پیچھا کرنے لگے۔ آخر کار یہ اس جگہ پہنچے، جہاں صحابہ نے بیٹھ کر کھجوریں کھائی تھیں۔ کھجوروں کی گٹھلیاں دیکھ کر یہ لوگ کہنے لگے: ''کھجوریں تو یثرب کی ہیں۔'' چنانچہ اب وہ حسب معمول صحابہ کے نشانات قدم پر چلنے لگے۔

ادھر حضرت عاصم بن ثابت (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو بھی محسوس ہو گیا کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے، چنانچہ انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ایک محفوظ جگہ پوزیشن لے لی۔ بنولحیان کے لوگوں نے بھی یہاں پہنچتے ہی صحابہ کا گھیراؤ کر لیا اور کہنے لگے: ''نیچے اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، یہ عہد رہا کہ ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔'' اس پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''مسلمانو! جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو کسی کافر کا ذمہ قبول کر کے نیچے نہیں اتروں گا۔'' اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

((اَللّٰھُمَّ ! اَخْبِرْ عَنَّا نَبِیَّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ))

''اے اللہ! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حالات سے آگاہ کر دے۔''

اب قبیلے کے سو آدمیوں کے لشکر نے مسلمانوں پر تیر پھینکنے شروع کر دیے اور انھوں نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ (اور ان کے چھ ساتھیوں) کو شہید کر دیا۔ باقی تین صحابہ ان کے عہد اور میثاق کے پیش نظر نیچے اتر آئے۔ یہ تینوں حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ (رضی اللہ عنہم) اور ایک تیسرے صحابی تھے۔ قبیلے والوں نے جب ان تینوں صحابہ پر قابو پالیا تو ان کی کمان سے تانت نکال کر اسی سے ان کو باندھنا شروع کر دیا۔ تیسرے صحابی نے ان سے کہا: ''یہ تمھاری بدعہدی کا آغاز ہے، اللہ کی قسم! میں تمھارے ساتھ بالکل نہیں جاؤں گا۔ میرے لیے یہ لوگ نمونہ ہیں جو ابھی شہید ہوئے، میں بھی شہید ہو جاؤں گا مگر جاؤں گا نہیں۔'' انھوں نے آپ کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی مگر وہ ڈٹے رہے (حتیٰ کہ شہید ہو گئے)۔

اب یہ لوگ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ (رضی اللہ عنہم) دونوں کو ساتھ لے گئے اور مکہ میں لے جا کر انھیں فروخت کر دیا۔ یہ جو کچھ ہوا بدر کے واقعہ کے بعد (بدر کا بدلہ لینے کے لیے اور احد میں مسلمانوں کی ہوا اکھڑنے کے بعد) ہوا۔ حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کو خرید لیا کیونکہ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) ہی نے بدر کی لڑائی میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ کچھ دنوں تک حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) ان کے گھر میں قید رہے پھر آخر کار انھوں نے حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس دوران ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) نے حارث کی ایک بیٹی سے استرا مانگا، تاکہ اس کے ساتھ اپنے بال

وغیرہ صاف کر لیں۔ حارث کی بیٹی نے جناب خبیب (رضی اللہ عنہ) کو استرا دے دیا۔ کچھ دیر بعد اسی خاتون کا ایک چھوٹا بچہ (کھیلتے ہوئے) اس عورت کی بے خبری میں ان کے پاس چلا گیا۔ بچے کی ماں کو اس بات کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس کے بعد ماں نے بچے کو دیکھا کہ وہ تو حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کی ران پر بیٹھا ہے اور استرا حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہے۔ وہ یہ دیکھ کر شدید گھبرا گئی۔ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کیا تو اسے کہا:

《 أَتَخْشِيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ ؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ 》

''تو ڈرتی ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ میں ایسی (گھٹیا) حرکت کرنے والا نہیں ہوں۔''

بعد میں اس خاتون نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا: ''اللہ کی قسم! میں نے زندگی میں کوئی ایسا قیدی نہیں دیکھا جو خبیب (رضی اللہ عنہ) سے بہتر ہو۔ اللہ کی قسم! ایک دن میں نے اس کو دیکھا کہ وہ انگوروں کا خوشہ اپنے ہاتھ میں پکڑے کھا رہا ہے، حالانکہ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور مکہ میں ان دنوں کوئی بھی پھل میسر نہیں تھا۔'' وہ خاتون کہا کرتی تھی کہ ''وہ تو رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے جناب خبیب (رضی اللہ عنہ) کو دیا تھا۔''

پھر جب وہ (حارث کے بیٹے اور اس خاتون کے بھائی) حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کو حدود حرم سے باہر لے جانے لگے، تاکہ وہ انھیں (تنعیم میں لے جا کر) شہید کر دیں، تو حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) ان سے کہنے لگے: ''مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔''

انھوں نے اجازت دے دی، چنانچہ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) نے دو رکعت نماز ادا کی اور ان سے کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اگر اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ تم کہو گے کہ یہ موت کے خوف سے نماز لمبی کر رہا ہے تو میں نماز مزید لمبی کرتا۔'' پھر یوں دعا کرنے لگے:

《 اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا 》

''میرے اللہ! انھیں ایک ایک کر کے گن، پھر انھیں بکھیر بکھیر کر مار اور ان میں سے کسی ایک کو نہ چھوڑ۔''

مقتل میں آپ نے یہ اشعار پڑھے ......

فَلَسْتُ أُبَالِیْ حِیْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیْ
وَذٰلِكَ فِیْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَ إِنْ یَّشَأْ
یُبَارِكْ عَلٰی أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

”جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں تو کیا پروا ہے، جس پہلو پر بھی گروں، اللہ ہی کی خاطر یہ میدان سجا ہے، یہ سارا منظر اس رب کی خاطر بپا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کیے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ کو بابرکت بنا ڈالے۔“

پھر حارث کے بیٹے عقبہ ابو سروعہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہر اس مسلمان کے لیے دو رکعت نماز ادا کرنے کا ایک اچھا عمل چھوڑا جسے قید کر کے شہید کیا جائے۔ ادھر جس دن ان صحابہ پر یہ آزمائش آئی اسی دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس سے باخبر کر دیا تھا۔

قریش کے بعض مشرکوں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں تو انھوں نے اپنے آدمیوں کو وہاں بھیجا، تاکہ وہ ان کی لاش کا کوئی ٹکڑا لائیں، جس سے وہ یقین کر لیں کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ واقعی شہید ہو گئے ہیں، کیونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بدر کے میدان میں ان کے ایک سردار عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش پر بھڑوں کا ایک دستہ بھیج دیا، جو بادل کے سائبان کی طرح حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کرنے لگا اور قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں کو ان کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا اور وہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لاش کا کوئی حصہ کاٹ کر لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۳۹۸۹]

① غزوۂ احد میں مسلمانوں کو قریش مکہ سے جو نقصان اٹھانا پڑا، مندرجہ بالا واقعہ بھی اسی کے اثرات کے باعث رونما ہونے والا ایک سنگین حادثہ ہے کہ مشرک قبائل جو بدر کی جنگ کے بعد دبے پڑے تھے، وہ اب احد کی جنگ کے بعد مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کی

سازشیں اور اعلانیہ بدعہدی پر اتر آئے تھے۔

وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہہ کر ان مبلغین اسلام کو اپنے ہمراہ لے کر گئے تھے کہ ہمارے علاقے میں اسلام کا چرچا ہے اور یہ مبلغین وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں گے۔

② کافر لوگ معاہدے کرتے ہیں، ذمے اٹھاتے ہیں لیکن بدعہدی کرتے ہوئے دیر نہیں لگاتے۔ ان کا یہ طرز عمل آج بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، لہٰذا بہترین طریقہ یہی ہے جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنایا کہ کفار کے وعدہ پر اعتبار کرنے کی بجائے رب کی راہ میں جان قربان کر دی۔ باقی تین ساتھی بھی اس لیے نیچے اترے تھے کہ مشرکین نے دوبارہ عہد و میثاق پیش کیا تھا اور پھر وہ بے بس بھی ہو چکے تھے۔

③ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ انھیں غیب کی جو خبریں بتلاتے ہیں وہ تبھی بتلاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعے باخبر کرتا ہے، چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ! مشکل میں گھرے صحابہ کے حالات اپنے رسول ﷺ کو بتلا کہ وہ کس قدر آزمائش اور بدعہدی سے دوچار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور مولا کریم نے فوراً اپنے نبی ﷺ کو آگاہ کر کے آپ ﷺ کو صحابہ کی صورتحال بتلا دی۔

④ مسلمان مجاہد کس قدر اعلیٰ اخلاق والا ہوتا ہے کہ اس کے بلند کردار کی گواہی وہ عورت دے رہی ہے جس کے باپ حارث کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ وہ اس لیے گواہی دے رہی تھی کہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس کے بچے کو قتل نہ بھی کرتا تو کم از کم اپنی رہائی کے بدلے یرغمال ضرور بنا لیتا، لیکن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے تو اپنے قتل کرنے والوں کے بچے کو پیار کے ساتھ گود میں بٹھا رکھا تھا۔ الغرض، کفار نے ہمیشہ مسلمان بچوں اور عورتوں پر ظلم کیا ہے مگر مسلمانوں کے بہترین کردار پر گواہی خود دشمنوں کے مونہوں سے موتی بن بن کر فضاؤں میں بکھرتی رہی اور آج بھی فضائیں مسلمانوں کے اسی کردار سے معطر ہیں۔

⑤ مشرک کفار کس قدر سنگ دل ہوتے ہیں کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے اس کردار کو بھی دیکھ

کر نرم دل نہیں ہوتے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو چھوڑتے نہیں اور بدلہ ایک ایسے عمل کا لیتے ہیں جس کا تعلق جنگ کے میدان سے ہے، عام معاشرتی زندگی سے نہیں، یہ کمینے پن اور بزدلی کی انتہا ہے، جس کا ارتکاب مشرکوں نے کیا۔

⑥ ثابت ہوا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ ہم جس صورتحال سے دوچار ہیں، اللہ تعالیٰ ہی اسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلانے والا ہے کہ ان مشرکوں نے ہمارے ساتھ کس قدر بدعہدی اور سازش کی۔

⑦ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خریدا اور اپنے باپ کے بدلے میں شہید کر دیا۔ یاد رہے! صفوان کا باپ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بدر کے میدان میں قتل ہوا تھا۔

قارئین کرام! آیئے اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کو احد کی جنگ کے بعد دوچار ہونا پڑا۔

کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ہمارے ساتھ اپنے کچھ لوگوں کو بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم سے آراستہ کریں۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ انصار کے ستر آدمیوں کو روانہ فرما دیا۔ ان لوگوں کو قاری کہا جاتا تھا۔ ان قاریوں میں میرے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کی زندگی کا معمول اس طرح تھا کہ وہ رات کو قرآن پڑھا کرتے، تحقیق و ریسرچ کرتے، علم سیکھتے جبکہ دن کو مسجد کے لیے پانی بھرتے، لکڑیاں اکٹھی کر کے بیچتے اور حاصل کردہ رقم کے بدلے صفہ والوں اور فقیروں کے لیے کھانا خریدتے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض تبلیغ بھیجا تھا، مگر ان لوگوں نے راستے ہی میں ان سے منہ پھیر لیا اور منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی انھیں شہید کر دیا۔ شہادت پا کر وہ اپنے رب سے کہنے لگے: ''اے ہمارے مولا! ہمارے بارے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیجیے کہ ہم نے آپ سے ملاقات کر لی، ہم اللہ عزوجل سے اور اللہ ہم سے خوش ہو گئے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ایک شخص نے میرے ماموں حرام رضی اللہ عنہ کے پیچھے سے ہو کر ان کو نیزہ مارا، نیزہ ان کے جسم سے آر پار ہو گیا۔ اس پر حضرت حرام رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

((فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ !))

''کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتلایا کہ تمھارے بھائی شہید کر دیے گئے اور وہ جنت میں پہنچ کر کہنے لگے:

((اَللّٰهُمَّ ! بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَاكَ فَرَضِيْنَا عَنْكَ وَ رَضِيْتَ عَنَّا))

[مسلم، کتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد : ٦٧٧، بعد ١٩٠٢]

''اے ہمارے اللہ! ہمارے نبی کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے آپ سے ملاقات کر لی ہے، ہم آپ سے راضی ہو گئے اور آپ ہم سے خوش ہو گئے۔''

مدینے سے کچھ فاصلے پر بنو عامر اور بنو سلیم کے حرہ کے درمیان ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کو ''معونہ'' کہا جاتا تھا۔ اسی مناسبت سے ''معونہ'' کے اردگرد کے علاقے کو بھی ''بئر معونہ'' کہا جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پورا ایک مہینا لگاتار ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں قنوت کرتے رہے۔ ہر نماز کی آخری رکعت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہتے تو بنی سلیم، رعل، ذکوان اور عصیہ کے قبیلوں پر بددعا کرتے اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوتے وہ ''آمین'' کہتے۔''

[مسند أحمد : ١/ ٣٠١، ٣٠٢، ح : ٢٧٤٦ و إسناده صحيح۔ أبو داوٗد : ١٤٤٣ و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ١/ ٢٢٥، ٢٢٦، ح : ٨٢٠ و إسناده صحيح]

صحیح بخاری میں رعل، ذکوان اور عصیہ کے ساتھ بنولحیان کا بھی ذکر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینا تک ان کے ساتھ بنولحیان کے خلاف بھی بددعا کرتے رہے۔

[صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع ...... الخ : ٤٠٩٠]

قارئین کرام! بئر معونہ کا واقعہ چار ہجری صفر کے مہینے میں پیش آیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت اور بئر معونہ کا واقعہ رونما ہونے میں تھوڑے دنوں کا فرق ہے۔ ان واقعات سے اللہ

کے رسول ﷺ کو بہت زیادہ دکھ، رنج اور صدمہ پہنچا۔ اس کا اندازہ قنوت سے ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ مہینا بھر قنوت کرتے رہے۔ مسجد نبوی کے در و دیوار آمین کہتی ہوئی آہوں اور سسکیوں سے کس قدر رنجیدہ اور غمناک ہوتے ہوں گے اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ الغرض، مسلمانوں کو یہ نتائج اس زک کے نتیجہ میں بھگتنے پڑ رہے تھے جو احد کے میدان میں پہنچی۔ یہ تو اللہ کے رسول ﷺ کی بیدار مغز اور جرأت مندانہ قیادت تھی کہ جس کے پرچم تلے سرکش قبائل کی طرف مہمات بھیجی جا رہی تھیں اور ان کو دھمکایا جا رہا تھا، وگرنہ تو وہ مدینہ کو تاراج کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ وہ اپنے منصوبے پر عمل تو نہ کر سکے، تاہم دھوکے کے ساتھ اپنی شرارتوں میں کامیاب ہوتے رہے۔ الغرض، ان کو اتنی جرأت بھی جو ہوئی تو اس کا سبب احد میں پہنچنے والا عسکری نقصان ہی تھا۔

عسکری نقصانوں اور شکستوں کے نتائج کس قدر حالات اور سیاسی جغرافیہ بدل کر رکھ دیتے ہیں، اس کا اندازہ موجودہ دور کو سامنے رکھ کر بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ ترکوں کی خلافت عثمانیہ جو اپنے وقت کی سپر پاور تھی اس کو اتحادی صلیبیوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا 1945ء میں کرنا پڑا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سارے ملک ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور وہ ترکی کے نام سے ایک چھوٹے سے ملک تک محدود ہو کر رہ گئے۔

روس کو افغانستان میں مجاہدین کے ہاتھوں شکست ہوئی تو اس سپر پاور کے پندرہ ٹکڑے مختلف ملکوں کے نام سے الگ ہو گئے اور اس کی کسمپرسی کا یہ حال ہو گیا کہ اس کی سرخ فوج کے جرنیل 1990ء میں ماسکو میں تمغے لگائے بازاروں میں بھیک مانگ رہے تھے۔

اب امریکہ، عراق اور افغانستان میں انھی حالات سے دوچار ہے جن حالات سے روس افغانستان میں دوچار ہوا تھا، تو مستقبل کے نقشہ کو دیکھتے ہوئے سنگاپور کے بانی وزیر اعظم عالمی دانشور مسٹر لی کان یو نے 12 دسمبر 2005ء کے امریکی ہفت روزہ ٹائم کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا: If the jihadists win there, I am in truble here.

''اگر وہاں عراق میں جہادی فتح یاب ہو گئے تو میں یہاں سنگاپور میں رہتے ہوئے مشکل میں گھر جاؤں گا۔''

Ussr یعنی سوویت روس کے آخری صدر گورباچوف کہ جن کے دور صدارت میں سوویت روس ٹوٹ گیا۔ اس کے پیٹ سے 15 ملک نکل کر آزاد ہو گئے اور وہ صرف روس رہ گیا، اس گورباچوف کا ایک مضمون جولائی 2007ء کے ایک انگریزی اخبار میں شائع ہوا ہے، یہ اخبار کینیڈا سے ''ٹورنٹو سٹار'' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں گورباچوف لکھتے ہیں:

''جب کوئی بڑی طاقت کسی مسلح جنگ میں ملوث ہوتی ہے اور خطرناک نتائج سے آگاہ کرنے کے باوجود تکبر کا مظاہرہ کرتی ہے تو حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ افغانستان میں روس کی مداخلت کی غلطی کے اعتراف کے بعد 1985ء میں روسی قیادت میں تبدیلی آئی، میں صدر بنا اور میں نے افغانستان سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا اور دیگر ممالک سے درخواست کی کہ وہ نکلنے میں ہماری مدد کریں عراق سے امریکی افواج کا انخلاء بھی ناگزیر ہے، ویت نام ہو یا افغانستان ان سے حاصل ہونے والے سبق اکثر ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

یاد رہے! برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر عراق میں اپنی فوج بھیجنے کی غلطی کا اعتراف کر کے جولائی 2007ء میں مستعفی ہو چکے ہیں صدر بش نے اسی مہینے کے آخر پر نئے برطانوی وزیر اعظم مسٹر براؤن سے ملاقات کے بعد سی این این سے گفتگو کرتے ہوئے خبردار کیا کہ ہم اگر عراق سے نکلے تو ہم اور ہمارے اتحادی تباہ ہو جائیں گے وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں عراق سے امریکی فوج تو نکال لوں مگر اس کے بعد شکست کے نتائج اور حالات کو کون سنبھالے گا؟

اسی طرح ۳۰ جولائی کے ہفت روزہ ٹائم نے اپنی ٹائٹل سٹوری میں لکھا کہ بش انتظامیہ اس بات سے ڈر رہی ہے کہ اگر ہم یہاں سے مقاصد حاصل کیے بغیر نکل گئے تو دہشت گرد ہر جگہ قوت پکڑ کر امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر حملہ کریں گے۔

الغرض، عسکری ہزیمت کے ان نتائج پر جب ہم غور کرتے ہیں کہ جن کا سامنا بڑی بڑی سپر پاورز نہ کر سکیں تو ایک غیر جانبدار محقق و مبصر کو جرنیل اعظم محمد کریم ﷺ کی عسکری بصیرت اور حکمت عملی کو سلام اور سلیوٹ کرنا پڑتا ہے کہ جنھوں نے احد کے میدان میں عسکری ہزیمت پر بھی قابو پایا اور بعد میں آنے والے اثرات سے بھی مدینہ جیسی چھوٹی سی سٹیٹ کو کامل طور پر محفوظ رکھا۔

اہل صفہ کے احوال

صفہ کے فقیر سکالر اور مجاہد:

وہ مبلغ مجاہدین جو صفہ سے اٹھ کر گئے اور اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے، ضروری اور لازم ہے کہ صفہ کے ان مجاہد درویشوں اور زاہدوں کے بارے میں یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کیا جائے۔

صفہ کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں جناب سمہودی نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں، جناب یاقوت حموی نے اپنی مشہور کتاب "معجم البلدان" میں اور ابن منظور نے اپنی کتاب "لسان العرب" میں واضح کیا ہے کہ ''صفہ'' اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس پر چھت پڑی ہوئی ہو۔

"سنن نسائی(٤٩١٣ و إسناده صحیح) اور سنن ابی داؤد (٤٣٨٦ و إسناده صحیح) میں "صفة النساء" یعنی عورتوں کا چھپر (جو مسجد نبوی میں تھا) کا جملہ موجود ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری(قبل : ١٠٥٢) اورنسائی (١٤٧٨) میں "صفة زم زم" کا جملہ لکھا ہے جس کا مطلب ہے: ''زم زم کے کنویں پر چھپر۔''

ثابت ہوا مسجد نبوی سے ملحق عورتوں کے لیے ایسا ''صفہ'' تھا جہاں وہ مردوں سے الگ اس مخصوص جگہ میں نماز اور جمعہ وغیرہ ادا کرتی تھیں اور مرد حضرات کے لیے بھی صفہ تھا جہاں وہ اپنے شب و روز گزارتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔

[مسلم : ٦٧٧، بعد ١٩٠٢]

یاد رہے! سمہودی، حموی اور ابن منظور نے صفہ کو ظلہ بھی کہا ہے اور ''ظلہ'' کا مطلب سائبان ہے۔ الغرض، ایسا چھپر جس کے اوپر سایہ ہو، نیچے چبوترہ ہو اور ارد گرد دیواریں نہ ہوں

اسے صفہ اور ظلہ کہا جاتا ہے۔

جناب سمہودی لکھتے ہیں اس صفہ میں سب سے پہلے آنے والے مہاجرین تھے۔ اسی لیے صفہ کی نسبت مہاجرین کی طرف ہوگئی اور اسے "صفة المهاجرين" کہا جانے لگا۔

مختلف احادیث و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے اطراف و اکناف کے وہ لوگ جو وفود کی شکل میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آتے تھے، تاکہ یہاں مسلمان ہونے کا اعلان کریں اور اسلام کی اطاعت کا دم بھریں وہ اجنبی لوگ بھی یہیں صفہ میں ٹھہرتے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ باہر سے جو شخص بھی اللہ کے رسول ﷺ سے ملنے آتا، اس کی جان پہچان اگر مدینہ کے کسی گھر میں ہوتی تو وہ وہاں ٹھہرتا، وگرنہ اصحاب صفہ کے ساتھ قیام کرتا۔

[ابن حبان : ٦٦٨٤ و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ١٤/٣، ١٥، ح : ٤٢٩٠ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ٤٨٧/٣، ح : ١٦٠٨٤ و إسناده صحيح]

امام ابو نعیم ''حلیہ'' میں لکھتے ہیں کہ صفہ میں رہنے والوں کی دیکھ بھال اور خدمت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا کرتے۔ اللہ کے رسول ﷺ جب صفہ میں ٹھہرے لوگوں کی دعوت کرنا چاہتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے اور وہ ان لوگوں کو بلا لاتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو خوب جانتے تھے کہ عبادت اور جہاد میں کون کون لوگ کس کس مرتبے اور منزلت کے حامل ہیں۔

[حلية الأولياء : ٤٦١/١۔ بخاري : ٦٤٥٢۔ الترمذي : ٢٤٧٧ و إسناده حسن لذاته]

امام ابو نعیم لکھتے ہیں کہ اصحاب صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف ہوا کرتی تھی۔ جب مدینہ میں وفود زیادہ آتے تو تعداد بڑھ جاتی اور جب پردیسی کم آتے تو تعداد بھی کم ہو جاتی۔

[حلية الأولياء : ٤١٧/١، تحت الحديث : ١٣٠٣]

تاہم عام دنوں میں یہاں حسب معمول ستر (٧٠) کے قریب لوگ ہر وقت موجود رہا کرتے تھے۔

[بخاري، كتاب الصلاة، باب لزم الرجال في المسجد : ٤٤٢۔ حلية الأولياء : ٤١٧/١، ٤١٨، ح : ١٢٠٤ و إسناده حسن لذاته۔ كتاب الزهد للإمام احمد ابن حنبل رحمه الله، ص ١٧١ و إسناده صحيح]

کبھی تعداد اس قدر بھی بڑھ جاتی کہ صحابہ میں ان لوگوں کو تقسیم کر دیا جاتا اور پھر انصار صحابہ اپنے حصے کے لوگوں کو گھر لے جاتے اور وہاں ان کو کھانا کھلاتے۔ اصحاب صفہ میں جو لوگ بڑے معروف تھے۔ ان کی ایک فہرست امام ابونعیم رحمہ اللہ نے ''حلیہ'' میں رقم کی ہے، جو اس طرح ہے:

۱۔ اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ عنہ
۲۔ اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۳۔ الاغر المزنی، موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ
۴۔ البراء بن مالک رضی اللہ عنہ
۵۔ ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ
۶۔ ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ
۷۔ ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۔ جرہد بن خویلد رضی اللہ عنہ
۹۔ جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ
۱۰۔ جاریہ بن حمیل رضی اللہ عنہ
۱۱۔ حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ
۱۲۔ حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ
۱۳۔ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ
۱۴۔ حازم بن حرملہ رضی اللہ عنہ
۱۵۔ غسیل الملائکہ حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ
۱۶۔ حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۷۔ الحکیم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۱۸۔ حرملہ بن ایاس رضی اللہ عنہ

۱۹۔ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

۲۰۔ خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ

۲۱۔ خالد بن زید (ابو ایوب انصاری) رضی اللہ عنہ

۲۲۔ خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ

۲۳۔ خریم بن اوس رضی اللہ عنہ

۲۴۔ خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ

۲۵۔ دکین بن سعید رضی اللہ عنہ

۲۶۔ عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ

۲۷۔ ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ

۲۸۔ ابورزین رضی اللہ عنہ

۲۹۔ زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ

۳۰۔ سفینہ مولیٰ رسول اللہ رضی اللہ عنہ

۳۱۔ ابوسعید الخدری (سعد بن مالک) رضی اللہ عنہ

۳۲۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

۳۳۔ سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ

۳۴۔ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ

۳۵۔ السائب بن خلاد رضی اللہ عنہ

۳۶۔ شقران مولیٰ رسول اللہ رضی اللہ عنہ

۳۷۔ شداد بن اسید رضی اللہ عنہ

۳۸۔ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

۳۹۔ صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

۴۰۔ طخفہ بن قیس رضی اللہ عنہ

۴۱۔ طلحہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۴۲۔ الطفاوی الدوسی رضی اللہ عنہ

۴۳۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۴۴۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۴۵۔ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ

[حلية الأولياء : ١/٣٤٧ تا ٣٤٧ ـ مسند أحمد : ١٢٨/٤، ح : ١٧١٦١ وإسناده صحيح]

علم، عبادت اور جہاد:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ اپنی اپنی سنن میں اہل صفہ کی ان صفات کو لائے ہیں کہ ان لوگوں نے فقر اور زہد کو اپنے سینے سے لگا لیا، دنیا سے منہ موڑ لیا اور مسجد ہی میں جم کر بیٹھ گئے۔ وہ علم حاصل کرتے تھے اور اللہ کی عبادت میں مگن رہتے تھے۔ وہ الگ تھلگ ہو کر نفل نماز پڑھتے، قرآن کی تلاوت کرتے، اللہ کی آیات پر غور و فکر کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے۔ ان میں سے بعض لوگ لکھنے کی تعلیم حاصل کرتے، اپنے استاد کو تحائف بھی دیتے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو قرآن کی تعلیم دیتے اور لکھنا بھی سکھاتے تھے انھیں ان کے ایک شاگرد نے کمان تحفے میں دی۔

[أبو داوٗد، كتاب الإجارة، باب في كسب المعلم : ٣٤١٦ و إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجه : ٢١٥٧ إسناده حسن لذاته۔ والأسود بن ثعلبة، صدوق حسن الحديث، وثقه ابن حبان (الثقات : ٣٢/٤) و الحاكم بتصحيح حديثه ، مستدرك حاكم : ٤١/٢]

ان لوگوں میں بعض علم اور حدیث کو حفظ کرنے میں بہت معروف ہوئے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ جن سے کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہ جنھوں نے فتنوں سے متعلق احادیث یاد کرنے کا اہتمام کیا۔

[بخاری : ١١٨، ٩٩، ٥٢٥]

اہل صفہ جو علم اور عبادت کے لیے دنیا سے کٹ گئے تھے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انھوں نے دنیا کو بالکل ہی خیر باد کہہ دیا تھا۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق لکڑیاں لا کر بھی بیچا کرتے تھے۔ جیسا کہ امام مسلم نیشاپوری نے ذکر کیا ہے۔

[مسلم : ٦٧٧، بعد : ١٩٠٢]

اسی طرح اسلامی معاشرے کو جن مشکل حالات سے سابقہ پڑتا تھا وہ اس میں بھی حصہ لیتے تھے۔ جہاد وقتال میں مجاہد بن کر جایا کرتے۔ ان لوگوں میں سے بہت سے بدر کی لڑائی میں بھی شامل ہوئے، جیسا کہ:

۱۔ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ [حلية الأولياء: ١/ ٤٥٩]

۲۔ خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ [حلية الأولياء: ١/ ٤٤٥]

۳۔ حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ [حلية الأولياء: ١/ ٤٤٦]

۴۔ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ [حلية الأولياء: ١/ ٤٥٥]

۵۔ حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ [حلية الأولياء: ١/ ٤٣٦]

اسی طرح ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو احد کی لڑائی میں شہید ہوئے، جیسا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا۔ یہ لوگ حدیبیہ میں بھی شامل تھے جیسا کہ حضرت جرہد بن خویلد رضی اللہ عنہ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۴۲) اور حضرت ابو سریحہ غفاری رضی اللہ عنہ جبکہ حضرت ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہ خیبر میں شہید ہوئے۔ امام ابونعیم اصبہانی فرماتے ہیں: ''حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں شہید ہوئے۔'' (حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۴۷، ۳۴۸) حضرت سالم اور زید بن خطاب رضی اللہ عنہما یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۵۴) الغرض، وہ علم، عبادت اور ذکر وفکر میں بھی باکمال تھے اور جہاد وقتال کے میدانوں میں بھی لاجواب تھے۔ جی ہاں! وہ......ع

رُهْبَانًا فِی اللَّیْلِ وَ فُرْسَانًا فِی النَّهَارِ

''یہ لوگ رات کو عبادت گزار تھے اور دن کو شہ سوار تھے۔''

اہل صفہ کا لباس:

کتب احادیث وسیر میں جو تفصیلات آئی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ فقر وغربت کے باعث کسی کے پاس بھی مکمل لباس نہیں تھا۔ بعض کے پاس ایک ہی چادر تھی، جسے وہ اپنی گردن کے ساتھ باندھ لیتے اور جسم اور ستر کو وہی چادر ڈھانپتی، یہ چادر بھی بعض کے تو نصف

پنڈلیوں تک آجاتی اور بعض کے لیے وہ چادریں اس قدر چھوٹی ہوتیں کہ وہ گھٹنوں تک بھی نہ پہنچ پاتیں۔ بعض لوگ صرف ازار بند ہی باندھ پاتے اور باقی جسم ننگا ہوتا۔

[بخاری : ٤٤٢، حلیة الأولیاء :٤١٧/١، ٤١٨ ح : ١٢٠٤ و إسناده حسن لذاته۔
کتاب الزهد : للإمام احمد ابن حنبل، ص : ١٧١ و إسناده صحیح]

صفہ چونکہ اردگرد سے کھلا تھا، اس لیے ہوا اور گرد بھی اہل صفہ پر پڑتی۔ پسینے پر جب گرد پڑتی تو جسم خاک آلود ہو جاتے۔

اہل صفہ کا کھانا:

کتب احادیث میں ہے کہ ان کا کھانا اکثر کھجور ہی ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہر دو آدمیوں کے لیے کھجوروں کا ایک ''مُد'' روزانہ کی خوراک مقرر فرمایا تھا۔ اس پر اہل صفہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) کھجوروں نے اب تو پیٹ کو اندر سے بھون کر رکھ دیا ہے۔'' لیکن رسول کریم ﷺ کے پاس یہ استطاعت نہ تھی کہ انھیں دوسرا کھانا وافر مقدار میں مہیا کر دیتے، چنانچہ آپ ﷺ نے اہل صفہ کو صبر کی تلقین کی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ انصار لوگ اہل صفہ کی اپنے گھروں میں دعوت بھی کرتے۔

[مسند أحمد : ٤٨٧/٣، ح : ١٦٠٨٤ و إسناده صحیح۔ ابن حبان : ٦٦٨٤ و إسناده صحیح۔ مستدرك حاکم : ١٤/٣، ١٥، ح : ٤٢٩٠ و إسناده صحیح]

بعض اوقات ان کی دعوت دودھ سے ہوتی۔ (بخاری : ٦٤٥٢) کبھی ان کو ''حَشِیش'' کھلایا جاتا۔[أبو داؤد : ٥٠٤٠ و إسناده حسن لذاته] یہ کھانا کبھی تو گندم اور گوشت سے تیار کیا جاتا اور کبھی کھجور ہی کو پکا کر تیار کیا جاتا۔ دعوت طعام میں ''حیسہ'' بھی تیار کیا جاتا، یہ کھانا کھجور، آٹا اور گھی ملا کر تیار کیا جاتا۔ تیسرے نمبر پر جو کھانا بنایا جاتا وہ ''جو'' کی سوغات ہوتا۔ بعض اوقات ''ثرید'' بھی دعوت میں چلتا۔

[مسند أحمد : ٤٩٠/٣ ح : ١٦٠١٢ و إسناده حسن لذاته]

گوشت کے شوربے میں گندم یا جو کی روٹی بھگو کر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ''ثرید'' کہتے ہیں۔ مالدار صحابہ کے ہاں اچھی اچھی دعوتیں بھی ہوتیں۔

[مسند أحمد : ٤٨٧/٣، ح : ١٦٠٨٤ و إسناده صحیح۔ ابن حبان : ٦٦٨٤ و إسناده

صحیح۔ مستدرك حاكم: ۱۵،۱٤/۳؛ ح: ٤٢٩٠ و إسناده صحيح۔ بخاری: ٦٠٢]
اور اہل صفہ پر کبھی یہ دن بھی آتے کہ دوران نماز بھوک اور فاقے سے بعض لوگ زمین پر گر جاتے۔
[مسند أحمد: ۱۹،۱۸/٦، ح: ٢٤٤٣٥ و إسناده صحيح، ابن حبان: ٧٢٤ و أسناده صحيح۔ الترمذی: ٢٣٦٧ و إسناده صحيح]

رسول کریم ﷺ کی محبت اہل صفہ کے ساتھ:

مطالعۂ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اہل صفہ کے پاس جا کر بیٹھتے، ان سے ملاقات کرتے، خیریت دریافت کرتے اور احوال معلوم کرتے، انھیں آخرت یاد دلاتے، قرآن کی قراءت اور قرآن پر غور وفکر کی جانب توجہ دلاتے، انھیں ذکر الٰہی اور آخرت پر نگاہ جمائے رکھنے کی تلقین کرتے، دنیا سے بے رغبتی کی تلقین کرتے اور دنیاوی آرائش کی جانب سرپٹ بھاگنے کی تمنا کا علاج کرتے۔
[مسند أحمد: ۹،۸/٤، ١٥٤ ح: ١٦٢٦٣ وإسناده صحيح و ١٧٥٤٣ و إسناده صحيح۔ مسلم: ٨٠٣]
بیماروں کی عیادت فرماتے، ان کی راہنمائی کرتے، غم گساری کرتے، جب اللہ کے رسول ﷺ کے پاس صدقے کی کوئی شے آتی تو اسے اہل صفہ کی طرف بھیج دیتے اور اس سے خود کچھ بھی نہ لیتے اور جب کوئی ہدیہ آتا تو اسے بھی اہل صفہ کی طرف روانہ کر دیتے لیکن اہل صفہ کے ساتھ بیٹھ کر تحفے کے اس کھانے میں شامل ہو جاتے۔
[بخاری: ٦٤٥٢۔ ترمذی: ٢٤٧٧و إسناده حسن لذاته۔ابن حبان: ٦٥٣٥ و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم: ١٦،١٥/٣، ح: ٤٢٩١ و إسناده حسن لذاته]
آپ ﷺ اپنی بیویوں کے گھروں میں اکثر ان لوگوں کو دعوت طعام پہ مدعو کرتے رہتے۔ ان لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کی محبت کا یہ حال تھا کہ گھر والوں کے مقابلے میں اہل صفہ کو ترجیح دیتے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''تمھارے ابا جان کے پاس غلام، لونڈیاں اور مال آیا ہے، جاؤ اور خدمت کے لیے کسی کو لے آؤ۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! چکی چلا چلا کر میرے ہاتھوں پر چھالے

پڑ گئے ہیں۔" چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا جان کے پاس آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "بیٹا! کیسے آنا ہوا!" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "ابا جی! بس سلام کرنے آئی تھی۔" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شرما گئیں اور کچھ مانگے بغیر ہی واپس چلی گئیں۔ جب گھر گئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "کیا بنا؟" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: "اللہ کی قسم! مجھے تو مانگتے ہوئے شرم آ گئی اور میں خالی ہاتھ ہی واپس آ گئی ہوں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "آؤ ہم اکٹھے چلتے ہیں۔" اب دونوں آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے: "اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! فاطمہ رضی اللہ عنہا! کہہ رہی ہیں کہ آٹا پیس پیس کر میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس غلام، لونڈیاں اور مال و دولت آیا ہے، ہمیں بھی کچھ عطا فرما دیجیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« وَاللّٰهِ! لَا أُعْطِيكُمَا وَأَدَعُ أَهْلَ الصُّفَّةِ تَطْوِى بُطُونُهُمْ، لَا أَجِدُ مَا أُنْفِقُ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنِّي أَبِيعُهُمْ وَ أُنْفِقُ عَلَيْهِمْ أَثْمَانَهُمْ »

"میں تمھیں خادم فراہم کر دوں اور اہل صفہ کو چھوڑ دوں کہ ان کے پیٹ فاقوں سے دہرے ہوتے رہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں جو میں ان پر خرچ کروں۔ اب یہ جو کچھ آیا ہے، انھیں فروخت کے لیے بھیجوں گا اور ملنے والی رقم ان پر خرچ کروں گا۔"

چنانچہ دونوں میاں بیوی یہ سن کر واپس گھر چلے گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بستر بڑا چھوٹا ہے۔ اوڑھنے والی چادریں بھی چھوٹی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کے کلمات بتلا دیے اور جو کچھ مال تھا وہ صفہ والوں کو دے دیا۔

[مسند أحمد : ١٠٦/١، ١٠٧، ح : ٨٤١ و إسناده حسن لذاته۔ و سماع حماد بن سلمة من ابن السائب قبل الاختلاط عند الجمهور]

الغرض، اپنے داماد اور پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا جملے اور الفاظ تاریخ کا حصہ بن گئے۔

صحیح بخاری کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسا بھی کرتے کہ عشاء کی نماز کے بعد

اہل صفہ کو انصاری صحابہ میں تقسیم کر دیتے تا کہ وہ رات کا کھانا ان کے ہاں کھائیں، اور فرماتے:

''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے۔''

چنانچہ انصاری صحابہ کرام اہل صفہ کو اپنے گھروں میں لے جاتے اور جو باقی بچ رہتے انھیں اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھر میں لے جاتے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر رات کا کھانا کھاتے۔

[بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الأهل والضيف : ٦٠٢، ٣٥٨١]

قارئین کرام! آج کے دانشور کہتے ہیں کہ جرائم بے روزگاری اور غربت کی وجہ سے پھیلتے ہیں۔ ان لوگوں کی یہ بات سوائے جہالت کے کچھ نہیں۔ اہل صفہ کا کردار دیکھ لو، اس دور کے جاہلی معاشرے سے نکلے ہوئے ان لوگوں کی تربیت کی ہے جناب محمد کریم ﷺ نے اور اس تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جرائم سے کوسوں دور ہیں، لیکن وہ لوگ جن کی تربیت قرآن وسنت سے ہٹ کر ہوتی ہے، زیادہ تر وہی قتل کرتے اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔ زمینوں، پلاٹوں، فیکٹریوں اور کوٹھیوں کے مالک ہونے کے باوجود غریبوں کو بے گھر کرتے پھرتے ہیں اور ان کے پلاٹ ہتھیا لیتے ہیں۔ اس حقیقت کو آج بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، لہٰذا یہی فرق ہے، رسول کریم ﷺ کی تربیت اور جاہلی تربیت کے درمیان، اللہ کے نظام اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے درمیان۔

اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں ایک صوفی کے کردار کا جو تصور ہے وہ اس کردار سے بالکل مختلف ہے جو صفہ کے رہنے والے صحابہ کا تھا۔ اگر آج کا صوفی جناب رسول کریم ﷺ کے بتائے ہوئے صفہ اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ اہل صفہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے تو پھر آج کے صوفیائے کرام کو تبھی صوفیائے عظام مانا جائے گا جب وہ علم، عبادت، زہد اور جہاد کے میدانوں میں برابر برسر پیکار ہوں گے۔ جہاد کے میدان مجاہدین کو پکار رہے ہوں اور کوئی سمجھے کہ اس جہاد سے کنی کترا کر وہ تصوف کی عبا اوڑھ کر صوفی بنا رہے گا تو یہ خام خیالی ہے، اہل صفہ کا منہج اس کا واضح انکار کر رہا ہے۔



یہود کا انخلاء اور قوم پرستی کا بگولہ

بنونضیر کی جلاوطنی :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہودیوں کے قبیلہ) بنونضیر کے کھجوروں کے باغ کو عسکری وجوہات کی بنا پر آگ لگوا دی تھی۔ اسی کے بارے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ شعر کہا تھا......

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِىْ لُؤَىٍّ
حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

''بنولوی یعنی قریش کے سرداروں نے بڑی آسانی کے ساتھ اس آگ کو برداشت کرلیا جو مقام بویرہ پر پھیل رہی تھی۔''

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بتلاتے ہیں: ''میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے سورۂ حشر کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے: ''اسے سورۂ نضیر کہو، کیونکہ یہ سورت بنونضیر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير...... الخ : ٤٠٢٩، ٤٠٣١، ٤٠٣٢ ـ مسلم، كتاب الجهاد، باب جواز قطع أشجار ...... الخ : ١٧٤٦]

بنونضیر جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اور مدینہ سے چند کلومیٹر دور اپنی بستی میں قیام پذیر تھا۔ ان کے باغات جن کا نام ''بویرہ'' تھا، ان کے جلنے کا حال اور ''سورۂ حشر'' کی جو شان نزول بیان کی گئی ہے، وہ ثقہ وصدوق امام ابن سعد نے طبقات الکبریٰ (۲/۴۴)، امام ابن جریر طبری اور امام ابن کثیر نے اپنی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر انھی کے بارے

میں نازل کی، فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾ [الحشر : ۲/۵۹]

''وہی تو ہے جس نے پہلے ہی حملے میں اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تمھیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ ان کے قلعے انھیں اللہ تعالیٰ سے بچالیں گے، مگر اللہ نے ایسے رخ سے انھیں آ لیا جس کا انھیں خیال بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ خود ہی اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی برباد کروانے لگے، پس اے اہل بصیرت! عبرت حاصل کرو۔''

یہودیوں کے اندر کی بات اللہ عالم الغیب نے مسلمانوں کو بتلا کر یوں احسان عظیم کیا:

﴿ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [الحشر : ۵۹/ ۱۴، ۱۵]

''یہ اکٹھے ہو کر تم (مسلمانوں) سے جنگ نہیں کریں گے، الا یہ کہ قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر، یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر (جنگ کریں) ان کی آپس میں مخالفت شدید ہے۔ آپ انھیں متحد سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں، یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔ ان کا حال ان لوگوں (بنی قینقاع) کا سا ہے جو ان سے تھوڑی مدت پہلے اپنے کیے کا مزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے المناک عذاب ہے۔''

بنو نضیر کے یہودی دیکھ رہے تھے کہ احد کے غزوہ کے بعد اردگرد کے قبائل مسلمانوں کے ساتھ بدعہدیاں کر کے انھیں نقصان پہنچا رہے ہیں، چنانچہ وہ بھی بدعہدی پر تیار ہوگئے۔ ان

کے برے ارادے یہاں تک تھے کہ محمد کریم ﷺ کو قتل کر دیں، پھر ان کے اموال پر قبضہ کر لیں، ان کی عورتوں پر بھی قبضہ کر لیں اور مردوں کو قریش مکہ کے ہاتھ بیچ دیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے جرأت مندانہ اقدام کیا، حالانکہ خطرہ بڑا واضح تھا کہ اندر بھی اور چاروں طرف بھی دشمن ہی دشمن تھے، مگر آپ ﷺ نے اندر کے اس دشمن کا صفایا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انھیں مدینہ سے نکال باہر کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ یوں اس دلیرانہ اقدام کے بعد مدینہ کی سٹیٹ کو استحکام نصیب ہوا۔ جی ہاں! ایسے مواقع پر کہ جب قومی تحفظ کو چیلنج کر دیا جائے تو استحکام، جرأت مندانہ اقدامات سے ملتے ہیں، بزدلی کے پردوں میں چھپی ہوئی حکمتوں اور مصلحتوں سے نہیں، رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کا طرز عمل یہی تھا اور یہی رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے رہنما و رہبر ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا جانے لگا، تو ان کے ساتھ وہ یہودی جوان بھی تھے جو نسلی طور پر اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ماؤں نے محض منتیں مان کر بچوں کو یہودی بنایا تھا۔ اب انصار کہنے لگے: ''یہ ہمارے بیٹے ہیں، ہم اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے۔'' ابو داؤد کی روایت صحیح سند کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ [البقرة : ٢/٢٥٦]

''دین میں کوئی جبر نہیں۔''

[أبو داوٗد، كتاب الجهاد، باب في الأسير...... الخ : ٢٦٨٢ و إسناده صحيح]

سبحان اللہ! کیا بات ہے قرآن کے انداز کی کہ اسلام دلیل سے دلوں کو بدلتا ہے، تلوار اور جبر سے نہیں۔ بنو نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا آباد ہوئے۔

مصطلق قبیلے پر رسول کریم ﷺ کی یلغار:

ابن عون کہتے ہیں: ''میں نے حضرت نافع رحمہ اللہ کو خط لکھا تو انھوں نے (رسول کریم ﷺ کی یلغار کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے) مجھے جواب لکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب مصطلق قبیلے پر یلغار کی تو وہ بالکل بے خبر تھے۔ اس وقت ان کے مویشی پانی پی رہے تھے،

چنانچہ جو لوگ آپ (ﷺ) سے لڑائی کے لیے آمادہ ہوئے، آپ نے انھیں قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ انھی قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ واقعہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتلایا، جو اس لشکر میں بذات خود موجود تھے۔''

[بخاري، كتاب العتق، باب من ملك من العرب رقيقا......الخ : ٢٥٤١۔ مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب جواز الإغارة على الكفار......الخ : ١٧٣٠]

مدینہ اور مکہ کے درمیان ساحل سمندر کے قریب ایک چشمہ تھا، جس کا نام ''مریسیع'' تھا۔ بنو مصطلق کے لوگ یہاں آباد تھے۔ بنو مصطلق دراصل خزاعہ قبیلے کی ایک شاخ تھی۔ خزاعہ قبیلے والے اللہ کے رسول ﷺ کے حلیف تھے مگر بنو مصطلق کے لوگ قریش کے طرف دار تھے۔

قوم پرستی کی لہر:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''ہم اس لڑائی میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ تھے (مریسیع کے کنویں پر پانی لیتے ہوئے جھگڑا ہوا اور) ایک مہاجر نے انصاری کو اپنی ٹانگ سے ضرب لگا دی، اس پر انصاری نے آواز لگائی: ''انصار کے لوگو! مدد کو پہنچو۔'' جواب میں مہاجر نے بھی آواز لگا دی: ''مہاجرو! مدد کو دوڑو۔'' یہ آوازیں اللہ کے رسول (ﷺ) نے سنیں تو آپ (ﷺ) نے (صحابہ سے) کہا: ''یہ کیا جاہلیت کی آوازیں لگائی جا رہی ہیں؟''

صحابہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ایک مہاجر نے انصاری کو ٹانگ سے ضرب لگائی ہے۔'' اس پر آپ ﷺ نے (غصے کا اظہار کرتے ہوئے) فرمایا:

((دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ))

''ان پکاروں کو دفع کرو، یہ بدبودار ہیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ))

''ایسی آوازوں کو چھوڑو، یہ تو ناپاک بولیاں ہیں۔''

[بخاري، كتاب التفسير، باب قوله ﴿ سوآءٌ عليهم أستغفرت لهم ﴾ : ٤٩٠٥،

۴۹۰۷، ۳۵۱۸۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب نصر الأخ ظالمًا أو مظلومًا: ۲۵۸۴]

صحیح بخاری، کتاب المناقب (۳۵۱۹) میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ ''جس نے جاہلیت کی ایسی پکار لگائی اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔'' چنانچہ جو چند لوگ اس پکار پر اکٹھے ہوئے تھے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی تنبیہ سن کر تائب ہوئے۔

وہ لوگ جو قومیت کے حقوق کے نام پر باہم لڑتے ہیں، ہتھیار اٹھاتے اور مسلمان ہونے کے باوجود محض علاقائیت، قومیت یا نسل و زبان اور برادری وغیرہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے قیامت تک کے لیے ایسے لوگوں پر واضح کر دیا کہ قومیت پرستی کے نعرے اور سلوگن بدبودار ہیں، ناپاک ہیں اور ایسے لوگوں کا محمد کریم ﷺ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس دین کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں جسے محمد کریم ﷺ لائے ہیں۔ جی ہاں! بدبودار اور ناپاک چیزوں کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے کیا تعلق؟ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس نجاست اور گندگی سے بچائے رکھے۔ (آمین)

قومیت پرستی کا بدبخت داعی:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب مذکورہ واقعہ کے بارے میں عبداللہ بن ابی نے سنا تو وہ کہنے لگا: ''کوئی بات ہے کرنے والی کہ یہ مہاجر اب ہمارے خلاف اپنی قوم کو آوازیں دینے لگ گئے ہیں۔ قوم کے لوگو! سن لو، ہمیں ذرا مدینہ جا لینے دو، ان سے نبٹ لیں گے، جو سب سے زیادہ عزت دار ہے، وہ مدینہ سے ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔''

[بخاری، کتاب المناقب، باب ما ینهی من دعوی الجاهلیة: ۳۵۱۸۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب نصر الأخ ظالمًا أو مظلومًا: ۲۵۸۴]

صحیح بخاری (۴۹۰۰) میں ہے کہ عبداللہ بن ابی نے کہا: ''یہ لوگ جو اللہ کے رسول (ﷺ) کے اردگرد نظر آتے ہیں تم لوگ ان پر خرچ کرنا بند کرو، یہ بھاگ جائیں گے۔''

جی ہاں! آج بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ مقامی لوگ باہر سے آنے والوں کو کمتر خیال کرتے ہیں، پھر باہر سے آنے والے بھی ردعمل کا شکار ہوتے ہیں۔ یوں قومیت کے نام پر ایک دوسرے کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ حقوق کی جنگ کے نام پر سیاست کی جاتی ہے۔ الغرض،

اسلام نے اپنے علاوہ ساری پکاروں اور آوازوں کو جاہلیت قرار دیا ہے، لہٰذا قومیتوں کے نام پر بھڑکانے والے جاہلیت کے لیڈر ہیں۔ اسی طرح کے لیڈر ہیں جس طرح کا لیڈر عبداللہ بن ابی تھا۔ قومیت پرستی کے نام پر آواز پکار اور سیاست ناپاک، خبیث اور بدبودار ہے۔ یہ بدبودار سیاست کسی مسلمان لیڈر کی سیاست نہیں ہو سکتی، وہ مسلمان کہ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کر رکھا ہو۔

دنیا کا یہ کس قدر عجب اور منفرد واقعہ ہے کہ مدینہ کے مقامی لوگوں نے مکہ کے باسی محمد کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور جب وہ مہاجر بن کے آگئے تو حکمرانی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا۔ اللہ کی قسم! قومیتوں کا غرور خس و خاشاک بن کر بہہ گیا اور جس سیلاب نے یہ کام کیا وہ اللہ کا دین تھا، لہٰذا محمد کریم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے کی سیاست وہی سیاست ہے جس کی بنیاد انصار اور مہاجرین نے مدینہ میں رکھی تھی۔ عبداللہ بن ابی جو قوم پرست تھا، اس کی ساری سیاست ناکام ہوئی تو مقابلے میں اسی طرح کی قوم پرستی سے نہیں بلکہ مقابلہ ہوا تو قوم پرستی کی جڑ پہ کلہاڑا مارنے والے اسلام کی سیاست سے ہوا، لہٰذا مسلمان کامیاب ہوئے اور قوم پرست ناکام ہو گئے۔

لوگ کہیں گے محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے:

جب عبداللہ بن ابی منافق کی مذکورہ باتیں اللہ کے رسول ﷺ نے سنیں تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، وہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

((دَعْهُ لَا یَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا یَقْتُلُ اَصْحَابَهُ))

''عمر! چھوڑ اس بات کو، لوگ یہی کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔''

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿ سواء علیهم أستغفرت لهم ﴾ : ٤٩٠٥، ٤٩٠٧]

قربان جائیں اللہ کے رسول ﷺ کے حلم و حوصلے اور حکمت و دانائی پر کہ آپ ﷺ اسے

قتل کروا بھی دیتے تو حق رکھتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ یہ منافق ہے، مگر آپ ﷺ نے قتل نہیں کروایا، بلکہ قتل کی تجویز آئی تو اسے بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔

چونکہ ساتھیوں اور سنگیوں کو قتل کرنا انتہائی گھٹیا بات ہے، لہٰذا محمد کریم ﷺ یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کے اعلیٰ ترین کردار پر اس طرح کی گھٹیا بات کا حرف آئے؟ یہ رسول کریم ﷺ کی عظمت و بلندی کی دلیل ہے۔

اللہ کی قسم! ایک طرف اللہ کے رسول ﷺ کا یہ کردار اور اسوہ ہے جب کہ دوسری طرف آج صورتحال یہ ہے کہ پارٹیوں کے لیڈر اپنے ہی ساتھیوں اور دوستوں کو محض اس لیے قتل کرواتے ہیں کہ یہ ان کے سیاسی نظریات کا مخالف ہے۔ مذہبی لوگ اپنے مذہبی مخالفین کو قتل کرواتے ہیں اس لیے کہ اس کا مسلک کوئی اور ہے۔ اس کا نتیجہ پھر یہی نکلتا ہے کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو! مسلمان اپنے مسلمان کو کافر قرار دے کر مار رہا ہے، یعنی وہی بات جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی تھی۔ جو لوگ اس کے الٹ کرتے ہیں، آج انھیں وہی طعنہ سننا پڑتا ہے جس طرح کے طعنے سے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا دامن بچا لیا تھا۔

یہاں یہ فرق بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آج جو مذہبی یا سیاسی لیڈر اپنے کسی مخالف کو قتل کرواتا ہے۔ وہ لاکھ اس پر کفر و نفاق کے فتوے لگاتا رہے مگر اس کے فیصلے اور فتوے کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ اس کی طرف وحی نہیں آتی کہ فلاں بندہ کافر ہو گیا اور فلاں منافق ہو گیا ہے اور اگر فرض کریں کہ کوئی شخص واضح طور پر کفر کا اعلان کر بھی دے تو تب بھی اسے قتل کی سزا دینا حکومت کا کام ہے، نا کہ ہر فرد یہ کام شروع کر دے۔ اگر ہر شخص اس طرح کے کام شروع کر دے تو معاشرہ بد امنی اور قتل و غارت کے جنگل میں بدل جائے گا، لہٰذا اسلام ایسی حرکتوں کی اجازت بالکل نہیں دیتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حکمران ہونے کے باوجود بھی منافق کو قتل نہیں کیا۔ آج کسی ملک کی پارٹی کا لیڈر ایسا کس اصول پر کرے گا؟

قارئین کرام! کشف الاستار عن زوائد البزار میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا سر لانے کی پیشکش کی تھی۔ اس روایت کے راوی ثقہ وصدوق یعنی قابل اعتماد ہیں۔

اس روایت میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ جواب بھی مرقوم ہے کہ آپ نے عبداللہ بن ابی کے بیٹے سے، جن کا نام بھی عبداللہ ہی تھا اور جو مخلص مجاہد صحابی تھے، فرمایا:

((لَا وَلٰكِنْ بَرَّ اَبَاكَ وَ اَحْسِنْ صُحْبَتَهٗ))

[كشف الأستار عن زوائد البزار : ٣/ ٢٦٠، ح : ٢٧٠٨؛ إسناده حسن لذاته ـ ابن حبان : ٤٢٨، حسن]

''نہیں، قتل نہیں کرنا بلکہ اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اس کے ساتھ اچھے انداز سے رہو۔''

یاد رہے! اللہ کے رسول ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جنگ سے واپسی پر لشکر کے آخر پر آپ خود چلتے اور مدینہ میں سب سے آخر میں داخل ہوتے۔ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا، وہ جنگ احد سے بھاگ گیا اور باقی جنگوں سے بھی نہ صرف الگ رہا بلکہ فتنے بھڑکاتا رہا، صرف غزوۂ بنی مصطلق میں گیا اور یہاں سے بھی فتنے بھڑکاتا ہوا واپس آیا۔ جب وہ سب سے پہلے مدینہ میں داخل ہونے لگا تو بیٹے نے روک لیا اور کہا: ''جب تک تم اپنی زبان سے یہ نہ کہو گے کہ میں ذلیل ہوں اور رسول کریم ﷺ عزت والے ہیں تب تک میں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔''

[الترمذي، كتاب التفسير، (باب و من) سورة المنافقين : ٣٣١٥، صحيح]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ام المومنین بن گئیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ''جب اللہ کے رسول ﷺ نے ''بنو مصطلق'' کے قیدیوں کو تقسیم کیا تو حارث کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ثابت بن قیس، یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ان سے یہ طے کر لیا کہ وہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں گی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خوبصورت خاتون تھیں، انھیں جو بھی دیکھتا ششدر رہ جاتا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تاکہ اس رقم کے حصول میں وہ اللہ کے رسول ﷺ کا تعاون حاصل کریں، جو رقم انھوں نے اپنی آزادی کے لیے طے کر لی تھی۔

جب وہ ہمارے کمرے کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوئیں تو اللہ کی قسم! صورتحال یہ تھی کہ

میں نے انھیں دیکھتے ہی ان کی موجودگی کو ناپسند کیا، یہ سوچ کر کہ جو میں دیکھ رہی ہوں، یہی اللہ کے رسول ﷺ دیکھیں گے۔ آخر کار وہ آپ (ﷺ) کے پاس آئی اور کہنے لگی: ''اے اللہ کے رسول! میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، جو اپنی قوم کے سردار تھے۔ اس وقت جس مصیبت سے میں دوچار ہوں، وہ آپ (ﷺ) سے مخفی نہیں، میرے مقام سے بھی آپ باخبر ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ میں قیس بن شماس کے حصے میں چلی گئی ہوں۔ میں نے اپنی آزادی کے بدلے اس کو رقم دینا طے کر لیا ہے۔ آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر اس لیے ہوئی ہوں کہ آپ (ﷺ) سے مطلوبہ رقم کے سلسلہ میں تعاون حاصل کروں۔'' آپ ﷺ نے استفسار کیا:

((فَهَلْ لَّكِ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ؟))

''اگر تیرے لیے اس سے بھی بہتر صورت پیدا ہو جائے تو؟''

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''وہ کیا ہے، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری رقم میں ادا کرتا ہوں اور تجھ سے شادی بھی کر لیتا ہوں۔''

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''جی ہاں! یہ تو مجھے قبول ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ''لوگوں نے جب یہ خبر سنی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حارث کی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی ہے تو لوگ کہنے لگے: ''یہ بنو مصطلق والے تو اللہ کے رسول ﷺ کے سسرال بن گئے اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے گرفتار قیدیوں کو آزاد کر دیا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ کی جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد کر دیے گئے، چنانچہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی عورت اپنی قوم کے لیے اس قدر بابرکت ثابت ہوئی ہو جس قدر کہ جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے بابرکت ثابت ہوئیں۔''

[أبو داوٗد، کتاب العتق، باب في بیع المکاتب إذا فسخت المکاتبة : ۳۹۳۱ وإسناده حسن لذاته ـ مسند أحمد : ۲۷۷/۶، ح : ۲۶۸۹۷ و إسناده حسن لذاته ـ صحیح ابن حبان : ٤٠٥٤، ٤٠٥٥ و إسناده حسن لذاته]

آج سے چودہ سو سال پہلے کا جو معاشرہ تھا، اس میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی فاتح حکمران ایک ایسی قوم کی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے اس کی رضامندی حاصل کرے کہ جسے اس نے فتح کیا ہے، پھر وہ فاتح حکمران جو پیشکش کر رہا ہے، وہ مشورے کی پیشکش ہے کہ چاہے تو مفتوح قوم کی لڑکی قبول کرے اور چاہے تو رد کر دے۔ اللہ کی قسم! وہ زمانہ تو دور کی بات ہے آج کے دور میں بھی اس کا تصور محال ہے۔ اس لیے کہ فاتح حکمران اور جرنیل تو صرف حکم دینا جانتے ہیں، مشورے اور رضامندیاں ان کی لغت میں نہیں ہوتیں، قربان جاؤں رسول ہاشمی ﷺ جیسے فاتح حکمران اور جرنیل اعظم پر کہ جو ایک بے بس خاتون کے سامنے مشورہ پیش کرتے ہیں، جسے قبول کرنا یا نہ کرنا اس خاتون کے اختیار میں ہے، اگر وہ رد بھی کر دیتی تو رسول رحمت ﷺ جو سب سے بڑھ کر سخاوت کرنے والے تھے جویریہ رضی اللہ عنہا کو اس کی رقم دے کر رخصت کر دیتے، مگر جویریہ رضی اللہ عنہا کو جو خاوند مل رہا تھا وہ خوبصورت ترین تھا، رسول بھی تھا، حکمران بھی تھا، فاتح بھی تھا اور شہد سے بڑھ کر میٹھا جرنیل تھا کہ جہاں نرمی اور مٹھاس کی ضرورت ہوتی، ان سے بڑھ کر کوئی میٹھا نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے لیے جو دو الفاظ استعمال کیے، وہ یہ ہیں:

《وَ كَانَتِ امْرَأَةً حُلْوَةً مَلَّاحَةً》

[مسند احمد ٦/٢٧٧ ح: ٢٦٨٩٧ وإسناده حسن لذاته]

''وہ خوبصورت میٹھی خاتون تھیں۔''

جی ہاں! میٹھی اور خوبصورت خاتون نے اپنے لیے خوبصورت اور میٹھا محمد ﷺ پسند کر لیا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہم سب کی روحانی ماں بن گئیں۔

عورت کی خواہش کا احترام کیا اور اسے فیصلے کا حق دیا تو میرے محبوب نبی ﷺ نے، صدقے اور قربان جاؤں اس پیارے رسول ہاشمی پر، جس نے انسانیت کو جینے کا ڈھنگ سکھایا اور دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ حقوق نسواں کی پاسداری کو اوج ثریا سے ہمکنار کیا۔ صنف نازک کے حقوق کی مانگ میں تاروں کو سجایا، کیوں؟ واہ! کیا خوب ہے حقوق نسواں کی یہ تاباں تاباں ضوفشاں افشاں۔

ہم سب مومنوں کی ماں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اس قدر بابرکت ثابت ہوا کہ ایک

سو خاندان مسلمان ہو گئے۔ ان کے جوان اسلام کے جاں نثار سپاہی بن گئے۔ یوں جرنیل اعظم محمد کریم ﷺ دلہا کیا بنے جرنیلی کی عظمت کو بھی چار چاند لگ گئے۔

زید سچا ہے اور عبداللہ بن ابی جھوٹا:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں جنگ مصطلق میں موجود تھا۔ میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے سنا: ''جو لوگ رسول (ﷺ) کے اردگرد جمع ہیں ان پر خرچ مت کرو، یہ خود ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔'' اس نے یہ بھی کہا: ''اب اگر ہم مدینہ واپس جائیں گے تو معزز ترین شخص ذلیل ترین شخص کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔'' میں نے یہ بات اپنے چچا (حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ) سے کر دی۔ انھوں نے یہ بات رسول کریم ﷺ کو بتلا دی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے طلب فرما لیا۔ میں نے سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا لیا۔ انھوں نے قسم کھالی کہ انھوں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے میری بات کو جھٹلا دیا اور عبداللہ بن ابی کی بات کو سچ سمجھ لیا۔ مجھے تو اب اس بات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ ایسا رنج و غم کبھی نہ ہوا تھا، چنانچہ مدینہ میں آنے کے بعد میں تو گھر میں بیٹھ گیا کہ باہر کس منہ سے نکلوں، مجھے میرے چچا کہنے لگے: ''میرا خیال نہیں تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس طرح تجھے جھٹلا دیں گے اور تجھ پر ناراض ہوں گے۔'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما دیں:

﴿ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [المنافقون : ٦٣/٧،٨]

''یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو، حتیٰ کہ وہ تتر بتر ہو جائیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ کے پاس ہیں مگر منافق لوگ سمجھتے نہیں۔ کہتے ہیں، اگر ہم مدینہ واپس گئے تو (وہاں کا) عزیز تر آدمی

ذلیل تر آدمی کو نکال باہر کرے گا، عزت تو تمام تر اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے، لیکن یہ لوگ نہیں جانتے۔''

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بلوایا، ان آیات کی تلاوت کی اور فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ !))

[بخاری، کتاب التفسیر (سورة المنافقین) باب قوله ﴿ إذا جاءك المنافقون ﴾..... الخ : ٤٩٠٠]

''زید! کوئی شک نہیں کہ اللہ نے تجھے سچا کر دکھایا۔''

یہ واقعہ اللہ کے رسول ﷺ کی نبوت پر زبردست دلیل ہے۔ یہاں ان لوگوں کے منہ بند ہو جاتے ہیں جو کہتے تھے اور آج بھی بعض کفار کہتے ہیں کہ یہ کلام محمد کریم ﷺ نے خود بنایا ہے۔ اگر قرآن خود بنایا ہوتا تو سورۂ منافقون کا وجود قرآن میں نہ ہوتا، اسی طرح وہ لوگ جو رسول کریم ﷺ کو ''کاہن'' کہتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو کہانت یعنی غیب وغیرہ کی باتیں جن بتلاتے ہیں، ان کی باتیں بھی غلط ہو گئیں کہ اگر آپ ﷺ کہانت یا غیب وغیرہ کی باتیں جانتے ہوتے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نہ جھٹلاتے۔ الغرض، زید بن ارقم والا پورا واقعہ اور سورۂ ''منافقون'' بتلاتی ہے کہ جناب محمد کریم ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں، جو اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے، اسے بلا کم و کاست پہنچا دیتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے نوخیز لڑکے کو بلا کر قرآن سنایا اور یہ سوچا تک نہیں کہ اس سے تو میری توہین ہو گی۔ قربان جاؤں آپ ﷺ کی نبوت کی سچائی پر کہ آپ ﷺ نے نبوت کا حق ادا کر دیا، مگر منافق کہاں باز آنے والے تھے۔ وہ تو ایک اور طوفان کھڑا کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ یہ طوفان پہلے طوفان ہی کی طرح انتہائی خطرناک تھا۔ پہلا طوفان مسلمانوں کو پھاڑنے کے لیے تھا تو اب جس طوفان کا اودھم مچانے کی تیاری تھی وہ رسول کریم ﷺ کی نجی زندگی کو پھاڑ کھانے والا تھا، یہ طوفان کیا تھا؟ پھر کیسے تھما؟ آیئے! اب اس کی داستان ملاحظہ کیجیے۔

منافقوں کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان:

مومنوں کی ماں جناب رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

''آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ سفر پر جاتے تو اپنی بیویوں کے نام قرعہ ڈالتے۔ جس خاتون کے نام قرعہ نکلتا اسے آپ ﷺ ساتھ لے جاتے، چنانچہ آپ ﷺ نے غزوہ بنی مصطلق میں قرعہ ڈالا، جو میرے نام نکلا۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوگئی اور یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ایک ہودج میں سوار رہتی اور جب اترتی تو ہودج سمیت اتار لی جاتی۔ ہم اس طرح سفر کرتے رہے، جب آپ ﷺ اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور سفر سے لوٹے تو ہم لوگ مدینہ کے نزدیک آن پہنچے۔ پڑاؤ کے دوران میں اٹھی اور پیدل چل کر لشکر سے پار نکل گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوئی اور لشکر کی طرف آنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ ظفار کے نگینوں کا ہار میرے گلے سے ٹوٹ کر گر چکا ہے۔ میں ڈھونڈنے لگی اور اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے دیر ہوگئی۔ اتنے میں وہ لوگ جو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر لادا کرتے تھے، انھوں نے ہودج اٹھایا اور میرے اونٹ پر لاد دیا۔ رات کا وقت تھا لشکر کوچ کر گیا، وہ سمجھ رہے تھے کہ میں ہودج میں موجود ہوں کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، کم خوراک کھایا کرتیں، گوشت سے بوجھل اور بھاری بھرکم نہ ہوتی تھیں، لہٰذا ان لوگوں نے ہودج اٹھایا اور ہودج اونٹ پر لاد کر چل دیے۔

لشکر کے روانہ ہونے کے بعد میرا ہار مل گیا، میں جب واپس آئی تو دیکھا کہ وہاں نہ کوئی پکارنے والا ہے اور نہ جواب دینے والا۔ میں وہاں جا کر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی ہوئی تھی، مجھے یقین تھا کہ جب وہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ تلاش کرنے آئیں گے۔ میں وہاں بیٹھی رہی، نیند نے غلبہ کیا اور میں سوگئی۔ لشکر کے پیچھے پیچھے گرے پڑے سامان کی خبر رکھنے کے لیے صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ مقرر تھے۔ وہ پچھلی رات چلے اور صبح میرے ٹھکانے کے قریب پہنچے تو انھوں نے دور سے کسی انسان کو سوتے ہوئے دیکھا، پھر میرے قریب آئے تو مجھے پہچان لیا، کیونکہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب انھوں نے مجھے پہچانا تو ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ'' پڑھا جس پر میں بیدار ہوگئی اور اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اللہ کی قسم! انھوں نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کے سوا کوئی بات سنی۔

انھوں نے اب اپنی سواری بٹھائی اور اس کا پاؤں اپنے ہاتھ سے دبائے رکھا۔ میں اس پر سوار ہوگئی۔ وہ پیدل چلتے رہے اور اونٹنی کو چلاتے رہے، تا آنکہ ہم لشکر سے اس وقت جا ملے، جب اہل لشکر عین دوپہر کو گرمی کی شدت کی وجہ سے پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ جن لوگوں کی قسمت میں بربادی لکھی تھی وہ تباہ ہوئے۔ اس تہمت کو سب سے زیادہ پھیلانے والا عبداللہ بن ابی ابن سلول (رئیس المنافقین) تھا۔ خیر ہم لوگ مدینہ پہنچے، وہاں پہنچ کر میں بیمار ہوگئی اور مہینا بھر بیمار رہی۔ لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا چرچا کرتے رہے اور مجھے خبر تک نہ ہوئی، البتہ ایک بات سے مجھے وہم سا ہوا کہ آپ ﷺ کی وہ مہربانی جو بیماری کی حالت میں مجھ پر ہوا کرتی تھی، وہ اس بیماری میں نہیں تھی۔ آپ تشریف لاتے، السلام علیک کہتے، پھر یہ پوچھ کر کہ اب طبیعت کیسی ہے؟ چل دیتے۔ اس بات سے مجھے کچھ شک تو پڑتا مگر کسی بات کی خبر نہ تھی۔

بیماری سے کچھ افاقہ ہوا، میں ابھی کمزور ہی تھی کہ ''مناصع'' کی طرف گئی۔ مسطح کی ماں (سلمیٰ) میرے ساتھ تھی۔ ہم لوگ ہر رات وہاں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اپنے گھروں کے نزدیک ہم بیت الخلا نہیں بناتے تھے، بلکہ اگلے زمانہ کے عربوں کی طرح حاجت ضروریہ کے لیے جنگل میں جایا کرتے، کیونکہ گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانے سے بدبو ہمیں تکلیف دیتی۔ خیر میں اور ام مسطح جو ابو رہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی تھی یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ، اسی کا بیٹا مسطح تھا۔ رفع حاجت سے فراغت کے بعد ہم دونوں گھر کو آرہی تھیں کہ مسطح کی ماں کا پاؤں چادر میں الجھ کر پھسلا تو وہ کہنے لگی: ''مسطح ہلاک ہو۔'' میں نے اسے کہا: ''کیا کہتی ہو، کیا تم ایسے شخص کو کوستی ہو جو بدر میں شریک تھا؟'' وہ کہنے لگی: ''اے بھولی لڑکی! کیا تم نے وہ کچھ سنا جو وہ کہتا ہے؟'' پوچھا: ''کیا کہتا ہے؟'' تب اس نے تہمت لگانے والوں کی باتیں مجھ سے بیان کیں تو میری بیماری میں مزید اضافہ ہوگیا۔ جب میں گھر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سلام کے بعد پوچھا: ''اب طبیعت کیسی ہے؟''

میں نے کہا: ''آپ مجھے اجازت دیجیے، میں اپنے والدین کے ہاں جانا چاہتی ہوں۔'' میرا مطلب یہ تھا کہ ان سے اس خبر کی تحقیق کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی تو میں اپنے والدین کے ہاں آگئی۔ میں نے اپنی ماں سے کہا: ''امی! یہ لوگ (میری نسبت) کیا باتیں بنا رہے ہیں؟'' اس نے کہا: ''بیٹی! اتنا رنج نہ کرو، اللہ کی قسم! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مرد کے پاس کوئی خوبصورت عورت ہوتی ہے اور وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو سوکنیں بہت کچھ کرتی رہتی ہیں۔'' میں نے کہا: ''سبحان اللہ! لوگوں نے اس کا چرچا بھی کر دیا۔'' چنانچہ میں ساری رات روتی رہی، صبح ہوگئی مگر نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلایا کیونکہ وحی اترنے میں دیر ہو رہی تھی اور آپ ﷺ اس سلسلہ میں ان سے مشورہ چاہتے تھے۔ چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کو وہی مشورہ دیا جو وہ جانتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی باتوں سے پاک ہیں اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی بیویوں سے محبت تھی۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پاکدامن اور بے قصور ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی، عورتیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں، ان کی باندی (بریرہ) سے بھی آپ اس معاملہ میں دریافت فرما لیں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اس سے پوچھا: ''کیا تم نے کوئی ایسی بات بھی دیکھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تمھیں کچھ شک ہو؟'' بریرہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا! میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ ہاں میں اس میں ایک بات دیکھتی ہوں اور اس سے چشم پوشی کر جاتی ہوں اور وہ یہ کہ وہ ابھی نو آموز لڑکی ہے، آٹا گندھا پڑا چھوڑ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔''

میرا وہ دن بھی رونے دھونے میں گزرا، میں مسلسل دو دن سے رو رہی تھی۔ نہ میرے آنسو تھمتے اور نہ نیند آتی۔ میرے والدین سمجھے کہ رو رو کر میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے والدین پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت مانگی، میں نے اجازت دی تو وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ اسی حالت میں

آپ ﷺ تشریف لائے، سلام کہا، پھر بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جب سے مجھ پر تہمت لگی تھی آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینا آپ ﷺ انتظار کرتے رہے مگر وحی نہ آئی۔ آپ ﷺ نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا، پھر فرمایا: ''عائشہ! (رضی اللہ عنہا) مجھے تیری نسبت ایسی ایسی خبر آئی ہے، اگر تو پاک ہے تو اللہ تیری براءت فرمائے گا اور اگر واقعی تجھ سے قصور ہو گیا ہے تو اللہ سے اپنے قصور کی معافی مانگ اور توبہ کر، کیونکہ جب بندہ گناہ کا اقرار کرتا ہے پھر اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔'' جب آپ ﷺ یہ گفتگو ختم کر چکے تو یک بارگی میرے آنسو تھم گئے، یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی میری آنکھوں میں نہ رہا۔ میں نے اپنے والد سے کہا: ''آپ (رسول اللہ ﷺ) کو جواب دیں۔'' وہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ کیا جواب دوں'' پھر میں نے اپنی والدہ (ام رومان) سے کہا کہ تم جواب دو۔ انھوں نے بھی کہا: ''میں نہیں جانتی کہ کیا جواب دوں۔'' آخر میں خود ہی جواب دینے لگی، میں ایک نوعمر لڑکی تھی، قرآن بھی مجھے زیادہ یاد نہ تھا، میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ یہ بات جو آپ لوگوں نے سنی ہے آپ کے دل میں جم گئی ہے، اب اگر میں گناہ کا انکار کروں اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے گناہ نہیں کیا تو آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے اور اگر میں گناہ کا اقرار کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ لوگ مجھے سچا سمجھیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اور تمھاری مثال ایسے ہی سمجھتی ہوں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی تھی، انھوں نے جو کچھ کہا تھا، میں بھی وہی کچھ کہتی ہوں کہ ''اب صبر کرنا ہی بہتر ہے اور تمھاری باتوں پر اللہ میری مدد کرنے والا ہے۔''

یہ کہہ کر میں نے کروٹ بدلی۔ مجھے یہ یقین تھا کہ چونکہ میں پاک ہوں، لہٰذا اللہ تعالیٰ ضرور آپ ﷺ پر میری بے گناہی واضح کر دے گا مگر اللہ کی قسم! مجھے یہ خیال تک نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں آیات نازل کرے گا جو ہمیشہ پڑھی جائیں گی۔ میں اپنی شان اس سے بہت کمتر سمجھتی تھی۔ ہاں مجھے یہ امید ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے، جس سے اللہ میری براءت کر دے گا مگر اللہ کی قسم! ابھی اللہ کے رسول ﷺ وہاں سے اٹھے بھی نہ تھے اور نہ کوئی دوسرا آدمی ہی وہاں سے باہر گیا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی۔ معمول کے موافق آپ پر سختی ہونے لگی اور پسینا موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے

ٹپکنے لگا، حالانکہ وہ سردی کا دن تھا، مگر وحی اترنے میں ایسی ہی سختی ہوا کرتی تھی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ خوش تھے اور ہنس رہے تھے، پھر پہلی بات آپ ﷺ نے یہی کی: ''عائشہ! (رضی اللہ عنہا) اللہ تعالیٰ نے تمھاری براءت فرما دی۔''

میری والدہ مجھے کہنے لگیں: ''اٹھو اور آپ (ﷺ) کا شکریہ ادا کرو۔'' میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں نہیں اٹھوں گی، میں تو صرف اللہ عزوجل کا شکریہ ادا کروں گی۔'' اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات نازل فرمائیں: (ملاحظہ ہو سورۂ نور: ۱۱ تا ۲۰)

جب یہ آیات اتریں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ، جو محتاجی اور رشتہ کی وجہ سے مسطح رضی اللہ عنہ کی مدد کیا کرتے تھے، انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! آئندہ میں مسطح کو کچھ نہیں دیا کروں گا، کیونکہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی باتیں کیں۔'' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

[النور: ٢٤/ ٢٢]

''اور تم میں سے آسودہ حال لوگوں کو یہ قسم نہیں کھانی چاہیے کہ وہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ (صدقہ وغیرہ) نہیں دیں گے، انھیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں معاف کر دے (یہ پسند ہے تو پھر بندوں کی غلطیوں کو معاف کیا کرو) اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

یہ آیات سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''کیوں نہیں! اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ اللہ مجھے بخش دے۔'' پھر مسطح سے دوبارہ پہلے سا سلوک کرنے لگے۔ نیز یہ کہا: ''اللہ کی قسم! جب تک مسطح زندہ رہا میں یہ معمول بند نہیں کروں گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (اس تہمت کے زمانہ میں) آپ ﷺ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (ام المومنین) سے میرا حال پوچھتے: ''تم عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیسی سمجھتی ہو؟ تم نے کیا دیکھا ہے؟'' تو انھوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! (ﷺ) میں اپنے کان اور آنکھ کی خوب احتیاط رکھتی ہوں، میں تو عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو اچھا سمجھتی ہوں۔'' آپ ﷺ کی بیویوں میں سے زینب رضی اللہ عنہا ہی میرے برابر

کی تھیں، بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتی تھیں، اللہ نے ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے انھیں بچا لیا اور ان کی بہن حمنہ بنت جحش اپنی بہن سے اس بارے میں جھگڑنے لگی۔ الغرض، جیسے دوسرے تہمت لگانے والے تباہ ہوئے وہ بھی تباہ ہوئی۔"

[بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿ لولآ إذ سمعتموه ...... ﴾ : ٤٧٥٠]

قارئین کرام! اگلے چیپٹر میں ہم غزوہ خندق بیان کرنے لگے ہیں اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ بنو نضیر کے یہودی جو اپنی شرارتوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے جلا وطن ہوئے تھے، وہ اپنی شرارتوں سے اب بھی باز نہ آئے تھے۔ ان کے اہم ترین سردار سلام بن ابی حقیق، حیی بن اخطب نضری، کنانہ بن ابی حقیق نضری ہوزہ بن قیس اور ابو عمار وائلی مکہ کے مشرکین کے پاس گئے اور انھیں پیشکش کی کہ وہ مدینہ کے مسلمانوں پر یلغار کریں، وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ قریش کے لوگوں نے پوچھا، اچھا یہ تو بتلاؤ کیا ہم حق پر ہیں یا محمد (ﷺ)؟ یہودی کہنے لگے: تمھارا دین سچا ہے۔ الغرض، اسلام دشمنی میں یہودیوں نے بت پرستوں کو بہتر قرار دے دیا۔ اسی طرح مدینہ میں موجود یہودیوں کو بھی انھوں نے اپنے ساتھ ملا لیا، یوں مشرکین مکہ کے ساتھ عرب کے چند قبائل جمع ہو کر مدینہ کی طرف یلغار کے لیے چل پڑے اس دوران اللہ کے رسول ﷺ کو خبریں مل چکی تھیں چنانچہ آپ نے مشورے کے ساتھ خندق کھود کر اپنا دفاع کرنے کا فیصلہ کیا۔



احزاب (اتحادی فورسز) کی یلغار......شکست سے دوچار

خندق کھودتے ہوئے جہادی ترانے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ خندق کے معائنے کے لیے تشریف لائے، اس وقت مہاجر اور انصاری سویرے سویرے ہی سردی میں خندق کھود رہے تھے۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے کہ خندق کھودنے کے کام میں وہ بھی حصہ ڈال دیتے، چنانچہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے ان مجاہدوں کی مشقت اور بھوک کو ملاحظہ کیا تو فرمایا: ؎

أَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَهْ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، پس انصار اور مہاجروں کو بخش دے۔''

مجاہدین جو مدینے کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے اور مٹی کو اپنی کمروں پر ڈھو رہے تھے...... انھوں نے اس دوران اپنے عزم کا یوں اظہار کیا: ؎

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''ہم وہ ہیں جنھوں نے جہاد پر اس وقت تک محمد کریم ﷺ کی بیعت کی ہے جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو جوابی طور پر یوں دعا دی:

اَللّٰهُمَّ إِنَّهٗ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ
فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! جو خیر ہے ...... وہ آخرت ہی کی خیر ہے تو انصار اور مہاجرین میں برکت پیدا فرما دے۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق و هی الأحزاب : ٤٠٩٩، ٤١٠٠]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان صحابہ کی صورتحال یہ تھی کہ ایک مٹھی بھر جو کا آٹا (جو ایک مجاہد کے حصے میں آتا) وہ ایسے روغن میں ڈال کر پکایا جاتا تھا جس میں سے بو آتی تھی۔ یہی کھانا مجاہدین کے سامنے رکھا جاتا تھا، وہ بھوکے ہوتے تھے، کھاتے تو ان کے حلق میں اٹک اٹک جاتا تھا، بو الگ آتی تھی۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق و هی الأحزاب : ٤١٠٠]

فرانس میں زندگی گزار دینے والے مشہور سیرت نگار اور اسلامی محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق خندق کی چوڑائی اور گہرائی کا مؤرخین ذکر نہیں کرتے مگر گھوڑا پھلانگ نہ سکنے کی تصریح کی بنا پر شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ خندق دس گز چوڑی اور شاید پانچ گز گہری تھی۔ مجاہدین کی تعداد تین ہزار بیان کی گئی ہے اور ہر دس مجاہدین کے دستے کو چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق کھودنے کا کام سپرد ہوا۔ یوں یہ دستے تین سو بنتے ہیں۔ ہر مجاہد دستے نے بیس گز کھدائی کی۔ اس حساب سے اس خندق کی لمبائی پانچ کلومیٹر کے قریب بنتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹی ڈھونا اور سپر پاوروں کی چابیاں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''احزاب کے دن میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھود رہے تھے اور اس کے اندر سے مٹی اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ مبارک پر اس قدر مٹی پڑ گئی تھی کہ پیٹ نظر نہیں آتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (سینے سے پیٹ تک) گھنے بالوں (کی ایک لکیر) تھی۔ میں نے خود سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی ڈھوتے ہوئے حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے جنگی اشعار پڑھ رہے تھے ......

أَللّٰهُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا

وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

اِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

وَ اِنْ أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''اے اللہ! اگر تو (کرم) نہ کرتا تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا، ہم صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے، پس ہم پر تو اپنی طرف سے سکینت نازل فرما اور اگر ہمارا آمنا سامنا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما، یہ لوگ ہمارے اوپر ظلم سے چڑھ آئے ہیں، جب یہ ہمیں آزمائش سے دوچار کرنے کا پروگرام بناتے ہیں تو ہم انکاری ہو کر ڈٹ جاتے ہیں۔''

راوی نے بیان کیا ہے کہ آخری کلمات کو اللہ کے رسول ﷺ ذرا کھینچ کر پڑھتے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق و ھی الأحزاب: ٤١٠٦]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کبھی خندق کھودتے اور کبھی مٹی ڈھوتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند (٣٠٣/٤ ح: ١٨٨٩٨) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتلایا ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ہمارے سامنے خندق کے ایک حصے میں ایسی چٹان آ گئی کہ کدال اس پر پڑتی تو اچھل کر سر کو آتی تھی، چنانچہ ہم نے اس مسئلے کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ ﷺ اس جگہ تشریف لائے۔

اگلا منظر امام نسائی ''کتاب الجہاد'' باب ''غزوہ الترك والحبشة: ٣١٧٨، وحسنه الشيخ الصدوق الالبانی رحمة الله علیه'' میں یوں کھینچتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے چٹان کا منظر دیکھا تو اٹھے، کدال کو پکڑا، اپنی چادر کو خندق کے کنارے پر رکھا اور تین ضربیں ماریں۔

امام طبرانی نے (٢٩٨/١١، ح: ١٢٠٥٢) حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالے سے جو منظر کشی کی ہے وہ یوں ہے کہ

یہ چٹان حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکاوٹ بنی تھی۔ آپ ﷺ نے ''بسم اللہ'' کہا اور اس پر چوٹ لگائی تو اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ گیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ قُصُوْرُ الرُّوْمِ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ))

''اللہ سب سے بڑا ہے، کعبہ کے رب کی قسم! رومیوں کے محلات۔''

پھر دوسری ضرب ماری تو باقی حصہ بھی ٹوٹ گیا۔ اب کے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ قُصُوْرُ فَارِسَ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ))

''اللہ سب سے بڑا ہے، کعبہ کے رب کی قسم! فارس کے محلات۔''

مسند امام احمد ابن حنبل کی حدیث میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَبْصُرُ قُصُوْرَهَا الْحُمْرَ السَّاعَةَ))

''مجھے شام کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب ماری تو باقی ماندہ چٹان کا دوسرا ٹکڑا بھی ٹوٹ گرا۔ آپ ﷺ نے اب کے پھر ''اللہ اکبر'' کہا اور فرمایا:

((أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِسَ، وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَبْصُرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ اَبْيَضَ))

''مجھے فارس کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے تیسری ضرب کے لیے ''بسم اللہ'' کہا۔ چوٹ ماری تو چٹان کا باقی حصہ بھی ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ''اللہ اکبر'' کہا اور فرمایا:

((أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَبْصُرُ اَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَكَانِيْ هٰذَا السَّاعَةَ))

''مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم! میں اپنی جگہ پر کھڑا اس وقت ''صنعاء'' کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔''

قارئین کرام! اس دور کی دو ہی سپر پاورز تھیں، پہلے نمبر پر رومی تھے جو صلیب کے پجاری تھے۔ان کا بادشاہ قیصر کہلواتا تھا۔اس کے سرخ محلات شام میں تھے۔ دوسری سپر پاور ایران کے مشرک مجوسیوں کی تھی۔ یہ ایرانی تھے۔ان کا بادشاہ کسریٰ کہلواتا تھا۔اس کا دارالحکومت مدائن تھا۔ یہاں اس کا سفید محل تھا، دونوں سرخ و سپید محل (Red and White Palaces) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوئے۔

خندق کے موقع پر کھانے میں برکت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت قسم کی چٹان نمودار ہوگئی (ہم سے وہ نہ ٹوٹ سکی) تو مجاہدین اپنے سالار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: ''خندق میں ایک سخت قسم کی چٹان سامنے آگئی ہے (جو ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔)'' اس وقت بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ کے پیٹ مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ تین دن ہو چلے تھے کہ ہمیں چکھنے کے لیے بھی ایک لقمہ نہ ملا تھا۔ نبی کریم ﷺ اسی حالت میں چٹان کے پاس پہنچے۔ کدال ہاتھ میں تھام کر ضرب لگائی تو ضرب لگتے ہی وہ چٹان ریت کا ڈھیر بن کر بکھر گئی۔ اب میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) مجھے ذرا گھر جانے کی اجازت دیجیے۔'' آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ میں نے گھر میں قدم رکھتے ہی اپنی بیوی سے کہا: ''میں نے آج اللہ کے رسول ﷺ کو فاقوں کی جس حالت میں دیکھا اس نے مجھے تڑپا دیا ہے۔ مجھے بتلا تیرے پاس کھانے کو کوئی شے ہے۔''

بیوی نے کہا: ''کچھ جو اور بکری کا یہ بچہ ہے۔'' ایک روایت میں ہے کہ وہ چمڑے کا ایک تھیلا نکال کر میرے سامنے لے آئی اور کہا: ''اس میں ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) جو ہیں اور یہ بکری کا ایک بچہ بھی بندھا ہوا ہے۔'' اب میں نے بکری کے بچے کو ذبح کر دیا اور میری بیوی نے جو چکی میں پیس ڈالے۔ جب میں گوشت بنانے سے فارغ ہوا تو وہ بھی جو پیسنے سے فارغ ہو چکی تھی۔ میں نے بوٹیاں کیں اور گوشت ہانڈی میں ڈال دیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کو چلا۔ میری بیوی مجھے کہنے لگیں: ''دیکھنا رسول کریم ﷺ اور آپ

کے صحابہ کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کر دینا۔'' چنانچہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اب گوشت پکنے کو تھا اور آٹا گوندھا جا چکا تھا۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے کان میں آہستہ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور جس قدر جو ہمارے پاس تھے اس کا آٹا بھی تیار کر دیا ہے، وہ ایک صاع ہے، لہٰذا تشریف لائیے اور اپنے ساتھ چند مجاہدین کو بھی لے لیجیے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے آواز بلند کی اور اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ! إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّهَلاً بِكُمْ»

''خندق کھودنے والے مجاہدو! جابر نے دعوت پکائی ہے، سب کام یہیں چھوڑ دو اور جلدی چلو۔''

یہ اعلان کرنے کے بعد رسول کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''اپنی ہانڈی چولہے سے نیچے نہیں اتارنی، نہ آٹا پکانا شروع کرنا ہے جب تک کہ میں نہ آجاؤں۔'' اب میں گھر کو دوڑا، تاکہ بیوی کے پاس پہنچوں اور اسے بتا دوں کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھ سارے مجاہد تیزی سے چلے آرہے ہیں۔ میں جونہی بیوی کے پاس پہنچا اور صورتحال بتلائی تو وہ مجھے کہنے لگی:

''میں نے جو بات کہی تھی وہ اللہ کے رسول ﷺ کے گوش گزار نہیں کی، اب یہی ہونا تھا۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیوی سے کہنے لگے: ''میں نے تو وہی کہا اور وہی کچھ کیا جو تو نے مجھے کہا تھا۔'' (اب اللہ کے رسول ﷺ اور انصار و مہاجرین کے تمام مجاہد پہنچ چکے تھے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اب) میری بیوی آٹا نکال کر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے لے آئی۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس میں ملایا اور برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''اب روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ، وہ میرے سامنے روٹیاں پکانا شروع کرے اور سالن ہانڈی سے نکالتی چلی جائے لیکن چولہے سے ہنڈیا نہ اتارے۔''

اب حضور ﷺ نے مجاہدین سے کہا: ''اندر داخل ہو جاؤ اور بھیڑ نہ کرنا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ پکی ہوئی روٹیوں کا چورا کرنے لگے اور اس پر گوشت ڈالنے لگے۔ یہ کھانا

آپ ﷺ مجاہدین کے آگے رکھنے لگے۔ ہانڈی اور تنور دونوں ڈھکے ہوئے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ روٹی چورا کرتے جاتے اور اس میں گوشت ڈالتے جاتے، یہاں تک کہ تمام مجاہدین نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانا پھر بھی بچ گیا۔ اب آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو مخاطب کر کے کہا:

''خود بھی کھاؤ اور لوگوں کو ہدیہ بھی بھیجو، کیونکہ آج کل لوگ فاقہ میں مبتلا ہیں۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''صحابہ کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے کھانا کھایا مگر کھانا پھر بھی بچ گیا۔ جب سارے مجاہدین واپس جا رہے تھے تو ہانڈی اسی طرح ابل رہی تھی جس طرح شروع میں تھی اور آٹے کی روٹیاں برابر پک رہی تھیں۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق و ھی الأحزاب : ٤١٠١، ٤١٠٢]

جہاد کے میدان میں یہ اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ تھا۔ کس قدر خوش قسمت تھے وہ مجاہد صحابہ جو اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ مبارک کا چورا کیا ہوا اور ثرید بنایا کھانا کھا رہے تھے۔ جب آزمائش انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ پھر غیب سے یونہی مدد فرماتے ہیں۔

پیٹ جب دو تین دن کا بھوکا ہو تو کمر کے ساتھ جا لگتا ہے، اس دوران اگر مشقت کا کام کیا جائے تو جسم جو پہلے ہی کمزور ہوتا ہے مشقت کا کام کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اگر گول پتھر کپڑے میں ڈال کر بطور پیٹی کے پیٹ پر باندھ لیا جائے تو مشقت کا کام کرنا کافی حد تک آسان ہو جاتا ہے۔ اس تکنیک پر صحابہ کے سالار ﷺ نے خود بھی عمل کیا اور صحابہ نے بھی کیا۔ وہ جہاد کے باعزت راستے پہ ڈٹ گئے مگر اتحادی طاقتوں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ زبان سے بھی جنگی اشعار کہہ کر انکار کیا۔ ''أَبَيْنَا'' کا معنی انکار کرنا ہے اور یہی وہ لفظ ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بولنے میں لمبا کر کے انکار کیا اور عمل کے میدان میں بھی انکار کیا۔ معاشی تنگیوں کی انتہا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیے، جی ہاں! پیٹ پر پتھر باندھنے والے ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ کافروں کے خلاف سخت ترین پتھریلی چٹان بن گئے۔

اتحادی فورسز کے کمانڈروں نے خندق کو دیکھا تو سٹپٹا کر رہ گئے۔ وہ خندق عبور کرنے کی جس جگہ سے بھی کوشش کرتے تیروں کی بوچھاڑ سے جواب ملتا۔

یہودی معاہدے سے پھر گئے:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خندق کے روز جب حالات انتہائی خطرناک ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی ایسا شخص ہے جو ہمارے پاس بنو قریظہ کی خبر لائے؟''

اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گئے اور ان لوگوں (یہودیوں) کا حال ملاحظہ کر کے آئے۔

[بخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الزبير بن العوام رضي الله عنه : ٣٧٢٠ـ مسلم : ٢٤١٦ـ مسند أحمد : ١٦٤، ح : ٤٠٩ و إسناده صحيح]

بنو قریظہ کے یہودی جو مدینہ کے اندر ہی آباد تھے، ان کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا کہ اگر کوئی باہر سے مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دفاع کریں گے، لیکن اب ان کی طرف سے یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ ان کا ذہن خراب ہے۔ یہ اطلاع انتہائی تکلیف دہ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان باہر سے تو دس ہزار کے لشکروں میں گھرے ہوئے ہیں، اندر سے بھی وہ خطرے سے دوچار ہیں۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور جب وہ واپس آئے تو صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کے لیے: ((فَدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ)) کے الفاظ استعمال فرمائے اور ان کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کا ایک مددگار ہوتا ہے اور میرا حواری (مددگار) زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہ) ہے۔''

[بخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الزبير بن العوام رضي الله عنه : ٣٧٢٠، ٣٧١٩]

اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے برے ارادوں کی خبر معلوم کر کے لانا کس قدر اعلیٰ مقام کا حامل عمل ہے کہ ایسا کرنے والے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کہہ رہے ہیں: ''تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔'' اور پھر اسے اپنا مددگار قرار دے رہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جو مزید معلومات حاصل کیں ان کا نتیجہ یہی سامنے آیا کہ بنو قریظہ کے یہودی اپنا عہد توڑ چکے ہیں، چنانچہ یہ وہ صورتحال تھی جس کا قرآن نے نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ملاحظہ ہو!

جی ہاں! کلیجے منہ کو آ گئے :

﴿ إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴾

[الأحزاب : ۳۳/۱۰تا۱۲]

''جب وہ تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے تم پر چڑھ آئے تھے اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی اور وہ بری طرح ہلا دیے گئے۔ جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ بس دھوکا ہی تھا۔''

عصر کی نماز قضا ہونے کا غم :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''خندق کا دن تھا، سورج غروب ہو چکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کے کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں تو نماز بھی نہیں پڑھ سکا، حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کو پہنچ گیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! نماز تو میں بھی ادا نہیں کر سکا۔''

چنانچہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ وادی بطحان میں گئے، وہاں ہم نے وضو کیا، پھر سورج غروب ہونے کے بعد پہلے عصر اور بعد میں مغرب کی نماز ادا کی۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق و هی الأحزاب : ٤١١٢]

عصر کی نماز کو اللہ کے رسول ﷺ نے ''نماز وسطیٰ'' کہا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس نماز کی تاکید کی گئی ہے۔ صحیح بخاری (۲۹۳۱) کی ایک اور روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے مشرکوں کے لیے بد دعا کی کہ ان کی وجہ سے بروقت نماز ادا نہ کی جا سکی۔ اس سے نماز عصر کی

اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

غطفان کے سردار نے بھاگنا چاہا، مگر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غطفان قبیلے کی شاخ بنی مرہ کا سردار حارث بن عوف اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "مدینے کی کھجوروں میں سے ہمیں حصہ دے دو (تو ہم محاصرہ چھوڑ کے چلے جاتے ہیں)۔" آپ ﷺ نے جواب دیا: "میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرلوں۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن مسعود اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ سارا عرب تم لوگوں کو ایک ہی کمان سے مارنے کے لیے جمع ہوگیا ہے۔ اس صورتحال میں حارث یہ پیشکش کر رہا ہے کہ تم اس کو مدینہ کی کھجوروں میں سے حصہ دے دو۔ اب اگر تم ایسا کرنا چاہو تو اپنے اس سال کی پیداوار میں سے انھیں دے دو۔"

یہ سن کر صحابہ نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اگر تو آسمان سے وحی آئی ہے تو اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے، اگر یہ آپ ﷺ کی رائے اور خواہش ہے تو بھی ہم آپ ﷺ کی خواہش اور رائے کی پیروی کریں گے لیکن اگر آپ ﷺ ایسا صرف ہماری خاطر کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی قسم! جب یہ لوگ اور ہم بت پرستی پر تھے تو یہ لوگ ہم سے میزبانی اور خرید و فروخت کے علاوہ ایک پھل کی بھی توقع نہیں کرتے تھے۔" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ ذَا تَسْمَعُونَ مَا يَقُولُونَ)) ․

"بات محض اتنی سی ہے کہ جو کچھ وہ لوگ کہہ رہے ہیں اسے تم بھی سن لو۔"

[كشف الأستار عن زوائد البزار : ٢/٣٣١، ٣٣٢، ح : ١٨٠٣ و إسناده حسن لذاته۔ طبراني كبير : ٦/٢٨، ٢٩، ح : ٥٤٠٩ و إسناده حسن لذاته۔ عقبة بن سنان "صدوق" كتاب الجرح والتعديل : ٦/٣٩٩، ت ١٧٣٤ و إسناده صحيح]

قربان جائیں رسول کریم ﷺ کے انداز پر کہ دنیاوی معاملات میں قدم قدم پر اپنے

صحابہ سے مشاورت کا التزام کرتے ہیں۔ بنوغطفان کے سردار نے پیشکش کی تو آپ ﷺ نے وہ بات بھی صحابہ کے سامنے رکھ دی۔ انصار نے اولوالعزمی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی حیثیت محض اس قدر ہے کہ وہ لوگ جو پیشکش کر چکے وہ تم لوگوں کے بھی علم میں آ جائے۔

یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں اللہ کی طرف سے وحی کی راہنمائی نہ ہوتی تھی وہاں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کو رائے دینے کے لیے آزاد ماحول فراہم کیا اور ماحول کی آزادی کے لیے آپ ﷺ نے انصار کو واضح طور پر کہا کہ اگر تم لوگ چاہو تو اپنی پیداوار میں سے کچھ حصہ دے دو۔ صد آفریں ہے حکمرانی کے اس انداز پر کہ جو مشاورت پر مبنی ہے اور جس میں صحابہ کو رائے کے اظہار کی آزادی ہے۔

فتح کے لیے دعا:

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اتحادی فورسز کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ نے یوں دعا کی:

((أَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ! سَرِيْعَ الْحِسَابِ ! اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، أَللّٰهُمَّ ! اهْزِمْهُمْ وَ زَلْزِلْهُمْ))

”اے کتاب نازل فرمانے والے ! جلد حساب لینے والے اللہ! اتحادی فورسز کو شکست سے دوچار کر۔ اے اللہ! ان کو ہزیمت دے، انھیں جھنجوڑ کر رکھ دے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق و هی الأحزاب : ٤١١٥]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا خون رک گیا:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ خندق کے دن میں چلی جا رہی تھی کہ اچانک میں نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی دھمک سنی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کا بھائی حارث بن اوس بھی تھا، جو ڈھال اٹھائے ہوئے تھا۔ میں اب ایک طرف ہو کر زمین پر بیٹھ گئی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گزر

گئے۔ انھوں نے لوہے کی زرہ (قمیص) پہن رکھی تھی۔ زرہ چھوٹی تھی جبکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تمام لوگوں میں سے بدن کے اعتبار سے مضبوط اور لمبے قد کے آدمی تھے۔ لہٰذا ان کے بازو لوہے کی قمیص سے نکلے ہوئے تھے۔ مجھے قمیص سے نکلے ہوئے بازوؤں کے بارے میں خوف محسوس ہو رہا تھا (کہ دشمن کا کوئی تیر یہاں لگ کر نقصان نہ پہنچا دے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ چلتے ہوئے گزر گئے۔ وہ جہادی شعر پڑھ رہے تھے:

لَبِّثْ قَلِيلًا يُدْرِكُ الْهَيْجَا حَمَلُ

مَا أَحْسَنَ الْمَوْتُ إِذَا حَانَ الْأَجَلُ

"حمل (ایک جنگجو شخص) میدان جنگ میں جانے کے بعد اگرچہ قلیل مدت ہی زندہ رہے لیکن اس موت کے کیا کہنے جو بہتر وقت پر آ جائے۔"

اب میں کھڑی ہوگئی اور ایک باغ میں جا داخل ہوئی، وہاں مسلمانوں کے کچھ لوگ تھے۔ ان میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے: "یہاں کیوں آئی ہو؟ اللہ کی قسم! تو بڑی جرأت مند اور دلیر ہے، لیکن یہ بتلا کہ اگر کوئی مصیبت آن پڑی، جنگ یہاں تک آگئی یا قیدی بننے کی کوئی آفت آگئی تو پھر......؟" الغرض، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے لگاتار ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میرا یہ حال ہوگیا کہ کاش! اس وقت زمین پھٹ جائے اور میں اس میں داخل ہو جاؤں۔ اس دوران وہ شخص جس کے سر پر خود تھی، اس نے اپنے چہرے سے خود اٹھایا اور کہنے لگا: "اے عمر! اب بس بھی کر، جانے دے، آپ نے تو ملامت کرنے کی حد کر دی۔ آج لڑائی اور قید کی مصیبت سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے؟ سوائے اللہ کے کوئی ٹھکانا نہیں۔" یہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ادھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو قریش کے مشرکوں میں سے ایک شخص نے تیر مارا، اس کا نام ابن عرقہ تھا۔ تیر مارتے ہوئے اس نے کہا: "یہ رہا میرا تیر اور میں ہوں عرقہ کا بیٹا!" یہ تیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو پر لگا، بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ (تیزی سے بہتا ہوا خون دیکھ کر) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حضور دعا کی:

((اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تَقَرَّ عَیْنِیْ مِنْ قُرَیْظَۃَ))

''اے اللہ! جب تک قریظہ کے بارے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، مجھے موت نہ دینا۔''

دور جاہلیت میں قریظہ کے یہودی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حلیف اور دوست ہوا کرتے تھے (اب وہ بدعہدی کر چکے تھے) بہر حال حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا۔

[ابن حبان : ۷۰۲۸ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ۶/۱۴۱، ح : ۲۵۰۹۷ و إسناده حسن لذاته۔ فی إسناده عمرو بن علقمة بن وقاص و هو صدوق حسن الحديث وثقه ابن حبان و ابن خزيمة و الحاكم والذهبی بتصحيح حديثه (الثقات : ۵/۱۷۴۔ ابن خزيمة : ۱/۲۱۷۔ المستدرك : ۱/۴۵)]

قارئین کرام! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو انصار کے سردار اور مجاہدین کے لیڈر کی سلامتی کی فکر کس قدر دامن گیر تھی، وہ ان کے الفاظ سے واضح ہے۔ ہر مومنہ کو اللہ ایسی ہی فکر نصیب فرمائے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی خواہش بھی کیا خوب ہے کہ دور جاہلیت کے جو دوست تھے، آج محض اللہ کے لیے دشمن تھے۔ قریظہ کے یہودی عہد شکن تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اللہ کے حضور زندگی کی بھیک صرف اس لیے مانگتے ہیں کہ ان عہد شکنوں کا برا حشر آنکھوں سے دیکھ لیں اور پھر شہید ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی اور زخم سے خون کا بہاؤ بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عہد شکن اور ظالم کفار کو ذلیل ہوتا ہوا دیکھنے کی خواہش کا جذبہ ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ (آمین!)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوا کے ذریعے مدد:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ [الأحزاب : ۳۳/۹]

''اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو احسان کیا اسے یاد کرو کہ جب تم پر لشکروں کے لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ہوا کا طوفان چلا دیا اور ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ أُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ))

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق و هي الأحزاب : ٤١٠٥]

''میری مدد شمالی ہوا کے ساتھ کی گئی اور عاد قوم کے لوگوں کو تند و تیز طوفانی ہوا سے تباہ و برباد کر دیا گیا۔''

قارئین کرام ! مشرک جو کئی دنوں سے یہاں ڈیرے لگائے ہوئے تھے ان کے خیمے اڑ گئے، دیگیں الٹ گئیں، وہ سخت پریشان ہو گئے اور واپس بھاگنے کی تیاری کرنے لگے۔

جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں :

ثقہ محدث جناب یزید بن شریک تیمی فرماتے ہیں : ''میں جناب حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص بولا : ''اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہوتا تو جہاد کرتا اور لڑنے میں بھرپور کوشش کرتا۔'' یہ سن کر جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا : ''تو ایسا کرتا ! حالانکہ اگر تو ہم کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خندق کی سخت ٹھنڈی رات میں دیکھتا (تو ہوش ٹھکانے آ جائے) جب بہت تیز ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی تب رسول اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

((أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟))

''کیا کوئی شخص ہے جو جا کر کافروں کی خبر لائے اور اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میرے ساتھ کر دے گا؟''

یہ سن کر کسی نے جواب نہ دیا، پھر آپ ﷺ نے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((قُمْ ! يَا حُذَيْفَةُ ! فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ))

''حذیفہ! کھڑے ہو جاؤ اور دشمن کی خبر لاؤ۔''

اب تو مجھے جانا ہی تھا کیونکہ آپ نے میرا نام لے کر مجھے جانے کا کہا تھا، پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا:

«اِذْهَبْ فَأْتِنِیْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَیَّ»

''جاؤ اور کافروں سے متعلق معلومات لے کر آؤ اور انھیں مجھ پر نہ اکسانا (یعنی ایسا کام مت کرنا جس کی وجہ سے انھیں غصہ آ جائے)۔''

جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے چلا تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں، یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا، میں نے دیکھا کہ ابوسفیان آگ سے اپنی کمر سینک رہا تھا، میں نے تیر کو کمان پر چڑھایا اور ابوسفیان کو مارنے کا ارادہ کیا تو مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم یاد آ گیا کہ کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے ان کو غصہ آئے، اگر میں تیر پھینک دیتا تو وہ سیدھا ابوسفیان کو لگتا۔ میں ریکی مکمل کرنے کے بعد پلٹا تو مجھے پھر ایسا معلوم ہو رہا تھا جس طرح کہ میں حمام میں چل رہا ہوں، میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب کچھ بتا دیا تو اس وقت مجھے (دوبارہ) سردی محسوس ہوئی۔

پھر مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا ایک زائد کمبل اوڑھا دیا، جس کو اوڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرمایا کرتے تھے، میں اس کو اوڑھ کر صبح تک سویا رہا، جب صبح ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا: ''بہت زیادہ سونے والے اٹھ جا۔''

[مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة أحزاب : ١٧٨٨]

قارئین کرام! یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملہ نکلوا دیتا کہ جو کوئی مشرکوں کی خبر لینے جائے گا اسے سردی نہیں لگے گی بلکہ وہ یوں جائے گا جس طرح کہ گرم کمرے میں چہل قدمی کر رہا ہو تو ہر کوئی جانے کے لیے تیار ہو جاتا۔ مگر پھر نہ آزمائش ہوتی اور نہ امتحان اور نہ اجر و ثواب کا وہ مقام ہوتا جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ملا۔ تو ثابت ہوا بلند مقام آزمائش کی بھٹیوں میں سے گزر کر ہی ملتے ہیں۔

مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا:

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اتحادی فورسز چلی گئیں تو میں نے

جناب نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب : ٤١١٠]

''اب ہم ان سے جنگ کریں گے، وہ ہم پر فوج کشی نہ کرسکیں گے بلکہ ہم ان پر فوج کشی کیا کریں گے۔''

عرب کی تمام قوتوں نے اتحاد بنا کر مدینہ پر حملہ کیا تھا، ان قوتوں میں سے ہر ایک کا مقصد دوسرے سے مختلف تھا۔ قریش کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر ضرب لگا کر تجارتی راستے محفوظ بنائے جائیں اور اپنے بت پرستانہ شرکیہ نظام کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ بنو غطفان وغیرہ جو دیہاتی تھے، ان کا مقصد یہ تھا کہ جاتے ہی مدینہ پر دھاوا بولیں گے اور لوٹ مار کر کے واپس آجائیں گے۔ اسی طرح یہودیوں نے بے شک مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑ دیا تھا، لیکن وہ شک اور خوف میں مبتلا ہوکر مسلمانوں پر حملہ نہ کرسکے اور کھل کر مشرکوں کا ساتھ نہ دے سکے، یوں یہ سارے گروہ اپنے اپنے گھٹیا مفادات کے قیدی تھے، جب وہ بھاگ نکلے تو اس کے بعد یہ امکان ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا کہ اب یہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے آسکیں گے۔ الغرض، جب متحد قوتیں شکست کھا گئیں تو اکیلے قریش مکہ کیا کر سکتے تھے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے واضح کر دیا کہ اب فوج کشی ہم ہی کریں گے۔

اب مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہوگیا۔ غزوۂ خندق سے پہلے مسلمانوں کا جہاد دفاعی جہاد تھا یعنی وہ اپنے تحفظ کے لیے لڑتے تھے۔ خندق کی فتح ایک ایسا موڑ ثابت ہوا کہ اب دفاعی کی بجائے اقدامی جہاد کا آغاز ہوگیا۔

اتحادی فورسز کی شکست:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

« لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَعَزَّ جُنْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ »

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب : ٤١١٤]

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنے لشکر کو فتح سے

نوازا۔ اپنے بندے (رسول کریم ﷺ) کی مدد فرمائی۔ اکیلے نے اتحادی فورسز کو بھگا ڈالا۔ اللہ کے بعد کوئی شے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتی۔"

اس شکست کے بعد سارے عرب میں کفار کی ہوا اکھڑ گئی، وہ اپنے مقاصد میں ناکام ہوکر لوٹے، بے پناہ مالی اخراجات اور نقصانات اس کے علاوہ تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴾ [الأحزاب : ۲۵/۳۳]

"اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے نامراد لوٹا دیا۔ ان کی کوئی مراد پوری نہ ہوئی۔ اللہ نے مومنوں کی طرف سے خود قتال کیا۔ اللہ قوتوں والا غالب ہے۔"

آپ نے ہتھیار اتار دیے! ہم نے تو نہیں اتارے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "جونہی اللہ کے رسول ﷺ جنگ خندق سے واپس لوٹے تو ہتھیار اتار کر غسل کیا ہی تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آگئے اور کہنے لگے:

((قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ ! وَاللّٰهِ ! مَا وَضَعْنَاهُ فَاخْرُجْ إِلَيْهِمْ))

"آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیے! اللہ کی قسم! ہم نے تو نہیں اتارے، اٹھیے اور ان پر یلغار کیجیے۔"

آپ ﷺ نے پوچھا: "کن پر؟" حضرت جبریل علیہ السلام نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ ان پر حملہ آور ہونے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب ......الخ : ٤١١٧]

عصر کی نماز، عہد شکن یہودیوں کی بستی میں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: "غزوۂ احزاب سے فارغ ہوتے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا:

"تمام لوگ عصر کی نماز بنو قریظہ کے علاقے ہی میں ادا کریں۔"

اب ہوا یہ کہ بعض صحابہ کو عصر کی نماز کا وقت راستے میں ہوگیا۔ اس پر بعض کہنے لگے:

"ہم تو بنو قریظہ ہی کے علاقے میں جا کر نماز ادا کریں گے" اور بعض کہنے لگے: "ہم تو یہیں نماز پڑھیں گے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ لوگوں نے سمجھا۔" چنانچہ اس واقعہ کا جب اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی پر بھی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا۔"

[بخاري، كتاب المغازي، باب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب ...... الخ : ٤١١٩۔
مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب المبادرة بالغزو...... الخ : ١٧٧٠]

ثابت ہوا گنجائش نکلتی ہو تو ایک ہی مسئلے پر استدلال کرتے ہوئے دو آراء ہو سکتی ہیں۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں کا محاصرہ پچیس راتوں تک کیا۔ جب ان پر محاصرے کی شدت بڑھ گئی۔ آزمائش سخت ہوگئی تو انھیں کہا گیا: "اللہ کے رسول (ﷺ) کے حکم پر قلعے سے نیچے اتر آؤ" اس پر وہ کہنے لگے: "انھیں ابولبابہ بن عبدالمنذر سے مشورہ کرنے دیا جائے۔" چنانچہ انھوں نے ابولبابہ سے مشورہ مانگا تو ابولبابہ نے اشارے سے کہا: "ذبح کر دیے جاؤ گے۔"

[مسند أحمد : ١٤١/٦، ١٤٢، ح : ٢٥١٥٠ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٧٠٢٨ و إسناده حسن لذاته]

عہد شکن یہودیوں کے قتل کا فیصلہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث تسلیم کر لیا اور ہتھیار ڈال دیے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس جگہ کے قریب آئے کہ جسے اللہ کے رسول ﷺ نے دوران محاصرہ نماز ادا کرنے کے لیے منتخب کر رکھا تھا تو آپ ﷺ نے انصار سے کہا:

((قُومُوا اِلَى سَيِّدِكُمْ))

"کھڑے ہو جاؤ اور اپنے سردار کے استقبال کے لیے آگے بڑھو۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''بنوقریظہ نے تم کو ثالث مان کر ہتھیار ڈال دیے ہیں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا: ''ان کے جو لوگ لڑنے کے قابل ہیں انھیں قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے۔'' اس فیصلے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللّٰهِ))

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب ...... الخ : ٤١٢١۔
مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب جواز قتال...... الخ : ١٧٦٨]

''تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا۔''

قارئین کرام! کسی بڑے آدمی کے آنے پر اہل مجلس چپ چاپ اور جامد وساکت کھڑے ہو جائیں، اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ایسا طرز عمل بادشاہوں اور متکبروں کے درباروں اور ڈیروں پر روا رکھا جاتا ہے، جبکہ معزز مہمان کے لیے یا اپنے قائد کے لیے چل کر جانا اور اٹھتے ہوئے آگے بڑھ کر استقبال کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کے اوس قبیلے کے سردار تھے۔ بنو قریظہ کے یہودی اوس کے حلیف تھے۔ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ وہ فیصلہ کرتے ہوئے ہمارا خیال کریں گے، اسی لیے انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فیصل بنانے کا اعلان کیا۔

مسند امام احمد اور ابن حبان میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب اپنے لوگوں کے قریب آئے اور لوگوں نے انھیں گھیر لیا تو لوگ ان سے کہنے لگے: ''اے ابوعمرو! بنوقریظہ کے لوگ آپ کے حلیف ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں نرمی کیجیے گا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ''حضرت سعد رضی اللہ عنہ سب کچھ سنتے جاتے مگر کسی کو جواب نہ دیتے اور نہ کسی کی طرف توجہ ہی دیتے تھے، حتیٰ کہ جب آپ رضی اللہ عنہ پر ان گزارشات کی بھرمار ہو گئی اور آپ اپنے اترنے کی جگہ کے قریب آ گئے تو کہنے لگے: ''میں فیصلہ کروں گا تو اللہ کے سامنے اپنی پیشی کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کروں گا، کوئی مجھے کچھ کہتا رہے مگر میں کسی کی کوئی پروا نہیں کروں گا۔'' چنانچہ انھوں نے یہودیوں کے ان جوان مردوں کے قتل کا فیصلہ دے دیا، جنھوں نے عین دوران

جنگ مسلمانوں پہ حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

[مسند أحمد : ٦/١٤١، ١٤٢، ح : ٢٥١٥٠ و إسناده حسن لذاته ـ ابن حبان : ٧٠٢٨ و إسناده حسن لذاته]

یہودی بچے، کیسے بچے؟

حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں بنو قریظہ کے بچوں میں شامل تھا، اس لیے بچ گیا۔ مسلمان مجاہدین جائزہ لیتے تھے، جن کے بلوغت کے بال اگ آئے تھے وہ قتل کر دیے جاتے تھے اور جن کے نہیں اگے تھے وہ چھوڑ دیے جاتے تھے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن کے بال ابھی نہیں اگے تھے۔'' ایک روایت میں اس طرح ہے: ''ان مجاہدین نے میرے ستر کو دیکھا، ابھی بال نہیں اگے تھے، لہٰذا انھوں نے مجھے بچوں میں شامل کر دیا۔''

[أبو داوٗد، كتاب الحدود، باب في الغلام يصيب الحد : ٤٤٠٤ و إسناده صحيح۔ ترمذی : ١٥٨٤ و إسناده صحيح۔ ابن ماجه : ٢٥٤١ و إسناده صحيح۔ نسائی : ٣٤٦٠ و إسناده صحيح]

یہودن کو جب قتل کے لیے آواز دی گئی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ''بنو قریظہ کی ایک عورت کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ یہ عورت میرے پاس تھی۔ مجھ سے باتیں کر رہی تھی اور کبھی وہ کھل کھلا کر ہنستی اور کبھی مسکراتی، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آدمیوں کو بازار میں قتل کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا کہ ایک پکارنے والے نے اس عورت کا نام پکارا اور کہا: ''وہ کدھر ہے؟'' یہ عورت فوراً کہنے لگی: ''میں یہ ہوں، اللہ کی قسم!'' میں نے کہا: ''تیرا ناس ہو، یہ کیا تیرا انداز ہے؟'' یہودن کہنے لگی: ''قتل ہی ہے نا اور کیا ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اب آواز دینے والے نے اسے لے جا کر اس کی گردن اڑا دی۔ اللہ کی قسم! میں یہ عجیب منظر کبھی نہیں بھول سکتی کہ اس عورت کو پتا بھی تھا کہ وہ قتل ہونے والی ہے اس کے باوجود وہ ہنس رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔''

[أبو داوٗد : ٢٦٧١ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٦/٢٧٧، ح : ٢٦٤١٨ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٣/٣٥، ٣٦، ح : ٤٣٣٤ و إسناده حسن لذاته]

یہودی زندگی سے محبت کرنے والی بزدل قوم ہے۔ ان کی بزدلی کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی کیا اور احادیث میں بھی آیا ہے، تاہم یہ ایک استثنائی واقعہ ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے۔ ہزاروں بزدلوں میں ایک دو بہادر ہوں تو وہ قوم بہادر نہیں کہلائے گی اور اگر ہزاروں بہادروں میں سے ایک دو بزدل نکل آئیں تو اس قوم کو بزدل نہیں کہا جائے گا۔ یہ خاتون اپنی بزدل قوم میں ایک بہادر عورت تھی۔

یاد رہے! اس عورت نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کیا تھا لہٰذا اسے اس جرم میں قتل کیا گیا۔

جن یہودیوں نے اسلام قبول کیا، وہ بچ گئے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "یہودیوں کے قبیلوں بنونضیر اور بنوقریظہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ توڑ کر لڑائی مول لی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو مدینہ سے نکال دیا۔ پھر بنوقریظہ نے بھی یہی حرکت کی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مرد حضرات قتل کروا دیے جبکہ عورتوں، بچوں اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ بعض افراد بچ گئے، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں امن دیا کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی نضیر...... الخ : ٤٠٢٨۔ مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب إخراج اليهود والنصارى ......الخ : ١٧٦٦]

قتل ہونے والے یہودیوں کی تعداد امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ چار سو نقل کی ہے۔

[مسند أحمد : ٣٥٠/٣، ح : ١٤٧٨٥ و إسناده حسن لذاته۔ الترمذي :١٥٨٢۔ و إسناده صحيح ۔ ابن حبان : ٤٧٨٤ و إسناده صحيح۔ رواية الليث بن سعد عن أبي الزبير محمولة على السماع]

قارئین کرام! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان یہود پر احسانات کیے لیکن یہ احسانات کے قابل کہاں تھے؟ لہٰذا قتل کر دیے گئے۔ اس موقع پر جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا۔

سعد رضی اللہ عنہ کی تمنائیں اللہ نے پوری کر دیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر لگا تو انھوں نے اللہ کے حضور دعا کی: ''اے اللہ! تو میرا حال خوب جانتا ہے کہ مجھے اس سے بڑھ کر کسی شے سے پیار نہیں کہ میں تیری خاطر ان لوگوں سے جہاد کروں جنھوں نے تیرے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور پھر مکہ سے نکال باہر کیا۔ اے اللہ! اب میرا خیال یہ ہے کہ تو نے ان کے اور ہمارے درمیان لڑائی ختم کر ڈالی ہے، لیکن اگر میرا یہ خیال درست نہیں اور ان کے اور ہمارے درمیان مزید بھی لڑائی ہو گی تو مجھے وہ لڑائی لڑنے کے لیے زندگی دے دے، تا کہ میں تیری راہ میں ان مشرکوں کے خلاف قتال کروں لیکن اگر تو نے (قریش مکہ سے) لڑائی کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو پھر ان زخموں کو تازہ کر دے اور انھی جہادی زخموں سے مجھے موت عطا فرما دے۔''

[بخاری، كتاب المغازی، باب مرجع النبیﷺ من الأحزاب ...... الخ : ٤١٢٢۔ مسند أحمد : ٦/١٤١، ١٤٢، ح : ٢٥١٥٠ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٧٠٢٨ و إسناده حسن لذاته]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اللہ کے حضور یہ دعا مکہ کے مشرکوں کے بارے میں تھی، یہ بھی قبول ہوئی اور وہ دعا جو بنو قریظہ کے بد عہد یہودیوں کے بارے میں تھی وہ بھی قبول ہوئی۔ بنو قریظہ کے بارے میں مسند احمد کی حسن صحیح روایت میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یوں دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ ! لَا تُخْرِجْ نَفْسِيْ حَتّٰى تُقِرَّ عَيْنِيْ مِنْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ))

''اے اللہ! میری جان نہ نکالنا جب تک کہ میری آنکھیں بنو قریظہ کا حشر دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوں دعا قبول کی کہ یہودیوں نے فیصلے کے لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ انھوں نے فیصلہ سنایا تو یہود کاٹ کر رکھ دیے گئے اور جونہی قتل عام مکمل ہوا تو:

((اِنْفَتَقَ عِرْقُهٗ فَمَاتَ))

[مسند أحمد : ٣/٣٥٠، ح : ١٤٧٨٥ و إسناده صحيح۔ ترمذی : ١٥٨٢ و إسناده

[صحیح۔ ابن حبان : ٤٧٨٤ و إسناده صحیح۔ روایة اللیث بن سعد عن أبی الزبیر محمولة علی السماع]

''ان کی رگ پھوٹ پڑی اور آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔''

صحیح بخاری کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خیمہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی میں لگوایا تھا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کرتے رہیں اور علاج کی نگرانی بھی ہوتی رہے۔ اس دوران ان کا خون خیمے سے بہہ کر باہر جانے لگا اور یوں آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

[بخاری، کتاب الصلاة، باب الخیمة فی المسجد بمرضی وغیرهم : ٤٦٣]

فرشتوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازے کو کندھا دیا:

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافق کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آج تک اس جنازے سے ہلکا جنازہ کوئی نہیں دیکھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سعد کا جنازہ اس لیے ہلکا ہے کہ اس وقت فرشتوں کی وہ جماعت زمین پہ آئی ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں آئی۔ انھوں نے سعد کو تمھارے ہمراہ اٹھا رکھا ہے۔''

[طبقات ابن سعد : ٣٢٦/٣، ٣٢٧ و إسناده حسن لذاته۔ الترمذی : ٣٨٤٩ حسن۔ مستدرك حاكم : ٢٠٧/٣، ح : ٤٩٢٦ حسن۔ طبرانی کبیر : ١٢/٦، ١٣۔ مسند أبی یعلی : ١١٤/٣، ح : ٣٠٢٤ حسن]

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمَانِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ))

''سعد بن معاذ کی موت پر رب رحمان کا عرش بھی ہل گیا۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب سعد بن معاذ رضی الله عنه : ٣٨٠٣]

مشرکوں سے لڑائی کے لیے رب سے زندگی مانگنے والا، بدعہد یہودیوں کا برا حشر دیکھنے کی تمنا کرنے والا اور عہد شکن یہودیوں کے بارے میں عدل کا فیصلہ کرنے والا یہ شخص اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ جنازہ اٹھانے کے لیے فرشتے آتے ہیں۔

اس کی موت پر اللہ کا عرش جھوم جھوم جاتا ہے اور جنت میں اعلیٰ مقام ملتا ہے۔ قربان

جائیں کیا مقام ہے مجاہد فی سبیل اللہ کا؟ جی ہاں! سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسے یہود دشمن کا کہ طبقات ابن سعد میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی جلدی پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خود غسل دیا، غسل دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

''مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں فرشتے ہم سے سبقت نہ لے جائیں اور سعد کو بھی اسی طرح غسل نہ دے دیں جس طرح انھوں نے حنظلہ کو غسل دیا تھا۔''

[طبقات ابن سعد : ۳۲۶/۳، ۳۲۷ و إسناده حسن لذاته]

سبحان اللہ! کیا مقام ہے مشرکوں اور یہودیوں کے دشمن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کو سبقت نہیں لے جانے دیتے اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے غسل دیتے ہیں۔



دوبارہ ڈھلک بیٹھ گئی

نبی ﷺ کا زینب بنت جحش سے نکاح:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''پردے کی آیت ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس روز آپ ﷺ نے روٹی اور گوشت کے ولیمہ کی دعوت دی۔''

[بخاري، كتاب التوحيد، باب ﴿ و كان عرشه على الماء ﴾ : ٧٤٢١]

صحیح بخاری کی اسی حدیث میں ہے کہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دوسری ازواج مطہرات سے فخر کے طور پر کہا کرتی تھیں: ''تم سب کے نکاح تمھارے ولیوں اور وارثوں نے کیے جبکہ میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کیا۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کے لیے اپنے ہی خاندان میں سے اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔ رشتہ دینے والے سوچ میں پڑ گئے کہ کہاں قرشیہ اور ہاشمیہ اور کہاں زید جو ایک غلام ہے۔ قریب تھا کہ یہ رشتہ ناممکن ہو جاتا لیکن جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور اس کے گھر والوں کو معلوم ہوا کہ اس میں اللہ کے رسول ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی شامل ہے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سمیت سب گھر والے مان گئے اور یوں نکاح ہو گیا۔

یہ رشتہ ایک سال تک برقرار رہا لیکن اس میں پائیداری نہ آسکی، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے مطابق: ''حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں، پھر ان کا قبیلہ بھی بڑا اونچا تھا لہٰذا نباہ نہ ہو سکا۔'' آخر کار حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جو خود بھی بلند مرتبہ بیوی سے دبے دبے رہتے تھے، طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے کے لیے انھوں نے اللہ کے

رسول ﷺ سے مشورہ کیا۔ آپ ﷺ زید رضی اللہ عنہ کو منع کرتے تھے کہ ایسا نہ کرو، اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے رب کی طرف سے اشارہ مل گیا کہ زینب رضی اللہ عنہا تمھارے نکاح میں آنے والی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور مجھے نکاح کرنا پڑا تو لوگ طوفان کھڑا کر دیں گے کہ دیکھو! محمد (ﷺ) نے اپنی مطلقہ بہو سے شادی کر لی ہے۔

ادھر حضرت زید رضی اللہ عنہ بار بار آپ ﷺ کے سامنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شکوے کرتے، جن میں لامحالہ یہ شکوہ سرفہرست تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بحیثیت خاوند وہ احترام نہ مل سکا جو وہ چاہتے تھے۔ شکوہ شکایت پر رسول اللہ ﷺ انھیں صبر کرنے کا کہتے، گزارہ کرنے کا مشورہ دیتے اور سمجھاتے، لیکن آخر کب تک ......؟ آخر کار معاملہ جب بہت بڑھ گیا تو جناب زید رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے مشورہ کے بعد طلاق دے دی، جیسا کہ سورۂ احزاب میں ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴾ [الأحزاب: ۳۳/۳۷]

''جب زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کرنے کے بارے میں) کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔''

قارئین کرام! ثابت ہوا کہ یہ اللہ کا حکم تھا کہ مولا کریم زید اور زینب کا نکاح کروا کر ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اسلام میں ذات پات، اونچ نیچ کوئی نہیں بلکہ مومن مرد اور عورت ایک مومنانہ برادری ہے، اس کی بنیاد پر آپس میں رشتے ناتے ہو سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ معاشرتی تفاوت سے اگر نباہ نہیں ہوتا تو یہ دلوں کا معاملہ ہے۔ اللہ نے یہاں بھی راستہ رکھا ہے کہ ایسی صورت حال میں طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ۔ تیسری بات یہ کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا، لہٰذا اس وقت کے معاشرے میں اس رسم پر کاری ضرب لگی اور یہ رسم بھی ٹوٹ گئی۔ چوتھی بات یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جو محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر اس رشتے کو قبول کیا تو اب طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ نے



انھیں دنیا کا سب سے بہترین خاوند عطا فرمایا۔

جی ہاں! حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مقام کا بھی اندازہ کرو کہ سارے قرآن میں اللہ کریم نے کسی صحابی کا نام نہیں لیا، صحابہ کی فضیلتوں کے اشارے ضرور ہیں لیکن نام نہیں ہے، واضح نام صرف ایک ہی شخص کا ہے اور وہ ہیں حضرت زید!، اللہ! اللہ!...... اللہ نے ایک غلام کے نام کا قرآن میں تذکرہ کر کے واضح کر دیا کہ لوگو! ذات برادریاں تمھارا اپنا معاملہ ہے، میرے تو سب بندے ہیں اور میرے ہاں فضیلتوں کا پیمانہ تقویٰ ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کرامت اور عزت و شرف کا کیا کہنا کہ اللہ کریم نے ان کا نکاح اپنے عرش پر کیا۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جب عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا:

''تم جاؤ اور انھیں مجھ سے نکاح کا پیغام پہنچاؤ۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ گئے۔ اس وقت وہ اپنے آٹے کو خمیر کر رہی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر ان کی عظمت و ہیبت اس قدر چھائی کہ ان کے سامنے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھی نہ دے سکے، بلکہ ان کے ایک طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا ذکر کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ٹھہرو! میں اللہ سے استخارہ کر لوں۔'' اور پھر وہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں۔

[مسند أحمد: ۳/ ۱۹۵، ۱۹٦، ح: ۱۳۰۳۰ و إسناده صحيح]

مسلم (۱۴۲۸) میں ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دینے گیا تو میں نے انھیں آٹا گوندھتے دیکھا۔ ان کی عظمت میرے سینے پر بیٹھ گئی اور میں ان کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکا، لہٰذا میں نے اپنا رخ پھیرا، اپنے قدموں پر پھرا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پیغام دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیرا ذکر کر رہے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں اور فوراً کہا:

((مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتّٰى أُوَامِرَ رَبِّيْ))

''جب تک میں اپنے رب سے مشورہ نہ لے لوں کچھ نہیں کر سکتی۔''

اور ساتھ ہی وہ اس جگہ کھڑی ہو گئیں جو جگہ انھوں نے نماز کے لیے مخصوص کی تھی۔

قارئین کرام! قربان جائیں زینب رضی اللہ عنہا کے تعلق باللہ پر کہ انھوں نے جواب کیسا خوبصورت دیا کہ پہلے اپنے رب سے مشورہ یعنی استخارہ کروں گی پھر دیکھوں گی رب میرے دل کو کدھر موڑتا ہے؟ جی ہاں! دل نے رسول کریم ﷺ کے علاوہ اور بھلا کدھر مڑنا تھا؟ اس لیے کہ دل تو اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے، مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے پتا چلتا ہے کہ ان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق کس قدر گہرا اور عمیق تھا۔

جی ہاں! وہ رب سے مشورہ کر رہی تھیں، ادھر قرآن نازل ہو چکا تھا۔ عرش والا رب اپنے نبی ﷺ کا نکاح عرش پر کر چکا تھا، چنانچہ اللہ کے فیصلہ کے بعد رسول کریم ﷺ سیدھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ اب وہ ان کی بیوی تھیں، اجازت لینے کی حاجت نہ تھی، لہٰذا آپ ﷺ سیدھے اندر گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو رب کریم کے حکم سے آگاہ فرمایا اور یوں اب دونوں میاں بیوی تھے۔ جی ہاں! نہ ایجاب تھا نہ قبول تھا، نہ انسان گواہ تھے، نہ کوئی ولی تھا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مقدر کے! وہ فخر کیا کرتی تھیں تو بجا کہ ان کا نکاح اللہ نے عرش پر کیا تھا۔

یہودی سردار ابو رافع کے پیٹ میں تلوار:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے چند صحابہ کا دستہ روانہ فرمایا۔ جن میں عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ دستے کے امیر تھے، انھیں ابو رافع کو قتل کرنے کا ہدف دیا گیا۔ یہ شخص شرارتیں کر کے ہر طریقے سے اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتا رہتا تھا۔ نیز ہمیشہ آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کرتا۔ یہ سرزمین حجاز میں (خیبر کے پاس) ایک قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کے بھیجے ہوئے مجاہد سفر کرتے ہوئے اس قلعہ کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں آگے جاتا ہوں اور حالات کا جائزہ لیتا ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ جب میں وہاں قلعے کے قریب پہنچا تو اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے مویشی لے کر گھر واپسی کی راہ لے چکے تھے۔ میں

اب قلعہ کے اندر جانے کی سوچنے لگا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ قلعہ والوں کا ایک گدھا گم ہوگیا تھا۔ وہ اسے تلاش کرنے کے لیے باہر نکلے۔ چراغ ان کے ہمراہ تھے۔ میں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ڈر گیا کہ کہیں یہ لوگ مجھے پہچان نہ لیں۔ اب میں قلعے کے دروازے کے قریب آیا۔ اپنے اردگرد کپڑے کر لیے اور یوں بیٹھ گیا جیسے کوئی قضائے حاجت کے لیے بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد دربان نے آکر آواز لگائی: ''جس نے قلعے کے اندر داخل ہونا ہے، جلدی آجائے، میں گیٹ بند کرنے لگا ہوں۔'' میں نے موقع غنیمت جانا اور جھٹ سے گیٹ کے اندر داخل ہوگیا۔ قلعہ کے دروازے کے پاس ہی ایک جگہ تھی جہاں گدھے باندھے جاتے تھے، میں اسی جگہ چھپ گیا۔

حسب دستور قلعہ کے لوگوں نے ابو رافع کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور پھر اس کی دل لگی کے لیے اسے قصے کہانیاں سناتے رہے۔ جب رات کا کچھ حصہ بیت گیا تو یہ لوگ قلعہ میں واقع اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ کچھ دیر اور گزری تو سناٹا چھا گیا۔ کسی حرکت کی اب کوئی آواز نہ تھی۔ میں گدھوں کے طویلہ سے باہر نکلا اور اس کھونٹی کی طرف بڑھا جہاں قلعہ کی چابیاں لٹک رہی تھیں، جب میں اندر داخل ہوا تھا تو طویلے میں چھپ کر دربان کو یہاں کنجیاں رکھتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا۔ میں نے چابیاں قبضے میں کرتے ہی سب سے پہلے قلعے کا گیٹ کھولا۔ ابو رافع کے پاس رات کے وقت داستانیں بیان کی جارہی تھیں اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔ جب داستان گو اس کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس عرصہ میں میں جتنے دروازے اس تک پہنچنے کے لیے کھولتا تھا انھیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اگر قلعہ والوں کو میری یہاں موجودگی کا پتا چل بھی جائے تو وہ اس وقت تک مجھ تلک نہ پہنچ پائیں جب تک کہ میں ابو رافع کو قتل نہ کردوں۔ الغرض، یوں کرتے کرتے سیڑھی کے زینے چڑھتے ہوئے اب میں ابو رافع کے بالاخانوں تک پہنچ چکا تھا۔

ابو رافع کے کمرے میں پہنچا تو وہاں گھپ اندھیرا تھا۔ چراغ بجھا ہوا تھا۔ ابو رافع اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ سویا تھا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ ابو رافع کہاں سویا ہے، چنانچہ میں نے اس کی پوزیشن معلوم کرنے کے لیے اس کو آواز دی: ''اے ابو رافع!'' اس پر ابو رافع

بولا: ''یہ کون ہے؟'' آواز سنتے ہی میں آواز کی طرف لپکا اور تلوار کا وار کر دیا۔ میں وار کر کے دور ہٹ گیا اور وہ چلانے لگ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وار کارگر ثابت نہیں ہوا، چنانچہ میں دوبارہ اس کے قریب آیا۔ اسے یہ باور کرانے کے لیے کہ میں اس کی مدد کو آیا ہوں، آواز بدلی اور بڑے ہمدردانہ لہجے میں اسے پوچھا: ''ابو رافع! تمھیں کیا ہوا؟''

وہ کہنے لگا: ''تیری ماں کا بیڑا غرق، ابھی کوئی شخص میرے کمرے میں داخل ہوا ہے اور اس نے مجھ پر تلوار کا حملہ کر دیا ہے۔'' یہ سنتے ہی میں نے اس پر پھر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بھی وہ قتل نہ ہو سکا اور چیخنے لگ گیا۔ اب کے اس کی بیوی بھی اٹھ گئی۔ میں جلدی سے پھر اس کی جانب لپکا۔ آواز کو پھر بدلا، گویا میں اس کی مدد کو پہنچا ہوں وہ بالکل سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی اور اس قدر دبائی کہ دوسری طرف سے آر پار کر دی۔ اب میں نے کمر کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز بھی سنی۔ یوں اس کے قتل کا یقین کر کے میں یہاں سے نکلا۔ گھبراہٹ تو تھی ہی، چنانچہ اسی گھبراہٹ میں ہر کمرے کا دروازہ کھولتا چلا گیا حتیٰ کہ ایک زینے پر آن پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ اب میرا اگلا قدم زمین پر ہو گا، ایسا نہ تھا، چنانچہ میں نے اپنی طرف سے زمین پر قدم رکھا لیکن بلندی سے نیچے گر گیا۔

چاندنی رات تھی۔ میرا پاؤں ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے اپنی پگڑی پاؤں پر باندھی اور لنگڑاتے ہوئے گیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ میں نے عزم کر لیا کہ اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لوں کہ ابو رافع قتل ہو چکا یا نہیں؟ اب کے مرغ نے اذان دی، اس کے ساتھ ہی قلعے کی فصیل پر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: ''میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔'' یہ سن کر میں چلنے کے لیے اٹھا تو مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا: ''چلنے کی جلدی کرو، اللہ نے ابو رافع کو قتل کر دیا ہے۔'' میں جب اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو کامیابی کی خوشخبری دی تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

((اَبۡسِطۡ رِجۡلَكَ))

''اپنا پاؤں پھیلاؤ۔''



میں نے اپنا پاؤں باہر نکالا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا۔ اب تو پاؤں ایسا ہو گیا گویا مجھے کبھی کوئی تکلیف اس پیر میں ہوئی ہی نہ تھی۔"

[بخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي رافع...... الخ : ٤٠٣٩]

ابو رافع یہودی سردار تھا، اس کا نام سلام تھا، جس کا معنی سلامتی ہے، لیکن یہ اپنے نام کے برعکس فتنہ وفساد اور شر انگیزی پھیلاتا تھا۔ یہ اتنا بڑا تاجر تھا کہ اسے "رئیس التجار" اور "تاجر الحجاز" کہا جاتا تھا۔ یہ اپنی دولت خرچ کرتا تھا تو ان لوگوں پر جو اللہ کے رسول ﷺ کی گستاخیاں کیا کرتے، نیز اس نے عرب قبائل کو مدینہ پر چڑھا لانے میں بھی خوب کردار ادا کیا تھا۔ اس کی شرارتوں کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کی تھی کہ اسے قتل کرنے کا مشن انھیں سونپا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار کے خزرج قبیلے سے تھا۔ وہ اس مہم کو اس لیے بھی سرانجام دینا چاہتے تھے کہ اس سے پہلے اوس قبیلے کے لوگ یہودی سردار کعب بن اشرف کو قتل کر چکے تھے۔ اب خزرج والے بھی ایسا ہی کارنامہ سرانجام دینا چاہتے تھے جیسا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا تھا۔

ثابت ہوا اگر دین اور جہاد کے امور میں آگے بڑھنے اور سبقت کرنے کے لیے قبیلوں کے مابین مقابلہ بازی ہو تو یہ مبارک ہے۔ یہاں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے۔

قربان جائیں اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ پر! وہ کیسے دلیر لوگ تھے کہ اسلام کے موذی اور مہلک دشمنوں کو ان کی قلعہ بند خواب گاہوں میں جا کر قتل کر دیا کرتے تھے۔ ان کے اس عمل سے اسلام دشمنوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ امن کی فضا خراب کرنے کا جب سوچتے تو اس کے متوقع نتائج سے کانپ کانپ جایا کرتے تھے۔ غزوۂ احزاب کے بعد عرب کا ماحول اسی انداز کا بنتا چلا جا رہا تھا۔ صحابہ کے دستوں نے اب عرب کی سرزمین پر گشت شروع کر دیے تھے اور وہ بدو جو امن وسلامتی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، ان کے خلاف تادیبی کارروائیاں شروع کر چکے تھے۔ مسلمانوں کے رعب کی فضا جو غزوۂ احد کے بعد کمزور پڑ گئی تھی اب غزوۂ احزاب کے بعد مسلمانوں کی دھاک دوبارہ بیٹھ گئی۔

نجد کا سردار مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے نجد کی جانب گھڑسوار مجاہدوں کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ یہ مجاہدین حنیفہ قبیلے کے ایک سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لائے اور اسے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ جب گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے تو ثمامہ سے پوچھا:

((مَا ذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ !))

''ثمامہ! جو تیرے دل میں ہے کہہ ڈال۔''

ثمامہ کہنے لگا: ''اے محمد! (ﷺ) میرے اندر تو خیر ہی ہے لیکن اس کے باوجود اگر مجھے قتل کرو گے تو ایسے شخص کو قتل کرو گے جس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر مجھ پر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان کی قدر کرنا جانتا ہے یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو مال و دولت کی تمنا ہے تو جس قدر چاہیں تقاضا کریں، اسے پورا کیا جائے گا۔''

یہ جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ کچھ کہے بغیر چلے گئے، حتیٰ کہ اگلے دن تشریف لائے اور ثمامہ سے وہی سوال دہرایا جو پہلے دن کیا تھا۔ ثمامہ نے کہا: ''میرا جواب وہی ہے جو میں آپ کو دے چکا ہوں۔'' اور ساتھ ہی اپنے جواب کو دہرا بھی دیا۔ اب کے بھی اللہ کے رسول ﷺ کچھ کہے بغیر چلے گئے اور تیسرے دن پھر آپ ﷺ ثمامہ کے پاس آئے تو وہی سوال دہرایا۔ ثمامہ نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دو بار دے چکے تھے۔ اب کے اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا:

((اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ))

''ثمامہ کو آزاد کر دو۔''

ثمامہ یہاں سے نکلا اور مسجد کے قریب ہی کھجوروں کے ایک باغ میں جا پہنچا، وہاں سے غسل کر کے واپس مسجد میں آ گیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے آ کر کہنے لگا:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا

ہوں کہ بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

پھر کہنے لگا: "اے محمد! (ﷺ) میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمین پر جس قدر بھی چہرے ہیں، ان میں سب سے بڑھ کر مجھے جس چہرے پر غصہ آتا تھا، وہ آپ کا چہرہ تھا، لیکن اب صورتحال یہ ہے کہ ان تمام چہروں میں مجھے جس چہرے کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت ہے وہ آپ کا چہرہ مبارک ہے۔ اسی طرح میں یہ بات بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دنیا پر تمام ادیان میں سے مجھے جس دین پر سب سے زیادہ غصہ آتا تھا وہ آپ کا دین تھا، مگر اب آپ کا دین مجھے تمام دینوں میں سب سے زیادہ محبوب لگ رہا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی میں اللہ کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ آپ (ﷺ) کے اس شہر پر مجھے تمام شہروں سے بڑھ کر غصہ آتا تھا مگر اب یہ شہر سب شہروں سے بڑھ کر مجھے پیارا لگ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کے گھڑ سوار مجاہدین نے مجھے اس وقت گرفتار کیا جس وقت میں عمرہ ادا کرنے جا رہا تھا، اب آپ کی مرضی ہے جو حکم فرمائیں۔"

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے قبول اسلام پر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: "تم عمرہ ادا کر لو۔" حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ جب مکہ میں پہنچے تو ایک شخص انھیں کہنے لگا: "کیا تو بے دین ہو گیا؟" ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "بالکل نہیں! اللہ کی قسم! میں تو اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور سنو! یہ بات ہے تو یمامہ سے تمھارے پاس اب گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ تمھیں اناج دینے کی اجازت دے دیں۔"

[بخاري، كتاب المغازي، باب وفد بني حنيفة...... الخ : ٤٣٧٢]

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ گرفتار کر کے لائے تھے۔ اس مشرک قیدی کو مسجد میں اس لیے باندھا گیا، تاکہ وہ مسلمانوں کی نماز دیکھے، قرآن سنے اور اسلام سمجھے۔ چنانچہ وہی ہوا، اس نے دین بھی دیکھ لیا اور حکمران مدینہ کا بلند اخلاق بھی دیکھ لیا، چنانچہ اس کا جسم آزاد ہوا تو دل ہمیشہ کے لیے قیدی بن کے رہ گیا۔

یمامہ کے سردار نے مال و دولت کی پیشکش کی، مگر اللہ کے رسول ﷺ کو مال و دولت نہیں بلکہ ثمامہ چاہیے تھا، اس کی اخروی بھلائی چاہیے تھی، چنانچہ اللہ نے اپنے مہربان رسول ﷺ

کو ثمامہ دے دیا۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے گندم کی سپلائی روکی تو مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ سے رشتے ناتے کا واسطہ دے کر سپلائی جاری کروانے کی درخواست کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ گندم کی سپلائی جاری کر دو۔ یہ تھے سرزمین عرب میں غزوۂ احزاب کے نتائج، جنھیں اللہ کے رسول ﷺ ملاحظہ کر رہے تھے۔ احزاب یعنی اتحادی فورسز کا ناکام ہوکر بھاگ جانا اس قدر اہم واقعہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کا یہ معمول بن گیا تھا کہ آپ ﷺ جب بھی کسی جنگ، حج یا عمرہ سے واپس مدینہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور پھر فرماتے :

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، آئِبُوْنَ ، تَائِبُوْنَ ، عَابِدُوْنَ ، سَاجِدُوْنَ ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

[بخاري، كتاب العمرة، باب ما يقول إذا رجع من الحج ...... الخ : ۱۷۹۷۔ مسلم : ۱۳۴۴۔ ابن حبان : ۲۷۰۷ و إسناده صحيح]

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو ایک اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک بھی نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اس کی تعریف ہے، وہ ہر چیز کو اپنے قابو میں رکھے ہوئے ہے، اے اللہ! ہم واپس آ رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، سجدہ ریز ہوتے ہوئے، اپنے مالک کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی اور اکیلے نے تمام اتحادی فورسز کو بھگا ڈالا۔“

مرتد اور قاتل ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر کاٹ دیے گئے :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عکل اور عرینہ قبائل کے کچھ لوگ مدینہ میں آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد (ایک دن) وہ کہنے لگے : ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم لوگ مویشی رکھتے تھے، کھیت وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھے، لہٰذا ہم تو صرف دودھ پر اپنی گزر اوقات کیا کرتے

تھے۔'' دراصل مدینہ کی آب و ہوا ان لوگوں کو راس نہ آئی تھی، اس بنا پر اللہ کے رسول ﷺ نے چند اونٹ اور ایک چرواہا ان کو دے دیا اور فرمایا: ''مدینہ سے باہر چراگاہ میں چلے جاؤ اور وہاں اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔ صحت مند ہو جاؤ گے۔'' یہ لوگ چراگاہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ وہاں حرہ کے پاس چراگاہ میں اقامت پذیر ہو کر مذکورہ علاج سے وہ خوب موٹے تازے ہوگئے، پھر ان کی نیت بدلی اور وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر بھاگ نکلے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو ان کی تلاش کے لیے بھیجا۔ صحابہ نے انھیں جا لیا اور انھیں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ دیا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور اسی حرہ کے کنارے پر انھیں دھوپ میں پھینک دیا گیا، یہاں تک کہ وہ اسی حال میں مر گئے۔ جب وہ پانی مانگتے تھے تو انھیں کوئی پانی نہ دیتا تھا۔''

[بخاري، كتاب الوضوء ، باب أبوال الإبل : ٢٣٢، ٤١٩٢۔ مسلم : ١٦٧١، ١٦٧١/١١۔ ابن حبان : ٤٤٦٨ و إسناده صحيح]

ان ڈاکوؤں نے اللہ کے رسول ﷺ کے جس چرواہے صحابی کو شہید کیا اس کا نام حضرت یسار رضی اللہ عنہ تھا۔ ان ظالموں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں کانٹے مارے اور بری طرح قتل کیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی انٹیلی جینس کا نظام اس دور میں کس قدر مضبوط تھا کہ فوراً آپ ﷺ کو اطلاع مل گئی اور پھر آپ ﷺ نے مدینہ کے انتظامی حاکم کی حیثیت سے فوراً ایکشن لیا اور اپنے صحابہ کو بھیجا۔ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے، یہ صحابہ کیسے فرض شناس اور تیز طرار تھے کہ انھیں جا پکڑا، پھر اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں عبرتناک سزا دی۔

یاد رہے! ایسے قاتل اور ڈاکو معاشرے کا کینسر ہیں، اگر ان پر رحم کیا جائے تو یہ کینسر سارے معاشرے میں پھیل جاتا ہے۔ قتل و غارت گری کا ہر طرف راج ہو جاتا ہے۔ وہ ڈاکٹر انتہائی مہربان ہوتا ہے جو کینسر زدہ عضو کو کاٹ پھینکتا ہے، پھر کٹی ہوئی جگہ شعائیں بھی لگاتا ہے، تاکہ رہے سہے جراثیم بھی ختم ہو جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے، جو سراپا رحمت ہیں، ان کو

عبرتناک سزا دی۔ اسی حرہ کے مقام پر مرنے کے لیے سورج کی دھوپ اور تمازت میں پھینکا، جہاں ڈاکوؤں نے بے گناہ شخص کو قتل کیا تھا۔ ڈاکوؤں کا یہ اعلانیہ حشر دیکھ کر کون ہے جو ڈاکے مار کر قتل کرے گا اور اسلامی حکومت کی رٹ کو چیلنج کرے گا؟

آج سعودی عرب ساری دنیا میں سب سے زیادہ پر امن ملک ہے۔ وہ اس وجہ سے ہے کہ وہاں اسلام کی سزاؤں کا نفاذ ہے۔ دنیا کا واحد ملک ہے جس کا دستور کتاب وسنت ہے۔

جرائم میں کون کیا ہے؟ 2005ء میں ''یو این او'' کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ جرائم امریکہ اور یورپ میں ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہاں مجرموں سے ہمدردی اختیار کی جاتی ہے...... عجب غیر فطری انداز ہے ان لوگوں کا کہ جس کا مال لٹ گیا، قتل ہو گیا وہ اور اس کے لواحقین تو ہمدردی کے مستحق نہیں بلکہ مستحق وہ ہے جو قاتل ہے؟ اللہ نے ایسے قاتل ڈاکوؤں کی سزا کا قرآن میں حکم دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر عمل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اللہ کی طرف سے تجویز کردہ سزا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [المائدة : ۵/۳۳]

''ان لوگوں کی جزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں، یہی ہے کہ انھیں عبرت ناک طریقے سے قتل کیا جائے، یا سولی دی جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹے جائیں، یا انھیں اس سرزمین سے نکال دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔''

دیو ہیکل مچھلی فاقہ کش مجاہدین کے سامنے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ساحل سمندر کی جانب ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ہدف قریش کا قافلہ تھا۔ مجاہدین کی تعداد تین سو تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا کمانڈر بنایا۔ دوران سفر سخت بھوک اور فاقوں

کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارے پاس جو کچھ بچ گیا وہ کمانڈر صاحب کے حکم پر جمع کیا گیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اسی میں سے روزانہ ہمیں تھوڑا تھوڑا دیتے تھے۔ آخر جب یہ بھی ختم ہو گیا تو ہمارے حصے میں ایک ایک کھجور آتی۔ جناب وہب بن کیسان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ایک ایک کھجور سے کیا بنتا ہوگا؟'' انھوں نے کہا: ''اس وقت یہ بھی غنیمت تھی، جب یہ بھی نہ رہی تو پھر اس کی بھی قدر کا احساس ہوا۔ اس کے بعد تو کیکر کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑا، اسی وجہ سے اس لشکر کا نام ''جیش الخبط'' یعنی پتے جھاڑ کر کھانے والا لشکر پڑ گیا۔

اس کے بعد ایک مجاہد قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے تین اونٹ ذبح کیے۔ دوبارہ بھوک لگی تو پھر تین اونٹ ذبح کر دیے اور ضرورت پڑنے پر جب تیسری بار تین اونٹ ذبح کیے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا، کیونکہ اگر سب اونٹ ذبح کر دیے جاتے تو سفر کس طرح ہوتا؟ جب ساحل سمندر پر پہنچے تو وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے ٹیلے کی طرح مچھلی پڑی ہے۔ ہم نے اتنی بڑی مچھلی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا تھا۔ سارے لشکر نے اٹھارہ دن تک اس مچھلی کو کھایا، وہ اس کی چربی سے اپنے جسموں پر مالش کرتے رہے۔ اس کے بعد کمانڈر صاحب کے حکم پر اس مچھلی کی پسلی کی دو ہڈیاں کھڑی کی گئیں تو وہ اس قدر بلند تھیں کہ اونٹ پر کجاوہ کسا گیا، اس کے اوپر سوار بٹھایا گیا اور اسے جب مچھلی کی ہڈیوں کے نیچے سے گزارا گیا تو سوار کا سر ہڈیوں کو چھوئے بغیر نیچے سے گزر گیا، پھر جب ہم مدینہ واپس آئے تو ہم نے اس کا ذکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ ، أَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ مِنْهُ))

''یہ رزق اللہ نے سمندر سے نکال کر عطا فرمایا ہے، اسے کھاؤ اور اگر تمھارے پاس اس میں سے کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔''

چنانچہ ایک شخص نے اس کا گوشت لا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة سيف البحر ...... الخ : ٤٣٦٠ تا ٤٣٦٢۔
مسلم، کتاب الصيد، باب إباحة ميتات البحر : ١٩٣٥]

قارئین کرام! اس مچھلی کے بارے میں ایک ہی صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی تین روایات آئی ہیں۔ ایک بات ایک روایت میں ہے اور دوسری میں نہیں، یوں ہم نے تینوں روایات کو سامنے رکھ کر ایک جامع روایت اردو کے قالب میں ڈھال کر آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ ان جہادی سفروں کی شدت کا اندازہ اس سے بھی لگائیے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت (۶۴۵۳) میں ہے کہ صحابہ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے پھر جب قضائے حاجت کرتے تو بکری کی مینگنیوں کی طرح کرتے۔

غزوۂ احزاب کے بعد مشرکوں کو دھمکانے کے لیے یہ مہم تھی اور پیغام تھا کہ ہم اب تمھارا پیچھا کریں گے، تمھارے پاس پہنچیں گے۔ اس سلسلے میں بہت ساری مہمات سر کی گئیں اور متعدد دستے اور لشکر سرکش مشرکوں کی تادیب کے لیے روانہ کیے گئے۔ وادی القریٰ جس کو ''العلا'' کہا جاتا ہے، شام کی طرف واقع ہے، یہاں بھی لشکر بھیجا گیا۔

الغرض، اتحادی فورسز کے بھاگنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ہر جانب لشکر دوڑائے، کوئی زیر ہو گئے، کوئی خائف ہو گئے اور کسی نے اسلام قبول کر لیا۔

ایسے حالات میں غطفان قبیلے کے ایک شخص عیینہ بن حصین خزاری نے اپنے تئیں ہمت سے کام لیا اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کی دودھ دینے والی گابھن اونٹنیوں کو لے دوڑا۔ یہ اونٹنیاں مدینہ سے باہر ''غابہ'' کی چراگاہ میں چر رہی تھیں۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے گھوڑے پر ان کا پیچھا کیا۔ وہ ان کی جانب تیر برساتے رہے اور للکارتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے ساری اونٹنیاں ان سے چھڑوا لیں، یعنی اتنے بڑے قبیلے کے سردار نے حرکت کی تو وہ یہ تھی کہ چوری چھپے اونٹنیاں بھگانے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کا رعب ایسا پڑ چکا تھا کہ ایک ہی مجاہد نے سب کو بھگا مارا اور تمام اونٹنیاں چھڑوا لیں۔

[بخاري: ٣٠٤١، ٤١٩٤۔ مسلم: ١٨٠٦، ١٨٠٧۔ ابن حبان: ٤٥٢٩ و إسناده صحيح]

مشرک جب اس قدر بے جان ہو چکے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے امن کی فضا قائم کرنے کے لیے ایک اقدام کیا۔ آیئے! اس تاریخ ساز پر امن اقدام اور کوشش کو ملاحظہ کریں جو اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کی طرف سے ہو رہی تھی۔ یہ اقدام اور کوشش ''صلح حدیبیہ اور غزوۂ حدیبیہ'' کے نام سے معروف ہے۔ قرآن نے اسے ''واضح فتح'' قرار دیا ہے۔

حدیبیہ میں صلح......شاندار اور واضح فتح

اللہ کے رسول ﷺ کو حدیبیہ میں پڑاؤ کرنا پڑا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حدیبیہ کی صلح کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ ایک ہزار سے اوپر صحابہ کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنایا، اونٹوں کی کوہان کو چیرا، عمرے کے لیے احرام باندھا اور خزاعہ قبیلے کے ایک شخص کو آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ قریش کے ارادوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آگاہ کرے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة : ٤١٧٨، ٤١٧٩]

سورۂ فتح کی آیت نمبر (۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے خواب کا تذکرہ کیا ہے، اس خواب کی تفصیل اس طرح ہے کہ اللہ کے رسول جناب محمد کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ آپ (ﷺ) نے خانہ کعبہ کی چابی لی، اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اللہ کے گھر کا طواف کیا اور عمرہ ادا کیا۔ پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈوائے اور کچھ نے کٹوائے۔

آپ ﷺ نے یہ خواب اپنے صحابہ کو سنایا تو صحابہ بے حد خوش ہوئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ اور اردگرد کی آبادیوں میں اعلان کروا دیا کہ جو لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ ہونا چاہیں وہ تیار ہو جائیں۔ یوں آپ ﷺ ذی القعدہ کی یکم تاریخ کو روانہ ہوئے، سال چھ ہجری کا تھا، دن سوموار کا۔

عرب میں یہ دستور چلا آرہا تھا کہ بھیڑ بکری وغیرہ قسم کے جو جانور قربانی کے لیے بیت اللہ

کی طرف روانہ ہوتے تو ان کے گلے میں بالوں کا بنا ہوا ایک مخصوص قسم کا ہار ڈال دیا جاتا اور اونٹ کی کوہان کو چیرا دے کر خون بہایا جاتا۔ یہ علامتیں ہوتی تھیں اس بات کی کہ یہ جانور اللہ کے گھر کی طرف قربانی کے لیے جا رہے ہیں، لہٰذا ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ سارا عرب ان جانوروں اور جانوروں کو لے جانے والے لوگوں سے کوئی تعرض نہ کرتا اور وہ پر امن طریقے سے مکہ میں داخل ہو جاتے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس دستور کو برقرار رکھا، اس پر عمل کیا، اپنی تلواروں کو میانوں میں ڈالا اور احرام باندھا۔ یہ سارا کچھ حسب دستور اس بات کی علامت تھا کہ مسلمان لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے جا رہے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۴۱۵۴) میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، اس میں وہ کہتے ہیں: ”اس روز ہم صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی۔“

اس سفر میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا تھا، آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے جس کا نام ”قصواء“ تھا اور یہ امن کا قافلہ احرام پہنے ہوئے مکہ کی جانب چل دیا۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة......الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۴۱۷۸، ۴۱۷۹) کے مطابق جب یہ قافلہ ”غدیر الاشطاط“ کے مقام پر پہنچا تو بشر بن سفیان کعبی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اسے آپ ﷺ نے قریش کے ردعمل کو معلوم کرنے کے لیے بھیج رکھا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو آگاہ کرتے ہوئے بتلایا کہ قریش نے آپ ﷺ کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے، اپنے حلیف قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملایا ہے۔ وہ آپ ﷺ سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں، وہ آپ ﷺ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکیں گے۔

اس صورتحال پر آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو طے یہی ہوا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہے، لہٰذا اللہ کا نام لے کر سفر کو جاری رکھا جائے اور جو کوئی ہمارے اور اللہ کے گھر کے درمیان رکاوٹ بنے گا تو ہم اس سے لڑیں گے۔

یاد رہے! غدیر الاشطاط کا مقام عسفان کے قریب ہے۔ عسفان مکہ سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، اسلامی قافلہ مکہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور اب سفر جاری ہو چکا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی:

ابن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ مکہ جا رہے تھے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے اطلاع کنندگان کے حوالے سے صحابہ کو آگاہ فرمایا:

''خالد بن ولید قریش کے (دو سو) گھڑ سواروں کے ساتھ ہماری نقل و حرکت کا اندازہ کرنے کے لیے ''الغمیم'' کے مقام پر ٹھہرا ہوا ہے، اس لیے تم لوگ دائیں جانب سے جاؤ۔''

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے راستہ بدلنے کی حکمت عملی کا کچھ بھی علم خالد بن ولید کو نہ ہو سکا، چنانچہ جب صحابہ کے لشکر نے کوچ کیا اور گرد وغبار اٹھا تو اسے دیکھ کر خالد بن ولید کے دستے کو معلوم ہوا کہ مسلمان تو نکل گئے۔ خالد بن ولید اس صورتحال سے قریش مکہ کو آگاہ کرنے کے لیے جلدی جلدی مکہ پہنچے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے سفر پر گامزن رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اس گھاٹی (ثنیۃ المرار) پر پہنچے جس میں چل کر مکہ میں جایا جاتا ہے۔ اب ہوا یہ کہ اس جگہ اللہ کے رسول ﷺ کی سواری بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کی سواری کو اٹھانے کے لیے ہانکنے لگے لیکن سواری نے اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہ لیا۔ اس پر صحابہ کہنے لگے: ''قصواء اڑ گئی۔'' آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

''قصواء اڑی نہیں، نہ اس کی ایسی عادت ہے، اسے تو مکہ میں داخل ہونے سے اس رب نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں (پہ مشتمل ابرہہ) کے لشکر کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔'' آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''اس اللہ کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریش جو بھی کوئی ایسا مطالبہ رکھیں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کا خیال رکھا گیا ہو تو میں ان کا مطالبہ مان لوں گا۔''

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹنی کو کھڑا کرنے کے لیے ڈانٹا تو وہ کھڑی ہوگئی۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة...... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ ابن حبان : ٤٨٧٢ و إسناده صحیح]

ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ جنگ نہیں بلکہ امن چاہتے تھے، اسی لیے وہ بچ بچ کر راستہ بدل بدل کر چل رہے تھے جبکہ مشرک ایسے لوگوں سے لڑنے کا عزم کر رہے تھے جو احرام باندھے ہوئے تھے اور احرام باندھنے والوں سے لڑنا سارے عرب میں انتہائی معیوب، ظلم اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسی حالت میں مسلمانوں کو لڑائی سے بچانا چاہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اونٹنی مکہ کے راستے کی جانب نہیں چلی کیونکہ یہ راستہ جنگ کا راستہ تھا۔ اب مسلمان حدیبیہ میں بیٹھے تھے کہ شاید یہاں سے کوئی صورت نکل آئے اور ہم امن کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کر لیں۔

یاد رہے! ''التنعیم'' کا مقام مکہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ کر نکلنے لگا:

حضرت ابن مخرمہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ''اب اللہ کے رسول ﷺ چلتے ہوئے صحابہ سے آگے نکل گئے اور حدیبیہ کے آخری کنارے پر پڑاؤ کیا۔ یہاں ایک تھوڑے پانی والا چشمہ تھا۔ صحابہ نے اس کا تھوڑا تھوڑا پانی ہی استعمال کرنا شروع کر دیا اور پانی کو جمع نہیں ہونے دیا۔ سارا پانی ساتھ ساتھ ختم کر ڈالا، اس پر لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے شکایت سنی تو اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اس تیر کو چشمے میں ڈال دیں۔ اللہ کی قسم! تیر ڈالنے کی دیر تھی کہ صحابہ کو سیراب کرنے کے لیے پانی جوش مارنے لگا اور صحابہ خوب سیر ہو کر پینے لگے۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة...... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ ابن حبان : ٤٨٧٢ و إسناده صحیح]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر سارا ہی لشکر پیاسا ہو چکا تھا، اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایک بڑا برتن پڑا تھا۔ اس سے پانی لے کر آپ ﷺ نے وضو کیا۔

اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا مسئلہ درپیش ہے؟'' صحابہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اب ہمارے پاس اتنا بھی پانی نہیں رہا کہ ہم اس کے ساتھ وضو کرلیں یا پی لیں۔ پانی تو بس یہی ہے جو اس بڑے برتن میں آپ (ﷺ) کے سامنے پڑا ہے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات سنتے ہی اپنا ہاتھ مبارک اس بڑے برتن میں ڈال دیا، بس پھر کیا تھا، آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی یوں پھوٹ کر ابلنے لگا جس طرح چشموں سے نکلتا ہے، چنانچہ ہم نے اس روز پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ اگر ہم اس روز ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی تھا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ : ٤١٥٢]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہماری تعداد چودہ سو تھی، وہاں حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا۔ ہم نے اس کنویں سے اس قدر پانی کھینچا کہ اس کے اندر ایک قطرہ بھی پانی کا نہ رہا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اس صورتحال کا پتا چلا تو آپ ﷺ کنویں پر تشریف لے آئے۔ اس کے کنارے پر بیٹھ گئے اور پانی کا ایک برتن منگوایا۔ آپ ﷺ نے وضو کیا پھر کلی کی، اللہ کے حضور دعا کی اور یہ پانی کنویں میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم رکے، پھر جس قدر ہم نے چاہا اس کنویں سے پانی نکالا، خود بھی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ : ٤١٥١، ٣٥٧٧]

قارئین کرام! جدہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جائیں تو جدہ و مکہ روڈ پر ایک بورڈ دکھائی دیتا ہے جس پر ''شمیسی'' لکھا ہوا ہے۔ یہاں سے بائیں طرف مڑ جائیں تو چند کلو میٹر کے فاصلے پر حدیبیہ کا مقام ہے، اسے اب شمیسی کہا جاتا ہے۔ یہاں حکومت سعودی عرب نے ایک خوبصورت مسجد بنا دی ہے۔ مسجد کے ساتھ ہی یہ کنواں ابھی تک موجود ہے۔ میں اس کنویں کی منڈیر پر کافی دیر بیٹھا رہا اور صحابہ کا چودہ سو سالہ پرانا منظر یاد کر کے مزے لیتا رہا۔ کنویں میں ابھی تک پانی موجود تھا لیکن استعمال میں نہیں لایا جاتا، ببول کے درخت بھی یہاں بہت سارے ابھی تک موجود ہیں۔

جدہ سے شمیسی کا جو کل فاصلہ ہے وہ 45 کلو میٹر کے قریب ہے، جی ہاں! یہی وہ علاقہ

ہے جہاں پانی کی فراہمی کے تین معجزات یہاں پڑاؤ کے دنوں میں ظہور میں آئے، جنھیں ہم نے تین مختلف راویوں سے درج کیا ہے۔

اس دین کی خاطر لڑوں گا حتیٰ کہ میرا سر جسم سے الگ ہو جائے:

حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ صحابہ پانی سے سیراب ہو چکے تھے کہ خزاعہ قبیلے کا سردار بدیل بن ورقاء اپنی قوم کے کئی آدمیوں کے ہمراہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ تہامہ کے رہنے والے تھے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز اور خیر خواہ تھے۔ ان کے سردار نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرتے ہوئے کہا: ''میں کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو دیکھ کر آ رہا ہوں، انھوں نے حدیبیہ کے فراواں پانی کے پاس اپنا ڈیرہ جمایا ہے۔ ان کے پاس اونٹنیاں ہیں جو دودھ دینے والی ہیں۔ ان اونٹنیوں کے تازہ بہ تازہ بچے ہیں۔ یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے اور بیت اللہ سے روکنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔'' یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہم کسی سے بھی لڑنے کے لیے نہیں آئے، ہم تو عمرہ کرنے آئے ہیں۔ ویسے بھی قریش کو مسلسل لڑائیوں نے تھکا مارا ہے اور انھیں بے پناہ نقصان سے دوچار کیا ہے۔ اب اگر وہ چاہیں تو میں ان کے ساتھ ایک مدت کے لیے صلح کر لوں گا۔ اس عرصہ میں وہ میرے اور لوگوں کے درمیان مزاحم اور رکاوٹ بننے سے ہٹ جائیں...... میں کامیاب ہو جاؤں تو وہ دعوتی کامیابی کو دیکھ کر چاہیں تو اسی دین میں داخل ہو جائیں جس میں عام لوگ داخل ہو چکے ہوں گے اور اگر وہ میری پیشکش کے خلاف اپنی روش سے نہیں ہٹتے اور صلح سے انکار کرتے ہیں تو اس اللہ کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنے اس دین کے معاملے میں ان کے خلاف اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن بدن سے جدا نہ ہو جائے اور اللہ اپنے اس دین کو نافذ نہ کر دے۔''

بدیل بن ورقاء یہ سن کر کہنے لگا: ''میں آپ کی یہ گفتگو قریش تک پہنچا دوں گا۔'' چنانچہ بدیل یہاں سے نکلا اور قریش کے پاس جا پہنچا۔ وہاں جا کر ان سے کہنے لگا: ''ہم تمھارے پاس آئے ہیں تو اس شخص (جناب محمد کریم ﷺ) سے مل کر آ رہے ہیں، ہم نے انھیں اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے سنا ہے، اگر آپ لوگوں کو پسند ہو تو ہم ان کا موقف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔'' اس پر ان کے نادان چھچھورے کہنے لگے: ''ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تم اس شخص (محمد کریم ﷺ) کی کوئی بات ہمیں سناتے پھرو۔''

لیکن ان میں رائے رکھنے والے دانا لوگ کہنے لگے: ''نہیں نہیں! تم لوگوں نے جو کچھ ان کو کہتے ہوئے سنا ہے وہ بیان کرو۔'' اس پر بدیل کہنے لگا: ''میں نے ان کو (محمد کریم ﷺ) کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔'' اور اس کے ساتھ ہی اللہ کے رسول ﷺ کی وہ ساری باتیں جو آپ ﷺ نے فرمائی تھیں، بدیل نے کہہ دیں۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة...... الخ :۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ ابن حبان : ۴۸۷۲/۲ و إسناده صحيح ۔ مسند أحمد : ۳۲۹/۴، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحيح]

تہامہ ''تہم'' سے ہے۔ اس کا معنی گرمی ہے۔ مکہ اور اس کے مضافات کو تہامہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہاں گرمی شدید پڑتی ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑیں گے؟

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی پیشکش کو سننے کے بعد ان کا ایک سمجھدار آدمی عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور اپنی خدمت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہنے لگا: ''اے میری قوم کے لوگو! کیا تم میرے ساتھ اس طرح محبت نہیں کرتے ہو جس طرح باپ اپنے بیٹے کے ساتھ محبت کرتا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''بالکل۔'' پھر کہنے لگا: ''کیا میں تمھارا اس طرح خیر خواہ نہیں ہوں جس طرح باپ اپنے بیٹے کا خیر خواہ ہوتا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''کیوں نہیں! تم ایسے ہی ہو۔'' اس کے بعد عروہ کہنے لگا: ''اگر مجھ پر کسی جرم کے ارتکاب کی کوئی تہمت ہے تو وہ بھی بتلا دو؟'' لوگوں نے کہا: ''تمھارا

دامن صاف ہے۔'' اس کے بعد کہنے لگا: ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے عکاظ کے لوگوں کو کہا تھا کہ وہ (جنگ میں) تمھاری مدد کریں، انھوں نے مدد سے انکار کیا تو میں نے اپنے خاندان کے لوگوں، اولاد اور ان تمام افراد کو تمھارے سامنے لا کھڑا کیا جنھوں نے میری بات کو مانا۔'' قریش کے لوگ کہنے لگے: ''کیوں نہیں! آپ کی یہ باتیں بالکل برحق ہیں۔''

اب کے عروہ بن مسعود کہنے لگے: ''اگر یہ بات ہے تو پھر اس شخص (محمد کریم ﷺ) نے تمھارے سامنے ایک بہترین لائحہ عمل رکھا ہے، تم لوگ اسے قبول کرلو اور مجھے اس (محمد کریم ﷺ) کے پاس گفتگو کے لیے جانے دو۔'' سب بولے: ''ہاں، ہاں! آپ ضرور جائیں۔''

عروہ بن مسعود اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچے اور گفتگو کا آغاز کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے عروہ سے بھی وہی باتیں کہیں جو اس سے قبل بدیل سے کہہ چکے تھے۔ یہ ساری باتیں سن کر عروہ کہنے لگا: ''اے محمد! (ﷺ) اس بارے آپ کا کیا خیال ہے، فرض کریں آپ اپنی قوم (قریش مکہ) کو جڑ سے اکھاڑ کر تباہ و برباد کر دیتے ہیں تو کیا آپ (ﷺ) نے اس سے قبل کبھی یہ سنا کہ عربوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی ہی قوم کو تباہ و برباد کر دیا ہو؟ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے کہ قریش آپ لوگوں کو جڑ سے اکھاڑ کر تباہ و برباد کر دیں تو تب کیا ہوگا؟ مجھے تو پھر یہی نظر آرہا ہے کہ اللہ کی قسم! یہ جو چہرے ہیں (صحابہ کی طرف اشارہ کر کے) بھگوڑے لوگوں کے چہرے ہیں، جو بھاگ اٹھیں گے اور آپ کو چھوڑ کر اپنی راہ لیں گے۔'' یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عروہ کو کہا:

((اِمْصَصْ بَظْرَ اللَّاتِ، أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ وَ نَدَعُهُ ؟))

''ارے جا! (اپنے معبود) لات (بت) کی شرمگاہ چوس لے، کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیں گے اور بھاگ جائیں گے؟''

عروہ کہنے لگا: ''یہ کون ہے؟'' صحابہ نے کہا: ''یہ جناب ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔'' اب عروہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: ''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمھارا مجھ پر ایک احسان ہے، میں اب تک اس کا بدلہ نہیں چکا سکا، اگر یہ احسان نہ ہوتا تو میں تمھیں

جواب دیتا۔"

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة...... الخ : ۲۷۳۱،
۲۷۳۲۔ ابن حبان : ۴۸۷۲/۲ و إسناده صحیح]

قارئین کرام! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو لوگوں پر احسانات کرنے والے، نرم خو اور بڑے خلیق و بردبار انسان تھے، وہ اس وقت طیش اور جذبات میں آگئے جب عروہ نے ان صحابہ کو طعنہ دیا جو بدر و احد میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں فدا کرنے کی لاجواب اور شاندار تاریخ رقم کر چکے تھے۔ حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مکہ ہی نہیں مکہ کی جائدادیں اور بیوی بچے تک چھوڑ چکے تھے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بڑا برموقع اور باکمال ہے۔ عروہ کے ذریعے قریش کو یہ پیغام ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہونے کا طعنہ ہماری برداشت سے باہر ہے، نیز ایسا غلیظ طعنہ سن کر نرم جواب غیرت مندوں کی غیرت کا جنازہ ہوا کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لیے غیرت مند مسلمانوں کو ایک سبق پڑھا دیا ہے۔ مزید برآں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سخت جواب پر خاموش رہ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار کر دیا ہے۔ کافر ایسا طعنہ دیں تو جواب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، مسلمان وزرائے خارجہ کو یہ نکتہ نوٹ کرنا چاہیے۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کا دستہ اپنے چچا کے ہاتھ پر دے مارا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ عروہ بن مسعود دوبارہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے لگا۔ وہ جب گفتگو کرتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی پکڑتا۔ ادھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار اور سر پر خود تھی۔ عروہ جب بھی اپنا ہاتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی طرف بڑھاتا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار کا دستہ عروہ کے ہاتھ پر مارتے اور اسے کہتے:

((أَخِّرْ يَدَكَ عَنْ لِحْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا۔"

عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھنے لگا: "یہ کون ہے؟" صحابہ نے کہا: "مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

ہے۔'' اب عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: ''او دغا باز! کیا میں نے تیری دغا بازی کی سزا سے تجھے بچایا نہیں؟''

بات یہ تھی کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے، اسلام قبول کرنے سے قبل جن لوگوں کے ہمراہ وہ رہتے تھے، ان کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کا مال و دولت لے کر بھاگ نکلے۔ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (مال بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور کہا کہ جو چاہیں آپ اس بارے میں حکم فرمائیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جہاں تک اسلام کی بات ہے میں اسے قبول کرتا ہوں اور جو مال ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''

[بخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد......: ٢٧٣١، ٢٧٣٢۔ ابن حبان : ٤٨٧٢/٢ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ٣٢٩/٤۔ ح : ١٨٩٥٢ و إسناده صحيح]

چونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عروہ بن مسعود کے بھتیجے تھے، اس لیے عروہ بن مسعود نے اپنے بھتیجے کی خلاصی کے لیے دوڑ دھوپ کی تھی۔ اب جب اسے پتا چلا کہ جناب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو نوجوان محافظ بن کر کھڑا ہے وہ میرا ہی بھتیجا ہے تو اس نے اپنے کیے ہوئے احسان کا طعنہ دے ڈالا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو اسلامی تاریخ کے ایک بڑے فاتح جرنیل بنے، انھیں کس قدر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے کہ پہلی بار تو عروہ نے داڑھی مبارک پکڑ لی مگر اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ نے اپنے چچا کو یہ گستاخی نہیں کرنے دی۔ محافظ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفار کے ایلچی کو یہ پیغام دیا کہ وہ اپنے حکمران، جرنیل اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا عجب انداز:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق اس کے بعد تو عروہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھنے لگا کہ وہ تعلق و محبت کے کیا کیا مناظر پیش کرتے ہیں، وہ واپس قریش کے پاس گیا تو ان کے سامنے کچھ اس طرح نقشہ کھینچنے لگا:

''اے قوم کے لوگو! اللہ کی قسم! میں کئی بادشاہوں کے درباروں میں وفود لے کر گیا ہوں، حتیٰ کہ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں مگر اللہ کی قسم! میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کی تعظیم و توقیر اس کے لوگ اس حد تک کرتے ہوں جس حد تک محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) نے لعاب بھی تھوک دیا تو ان کے اصحاب نے اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیا، آپ (ﷺ) نے انھیں اگر کوئی حکم دیا تو ہر شخص نے اسے بجالانے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کی۔ آپ (ﷺ) نے اگر وضو کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ (ﷺ) کے وضو پر لڑائی ہو جائے گی۔ آپ (ﷺ) نے جب گفتگو شروع کی تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ ان کے دلوں میں آپ (ﷺ) کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ آپ کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ انھوں نے تمھارے سامنے ایک بھلی صورت رکھی ہے، تمھیں چاہیے کہ اسے قبول کر لو۔''

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد ...... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ ابن حبان : ۴۸۷۲/۲ و إسناده صحيح]

قارئین کرام! تمام مسلمانوں نے اپنے رسول ﷺ اور سپریم کمانڈر جناب محمد ﷺ کے ساتھ الفت و محبت، تعظیم و توقیر اور اطاعت و فرماں برداری کا جو بے مثال نمونہ پیش کیا، اس نے قریش مکہ کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ انھیں باور کرا دیا کہ اپنے حکمران سے اس درجہ محبت کرنے والے متحد لوگ جب ہم قریش سے مقابلے کے لیے سامنے آئیں گے تو ہمارا حشر نشر کر دیں گے۔ آج کے حکمرانوں کو بھی یہ نکتہ سمجھنا ہوگا کہ اگر انھیں اپنی رعایا کی محبت اور اعتماد حاصل ہوگا تو وہ دشمنوں سے بخوبی مقابلہ کر پائیں گے اور اگر ان کی حکمرانی کا طرز عمل اپنے عوام کے خلاف لوٹ کھسوٹ، جھوٹ اور دغابازی پر مشتمل ہوگا تو وہ کٹی پھٹی اور منتشر قوم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ایسی قوم کے حکمرانوں کو دشمن بھی کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

عروہ بن مسعود جو یہ مناظر دیکھ کر گئے تھے، ان کا اثر ان کی ذات پر اس درجہ ہوا کہ انھوں نے بعد ازاں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور یوں وہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ بن گئے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحابہ نے حدیبیہ میں آپ ﷺ کا تھوک مبارک جسم پر

ملنے اور وضو کا پانی دوڑ دوڑ کر لینے کا جو مظاہرہ کیا، ایسا محبت آمیز منظر اور کہیں نظر نہیں آتا۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے اس موقع پر حد درجہ باکمال، روشن خیال اور دانشمندانہ روش کا اظہار کیا۔ اس روش نے نتیجہ یہ دکھلایا کہ قریش جو جنگ پر تلے بیٹھے تھے، وہ صلح وامن قبول کرنے پر تیار ہو گئے۔

قربانی کے جانور آگے کر دو:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس کے بعد بنو کنانہ کا ایک شخص کھڑا ہوا۔ جس کا نام حلیس بن علقمہ تھا۔ وہ کہنے لگا: ''مجھے بھی اجازت دو، میں بھی مسلمانوں کے پاس جاتا ہوں۔'' اہل مجلس نے کہا: ''تم بھی ہو آؤ۔'' جب حلیس......اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول کے قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے فرمانے لگے:

''یہ فلاں شخص جو آ رہا ہے اس کا تعلق ایسی قوم سے ہے جو ''ہدی'' (یعنی بیت اللہ جانے والے قربانی کے جانوروں) کا بہت احترام کرتی ہے، لہٰذا قربانی کے جانور اس کے سامنے کر دو۔''

صحابہ نے یہ جانور اس کے سامنے کر دیے اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب بنو کنانہ کے شخص نے یہ منظر دیکھا تو پکار اٹھا: ''سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکا جائے؟ یہ تو قطعاً مناسب نہیں۔''

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة......الخ: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

قارئین کرام! اس سے معلوم ہوا کہ مخالف کو اپنا ہمنوا یا ہمدرد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے جو خیالات اور رجحانات ہیں ان کے بارے میں معلوم کیا جائے اور پھر ان معلومات کی بنیاد پر طرز عمل اختیار کیا جائے، حکمرانوں اور سفیروں کو یہ نکتہ خاص طور پر نوٹ کرنا چاہیے۔

ہاں! البتہ یہ بھی پیش نظر رہے کہ غیر مسلموں کو خوش کرنے کے لیے ایسا طرز عمل مت اپنایا جائے جس سے اسلام پہ حرف آئے، نام نہاد روشن خیالی کے نام پر ایسا کیا گیا تو الٹا اثر ہو گا اور عزت و وقار خاک میں مل جائے گا۔

بھڑکتی جنگ کے شعلوں کو اللہ نے بجھا دیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مکہ کے باسیوں میں سے 80 جوان تنعیم کے پہاڑ سے اترے۔ وہ پوری طرح اسلحہ سے لیس تھے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ پر حملہ کے لیے آئے تھے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ پر بے خبری میں ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو لڑے بغیر پکڑ لیا اور پھر انھیں چھوڑ بھی دیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾ [الفتح : ٤٨/٢٤]

”وہی اللہ تو ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھوں کو تم پر یلغار کرنے سے روک دیا اور تمھارے ہاتھوں کو انھیں ذبح کرنے سے اس وقت روک دیا جب تم لوگوں کو ان پر قابو پانے کی قوت سے نواز چکا تھا۔“

[مسلم، كتاب الجهاد و السير، باب قول الله تعالى ﴿ وهوالذى كف أيديهم عنكم ﴾ : ١٨٠٨]

مسند احمد میں ہے کہ کفار کے اسی (٨٠) آدمی ہتھیاروں سے لیس جبل تنعیم کی جانب سے خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف اتر آئے۔ آپ ﷺ غافل نہ تھے۔ آپ ﷺ نے فوراً صحابہ کو آگاہ کیا، چنانچہ یہ سب گرفتار کر لیے گئے اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے گئے۔ آپ ﷺ نے کمال مہربانی سے درگزر کیا اور سب کو زندہ چھوڑ دیا۔

[مسند أحمد : ١٢٤/٣، ١٢٥، ح : ١٢٢٦٢ و إسناده صحيح۔ مسلم : ١٨٠٨]

جی ہاں! رسول رحمت جو احرام کی حالت میں تھے، انھوں نے ان کا خون بہانے سے ہاتھ ہی نہ روکا بلکہ قیدی بھی نہ بنایا اور چھوڑ دیا۔ یہ ایک بہت بڑا پیغام تھا کہ محمد کریم ﷺ قریش مکہ کے چھوکروں کی شرارتوں کے باوجود امن اور صلح چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اس طرز عمل نے قریش کے لوگوں کو اخلاقی طور پر اوندھے منہ گرا دیا۔ بہرحال! اللہ کے رسول گرامی ﷺ نے اب فیصلہ کیا کہ قریش کی جانب اپنا بھی کوئی سفیر بھیجنا چاہیے جو قریش کو ہمارا

مقصد اچھی طرح سمجھائے اور انھیں قائل کرے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا انھیں وہاں صلاح مشوروں میں ٹائم زیادہ لگ گیا جس کی وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے جہاد و قتال کرنے کی بیعت لینے کا پروگرام بنا لیا۔ پروگرام یہی تھا کہ بیعت لے لی جائے اور اگر شہادت کی خبر درست ہو تو پھر بھرپور لڑائی کر کے بدلہ لیا جائے کہ سفیر کا قتل اس دور میں بھی انتہائی گھٹیا حرکت اور جنگ بھڑکانے کا اقدام سمجھا جاتا تھا۔

درخت کے نیچے بیعت:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''درخت والے دن میں بھی موجود تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ وہ ٹہنیاں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تھیں، میں ان کو اٹھائے کھڑا تھا۔''

[مسلم، کتاب الإمارة، باب استحباب مبایعة الإمام الجیش ...... الخ : ۱۸۵۸]

حدیبیہ کے مقام پر میں نے دیکھا کہ آج بھی وہاں بے شمار جنگلی کیکر ہیں۔ جنگلی کیکر کی کانٹے دار ٹہنیوں کا پھیلاؤ زیادہ اور سایہ کم ہوتا ہے، کیونکہ اس کا قد بڑا نہیں ہوتا۔

بخاری کی روایات (۴۱۸۷ تا ۴۱۸۹) کے مطابق چودہ سو صحابہ انھی درختوں کی چھاؤں میں پھیلے ہوئے بیٹھے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر جہاد و قتال کی بیعت لی، اس لیے کہ مسلمانوں کی طرف سے اس قدر نرمی کے باوجود وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرتے ہیں تو سفیر کا قتل جہالت و سنگدلی کی انتہا ہے۔ اس موقع پر جنگ ضروری ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضبوط قدم اٹھایا اور بیعت لینا شروع کی۔

صحیح مسلم کی روایت (۱۸۰۷) کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کی پھر درمیان میں اور آخر پر، یعنی تین بار بیعت کی۔ الغرض، تمام صحابہ جمع ہو گئے اور سب نے بیعت کی۔

صحیح بخاری (۴۱۶۹) اور مسلم (۱۸۶۰) کی روایت کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ہم نے یہ بیعت موت پر کی۔'' صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت معقل بن یسار اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں:

((بَایَعْنَاهُ عَلٰی اَنْ لَّا نَفِرَّ))

[مسلم، کتاب الإمارة، باب استحباب مبایعة الإمام الجیش...... الخ : ۱۸۵۶، ۱۸۵۸]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت اس عہد پر کی کہ ہم راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔''

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

((بَایَعَهُمْ عَلَی الصَّبْرِ))

[بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب البیعة فی الحرب علی أن لا یفروا : ۲۹۵۸]

''صحابہ نے ڈٹ جانے پر بیعت کی۔''

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا ساری باتوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی اور یہ ایسی مبارک بیعت تھی کہ اللہ نے بیعت کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنائی:

﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴾ [الفتح : ۱۸/۴۸]

''بے شک اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا، جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اسے معلوم ہوگیا، اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انھیں جلد ہی فتح دے دی۔''

قریش کو مسلمانوں کی بیعت جنگ اور عزم مصمم کا پتا چلا تو انھوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کیا مگر مکرز بن حفص نامی شخص خود ہی قریش کو یہ کہہ کر کہ میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتا ہوں، چلا آیا تھا۔ یہ شرارتی قسم کا آدمی تھا۔ صحیح بخاری (۲۷۳۱، ۲۷۳۲) میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدترین آدمی کہا تھا۔ قریش کو احساس ہوا کہ اس شخص کا حدیبیہ میں چلے جانا کہیں مزید خرابی کا باعث نہ بن جائے، چنانچہ انھوں نے فوراً ایک دانا اور سمجھدار سردار سہیل بن عمرو کو صلح کے اختیارات دے کر روانہ کر دیا۔

سہیل آیا اور صلح کا راستہ سہل ہو گیا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش مکہ نے عامر بن لوئی قبیلے کے ایک سردار سہیل بن عمرو کو بھیجا اور اسے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کرو لیکن یاد رہے کہ ان کے ساتھ صلح میں یہ بات بہر صورت ہو کہ وہ اس سال واپس جائیں گے، ہمارے پاس بالکل نہیں آئیں گے۔ اگر انھیں آنے دیا گیا تو اللہ کی قسم! سارے عرب میں یہی بات مشہور ہو جائے گی کہ وہ محض اپنے زور کے بل بوتے پر مکہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ صحابہ کہتے ہیں مگر ابھی اللہ کے رسول ﷺ سے گفتگو کرنے ہی لگا تھا کہ سہیل بن عمرو آن پہنچا، جب وہ آ رہا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے کہا:

((قَدْ سَهَّلَ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ))

''اللہ نے تمھارا معاملہ آسان کر دیا ہے۔''

سہیل نے آتے ہی اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: ''آیئے! اپنے اور ہمارے درمیان تحریر لکھیے۔'' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے کاتب کو بلوا لیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور مشرکوں کے درمیان صلح کے معاہدہ کی تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔''

اس پر سہیل اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگا: ''یہ جو رحمان ہے، اللہ کی قسم! میں تو نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ تم '' بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ'' (اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ) لکھو، جس طرح پہلے لکھا جاتا ہے۔''

مسلمان کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی بجائے کوئی دوسرا جملہ ہمیں نہیں لکھنا چاہیے۔'' اس پر اللہ کے رسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: '' بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ'' لکھ دو۔ پھر آپ ﷺ نے کہا لکھو:

''یہ صلح کا جو فیصلہ ہے، اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے۔''

سہیل نے پھر اعتراض کر دیا، کہنے لگا: ''اگر ہمیں یہ علم ہو جاتا کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو ہم آپ کو نہ تو بیت اللہ کی زیارت سے روکتے اور نہ آپ سے لڑائی ہی کرتے، ہاں یہ لکھو کہ یہ تحریر محمد بن عبداللہ کی طرف سے ہے۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تو اللہ کا رسول ہوں، تم اگرچہ مجھے جھٹلاتے پھرو، چلو! محمد بن عبداللہ ہی لکھ دو۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹا دو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں کس طرح مٹاؤں؟'' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس لفظ کو مٹا دیا۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد...... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ مسند أحمد : ۳۲۸/٤ تا ۳۳۰، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحیح۔ ابن حبان : ٤۸۷۲ و إسناده صحیح]

صلح حدیبیہ کی شرائط:

(۱) سہیل نے کہا: ''ہم اس سال بیت اللہ کی زیارت نہیں کرنے دیں گے، البتہ آئندہ سال کے لیے اجازت ہے۔

اس سال آپ واپس لوٹ جائیں، مکہ میں نہ آئیں اگلے سال آئیں۔ جب تم لوگ آؤ گے ہم مکہ سے باہر نکل جائیں گے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئیں۔ تین دن مکہ میں قیام کریں۔ تمھارے پاس ہتھیار اس قدر ہی ہوں جس قدر ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں اور تلواریں میان میں رہیں۔''

[بخاری (۲۷۳۱، ۲۷۳۲) مسلم : ۱۷۸۳۔ مسند أحمد : ۳۳۰/٤، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحیح]

(۲) سہیل نے کہا: ''یہ شرط بھی لکھ لو کہ ہماری طرف سے جو بھی شخص تمھارے پاس جائے گا، بے شک وہ تمھارے دین ہی پر کیوں نہ ہو، آپ کے ذمہ ہوگا کہ اس شخص کو ہمارے حوالے کر دیں۔''

[بخاری : ٤۱۸۰، ٤۱۸۱۔ مسند أحمد : ۳۳۰/٤، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحیح]

قارئین کرام! اس صلح کی مدت (۱۰) سال قرار پائی تھی۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ یہ بھی طے پایا کہ فریقین میں سے جو شخص پسند کرے کہ وہ محمد (ﷺ) کے عہد و پیمان میں داخل ہو تو

اسے اجازت ہے۔ جونہی تحریر مکمل ہوئی خزاعہ قبیلے کے لوگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم اللہ کے رسول ﷺ کے عہد و پیمان میں آتے ہیں۔ ساتھ ہی بنو بکر کے لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے ہم قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

ابو جندل بیڑیاں گھسیٹتا مسلمانوں کے درمیان آن گرا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت ابوجندل مسلمان تھے۔ مشرکوں نے انھیں مکہ میں قید کر رکھا تھا۔ ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے تھے۔ انھوں نے جب سنا کہ حضور نبی کریم ﷺ حدیبیہ میں تشریف لائے ہیں تو وہ کسی نہ کسی طرح موقع پا کر نکلے اور زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آ گئے۔

سہیل کی یہ شرط کہ ہماری طرف سے جو بھی آدمی، خواہ وہ مسلمان ہو، آپ کی طرف بھاگ کر جائے گا تو تمھیں واپس کرنا ہوگا، اسے سن کر مسلمان کہنے لگے: ''سبحان اللہ! ایک شخص مسلمان ہے، اسے کس طرح مشرکوں کے سپرد کیا جا سکتا ہے؟'' ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سہیل ہی کا بیٹا ابوجندل رضی اللہ عنہ بیڑیوں کو گھسیٹتا ہوا آن پہنچا۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ مکہ کے نشیبی علاقے کی طرف سے بھاگے تھے۔ انھوں نے خود کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ سہیل کہنے لگا: ''اے محمد! (ﷺ) یہ پہلا شخص ہے جس کے لیے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ (ﷺ) اس کو میرے حوالے کر دیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی تو ہم نے تحریر کو مکمل نہیں کیا ہے۔''

اس پر سہیل کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! یہ بات ہے تو میں کسی بھی بنیاد پر آپ سے صلح نہیں کروں گا۔'' یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے اس سے کہا: ''اچھا، چلو پھر ابو جندل مجھے دے کر احسان ہی کر دے۔''

سہیل کہنے لگا: ''نہیں، میں یہ احسان نہیں کر سکتا۔'' آپ ﷺ نے پھر کہا: ''نہیں، یہ احسان تو کر ہی دینا چاہیے۔''

سہیل بولا: ''نہیں، میں نہیں کر سکتا۔'' مکرز نے کہا: ''چلو یہ احسان کر دیتے ہیں۔'' لیکن

سہیل نے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔ اب ابو جندل مسلمانوں کے سامنے دہائیاں دینے لگا: ''اے مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، کیا اب مجھے ان مشرکوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا؟''

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد......الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔
مسند أحمد : ۳۳۰/٤، ح: ۱۸۹۵۲ و إسناده صحیح]

الغرض، سہیل اپنے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو طمانچے مارتا ہوا لے گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشانی میں مبتلا :

حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل مکالمہ کیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ''کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول نہیں؟''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ''کیوں نہیں!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ''کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر؟''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ''کیوں نہیں!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ''یہ بات ہے تو پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں دبے کیوں ہیں؟''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ''یاد رکھو! میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں، میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا، اللہ ہی میرا مددگار ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ''کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ''ٹھیک ہے، لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ''نہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ تو نہیں فرمایا تھا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ''پھر اے عمر! یاد رکھو! تم بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے یہ انداز اختیار کرنے کی جو جسارت کی، اس کے

مداوے کے لیے بہت سے نیک اعمال کیے۔"

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد..... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ مسند أحمد : ۳۳۰/۳، ۳۳۱، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحیح]

صحابہ کا غم میں ڈوبنے کا منظر:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صلح نامے سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ سے کہا: "اٹھو! جانور قربان کرو اور سر منڈاؤ۔" اللہ کی قسم! ان لوگوں میں سے ایک شخص بھی نہ اٹھا، حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا جملہ تین بار دہرایا، پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں چلے گئے اور ان کے سامنے صحابہ کے طرز عمل کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: "اے اللہ کے نبی! (ﷺ) اگر آپ (ﷺ) قربانی کرنا پسند کرتے ہیں؟ تو پھر آپ (ﷺ) باہر تشریف لے جائیں، کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ آپ اپنا جانور قربان کر دیں اور اپنے حجام کو بلالیں جو آپ کے بال مونڈ دے۔" مسند احمد میں یہ بھی لفظ ہیں: "یہ لوگ اس وقت جس صدمے سے دوچار ہیں آپ اسے بخوبی جانتے ہیں۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، آپ ﷺ خیمے سے باہر نکلے، کسی سے کچھ نہیں کہا اور خود عمل پیش کر دیا۔ اپنا اونٹ بھی قربان کر دیا، حجام کو بلوایا اور اس نے آپ ﷺ کا سر بھی مونڈ دیا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور جانور قربان کرنے لگے۔ آپس میں ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ رنج و غم میں ڈوبے ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد.....الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ مسند أحمد : ۳۳۰/٤، ۳۳۱، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحیح]

صحابہ، صلح کی دفعات پر اس قدر پریشان تھے کہ انھیں اپنے آپ کا ہوش ہی نہ رہا تھا۔ ان حالات میں مومنوں کی ماں اور رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ کا مشورہ خوب کارگر ثابت ہوا، عورت کے مقام کا بھی پتا چلا کہ حکمران مدینہ اور سالار صحابہ نے اپنے حکم کے نفاذ کا بہترین اور کارگر مشورہ حاصل کیا تو اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے۔

غم واندوہ میں ڈوبی صحابہ کی حالت جب معمول پر آ گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں سمجھاتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّهٗ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا اِلَيْهِمْ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهٗ فَرَجًا وَ مَخْرَجًا))

''جو ہمیں چھوڑ کر مشرکوں سے جا ملا ہمیں اس کی کیا ضرورت ہے، اچھا ہوا کہ اسے اللہ نے ہم سے دور کر دیا اور جو شخص ان مشرکوں میں سے نکل کر ہمارے پاس آئے گا تو اللہ اس کے لیے وسعت پیدا کرے گا اور کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔''

[مسلم، كتاب الجهاد و السير، باب صلح الحديبية : ١٧٨٤]

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے ان کی ہمت یوں بندھائی:

((اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ))

''آج کے روز تم لوگ تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔''

[مسلم، كتاب الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش...... الخ : ١٨٥٦]

آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ خوشخبری بھی سنائی:

((لَا يَدْخُلِ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ اَحَدٌ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا))

''درخت والوں میں سے ہر وہ شخص، جس نے درخت کے نیچے بیعت کی، ان شاء اللہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔''

[مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أصحاب الشجرة...... الخ : ٢٤٩٦۔ مسند أحمد : ٤٢٠/٦، ح : ٢٧٤٢٩ و إسناده صحيح۔ أبوداوٗد : ٤٦٥٣ و إسناده صحيح ۔ ترمذی : ٣٨٦٠ إسناده صحيح]

جب مشرک کی مومنہ بیٹی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئی:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت مسور اور مروان رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں: ''مدت صلح میں (مکہ سے فرار ہو کر) جو بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا آپ ﷺ اسے واپس کر دیتے، اگرچہ وہ مسلمان ہی ہوتا، لیکن اس مدت میں بعض مومن عورتیں بھی ہجرت کر کے مکہ سے آئیں، ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ان عورتوں میں سے ہیں جو اس

مدت میں حضور اکرم ﷺ کے پاس آئی تھیں، وہ اس وقت نوجوان تھیں، ان کے گھر والے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ کیا کہ وہ انھیں واپس کر دیں، تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کے بارے میں حکم نازل کیا۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ : ٤١٨٠، ٤١٨١]

قارئین کرام! اللہ کا یہ حکم قرآن کی سورہ ممتحنہ میں ہے۔ دسویں آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کرتے ہوئے (مکہ چھوڑ کر مدینہ میں) تمھارے پاس آجائیں تو ان کی جانچ پڑتال کر لو باقی ان کے ایمان (کی سچائی کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اب اگر تم اپنی حد تک معلوم کر لو کہ وہ واقعی ایمان والیاں ہیں تو انھیں واپس کافروں کے حوالے مت کرو، اب یہ مومن عورتیں ان کافر خاوندوں کے لیے جائز نہیں رہیں اور نہ وہ کافر خاوند ہی ان مومنات کے لیے حلال رہے ہیں۔

قارئین کرام! حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتب میں یہ بھی موجود ہے کہ مشرک جب عورتوں کو لینے آئے تو مسلمانوں کی طرف سے انھیں یہ جواب بھی ملا کہ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں مرد حضرات کو واپس کرنے کی شرط تو موجود تھی جبکہ عورتوں کا اس معاہدے میں کوئی ذکر نہیں، لہٰذا ہم معاہدے کی رو سے عورتوں کو واپس کرنے کے پابند نہیں۔

اسی طرح سورۂ ممتحنہ کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی کافر عورتوں کو نکاح میں مت رکھیں چنانچہ مسلمانوں نے فوراً عمل کیا، جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب الشروط (۲۷۳۱، ۲۷۳۲) میں ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں بیویوں کو طلاق دے دی۔ یہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے تو معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جبکہ دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔

قارئین کرام! یہ تھا اسلام کا معاشرہ جو توحید پر استوار ہو رہا تھا۔ اس معاشرے میں مومن کے گھر مشرک عورت ہو، یا مومن عورت مشرک کے نکاح میں ہو، اسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار

دے دیا، لہٰذا رشتوں کی بنیاد خونی رشتہ داری نہیں بلکہ ایمان قرار پایا۔

ستاروں کی تاثیر کے عقیدہ پر کاری ضرب:

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم حدیبیہ کے مقام پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ رات کو بارش برستی رہی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو رخ انور ہماری طرف کیا اور فرمایا:

((أَتَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟))

''کیا تمھیں معلوم ہے تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟''

ہم نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آگاہ فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں نے آج صبح اس حال میں کی ہے کہ کچھ تو مجھ پر ایمان رکھے ہوئے ہیں اور کچھ نے میرے ساتھ کفر کر ڈالا ہے۔ اس طرح کہ جس نے تو یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش اللہ کی رحمت سے ہوئی، اللہ کی عنایت اور اللہ کے فضل سے ہوئی، وہ شخص مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کی تاثیر کا انکار کرنے والا ہے اور وہ شخص کہ جس نے اس موقع پر یہ کہا کہ یہ بارش فلاں ستارے کی تاثیر سے ہوئی ہے، وہ ستاروں پر ایمان رکھنے والا اور میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية : ٤١٤٧]

چودہ سو سال قبل کے بت پرستانہ معاشروں میں ستاروں کی پرستش کا خوب چلن تھا۔ اس کے علمبردار یونانی تھے۔ عراق اور ایران کے ''صابی'' بھی ستارہ پرست تھے۔ جزیرۂ عرب میں بھی یہی چلن تھا۔ حیرت اور افسوس ہوتا ہے کہ آج کے سائنسی دور میں بھی وہی پرانی جہالت اپنے عروج پر ہے۔ عیسائی، یہودی، ہندو اور بدھ مت کے معاشروں میں جو اخبارات اور میگزین چھپتے ہیں اور ٹی وی چینلز چلتے ہیں ان میں ستاروں کی تاثیر کے فیچر باقاعدگی سے شائع اور نشر ہوتے ہیں۔ زائچے بنتے اور تقدیریں معلوم کی جاتی ہیں۔ رونے کا مقام ہے کہ مسلمان معاشروں کا چلن بھی اسی طرح کا بن چکا ہے۔ ''یہ ہفتہ کیسے گزرے گا'' کے عنوان سے ہمارے

میگزین بھی ستارہ پرستی میں کسی سے کم نہیں۔

ستاروں کے جو موجودہ نام ہیں، ہم نے ان پر تحقیق کی تو حیرت میں ڈوب گئے کہ ہر نام اپنے ساتھ شرک کی آلودگی لیے ہوئے ہے۔ قدیم دور سے معلوم ستاروں سے متعلق شرکیہ تصور تو تھا ہی، آج کے سائنسی دور میں بھی جو ستارے دریافت ہوئے ان کے نام بھی دیوتا پرستی کے مشرکانہ عقائد کے مطابق ہی رکھے گئے۔ آیئے ایک نظر اس پہ ڈالیں۔ سورج کو Sun God کہہ کر ایک دیوتا کے روپ میں پیش کیا گیا ہے جبکہ دیگر ستاروں کو حاکم ستارے کہا جاتا ہے، یعنی جن کا حکم چلتا ہے۔ ان ستاروں کے نام بھی ان دیوتاؤں کے نام پر رکھے گئے ہیں جن کی پوجا یونان کے مشرک کرتے تھے، ملاحظہ ہوں ان کے نام اور تفصیل :

(۱) مرکری : دیوتاؤں کا قاصد جو ہوا کے دوش پر اڑتا ہے۔

(۲) وینس : حسن کی دیوی (Godess Of Beauty)

(۳) مریخ : جنگ کا دیوتا (God Of War)

(۴) یورے نس : آسمان کا دیوتا۔

(۵) نیپچون : سمندر کا دیوتا۔

قارئین کرام! اب ستاروں کے جھرمٹوں کے نام ملاحظہ کریں۔ انگریزی اور یونانی زبانوں کے ان ناموں میں شرک دکھائی دے گا، یا پھر درندہ جانوروں کے نام پر درندگی دکھائی دے گی۔

(۱) God Of War باز

(۲) Arcturus ریچھ

(۳) Wolf بھیڑیا

(۴) Procyon کتا

(۵) Canopus قدیم مصری دیوتا جس نے یونان اور روم کی پوجا کی۔

قارئین کرام! اب برجوں کی تفصیل ملاحظہ کیجیے کہ سورج اپنے سالانہ چکر میں مختلف برجوں میں ہو کر گزرتا ہے۔ بڑا دیوتا یعنی سورج جب جس برج میں ہوتا ہے، اس دوران وہاں

کا برج کیا تاثیر دکھلاتا ہے، ملاحظہ ہو۔

(Star Buzz) ستارے کیا کہتے ہیں؟

(۱) برج حمل	(مینڈھا)	تصوف کے دانشمندانہ دور میں داخلہ۔
(۲) برج ثور	(Bull)	تقدیر بدلنے والی ہے۔
(۳) برج جوزا	(جڑواں)	مستقبل کے جیون ساتھی سے ملاقات۔
(۴) برج سرطان	(Cancer)	طویل المیعاد منصوبے۔
(۵) برج اسد	(Leo)	پوپ نے روم کو بربریوں (مسلمانوں) کے حملوں سے بچالیا۔
(۶) برج سنبلہ	کنواری	''تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔''
(۷) برج میزان	Balance	نشہ آور مشروبات ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کریں۔
(۸) برج عقرب	بچھو	گھر اور اردگرد کے کاموں میں سستی پیدا ہوگی۔
(۹) برج قوس	(تیر)	چانس لینے پر زور رہے گا۔
(۱۰) برج جدی	سمندری بکری	موسیقی سنیے۔
(۱۱) برج دلو	Water	بیوی بچے سستی سے جواب دیں گے۔
(۱۲) برج حوت	Fish	24 گھنٹوں میں تقدیر بدل جائے گی۔

قارئین کرام! اب مثال کے طور پر کسی کی تاریخ پیدائش برج عقرب کے مطابق ہے تو اس کی تقدیر اور قسمت کا جو زائچہ بنے گا وہ ممتاز امریکی ماہر نجوم سڈنی اومار کے زائچوں کی روشنی میں یوں بنے گا۔ ملاحظہ ہو:

تعارف برج عقرب:

نشان	بچھو
عنصر	پانی
حاکم سیارہ	مریخ اور پلوٹو
خوش بختی کا ہندسہ	5-3

سعد یعنی خوش بختی کا پتھر .... پکھراج

موافق رنگ .... گہرا سرخ اور سیاہ

قارئین کرام! جو لوگ مندرجہ بالا طریقے سے اپنی قسمتیں معلوم کر کے اپنے عقیدے کا ستیاناس کرتے پھر رہے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ عرب کے مشرک۔ شعریٰ ستارے سے اپنی قسمت وابستہ کر کے اس کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴾ [النجم : ٥٣/ ٤٩]

''اصل بات یہی ہے کہ اللہ ہی شعریٰ ستارے کا رب ہے۔''

اسی طرح سورۂ رحمان میں فرمایا:

﴿ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ ﴾ [الرحمٰن : ٥٥/ ٥، ٦]

''سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں اور یہ ستارے اور درخت (اللہ ہی کو) سجدہ کر رہے ہیں۔''

صحیح بخاری (۱۶۱۰) اور صحیح مسلم (۱۲۷۰) میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے کہا: ''اللہ کی قسم! تو ایک پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان دے سکتا ہے، اگر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ وہ تجھے چوم رہے ہیں تو کبھی نہ چومتا۔''

جی ہاں! یہ ہے وہ عقیدہ جو اللہ تعالیٰ نے سمجھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا، صحابہ نے عمل کر کے دکھلایا، لہٰذا پکھراج اور فیروزے وغیرہ کے نگینوں کے پتھروں کو سعد سمجھنے والو! برج کے موافق نگینے کا رنگ منتخب کرنے والو! پتھروں کی پوجا کو چھوڑو اور اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگو۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴾ [البقرة:٢/ ١٣٨]

''اللہ کا رنگ! اور اللہ کے رنگ سے بڑھ کر کس کا رنگ خوبصورت ہوسکتا ہے۔ (جو اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، وہ بے ساختہ کہتے ہیں) ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے بنیں گے۔''

قارئین کرام! تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ کھربوں گلیکسیوں میں سے وہ گلیکسی یعنی کہکشاں کہ جس میں ہمارا نظام شمسی ہے، اس گلیکسی کو ملکی وے کہا جاتا ہے۔ اس میں ایٹمی دوربین کے ذریعہ دوسو بلین سورج دیکھے گئے ہیں۔ اس سے بڑی کہکشاؤں میں ٹریلین یعنی کھربوں ستارے ہیں۔ پھر ہر ستارے کے گرد اس کے سیارے اور چاند گھوم رہے ہیں۔

اس لامتناہی نظام کو کائنات (Universe) کہا جاتا ہے اور اب تو صورتحال یہ ہے کہ سائنسدان کہتے ہیں اس کائنات جیسی بے شمار کائناتیں موجود ہیں۔ سائنسدانوں نے اس نظریے کے مطابق (Multiverse) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ نے قرآن کا آغاز ہی یہاں سے کیا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''سب تعریف اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

جی ہاں! وہ کائناتیں جس تعداد میں بھی ہیں اللہ کے ہاں گنتی شدہ ہیں۔ ہم مخلوق کے لیے بے شمار ہیں چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اس سائنسی دور میں جب کوئی ستاروں سے قسمت معلوم کرتا ہے تو اس کی جہالت اور اندھیر خیالی پر رونا آتا ہے۔

اور جو مسلمان ایسا کرتا ہے اس کی بدقسمتی پر افسوس ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کی موجودگی میں گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیر خیالی میں جا پڑا ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے حدیبیہ کے میدان میں اس اندھیر خیالی سے آگاہ فرما دیا تھا۔

اب آپ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ راستے میں ''سورۂ فتح'' نازل ہوئی۔ اللہ نے صلح کو فتح اسی لیے کہا کہ اب امن کے ماحول میں دعوت پھیلے گی۔ بت پرستی اور ستارہ پرستی نابود ہو گی اور توحید جگمگائے گی۔

عورتوں سے مصافحہ نہیں، زبانی بیعت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ''مومن عورتیں اس بات یعنی ایمان پر جب ہجرت کر کے مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا کرتی تھیں تو اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے فرمان کے مطابق ان کی جانچ پڑتال کر لیتے۔'' اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ تھا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ

وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾

[الممتحنة : ٦٠/١٢]

"اے نبی! جب تمھارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ اور پاؤں میں کوئی (بدکاری یا بدچلنی کا) بہتان گھڑ کر لائیں گی اور کسی نیک معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی، تو آپ ان سے بیعت بھی لے لیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگ لیں، اللہ تعالیٰ یقیناً بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید بتلاتی ہیں: "ان مہاجر مومن عورتوں میں جو عورت ان شرائط کا اقرار کر لیتی اس کے بارے میں سمجھا جاتا کہ یہ خاتون امتحان میں کامیاب ہوگئی، چنانچہ جب یہ خواتین اپنی زبان سے اقرار کر لیتیں تو اللہ کے رسول ﷺ ان سے فرماتے:

((اِنْطَلِقْنَ فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ))

"میں نے تم سے بیعت لے لی، اب جاؤ۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: "اللہ کی قسم! بیعت لیتے وقت اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ مبارک کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا، بس آپ ﷺ گفتگو کے ذریعہ ہی بیعت لیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں سے صرف انھی باتوں پر عہد لیا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔"

[بخاری، کتاب الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ...... الخ : ٥٢٨٨]

سبحان اللہ! اللہ کے رسول ﷺ نے کیا پاکیزہ معاشرہ تشکیل دیا۔ مشرکوں کی بیٹیاں، بیویاں اور بہنیں محض ایمان کی بنیاد پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے مدینہ آرہی ہیں اور مومنوں سے نکاح کر رہی ہیں، جبکہ مومن مرد کہ جن کی جو بیویاں مسلمان نہیں ہوتیں، ہجرت نہیں کرتیں، مشرکوں کے ساتھ رہتے ہوئے مشرک رہتی ہیں، ان کے خاوند جو مسلمان ہیں، وہ انھیں طلاقیں دے رہے ہیں۔

اللہ کا واسطہ، ابو بصیر کو روک لو:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''اللہ کے رسول ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے تو ایک روز قریش کا ایک جوان ابو بصیر رضی اللہ عنہ جو مسلمان تھا، بھاگ کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آ گیا۔ قریش کے لوگوں نے اسے واپس لانے کے لیے دو آدمی روانہ کیے۔ انھوں نے آ کر اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: ''ہم وہی عہد یاد دلانے کے لیے آئے ہیں، جو آپ (ﷺ) نے ہمارے ساتھ کر رکھا ہے۔'' چنانچہ آپ (ﷺ) نے ابو بصیر (رضی اللہ عنہ) کو ان دو آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں ابو بصیر کو لے کر چلتے بنے۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو وہ اپنی سواریوں سے اترے، تاکہ وہ اپنے پاس موجود کھجوریں کھائیں۔

اس دوران ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان دونوں میں سے ایک سے کہنے لگا: ''یار! تیری تلوار بڑی زبردست ہے۔'' (اپنی تلوار کی تعریف سنتے ہی) اس نے اب یہ کیا کہ تلوار پکڑی، نیام سے نکالی اور کہا: ''ہاں ہاں! اللہ کی قسم! یہ بڑی باکمال ہے۔ میں تو اس کا کئی بار تجربہ کر چکا ہوں۔'' ابو بصیر رضی اللہ عنہ کہنے لگا: ''ذرا دکھلانا، میں اسے دیکھوں تو سہی۔'' یوں ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار اپنے قبضے میں کر لی، وار کرنے کی پوزیشن میں تھاما اور دشمن کی گردن اڑا دی۔ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا، دوسرا بھاگ اٹھا اور اس نے مدینے آ کر سانس لیا۔ بھاگتا ہوا سیدھا اللہ کے نبی ﷺ کی مسجد میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو کہا: ''یہ تو خوف زدہ دکھائی دے رہا ہے۔''

جب یہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پہنچا تو سخت گھبرایا ہوا کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں۔'' اور اتنے میں اوپر سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی آن پہنچا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر کہنے لگا: ''اے اللہ کے نبی! (ﷺ) اللہ کی قسم! اللہ نے آپ (ﷺ) کا ذمہ پورا کر دیا۔ آپ (ﷺ) نے تو مجھے ان کے حوالے کر ہی دیا تھا، اب اللہ نے مجھے ان سے چھڑوا دیا ہے۔''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَيْلُ أُمِّهِ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ))

''اس کی ماں کا بیڑا غرق! اسے کوئی ساتھی مل جائے تو یہ جنگ کی آگ بھڑکا ڈالے گا۔''

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو سمجھ گئے کہ اللہ کے رسول ﷺ دوبارہ مجھے ان مشرکوں کے حوالے کر دیں گے، اس لیے وہ یہاں سے نکلے اور سمندر کے ساحل پہ آن ڈیرے لگائے۔ ادھر سہیل کا بیٹا ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی مشرکوں سے نکل بھاگا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس آن ٹھہرا۔ اب تو یہ سلسلہ چل نکلا کہ جو بھی اسلام قبول کرتا، وہ قریش سے نکل بھاگتا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملتا۔ اس طرح سے ان لوگوں کا ایک جتھا بن گیا۔ اللہ گواہ ہے، ان لوگوں کے جتھے کو جب بھی معلوم ہوتا کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف جا رہا ہے تو یہ اسے راستے ہی میں روک لیتے۔ انھیں قتل کرتے اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتے۔ اس صورتحال سے پریشان ہو کر قریش نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پیغام بھیجا، اللہ کا واسطہ دیا، رشتے داری اور ناتے کے لحاظ کا التماس کیا اور کہا: ''آپ (ﷺ) کسی کو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں اور اسے روکیں۔ اب کے جو شخص بھی ہمارے پاس سے آپ کے ہاں جائے گا، اسے امن ہے۔'' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔''

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد ...... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

اب کے صحابہ کو واضح طور پر نظر آ گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا معاہدۂ حدیبیہ کس قدر حکمت و دانش اور تدبر و دور اندیشی پر مبنی تھا کہ مسلمان فائدے ہی فائدے اٹھا رہے تھے اور قریش کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ انھوں نے معاہدہ کر کے دراصل مسلمانوں کی حکومت اور قوت کو تسلیم کر لیا۔ مومن عورتوں کو بھی وہ واپس لانے میں معاہدہ کی رو سے ناکام ہو گئے اور اب مرد حضرات کو لانے سے بھی تائب ہو گئے۔ مسلمان امن کی حالت میں خود کو مستحکم کرتے رہے اور اللہ کا دین پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔

مدینہ کے مضافات میں رہنے والے وہ دیہاتی جنھیں قرآن نے ''اعراب'' کہا، وہ بھی امید لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمان جو نہتے ہو کر عمرہ کرنے گئے ہیں، قریش کی قوت انھیں تباہ کر ڈالے گی اور یہ واپس نہ آ سکیں گے، لیکن وہ نہ صرف یہ کہ واپس آ گئے بلکہ اسلام کے پھیلنے کی رفتار تیز ہو گئی، لہٰذا اب یہ بھی اسلام کے بارے میں محتاط ہو گئے اور قبولیت اسلام کی فضا بننے لگی۔

رسول عربی ﷺ کے پیام......شاہوں کے نام

تبلیغ کا نیا اسلوب، بادشاہوں کو خطوط کے ذریعہ دعوت :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''اللہ کے رسول ﷺ نے کسریٰ اور قیصر کو خطوط لکھے۔ نجاشی اور ہر جابر حکمران کو خط لکھا۔''

[مسلم، کتاب الجهاد، باب کتب النبی ﷺ إلی...... الخ : ۱۷۷٤]

قارئین کرام ! اس دور میں دنیا کی دو سپر پاورز تھیں۔ ایک سپر پاور رومی عیسائیوں کی تھی جن کے بادشاہ کو ''قیصر'' کہا جاتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں روم کے قیصر کا نام ''ہرقل'' تھا۔ دوسری سپر پاور ایران کے مجوسیوں کی تھی، جو آگ کی پوجا کرتے۔ ان کے بادشاہ کو ''کسریٰ'' کہا جاتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کسریٰ ایران کا نام خسرو پرویز تھا۔

رومی سلطنت کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس کا دارالحکومت اٹلی کا شہر ''روم'' تھا۔ اس بادشاہت کو بازنطین کہا جاتا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں بازنطین کی بادشاہت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ اس کے مغربی یعنی یورپین حصے کا دارالحکومت بدستور ''روم'' ہی رہا جبکہ اپنی الگ بادشاہت بنانے والے رومی بادشاہ کونسٹنٹائن (Constantine) نے اپنا الگ دارالحکومت بنایا۔ یہ دارالحکومت آبنائے باسفورس کے کنارے پر تعمیر ہوا۔ اس کا نام ''قسطنطنیہ'' رکھا۔ مشرقی علاقوں یعنی ایشیا اور افریقہ کے علاقوں پر مشتمل یہ اتنی بڑی بادشاہت بن گئی کہ یہ مغربی بادشاہت سے بڑی اور مضبوط بن گئی، حتیٰ کہ سپر پاور بن گئی۔

مشہور انگریز مؤرخ مسٹر ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ ''یہ اپنے وقت کی عظیم بادشاہت اور ترقی یافتہ سلطنت تھی، اس کے بادشاہ کو سیاسی اقتدار کے ساتھ مذہبی قیادت بھی حاصل تھی۔''

ایرانی بادشاہت بھی صدیوں سے قائم تھی اور وہ برصغیر میں سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ وسط ایشیا میں افغانستان، آذربائیجان اور وادی فرغانہ تک اس کا پھیلاؤ تھا۔ عرب علاقوں میں عمان، بحرین اور یمن وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔ عراق میں دجلہ وفرات تک انھی کا پرچم لہرا رہا تھا۔

رومی سلطنت کے ماتحت موجودہ ترکی، شمالی افریقہ کے ممالک مصر، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ ہی نہ تھے بلکہ شام کا سارا علاقہ جس میں موجودہ اردن، شام، لبنان، فلسطین وغیرہ شامل تھے، وہاں تک ان کا پھیلاؤ تھا۔ عراق میں دجلہ وفرات تک دونوں ملک ایک دوسرے کا سامنا کرتے تھے یعنی دونوں سپر پاوروں میں سرحد عراق کے دریا تھے اور اکثر یہیں سے دونوں کے مابین جنگ کا آغاز ہوتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں سپر پاورز کے بادشاہوں کو خطوط لکھے۔

قارئین کرام! جیسا کہ آپ قرآن کی پیشگوئی سورۂ روم کے حوالے سے ملاحظہ کر چکے، ایران کا کسریٰ جس نے رومی بادشاہ کو شدید ترین شکست سے دوچار کیا تھا، اب نو سال بعد جوابی حملے میں رومی بادشاہ نے اس کا بدلہ لے کر شام کا علاقہ واپس لے لیا تھا۔ وہ واپس لیے ہوئے علاقوں میں آنے کے لیے قسطنطنیہ سے چلا اور خوشی خوشی یروشلم کی زیارت کے لیے آیا۔ وہ بڑی شان اور جاہ وجلال سے آیا تھا۔ بادشاہ کے وزراء، ایک بڑی فوج اور افسران اس کے ہمراہ تھے۔

آپ ﷺ نے چاندی کی مہر بنوائی:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے روم کے بادشاہ کو خط لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ عجم کے لوگ کوئی خط اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک اس پر مہر نہ لگی ہو، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ کروایا۔

انگوٹھی کا یہ نقش تین سطروں پر مشتمل تھا، ایک سطر میں ''محمد'' ایک میں ''رسول'' اور ایک میں ''اللہ'' تھا۔

[بخاری، کتاب اللباس، باب اتخاذ الخاتم لیختم ...... الخ: ۵۸۷۵،۵۸۷۸]

سب سے اوپر لفظ ''اللہ'' تھا، نیچے ''رسول'' اور تیسری اور آخری سطر میں ''محمد (ﷺ)'' تھا۔ سبحان اللہ! کس قدر بامعنی ترتیب ہے کہ اللہ نے رسول بنا کر بھیجا جناب محمد کریم ﷺ کو۔ آج جو خطوط دریافت ہوئے ہیں ان میں یہ مہر اسی ترتیب سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی وفات تک آپ ﷺ کے ہاتھ میں رہی، آپ ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وہ ''اریس'' نامی کنویں میں گر گئی اور باوجود تلاش کے نہ مل سکی۔''

[بخاری، کتاب اللباس، باب هل يجعل نقش الخاتم ثلاثة أسطر : ٥٨٧٩]

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ خط لے کر جاتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مجھے بتلایا کہ میرے اور رسول کریم ﷺ کے درمیان صلح کا معاہدہ (حدیبیہ) ہوگیا۔ پھر صلح کے دنوں میں تجارت کی غرض سے میں شام چلا گیا، اس دوران اللہ کے رسول ﷺ کا خط ''ہرقل'' کے پاس پہنچا۔ یہ خط حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے یہ خط بصریٰ کے عظیم (گورنر) کے حوالے کیا، پھر عظیم بصریٰ نے انھیں ہرقل کے پاس پہنچا دیا۔''

[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب دعاء النبی ﷺ...... الخ : ٢٩٤٠، ٢٩٤١]

امام ابن طولون رحمہ اللہ جو شام کے شہر دمشق کے رہنے والے تھے، ۸۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳ سال کی عمر میں ۹۵۳ھ میں فوت ہوئے۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے خطوط پر ایک جامع کتاب لکھی، جس کا نام ''اعلام السائلین عن کتب سیدالمرسلین'' ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے سردار کے جو خطوط ہیں، ان کے متلاشیوں کے لیے اس کتاب میں خطوط کے یہ جواہر پارے موجود ہیں۔ امام ابن طولون شامی لکھتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خطوط دے کر جن سفیروں کو بھیجا وہ خوبصورت اور عقل مند تھے۔ گفتگو کے ماہر اور قائل کرنے کے لحاظ سے دلیل کی قوت سے بھی مالا مال تھے۔''

کتب احادیث و سیر میں ہے: ''حضرت جبرئیل جب انسانی شکل و صورت میں آتے تو

حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت اختیار کرتے تھے۔" تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

[مسلم : ٢٤٥١، ١٦٧۔ السنن الکبری للنسائی ٥٢٩/٦ ح : ١١٧٢٢ وإسناده صحیح۔ مسند أحمد : ١٤٢/٦، ح : ٢٥١٥٠ و إسناده حسن لذاته۔ طبقات ابن سعد : ٢٢٢/٣ و إسناده حسن لذاته، عمرو بن علقمة صدوق حسن الحدیث، وثقه الجمهور]

بصریٰ کا شہر دمشق کے جنوب میں اور اردن کے شمال میں واقع ہے۔ یہاں کا حاکم "ہرقل" کے ماتحت تھا، اسے شاہ غسان کہا جاتا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بصریٰ کے حاکم کی طرف بھیجا کہ خط اس کے حوالے کریں، پھر وہ قیصر تک پہنچانے کا بند و بست کر دے گا۔ چنانچہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حاکم بصریٰ یعنی شاہ غسان کے پاس پہنچے اور پھر بصریٰ کے حاکم نے انھیں بیت المقدس میں قیصر روم ہرقل کی جانب روانہ کر دیا۔

[بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب دعاء النبی ﷺ...... الخ : ٢٩٤٠]

ہرقل کی پریشانی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:
"ابن ناطور ایلیا (بیت المقدس) کا حاکم، شام کے عیسائیوں کا بہت بڑا دینی رہنما تھا اور ہرقل کا خاص دوست تھا، وہ بیان کرتا ہے، ہرقل ایلیا میں آیا، ایک روز وہ صبح کو اٹھا تو انتہائی پریشان تھا۔ اس پر بادشاہ کے علماء ساتھیوں نے اس سے پوچھا: "کیا وجہ ہے کہ آج ہم آپ کو بجھا بجھا سا محسوس کر رہے ہیں؟" ہرقل ستاروں کے علم کا ماہر تھا، یہ سن کر کہنے لگا: "میں نے آج رات ستاروں میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ ہم پر غالب آچکا ہے۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟" عیسائی علماء نے کہا: "یہودیوں کے علاوہ تو کوئی ختنہ نہیں کرتا اور ان سے بھلا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ اپنی مملکت کے تمام شہروں میں ایک حکم دے دیں تو جس قدر بھی یہودی موجود ہیں، سب قتل کر دیے جائیں گے۔"

یہ لوگ اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ہرقل بادشاہ کے دربار میں ایک شخص لایا گیا،

جسے شاہ غسان نے بھیجا تھا۔ آنے والے شخص (دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ) نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات بیان کیں۔ جب ہرقل بادشاہ ان معلومات سے آگاہ ہوا تو اپنے سکیورٹی کے لوگوں کو حکم دیتے ہوئے کہنے لگا: ''جاؤ اور دیکھ کر مجھے بتلاؤ کہ اس شخص کا ختنہ ہوا ہے یا نہیں؟''

سکیورٹی والوں نے حکم کی تعمیل کی اور آکر بادشاہ کو بتلایا کہ یہ صاحب (حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ) ختنہ کیے ہوئے ہیں۔ اب ہرقل نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے عربوں کے بارے میں پوچھا تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کو بتلایا: ''عرب لوگ ختنے تو کرتے ہیں۔'' یہ سنتے ہی ہرقل بولا:

((هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ))

[بخاری، کتاب الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ...... الخ : ۷]

''یہی ہے وہ اس امت کا بادشاہ جس کا ظہور ہو چکا ہے۔''

قارئین کرام! ایلیا کا معنی اللہ کا گھر ہے۔ ایلیا کو یروشلم بھی کہا جاتا تھا۔ ہرقل جو قسطنطنیہ سے چل کر یہاں ''ایلیا'' میں آیا تھا، اللہ کے گھر میں اس خوشی میں آیا تھا کہ مجوسی آگ پرستوں پر اسے فتح ملی تھی، یہاں آکر اب وہ پریشان ہو گیا کہ جس بادشاہت کی فتح پر وہ خوش ہو رہا ہے وہ تو عنقریب چھن جانے والی ہے اور جو قوم ختنہ کرتی ہے وہ اس مملکت پر غالب آنے والی ہے۔

نجوم یعنی ستاروں کا علم ایک تو وہ سائنسی علم ہے کہ جس سے پتا چلتا ہے کہ کائنات میں اربوں کھربوں ستارے اور سیارے ہیں، بے شمار کہکشائیں ہیں، ہر ایک اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔ اس سے خالق کائنات کی عظمت کا ادراک و احساس ہوتا ہے۔ اس سائنسی علم کے ماہر اس دور میں بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

ستاروں سے متعلق دوسرا علم غیب کی خبریں دینا ہے، اسے علم نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ اٹکل پچو ہوتا ہے۔ اس اٹکل پچو کے ماہر یعنی نجومی اس دور میں بھی تھے اور آج بھی موجود ہیں۔

قرآن نے اس کی حقیقت سورۂ جن میں بیان کی ہے، صحیح بخاری کی وہ حدیث گزر چکی ہے۔

جس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ جو لوگ غیب کی خبریں دیتے ہیں اصل میں ان کے دوست شیطان ہوتے ہیں جو ایک آدھ آسمانی خبر چرا کر کاہن کو بتلاتے ہیں اور وہ اس میں سو

جھوٹ ملا کر آگے بیان کرتا ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک بار صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: ”ان کاہنوں (نجومیوں) کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کی باتیں محض لغو ہیں۔“ صحابہ نے عرض کی: ”کبھی تو ان کی بات سچ نکل آتی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ وہ بات ہوتی ہے جو نجومی کو شیطان کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے اور شیطان (جن) یہ خبر اڑا لیتا ہے، پھر کاہن اس خبر میں سو جھوٹ ملا لیتا ہے۔“

[بخاري، كتاب الطب، باب الكهانة : ٥٧٦٢]

جی ہاں! یہ ہے کہانت اور نجومیت کی حقیقت۔ عیسائیوں نے اپنی انجیل تو بدل ڈالی، اب وہ یہود کے طرز عمل پر چلتے ہوئے نام نہاد علم نجوم کا شکار ہو گئے۔ ہرقل جو سپر پاور کا بادشاہ بھی تھا، عیسائی مذہب کا عالم بھی تھا اور علم نجوم کا بھی ماہر تھا، اس نے ستاروں پر توجہ مرکوز کی تو شیطان نے اس کو یہ بات بتلا ڈالی کہ ختنے کرنے والی قوم کا بادشاہ غالب آنے والا ہے۔ اللہ نے فرشتوں کی سکیورٹی اور شہابی میزائلوں کی اڑان کو ڈھیلا کر کے ہرقل کو اس ذریعہ سے بھی خبر دے دی، جو ذریعہ ٩٩ فیصد جھوٹ پہ مبنی ہوتا ہے اور جھوٹ کے اس تالاب میں کوئی ایک آدھ چلو سچ کے پانی کا بھی ہوتا ہے۔ جی ہاں! آج اللہ کی مشیت سے شیطان نے درست بات بتلائی ہے۔ ساتھ ہی حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے ہیں۔ ہرقل نے ختنے بھی چیک کروا لیے ہیں اور اب ہرقل اگلا قدم اٹھاتا ہے۔

ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان مکالمہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے انھیں بتلایا کہ ہرقل نے استفسار کیا: ”یہ شخص جس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، کیا اس کی قوم کے اور لوگ ایسے مل سکتے ہیں جو یہاں ہمارے علاقے میں موجود ہوں؟“ اہل دربار نے کہا: ”جی ہاں! مل سکتے ہیں۔“ اور پھر مجھے قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ دربار میں حاضر ہونے کی دعوت دی گئی۔ ہم ہرقل کے پاس گئے تو اس نے ہم لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور کہنے لگا: ”یہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی ہے، تم لوگوں میں رشتہ داری کے حوالے سے کون سا ایسا شخص ہے جو اس

نبی کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو؟" میں نے کہا: "میں ہوں۔" یہ سن کر بادشاہ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا۔ اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہوا تو ترجمان سے کہا: "ان لوگوں کو بتلاؤ کہ وہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے، میں اس کے بارے میں اس سے چند سوالات کروں گا، اگر یہ (ابوسفیان) مجھ سے کوئی جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔"

ابوسفیان نے کہا: "اللہ کی قسم! اگر مجھے اپنی عزت کا ڈر نہ ہوتا کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں گے تو میں آپ ﷺ کی نسبت ضرور غلط گوئی سے کام لیتا۔" ہرقل اب اپنے ترجمان سے کہنے لگا: "اس سے پوچھو، تم لوگوں میں اس (محمد ﷺ) کا خاندان کس مرتبے کا حامل ہے؟"

ابوسفیان: "وہ ہمارے اندر بلند مرتبہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

ہرقل: "کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟"

ابوسفیان: "نہیں!"

ہرقل: "کیا ان (محمد ﷺ) کے نبوت کے دعویٰ کرنے سے قبل تم لوگوں نے کبھی ان پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگائی؟"

ابوسفیان: "نہیں!"

ہرقل: "کیا بڑے سردار لوگ اس (محمد ﷺ) کے پیروکار بن رہے ہیں، یا عام کمزور لوگ؟"

ابوسفیان: "کمزور طبقہ کے لوگ ہی زیادہ ہیں۔"

ہرقل: "پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔"

ابوسفیان: "گھٹ نہیں رہے، بلکہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔"

ہرقل: "کیا ایسا بھی ہے کہ ان پیروکاروں میں سے کوئی ان (محمد ﷺ) سے ناراض ہو جائے اور ان (محمد ﷺ) کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل بھاگے۔"

ابوسفیان: "نہیں، ایسا نہیں ہے۔"

ہرقل : ''کیا کبھی ان کے ساتھ تمھاری کوئی جنگ بھی ہوئی ہے۔''

ابوسفیان : ''جی ہاں! ہوئی ہے۔''

ہرقل : ''پھر ان کے ساتھ لڑنے کا نتیجہ کیا نکلتا رہا۔''

ابوسفیان : ''ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا نتیجہ پانی کے ایک ڈول کی طرح رہا کہ کبھی ڈول ان کے ہاتھ میں اور کبھی ہمارے ہاتھ میں آگیا۔''

ہرقل : ''کیا انھوں نے کبھی بدعہدی بھی کی ہے؟''

ابوسفیان : ''نہیں ، البتہ اس وقت ہم اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں۔ دیکھیں اب اس میں وہ کیا کرتا ہے؟''

(ابوسفیان کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اس جملے کے علاوہ مجھے کہیں بھی کچھ گھسیڑنے کا موقع نہیں ملا۔'')

ہرقل : ''اس سے قبل بھی (نبوت کا) ایسا دعویٰ تم لوگوں میں سے کسی نے کیا؟''

ابوسفیان : ''نہیں۔''

ہرقل : ''وہ تمھیں کیا کیا کرنے کا حکم دیتا ہے؟''

ابوسفیان :

((يَقُوْلُ : اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَآءُكُمْ وَ يَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَ الْعَفَافِ وَالصِّلَةِ))

''وہ کہتا ہے ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو تمھارے باپ دادا کہتے چلے آرہے ہیں اس کو چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز ادا کرنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور رشتے ناتے جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔''

بادشاہ کا تبصرہ:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے ترجمان کے ذریعے سے کہا:

ا۔ ''میں نے تم سے نبی کے نسب (خاندان) کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتلایا کہ وہ ہم

لوگوں میں اونچے نسب کے ہیں۔ یاد رکھو! انبیاء کی بعثت اپنی قوم کے بہترین خاندان ہی میں ہوتی ہے۔"

۲۔ "میرا تم سے یہ سوال کرنا کہ اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہے، تم نے جواب دیا کہ نہیں، اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ایک شخص اپنے آباء کی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

۳۔ "پھر میں نے تم سے ان کے پیروکاروں کے بارے میں پوچھا کہ وہ قوم کے سردار لوگ ہیں یا کمزور طبقے کے لوگ، تو تم نے بتلایا کہ کمزور طبقے کے لوگ زیادہ ہیں۔ یاد رہے! یہی وہ طبقہ ہے جو شروع سے انبیاء کا پیروکار چلا آرہا ہے۔"

۴۔ "میں نے تم سے جب یہ پوچھا کہ نبوت کے اعلان سے پہلے تم لوگوں نے کبھی ان پر جھوٹ کا الزام لگایا تو تم نے 'نہیں' میں جواب دیا۔ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس شخص نے انسانوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ اللہ کے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول سکتا ہے؟"

۵۔ "میں نے جب یہ استفسار کیا کہ ان کا دین قبول کرنے کے بعد کوئی شخص ان سے ناراض ہو کر دین چھوڑ کر تو نہیں گیا؟ تو تم نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ جی ہاں! ایمان کی بشاشت جب کسی دل میں بس جائے تو پھر وہ انسان جائے تو کہاں؟"

۶۔ "میں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ تم نے کہا بڑھ رہی ہے، آگاہ رہنا چاہیے کہ ایمان کا یہی معاملہ ہے حتیٰ کہ وہ کمال کو پہنچ جائے۔"

۷۔ "میرا سوال یہ بھی تھا کہ کیا کبھی تم نے ان سے جنگ بھی کی ہے تو تم لوگوں نے بتلایا کہ جنگ ہوتی رہی ہے اور نتیجہ کبھی ہمارے حق میں اور کبھی ان کے حق میں نکلتا رہا ہے۔ انبیاء کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے، انھیں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، پھر آخری انجام انھی کے حق میں نکلتا ہے۔"

۸۔ ''اسی طرح جب میں نے تم سے پوچھا کہ اس نے کبھی عہد شکنی کی ہے تو تم نے اس سے بھی انکار کیا۔ یاد رکھیے! انبیاء کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔''

۹۔ ''اور میں نے تم سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ کیا تمھارے ہاں اس طرح کا دعویٰ پہلے بھی کسی نے کیا تھا تو تم نے کہا کہ نہیں، اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ اگر تمھارے ہاں کسی نے اس سے پہلے اس طرح کا دعویٰ کیا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ بھی اس کی نقل کر رہے ہیں۔''

۱۰۔ ''پھر میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمھیں کیا کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں تو تم نے اس کا تذکرہ یوں کیا کہ وہ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمیں بتوں کے آستانوں کی عبادت کرنے سے منع کرتا ہے۔
ہمیں نماز ادا کرنے، سچ بولنے اور پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

یہاں عنقریب محمد ﷺ کی حکمرانی ہوگی:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں، اس کے بعد بادشاہ انھیں مخاطب کر کے کہنے لگا:
''اگر یہ سچ ہے جو تم کہہ رہے ہو اور وہ نبی ہیں تو پھر:

((سَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ))

جس تخت پر میرے یہ دونوں پاؤں ہیں وہ عنقریب اس جگہ کا مالک بن جائے گا۔

مجھے یہ تو معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے مگر یہ میرے گمان میں نہ تھا کہ وہ تم میں سے مبعوث ہوگا، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں اس تک پہنچ سکوں گا تو آپ سے ملاقات کے لیے ہر تکلیف گوارا کرتا، اور

((لَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ، وَ لَيَبْلُغَنَّ مُلْكُهُ مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ))

''اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا، میرے قدموں کے نیچے کی بادشاہت تک ان کی حکومت بہرصورت پہنچ کر رہے گی۔''

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ...... الخ : ۷، ۲۹۴۱۔
مسلم، کتاب الجهاد، باب کتب النبی ﷺ إلی هرقل ...... الخ : ۱۷۷۳]

ہرقل جو بازنطین کے مشرقی حصے کی سب سے بڑی سلطنت کا بادشاہ تھا، اس کے کہے

ہوئے یہ جملے اس طرح پورے ہوئے کہ ایلیا یا یروشلم کا وہ شہر جہاں اس کا تخت تھا وہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس کا نام ''بیت المقدس'' اور ''القدس'' ٹھہرا، موجودہ اردن، شام، لبنان، عراق، مصر، لیبیا، الجزائر، تیونس، مراکش، موریطانیہ، ترکی اور بالآخر اس کا پایہ تخت قسطنطنیہ (استنبول) اور قسطنطنیہ کے تحت یورپی علاقے سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور ایسے آئے کہ ان تمام علاقوں سے قیصر کے دور کی تہذیب، تمدن، معاش، زبان اور مذہب سب کچھ مٹ گیا اور رسول کریم ﷺ کا لایا ہوا دین چھا گیا۔

جی ہاں! محمد عربی ﷺ کے پیروکار ہرقل کی سلطنت کے وارث بنیں گے، ہرقل اپنے علم اور تجربے کی اساس پر یہ پیشگوئی کر چکا تھا اور اب اس نے حکم دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا خط پڑھا جائے۔ رسول کریم ﷺ کے الفاظ خط کی صورت میں سپر پاور کے دربار میں گونجنے لگے۔



خط مبارک کے الفاظ :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ .

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ، اَمَّا بَعْدُ : فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْاَرِيْسِيِّيْنَ، وَ ﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾

[آل عمران : ٣/ ٦٤]

’’اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا ہی مہربان ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے شاہ روم ہرقل کی جانب ہدایت کے پیروکار پر سلام ہو۔ میں آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ سلامتی پا جاؤ گے، نیز اسلام لے آؤ تو اللہ تعالیٰ آپ کو دہرے اجر سے نوازیں گے۔ اس کے برعکس اگر آپ نے اعراض کیا تو آپ کی رعایا کے اسلام قبول نہ کرنے کا گناہ بھی آپ کی گردن پر ہوگا۔ اے انجیل کے حامل لوگو! ایسی اساس پر آجاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم اللہ کے سوا اپنے میں سے کسی کو بھی رب نہ بنائیں، پھر اے مسلمانو! اگر اہل کتاب یہ نہ مانیں تو تم اعلان کر دو کہ لوگو! گواہ رہنا، ہم تو بہرحال مسلمان ہیں۔‘‘

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ...... الخ : ٧، ٢٩٤١]

خط مبارک کی موجودہ دور میں دستیابی :

اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو روم کے بادشاہ قیصر کو لکھا گیا، اس خط کی موجودگی کے بارے میں حضرت علامہ سہیلی سرزمین سپین کا ذکر کرتے ہیں۔ علامہ سہیلی مشہور محدث اور



بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى أما بعد فإني أدعوك بدعاية الإسلام أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين فإن توليت فعليك إثم الأريسيين ويا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون

اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو رومی سپر پاور کے بادشاہ ہرقل کو لکھا گیا...... یہ خط آج اصلی حالت میں دریافت ہو چکا ہے۔

مؤرخ گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھنے والے علامہ قسطلانی، جو ۱۵۱۷ء میں فوت ہوئے۔ وہ شرح بخاری کی جلد اول میں لکھتے ہیں کہ مصر کے بادشاہ ملک منصور قلادون نے ۱۲۸۳ء میں ایک سفارتی وفد سپین کے بادشاہ الفانسو کے پاس بھیجا تھا، اس وفد کا سربراہ سیف الدین قلیج تھا۔ شاہ الفانسو نے سیف الدین کو اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک دکھلایا جو سونے کے ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔ شاہ الفانسو نے سیف الدین کو بتلایا کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کا یہ وہ خط ہے جو ہمارے دادا قیصر روم کے نام بھیجا گیا تھا۔ ہرقل کی اولاد نے اس خط کو سونے کے صندوقچے میں محفوظ کر کے سنبھال رکھا تھا۔

اس کے بعد یہ خط کسی طرح مکہ مکرمہ پہنچا اور وہاں کے حاکم شریف حسین کے بیٹے عبداللہ کے ہاتھ لگ گیا۔ اردن کے جو موجودہ بادشاہ ہیں ان کا نام بھی عبداللہ ہے۔ عبداللہ اول، موجودہ شاہ عبداللہ کے پڑدادا تھے۔ بہرحال! اردن کے شاہی خاندان کی ایک ملکہ کے پاس جب اس خط کی موجودگی کے بارے میں اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں تو متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابوظہبی کے حکمران شیخ زید بن سلطان النہیان رحمہ اللہ نے یہ خط حاصل کرنے کے لیے اردن کی ملکہ سے رابطہ کیا اور دس لاکھ پونڈ کی رقم سے یہ خط خرید لیا۔

شیخ زید بن سلطان رحمہ اللہ نے تحقیق کے لیے یہ خط ڈاکٹر ابراہیم کے سپرد کیا، جو ثقافتی امور میں شیخ زید بن سلطان رحمہ اللہ کے مشیر تھے۔ ڈاکٹر ابراہیم نے اس پر تحقیقی کام کیا۔ یہ خط مبارک رق یعنی ہرن کی کھال پر لکھا ہوا ہے۔ آٹھ سطروں پر مشتمل ہے۔ اس خط پر تحقیق اور جدید سائنسی ریسرچ نے ثابت کر دیا ہے کہ خط اصل ہے۔

اس خط کی عبارت بالکل وہی ہے جو صحیح بخاری میں دیے ہوئے خط کی ہے۔ مہر بھی وہی ہے جس کا نقشہ صحیح بخاری میں کھینچا گیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ محدثین نے اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث میں جس تیقن اور پختگی کا التزام کیا وہ کس قدر صحت و ثقاہت کے اعلیٰ ترین معیار پر قائم ہے۔

بادشاہ کے دربار میں غلغلہ ہو گیا:

ابوسفیان سے مروی ہے: ”جب ان کے ساتھ مکالمے اور خط پڑھنے کے بعد بادشاہ اپنے ریمارکس دے چکا تو اس کے ارد گرد بہت شور وغوغا ہوا۔ بہت سی آوازیں بلند ہوئیں اور کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں تو اس صورت حال میں ہم لوگوں کو دربار سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔

جب ہم باہر آ گئے تو میں اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: ”یارو! ابو کبشہ کے بیٹے (رسول کریم ﷺ) کا معاملہ تو بہت اونچا ہو گیا۔ ذرا غور تو کرو بنو اصفر (سپر پاور روم) کا بادشاہ بھی محمد (ﷺ) سے خوف کھانے لگا ہے۔“ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اسی وقت یہ یقین ہو گیا تھا کہ آپ (ﷺ) عنقریب غلبہ حاصل کر لیں گے اور پھر آخر وہ دن آ گیا کہ اللہ نے مجھے اسلام میں داخل کر دیا۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ..... الخ : ۷، ۲۹۴۱]

عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ جس کے ساتھ دشمنی ہوتی اس کا ذکر کرتے تو اس کے آباؤ اجداد میں سے ایسے شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے جو غیر معروف ہوتا، چنانچہ ابو کبشہ آپ ﷺ کے نانا کی کنیت تھی، وہ غیر معروف آدمی تھے۔ اس لیے ابوسفیان نے آپ ﷺ کو ابو کبشہ کا بیٹا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔

روم کے پوپ نے اسلام قبول کر لیا:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اس کے بعد ہرقل نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا جو روم میں رہتا تھا۔ وہ بھی علم نجوم میں ہرقل کی طرح ماہر تھا۔ خط لکھنے کے بعد ہرقل حمص شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ...... الخ : ۷]

تاریخ طبری میں ہرقل کے اس دوست کا نام ضغاطر ذکر کیا گیا ہے جو رومیوں کی مغربی سلطنت کے شہر روم میں پاپائے روم تھا۔ پوپ جناب ضغاطر نے جب اللہ کے رسول ﷺ کا

خط پڑھا کہ وہ خط ہرقل نے اس کی طرف بھیجا تھا اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ہرقل کا پیغام بھی وصول کیا تو اس نے رومی عیسائیوں کے ایک مجمع میں خطاب کیا اور اسلام لانے کا اعلان کر دیا، اس پر اٹلی کے رومی عیسائی مشتعل ہو گئے اور اپنے پوپ کو مارنے لگے حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط جو ہرقل کے نام تھا اور جناب ضغاطر اسے پڑھ چکے تھے، وہ خط اور خود ضغاطر کا خط جو ہرقل کے نام تھا، لیتے ہوئے واپس ہرقل کے پاس حمص آ گئے اور سارے واقعات سے ہرقل کو باخبر کیا۔ یوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت مشرقی حصے میں اور رومی سلطنت کے مغربی حصے میں بھی پہنچ گئی اور اٹلی کے شہر روم میں بھی پہنچ گئی۔ پوپ کے اس ہیڈ کوارٹر میں بھی جسے آج ''ویٹیکن سٹی'' کہا جاتا ہے۔

ہرقل نے اسلام قبول کرنا چاہا، مگر:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہرقل ابھی حمص ہی میں تھا کہ اس کے رومی دوست (ضغاطر) کا جواب آ گیا۔ یہ جواب ہرقل کی رائے کے عین مطابق تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اس رائے کے آنے کے بعد ہرقل نے بڑے رومی لوگوں کو اپنے محل میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ حمص کے محل میں جمع ہو گئے تو ہرقل نے حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر دیے جائیں، چنانچہ وہ بند کر دیے گئے تو اس کے بعد بادشاہ نمودار ہوا اور خطاب کرتے ہوئے کہنے لگا: ''اے روم کے لوگو! کیا ہدایت اور کامیابی میں سے کوئی حصہ تمھاری بھی قسمت میں لکھا ہے؟ یاد رکھو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری سلطنت باقی رہے تو: ﴿ فَتَبَايَعُوا هٰذَا النَّبِيَّ ﴾

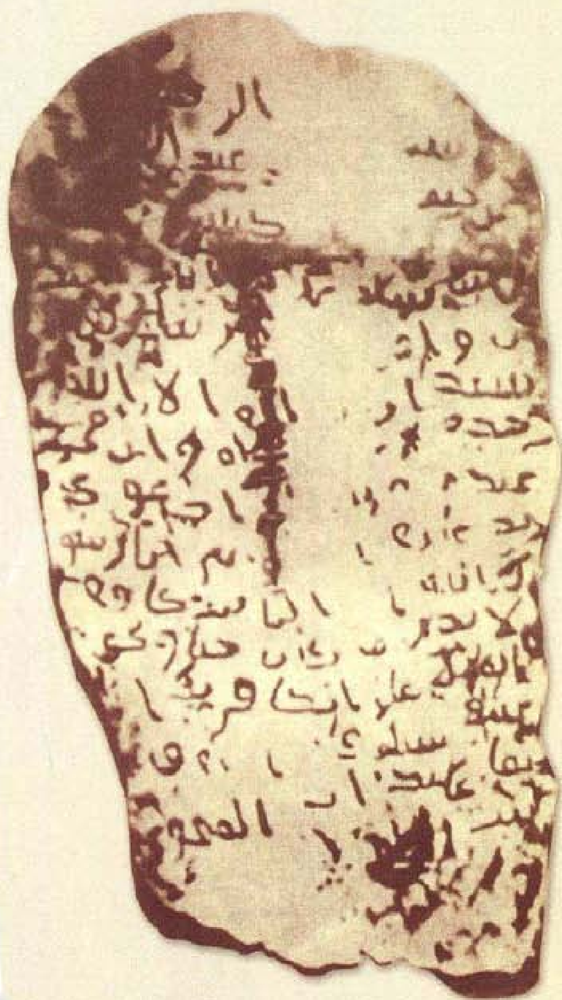
''اس نبی کی بیعت کر لو۔''

بس یہ جملہ سننے کی دیر تھی کہ وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو بند پڑے ہیں۔ جب ہرقل نے ان کی یہ نفرت ملاحظہ کی اور اس بات سے ناامید ہو گیا کہ وہ ایمان لائیں گے تو اس نے سکیورٹی والوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو میرے پاس واپس لاؤ۔ جب یہ لوگ آ گئے تو ہرقل بات بدلتے ہوئے کہنے لگا: ''سنو! میں نے

تو یہ باتیں اس لیے کی تھیں تا کہ تمھارا امتحان لوں کہ تم اپنے دین پر کس قدر پختہ ہو؟ اس پختگی کا نظارہ میں نے کر لیا۔'' ہرقل کا یہ کہنا تھا کہ سب لوگ بادشاہ کو سجدہ کرنے لگے اور اس کی بات سے خوش ہو گئے۔ جی ہاں! ہرقل کے بارے میں جو آخری خبر تھی وہ یہی تھی۔''

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ...... الخ : ۷]





اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو ایرانی سپر پاور کے بادشاہ خسرو پرویز کو لکھا گیا...... خط مبارک پھٹا ہوا دکھائی دے رہا ہے، اصل حالت میں آج موجود ہے

ایرانی بادشاہ کو خط عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے پہنچایا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کو خط لکھا تو عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو گورنر بحرین کے حوالے کر دے۔ پھر گورنر بحرین نے انھیں کسریٰ (شاہ ایران) کے پاس پہنچا دیا۔''
[بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ إلی کسری و قیصر: ٤٤٢٤]

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا ایران آنا جانا تھا، وہ وہاں کے حالات کو بخوبی سمجھتے تھے، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روانہ فرمایا۔ سہم قریش کی ایک شاخ ہے، حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔

امام ابن کثیر اپنی کتاب ''السیرة النبویة'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''میں محل کے دروازے پر پہنچا تو میں نے اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ آخر کار میں بادشاہ کے پاس جا پہنچا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کے حوالے کر دیا۔''

ایران کے بادشاہ کے نام خط کا متن:

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسٍ ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ، وَ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ، وَ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، وَ اَدْعُوْكَ بِدَاعِيَةِ اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَ يَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ اَسْلِمْ تَسْلَمْ ، فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ))

''اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے عظیم فارس ''کسریٰ'' کے نام:
اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیروکار بن جائے اور اللہ اور اس کے رسول پر

ایمان لے آئے، اس بات کی گواہی بھی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس بات کی بھی شہادت دے کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کا (مذکورہ) اعلان قبول کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، کیونکہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، لہٰذا مجھے ہر اس شخص کو برے انجام سے تنبیہ کرنا ہے جو زندہ ہے اور نہ ماننے والوں پر اتمام حجت کرنا ہے، لہٰذا اگر تم اسلام لے آؤ تو محفوظ ہو جاؤ گے اور اگر انکار کرو تو پھر ساری مجوسی قوم کا گناہ بھی تمھاری گردن پر ہوگا۔''

[عیون الأثر لا بن سید الناس : ۲/۳۴۷، ۳۴۸]

ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے خط پھاڑ دیا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ))

[بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ إلی کسری و قیصر : ٤٤٢٤]

''جب اس نے خط پڑھا تو پھاڑ دیا۔''

ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کے سامنے جب ترجمان نے خط پڑھا تو وہ خط شروع ہوتے ہی غضبناک ہوگیا۔ اس نے خط کی ابتدا کے انداز کو اپنی توہین سمجھا کہ محمد (ﷺ) نے میرا نام اپنے نام کے بعد کیوں لکھا؟ یمن و بحرین وغیرہ تو اس کے ماتحت تھے، چنانچہ وہ عربوں کو اپنی رعایا سمجھتا تھا۔ اس سوچ کے تحت اس نے تکبر میں آکر خط پھاڑ دیا۔ تاریخ طبری (۲/۶۵۵) میں ہے کہ پھر وہ کہنے لگا:

((یَکْتُبُ اِلَیَّ هٰذَا وَ هُوَ عَبْدِیْ))

''وہ مجھے اس طرح سے خط لکھتا ہے؟ حالانکہ وہ بھی میرا ایک غلام ہے۔''

لیکن خط تو ہرن کی باریک کھال پر لکھا گیا تھا۔ وہ آج کا کاغذ نہ تھا کہ پرزے پرزے ہو جاتا۔ اس دور میں ہرن اور اونٹ کی کھال کو انتہائی باریک کر کے خاص طریقے سے کاغذ کی شکل میں تیار کیا جاتا تھا۔ قرآن نے اس کاغذ کو ''رق'' ہی کہا ہے۔ تورات بھی اس ''رق'' ہی پر لکھی گئی تھی۔ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے، اس کے لیے ہرن کی نرم، پتلی اور ملائم

کھال کا کاغذ "رق" ہی استعمال ہوتا تھا۔ اس دور کے دستور کے مطابق اسی انداز سے شاہ ایران کے پاس بھی خط گیا، اس کے پھاڑنے سے وہ پرزے پرزے تو نہیں ہوا، ہاں ایک دو جگہ سے پھٹ گیا۔ جب کوئی کسی تحریر پر غضبناک ہوتا ہے تو انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اسے پھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ جب بادشاہ نے پھاڑ کر پھینک دیا تو جس کاغذ پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام ہو بھلا محمد کریم ﷺ کے جاں نثار کے سامنے وہ زمین پر پڑا کیسے رہ سکتا ہے؟ انھوں نے یقیناً اٹھا لیا ہوگا اور سنبھال کر رکھ لیا ہوگا۔ بادشاہ نے پھاڑ کر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہی پھینکا ہوگا کہ وہی خط لانے والے تھے، غصہ کے اظہار کو سہنے کے لیے ایک خط اور دوسرا خط لانے والا تھا۔ لہٰذا جب خط پھٹ کر خط لانے والے پر پھینکا گیا ہوگا تو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے خط اٹھا کر سنبھال رکھا ہوگا، بادشاہ کی فطرت نے اپنا کام کیا تو محبِ رسول ﷺ کی فطرت نے اپنے کام بھی ضرور کیا ہوگا۔

شاہِ مجوس اور مجوسیوں کی بربادی:

ثقہ تابعی سعید بن المسیب کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ان مجوسیوں کے لیے بددعا کرتے ہوئے کہا:

((اَنْ یُّمَزَّقُوْا کُلَّ مُمَزَّقٍ))

"وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھٹ جائیں۔"

[بخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرىٰ و قيصر: ٤٤٢٤]

حضرت عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ نے دربارِ رسالت میں آ کر اللہ کے رسول ﷺ کو جب حالات سے آگاہ کیا کہ کس طرح ایران کے کسریٰ نے خط مبارک پھاڑ دیا تو اس وقت آپ ﷺ نے سعید بن مسیب کے مطابق ان کے لیے بددعا کرتے ہوئے مندرجہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے۔

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پورے ہوئے کہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے بھرے دربار میں قتل کر دیا اور خود حکمران بن بیٹھا...... اس کے بعد مسلمانوں نے ایران پر فوج کشی کی تو مجوسیوں کا ایران تباہ و برباد ہو گیا...... یہ بربادی اللہ کے رسول ﷺ کے اس محافظ کے ہاتھوں ہوئی جس کا نام مغیرہ بن

شعبہ رضی اللہ عنہ ہے...... صلح حدیبیہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے محافظ بن کر کھڑے ہونے والا...... آج جرنیل بن گیا ایران کا فاتح بن گیا...... صورتحال یہ بن گئی کہ جس نے اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک پھاڑا اس کی مجوسی قوم آج علامتی طور پر دنیا میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود رہ گئی ہے، اس کا وجود دنیا سے ناپید ہو گیا ہے...... جبکہ ایران کی فضاؤں میں چودہ سو سالوں سے نام محمد (ﷺ) بلند ہو رہا ہے اور گونجتا چلا آ رہا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا پھاڑا گیا خط مل گیا:

مئی 1963ء، بمطابق 1382ھ لبنان کے دارالحکومت بیروت کے اخبارات نے خبر شائع کی کہ لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کی آبائی لائبریری سے اللہ کے رسول ﷺ کا خط برآمد ہوا ہے۔ ہنری فرعون ایک عیسائی ہے، اس نے اس خط کی تحقیق کے لیے معروف مسلمان محقق ڈاکٹر صلاح منجد سے رابطہ کیا اور خط ان کے حوالے کیا۔ ڈاکٹر منجد نے اس خط پر تحقیق کرنے کے بعد بیروت کے اخبار ''الحیات'' میں ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء کو ایک تحقیقی مقالہ لکھا، جس میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں ہنری فرعون نے میرے پاس کھال کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ اس پر کوفی رسم الخط سے ملتی جلتی ایک تحریر تھی۔ کھال کی حفاظت کے لیے اس کے نیچے سبز کپڑا چسپاں کر کے اسے ایک فریم میں لگا دیا گیا تھا۔ اب یہ کپڑا تو بالکل گل چکا تھا جبکہ فریم کے سہارے کی وجہ سے کھال باقی رہ گئی تھی۔ جب میں نے اس خط کے الفاظ دقت نظر سے معلوم کرنے اور پڑھنے شروع کیے تو یہ عظیم انکشاف ہوا کہ یہ تو وہی خط ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ایران کے بادشاہ کسریٰ کو تحریر کیا تھا۔ اس خط میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

میری زندگی کے وہ لمحات بڑے مبارک تھے جب میں نے یہ خط مبارک پڑھا۔ میں نے پچھلے کئی ماہ اس خط کی تحقیق پر صرف کیے۔ حروف اور الفاظ پر ریسرچ کی، تاریخ اور سیرت کے تمام بنیادی مصادر کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا وہ خط مبارک ہے جو خسرو پرویز کو لکھا گیا تھا۔ اپنی اس کوشش کا نتیجہ اب شائع کر کے مجھے خوشی ہو رہی ہے۔''

جی ہاں! یہ نتیجہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء کے عربی اخبار ''الحیات'' کے صفحہ

اول پر شائع ہوا۔ بیروت سے شائع ہونے والے اس اخبار میں خبر اور تحقیق شائع ہونے کے بعد یہ خبر پوری دنیا میں پھیل گئی۔ ہنری فرعون کو پیشکشیں شروع ہوگئیں کہ وہ اس خط کے عوض جتنی رقم چاہے لے لے لیکن وہ لاکھوں ڈالر کے معاوضے پر بھی خط بیچنے پر تیار نہ ہوا۔

ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ جنھوں نے سو سال کے قریب زندگی پائی اور ساری زندگی اسلام کی تحقیق و اشاعت پر لگا دی، فرانس کے شہر پیرس میں فوت ہوئے، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے خطوط اور خلافت راشدہ کے سیاسی معاہدوں اور دستاویزات پر ایک مبسوط کتاب لکھی۔ یہ کتاب ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ عربی زبان میں لکھی ہوئی یہ کتاب میرے سامنے ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اللہ کے رسول ﷺ کے خط کا عکس شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود ہنری فرعون سے ملاقات کی اور خط کی نقل حاصل کی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس خط کے مالک ہنری فرعون کی اجازت سے اس خط کی فوٹو کاپی حاصل کی گئی۔

خط مبارک کا مضمون وہی ہے جو احادیث میں وارد ہوا ہے۔ اس سے مزید واضح ہوگیا اور تصدیق ہوگئی کہ آج دریافت ہونے والا خط وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس سے کتب احادیث کی ثقاہت کا بھی پتا چلتا ہے کہ محدثین کرام نے کس حزم و احتیاط کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث اکٹھی کیں ...... اس انداز سے کہ آج دریافت ہونے والے خطوط کی عبارت اور احادیث میں درج خطوط کی عبارت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ خط مبارک لمبائی اور چوڑائی میں پھٹا ہوا ہے، اس کے بعد اس خط کی مرمت ایک باریک کھال کو نیچے رکھ کر، سلائی کر کے کی گئی ہے۔ جس کھال سے سلائی کی گئی ہے وہ اصل خط کی باریک کھال سے ذرا ہلکی قسم کی کھال ہے۔ تحقیق میں یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جس کھال سے سلائی کی گئی وہ کھال کم پرانی جبکہ خط کی اصل کھال کی عمر زیادہ ہے۔

سبحان اللہ! اللہ کی شان کہ اللہ کے رسول ﷺ کا پھاڑا ہوا خط آج بھی موجود ہے جبکہ جس خسرو پرویز نے پھاڑا تھا، وہ خود بھی مٹ گیا اور اس کی بادشاہت بھی مٹ گئی۔ آتش

پرست مجوسی قوم بھی ملیا میٹ ہوگئی، اس وقت دنیا میں محض چند سو مجوسی باقی ہیں جو بطور علامت کے باقی ہیں کہ یہ تھی وہ سپر پاور قوم جو جاں نثاران رسول ﷺ کے ہاتھوں صفحہ ہستی سے غائب ہوگئی۔ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان گرامی حرف بحرف پورا ہوا کہ اس کسریٰ کے بعد دنیا میں کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔





اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو شاہِ حبشہ کو لکھا گیا آج اپنی اصل حالت میں مل گیا ہے۔

شاہِ حبش نجاشی کے نام خط:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

١۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى النَّجَا

٢۔ شِيِّ عَظِيْمِ الْحَبَشَةِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ

٣۔ اتَّبَعَ الْهُدٰى. اَمَّا بَعْدُ ، فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْ

٤۔ كَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ

٥۔ اَلْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ

٦۔ وَ اَشْهَدُ اَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ رُوْحُ

٧۔ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ الْبَتُوْ

٨۔ لِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِيْنَةِ فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى مِنْ رُ

٩۔ وْحِهٖ وَ نَفْخِهٖ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهٖ ، وَ

١٠۔اِنِّيْ اَدْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِ

١١۔يْكَ لَهٗ وَ الْمُوَالَاةِ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَ اَنْ

١٢۔تَتَّبِعَنِيْ وَ تُوْقِنَ بِالَّذِيْ جَآئَنِيْ فَاِنِّيْ رَ

١٣۔سُوْلُ اللّٰهِ، وَ اِنِّيْ اَدْعُوْكَ وَ جُنُوْ

١٤۔ دَكَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ قَدْ بَلَّغْ

١٥۔ تُ وَ نَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا نَصِيْحَتِيْ ، وَالسَّلَامُ

١٦۔ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى.

محمد رسول الله

[عیون الأثر : ٣٤٩/٢۔ زاد المعاد، سیرۃ ابن کثیر، نصب الرایہ۔ مجموعة الوثائق السیاسیة۔ الطبقات الکبری : ٢٥٨/١، ٢٥٩]

''اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام...... سلام اس پر جو ہدایت کا پیروکار بن جائے...... میں تمھارے لیے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں...... وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ انتہائی پاک ہے۔ وہ سلامتی دینے والا، امن فراہم کرنے والا اور نگہبانی کرنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو اس نے مریم پر القا کیا، جو دنیا سے کٹی ہوئی تھیں، پاک دامن اور عفت مآب تھیں۔ حضرت مریم (علیہا السلام) نے عیسیٰ کو اپنے شکم میں اٹھایا...... عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی روح تھے۔ اللہ ہی نے ان کو پھونک مار کر اسی طرح پیدا کیا جس طرح اس نے آدم (علیہ السلام) کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا...... میں تمھیں اللہ واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ مودّت و محبت کے ساتھ اس کی اطاعت بجا لانے کی طرف بلاتا ہوں ...... اور یہ کہ میری پیروی کرو اور اس پیغام پر یقین کرو جو میرے پاس آ چکا ہے، کیونکہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ میں تمھیں اور تمھارے لشکروں کو عزت و جلال والے اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں...... میں نے دعوت کا یہ پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا فریضہ ادا کر دیا، لہٰذا میری خیر خواہی قبول کرو...... سلام اس پر جو ہدایت کا پیروکار بن جائے۔''

محدثین کرام، سیرت نگاروں اور مؤرخین اسلام نے اللہ کے رسول ﷺ کے خط مبارک کا جو متن نقل کیا کسی ایک بھی لفظ کی تبدیلی کے بغیر وہ ہم تک اس طرح پہنچا کہ آج نجاشی کے نام لکھا ہوا خط دریافت ہوا ہے تو وہ ہو بہو اسی طرح ہے جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنی کتابوں میں درج فرمایا۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں لکھا ہے کہ ''دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں حبش کے دارالسلطنت ''ادیس ابابا'' کے ایک مسلم اخبار ''برہان اسلام''

نے یہ خبر شائع کی تھی کہ ہیلا سلاسی شاہِ حبش نے اپنے خزانے سے سرور عالم ﷺ کا یہ نامہ مبارک نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھلایا تھا۔''

علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ''خطبات مدراس'' میں ہے کہ ''یہ نامہ مبارک ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی جھلی پر لکھا ہوا ہے۔ بعد ازاں یہ دستاویز ۱۹۳۸ء میں دمشق میں دستیاب ہوئی۔ برطانیہ کے مشہور زمانہ برٹش میوزیم میں مسٹر بل اور مسٹر فلٹن نے ایک تقریب میں بتلایا کہ یہ اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص (ڈنلوپ) کے پاس ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے پروفیسر مارگولیوث کے توسط سے اس آدمی کو خط لکھا، جس کے جواب میں اس نے خط کا عکس بھیجا۔ خط کی تمام تفصیل لندن کے رسالے J.R.A.S جنوری 1940ء میں مسٹر ڈفلاپ کے قلم سے شائع ہوئی۔ خط کے آخر پر مہر نبوت کا عکس ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الوثائق السیاسیۃ'' میں خط مبارک کا عکس شائع کیا اور لکھا کہ استاذ ڈنلوپ کی اجازت سے خط کا یہ عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

قارئین کرام! اس خط کی سطروں اور عبارت کے مطابق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے خط کی عبارت شائع کی، میں نے بھی خط کی عبارت اور اصلی خط کے ایک ایک لفظ کا موازنہ کیا، کہیں کوئی فرق نہیں پایا۔ آخری لائن میں جو لفظ ''اتبع'' ہے، اصل خط میں یہ لفظ تین ڈنڈوں کے ساتھ یوں ہے ''اسع''۔ یہ فرق اس لیے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں جو عربی لکھی جاتی تھی اس میں نقطے، زبر، زیر، شد، جزم اور مد وغیرہ نہیں لکھے جاتے تھے۔ بولنے میں یا پڑھنے میں ان کا اظہار ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے ان چیزوں کو رواج دیا، اس لیے کہ اسلام چار سو پھیل گیا تو غیر عرب لوگ قرآن پڑھتے وقت مشکل میں پڑھ جاتے تھے، لہٰذا ان کی آسانی کے لیے زبر زیر وغیرہ لگا دیے۔

اس لحاظ سے تین ڈنڈوں کے ساتھ اصل خط میں جو لفظ یوں ''اسع'' لکھا گیا ہے، جب حجاج بن یوسف نے شد لگائی تو ڈنڈے دو ہو گئے کیونکہ جو ''ت'' ہے اس پر نقطے بھی لگ گئے اور شد بھی لگ گئی تو اس کی شکل یوں ہو گئی ''اتبع''...... یعنی اصل خط میں جو دو ڈنڈے ہیں وہ

دو عدد ''ت'' کو ظاہر کرتے ہیں اور تیسرا ڈنڈا ''ب'' کو ظاہر کرتا ہے۔

اس خط کی دریافت نے بھی دنیا بھر کے اہل علم کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث اور سیرت اس صفحہ ہستی پر جس قدر مستند اور ثقہ ہیں اس قدر دنیا کی کسی شخصیت کے اقوال و افعال محفوظ اور مستند نہیں ہیں..... جو مستند ہے وہ شخصیت صرف ایک ہے اور اس کا اسم مبارک محمد (ﷺ) ہے۔

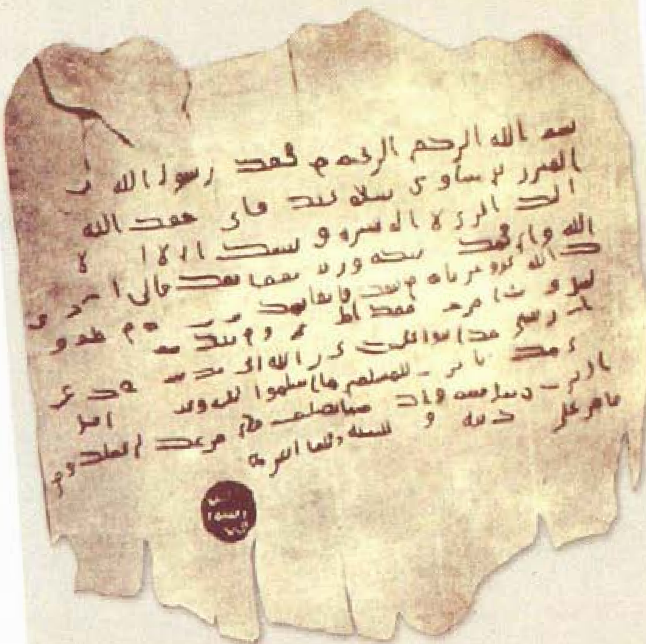
قارئین کرام! یہ بھی عرض کر دیں کہ اس وقت حبشہ کا نام ''ایتھوپیا'' ہے۔ اس کا دارالحکومت ''ادیس ابابا'' ہے، لیکن جس شہر میں اللہ کے رسول کا خط اور سفیر پہنچا اس کا نام ''اکسوم'' تھا۔ یہ اس دور میں نجاشی کا دارالحکومت تھا۔ یہ شہر آج بھی موجود ہے، یہ عیسائیوں کا مقدس شہر ہے، اس کی آبادی بیس ہزار کے قریب ہے۔

اس شہر میں اللہ کے رسول ﷺ کا سفیر جو خط لے کر آیا تھا، اس خط کی عبارت کو ہم نے اسی طرح درج کیا ہے جس طرح اصل خط میں موجود ہے کہ ایک لفظ کا ایک حصہ ایک لائن میں ختم ہو رہا ہے تو اسی لفظ کا دوسرا حرف اگلی لائن میں لکھ دیا گیا ہے۔

قارئین کرام! امام بخاری، کتاب مناقب الانصار باب موت النجاشی ''۳۸۷۷ تا ۳۸۷۹'' میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ جب جناب نجاشی فوت ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے (اللہ کی طرف سے اطلاع پا کر صحابہ کو بتلایا کہ) آج ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے، لہٰذا اپنے بھائی ''اصحمہ'' کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تیار ہو جاؤ، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں۔ میں دوسری یا تیسری صف میں تھا..... آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔

قارئین کرام! یہ تھا غائبانہ نماز جنازہ جو اللہ کے رسول ﷺ نے نجاشی کا پڑھایا۔ جن کا نام ''اصحمہ'' تھا۔





اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کو لکھا گیا...... خط مبارک اصلی حالت میں آج موجود ہے۔

شاہِ مصر جریج بن مینا کے نام:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ اِلَی الْمَقَوْقِسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی. اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ، یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ ، فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْقِبْطِ .

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ [آل عمران : ٦٤]

''اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، رحم فرمانے والا ہے۔''

''یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے مقوقس کے نام ہے، جو قبط قوم کا بادشاہ ہے۔ سلام اس پر جو ہدایت کا پیروکار بن جائے۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد میں تمھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام میں داخل ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اللہ تمھیں دہرے اجر سے نوازے گا، لیکن اگر تم نے منہ پھیر لیا تو پھر قبطی قوم (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا گناہ بھی تمھاری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ رب مانے۔ اب اگر تم (اس ساجھی دعوت سے) منہ موڑتے ہو تو (مسلمانو! تم انھیں) کہہ ڈالو! گواہ رہنا، ہم تو مسلمان ہیں۔''

["عیون الاثر" لابن سید الناس : ٢/٣٥٠ وابن قیم فی زاد المعاد، طبقات ابن سعد :

۱/ ۲۰۰و محمد بن طولون فی أعلام السائلین و حمید الله فی مجموعة الوثائق السیاسیة]

اللہ کے رسول ﷺ نے اسے خوشخبری دی کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسے پہلے دین عیسائیت کا ثواب بھی ملے گا اور مسلمان ہونے کا بھی یعنی اگر وہ اسلام لے آئے تو نومسلم کے لیے دو اجر ہیں۔

خط مبارک کا انکشاف:

مصر میں عیسائیوں کی ایک قدیم خانقاہ ''اخمیم'' کے قریب واقع ہے۔۱۸۵۴ء میں یہاں فرانس کا ایک مستشرق تحقیق و ریسرچ کے لیے آیا۔ اس کا نام ''موسیو بارتھلمی'' ہے۔ یہاں تحقیق کے دوران اس کی نظر ایک قبطی عیسائی راہب کی انجیل کے اس صفحہ پر پڑی جہاں کھال کی ایک باریک جھلی پر لکھا ہوا ایک خط چپکا ہوا تھا۔ اس نے پڑھا تو حیران رہ گیا کہ یہ تو وہ خط ہے جو اسی مصر کی سرزمین پر جناب محمد کریم (ﷺ) نے عیسائی حکمران مقوقس کو لکھا تھا۔

یہ بات جب سلطان عبدالمجید تک پہنچی کہ وہ اس دور میں خلافت عثمانیہ کے سلطان تھے، تو انھوں نے یہ خط دیکھا اور تین سو پاؤنڈ کی رقم کے عوض خرید لیا۔سلطان ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۸۶۱ء میں فوت ہوا تھا۔ خط کے مضمون کا جب اصل خط کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو کوئی فرق نہ تھا۔ سلطان نے اس خط کو سونے کے فریم میں لگوایا اور شاہی محل کے خزانے میں دیگر تبرکات نبوی ﷺ کے ساتھ اسے بھی محفوظ کر دیا۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا اور میں ترکی گیا تو استنبول کے عجائب گھر میں اس خط مبارک کو بھی دیکھا۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد شاہی محل کو عجائب گھر بنا دیا گیا۔ اس عجائب گھر کا نام ''توپ کاپی'' ہے جس کا معنی توپ کا دروازہ ہے۔ یہ محل سلطان محمد الفاتح رحمہ اللہ نے قسطنطنیہ یعنی استنبول کی فتح کے بعد ۱۴۵۸ء میں تعمیر کروایا تھا۔ سلطان کا بنایا ہوا یہ محل جس میں کئی ہال کمرے ہیں۔ ایک ہال کمرے کا نام ''قاعۃ العرش'' ہے۔ اس میں جب میں داخل ہوا تو یہاں اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک دیکھا جو سونے کے فریم میں جڑا ہوا یہاں محفوظ تھا۔ پہرے دار یہاں ہر وقت موجود ہوتا تھا۔ میں یہ خط دیکھ رہا تھا تو میرے ذہن میں چودہ

سو سالہ پرانا نقشہ گھوم رہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ مقوقس کی طرف خط لکھوا رہے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لکھ رہے ہیں۔ مشہور مؤرخ واقدی نے کاتب کے طور پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا نام لکھا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس عجائب گھر کا دورہ کیا تھا۔ انھوں نے عجائب گھر کے ڈائریکٹر جنرل کی اجازت سے خط کی فوٹو کاپی کروائی۔ اسے اپنی کتاب "مجموعة الوثائق السياسية" میں لگایا اور اس دور میں فرانسیسی، انگریزی اور اردو وغیرہ میں اس خط پر جو تحقیق ہوئی اس کے حوالہ جات بھی دیے۔

یاد رہے! حدیث کے بعض علماء نے خطوط کے متن میں سند کے لحاظ سے کلام بھی کیا ہے لیکن آج یہ خطوط اپنی اصل شکل میں سامنے آ کر یہ دعوت دے رہے ہیں کہ محدثین کرام نے سیرت رسول ﷺ کا جو ذخیرہ جمع کیا وہ کس قدر مستند اور ثقہ ہے۔



رسول کریم ﷺ اور حاکم بحرین کا رابطہ:

علامہ ابن سید الناس جناب واقدی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جناب واقدی...... حضرت عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنی سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ مدنی کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی کتابوں میں اللہ کے رسول ﷺ کا مکتوب دیکھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہو چکے تھے۔ میں نے وہاں سے خط کی عبارت نقل کی وہ اس طرح تھی:

''اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساویٰ کی طرف منذر کے نام خط دے کر روانہ فرمایا۔ اس خط میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔''

اس خط میں منذر بن ساویٰ نے اللہ کے رسول ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:

((اَمَّا بَعْدُ ! يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَاِنِّيْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ عَلٰى اَهْلِ الْبَحْرَيْنِ، فَمِنْهُمْ مَنْ اَحَبَّ الْاِسْلَامَ وَ اَعْجَبَهُ وَ دَخَلَ فِيْهِ ، وَ مِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهٗ. وَ بِاَرْضِيْ مَجُوْسٌ وَ يَهُوْدٌ ، فَاَحْدِثْ اِلَيَّ فِيْ ذٰلِكَ اَمْرَكَ))

''اللہ کی حمد وثنا کے بعد، اے اللہ کے رسول (ﷺ) ! میں نے بحرین کے باسیوں کو آپ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا۔ ان لوگوں میں سے بعض نے اسلام کو محبت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور وہ اسلام میں داخل ہو گئے، جبکہ بعض لوگوں نے پسند نہیں کیا۔ مزید برآں! یہ بھی عرض ہے کہ میری مملکت میں مجوسی بھی رہتے ہیں اور یہودی بھی آباد ہیں۔ آپ ﷺ ان کے بارے میں حکم صادر فرمایئے کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں۔''

[عیون الأثر لابن محمد بن سید الناس : ۳۵۲/۲]

اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو شاہِ مصر مقوقس کو لکھا گیا...... یہ خط آج دریافت ہو چکا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا جوابی خط منذر بن ساویٰ کے نام:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَی الْمُنْذَرِ بْنِ سَاوٰی،
سَلَامٌ عَلَیْكَ، فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْكَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، اَمَّا بَعْدُ: فَاِنِّیْ اُذَكِّرُكَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهٗ مَنْ یَنْصَحُ فَاِنَّمَا یَنْصَحُ لِنَفْسِهٖ، وَ اِنَّهٗ مَنْ یُطِعْ رُسُلِیْ وَ یَتَّبِعْ اَمْرَهُمْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ، وَ مَنْ نَصَحَ لَهُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِیْ، وَ اِنَّ رُسُلِیْ قَدْ اَثْنَوْا عَلَیْكَ خَیْرًا وَ اِنِّیْ قَدْ شَفَّعْتُكَ فِیْ قَوْمِكَ، فَاتْرُكْ لِلْمُسْلِمِیْنَ مَا اَسْلَمُوْا عَلَیْهِ، وَعَفَوْتُ عَنْ اَهْلِ الذُّنُوْبِ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَ اِنَّكَ مَهْمَا تُصْلِحْ فَلَنْ نَعْزِلَكَ عَنْ عَمَلِكَ، وَ مَنْ اَقَامَ عَلٰی یَهُوْدِیَّةٍ اَوْ مَجُوْسِیَّةٍ فَعَلَیْهِ الْجِزْیَةُ.

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔''

اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے منذر بن ساویٰ کے نام!

تم پر سلام ہو۔ میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اللہ کی ان حمد و ثنا کے بعد میں تمھیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص بھی نصیحت قبول کرتا ہے وہ در اصل اپنے آپ ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ جو شخص میرے نمائندوں کی اطاعت کرے گا اور ان کے احکامات کی پیروی کرے گا وہ حقیقت میں میری اطاعت کرے گا اور جو شخص ان نمائندوں کے ساتھ خیر خواہی کرے گا تو وہ میرے ساتھ خیر خواہی کرے گا۔ میرے نمائندوں نے آپ کے طرز عمل کی بہت تعریف کی ہے اور میں نے تمھاری قوم کے بارے میں تمھاری

سفارش قبول کر لی ہے، لہٰذا مسلمان جس حال میں بھی اسلام لائے ہیں انھیں اس پر (دعوت پہنچانے کے لیے) چھوڑ دو۔ میں نے قصور واروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے، آپ بھی ان کی معذرت قبول کر لیجیے۔ مزید برآں! جب تک آپ اصلاحی طرزِ عمل اختیار کیے رکھیں گے ہم آپ کو آپ کی ذمہ داریوں سے ہرگز معزول نہ کریں گے اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے، اس سے جزیہ لیا جائے۔"

[عیون الاثر لابن سید الناس : ۳۵۲/۲۔ طبقات ابن سعد : ۲۰۲/۱]

خط مبارک کا انکشاف :

آج سے ایک سو باون سال یعنی ڈیڑھ صدی قبل ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۴ھ کو اس خط کا انکشاف اس طرح ہوا کہ وہی فرانسیسی سیاح جسے مصر میں اللہ کے رسول ﷺ کا خط بنام مقوقس ملا تھا، اسے تحقیق اور ریسرچ کے دوران مصر ہی کے ایک قبطی راہب سے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ خط بھی ملا۔ ترکی کے سلطان عبدالمجید خان نے یہ خط بھی خرید لیا اور سونے کے فریم میں لگا کر قسطنطنیہ کے عجائب گھر میں رکھوا دیا۔ بحمد اللہ اس عجائب گھر کو دیکھنے کے دوران جہاں میں نے مقوقس کے نام اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک دیکھا، وہاں اس خط مبارک کو بھی دیکھا، یہ مکتوب گرامی ایک ایسی کھال (رق) پر لکھا گیا ہے، جو بھورے رنگ میں سیاہی مائل ہو چکی ہے۔ اس اصل خط میں اور وہ خط جسے ہم نے اپنے اسلاف کی کتابوں کے حوالے سے درج کیا، کوئی فرق نہیں ہے، صرف ایک جگہ فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلاف کی کتابوں میں ((لا إله إلا هو)) ہے اور خط میں ((لا إله إلا غيره)) ہے......یعنی یہاں بھی مفہوم میں کوئی فرق نہیں صرف ایک لفظ کا مترادف لایا گیا ہے۔

کراچی میں حکومت بحرین کے سفیر سے ۱۹۷۶ء میں جب میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھے اپنی میز پر پڑی وہ ٹرافی دکھلائی جس پر اس خط کی فوٹو کاپی کو ایک خوبصورت سفید رنگ دھات پر اتارا گیا ہے۔ یہ خط مبارک حکومت بحرین کا سرکاری سمبل ہے۔ اہل بحرین کے لیے اس خط مبارک کی دریافت یقیناً ایک بڑا اعزاز ہے۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے یہ خطوط جو دریافت ہو چکے ہیں اور آج اصلی حالت میں موجود ہیں، وہ تعداد میں پانچ ہیں۔ ہم نے ان پانچوں کا قدرے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ یہ پانچ خطوط اس طرح ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ کے دریافت شدہ پانچ خطوط:

نمبر شمار	اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد	حکمران	شہر
۱	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ	قیصر روم، ہرقل	یروشلم
۲	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	کسریٰ ایران، خسرو پرویز	مدائن
۳	حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	نجاشی حبشہ، اصحمہ ابن ابجر	اکسوم
۴	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	شاہ مصر، مقوقس	اسکندریہ
۵	حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	حاکم بحرین، منذر بن ساویٰ	بحرین

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے اور بھی کئی بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط لکھے۔ ان میں عمان کے بادشاہ قابل ذکر ہیں۔ یہاں دو بھائی حکمران تھے۔ بڑے کا نام جیفر بن جلندی اور چھوٹا عبد بن جلندی تھا۔ مکتوب مبارک دونوں کے نام تھا۔ خط لے کر جانے والے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں عمان کی حاکمیت پر برقرار رکھا۔ آج کل عمان کا دارالحکومت ''مسقط'' ہے۔ کیا معلوم کہ کل کو کسی وقت یہ خط مبارک بھی دریافت ہو جائے اور اہل عمان کے اعزاز و افتخار میں اضافہ ہو جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دیگر خطوط مبارک اور دستاویزات کی تفصیل مجموعہ وثائق السیاسیۃ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ تاہم ہم نے صرف انھی خطوط کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، جو آج دریافت ہو چکے ہیں اور دنیا بھر کو یہ دعوت دے رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ، سیرت پاک کا ایک ایک نقش اس طرح حفاظت و صیانت سے محفوظ ہے کہ دنیا میں نہ کوئی ایسی مثال آپ ﷺ کی ذات گرامی سے قبل ملتی ہے اور نہ بعد میں آج تک مل سکی ہے اور نہ قیامت تک آئندہ ہی مل سکے گی۔ جی ہاں! اس شخصیت کا نام نامی اور اسم گرامی ہے ''محمد ﷺ''۔

خیبر میں یہودی ادھیڑ دیے گئے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر خیبر کی طرف:

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف جہاد کے لیے نکلا تھا۔ ''صہبا'' خیبر کے نشیب میں ایک مقام ہے، جب ہم وہاں پہنچے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں عصر کی نماز ادا کر کے سفر کا کھانا طلب فرمایا، مگر ستو کے سوا کچھ موجود نہ تھا، چنانچہ وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھگونے کا حکم دیا اور پھر وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور ہم سب نے بھی کھایا۔

[بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة خيبر : ٤١٩٥ـ مسند أحمد : ٤٦٢/٣، ح : ١٥٨٠٦ و إسناده صحيح ـ ابن حبان : ١١٥٥ و إسناده صحيح]

خیبر کھجوروں کے باغات سے مالا مال علاقہ ہے۔ یہ شہر مدینہ منورہ سے ۱۸۱ کلومیٹر کے فاصلے پر شمال میں ہے۔ یہاں کے یہودی مدینہ منورہ میں قائم اسلامی حکومت کو ملیا میٹ کرنے کے لیے لگاتار سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں کا سردار سلام بن ابی الحقیق ہی مشرکین مکہ اور بنو غطفان کو تیار کر کے مدینہ پر حملے کے لیے لایا تھا۔ اندر سے بنو قریظہ کے یہودیوں کو تیار کیا تھا اور یوں مل ملا کے غزوۂ احزاب وجود میں آیا تھا۔ غزوۂ احزاب میں کامیابی اور پھر صلح حدیبیہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کر لیا کہ ان موذی دشمنوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔

مسند احمد کی صحیح روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کا انتظام و انصرام حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔

[مسند احمد : ٣٤٥/٢، ح : ٨٥٧٣ و إسناده صحيح]

مجاہدین صحابہ کا یہ پاکباز لشکر چلا جا رہا ہے۔ مدینہ منورہ سے ایک سو کلو میٹر تک کا دروں پر مشتمل پیچ دار پہاڑی راستہ صحابہ نے طے کر لیا ہے۔ اب آگے وادی پست اور کشادہ ہے۔ اسی کشادہ وادی میں ''صہبا'' نام کا تالاب آ گیا ہے۔ لشکر کے لشکریوں کی معاشی حالت کا یہ حال ہے کہ وہ یہاں ستوؤں کو پانی میں بھگو کر بطور کھانا استعمال کر رہے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد طیبہ سے نکلنے والا لشکر حسب معمول خیبر کی جانب رواں دواں ہو چکا ہے۔

شہادت پکی ہے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب میرے چچا جان حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے رجزیہ یعنی جنگی اشعار پڑھنے شروع کیے......

تَاللّٰهِ ! لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
وَ نَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا
فَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا
وَ اَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا

''اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی راہ نہ پاتے، نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے اور اے اللہ! ہم تیرے فضل سے بے پروا نہیں ہوئے......

اے اللہ! جب ہماری کافروں سے جنگ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر اپنی رحمت اور سکینت اتار۔''

یہ اشعار سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں عامر ہوں!'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ))

''تیرا رب تیری مغفرت فرمائے۔''

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے لیے بطور

خاص مغفرت طلب کرتے تو وہ شخص شہید ہو جاتا تھا۔"

[مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة ذی قرد وغیرها : ۱۸۰۷]

زبان نبوت نے جہادی سفر کے دوران حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو گویا شہید قرار دے دیا ہے۔ یہ ہے زندہ شہید جو جہادی ترانہ پڑھتا ہوا راہ جہاد میں چلتا ہوا...... میدان جہاد کی طرف گامزن ہے۔لشکر اب خیبر کے قریب پہنچ چکا ہے۔رات خیبر کے قریب ہی گزاری گئی ہے۔

اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور لشکر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت خیبر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حملہ آور ہونے کے لیے دشمن پر رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے تک ان پر یلغار نہ کرتے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اگلا منظر یوں دکھلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز خیبر کے قریب پہنچ کر ادا کی۔ اس وقت ابھی اندھیرا تھا۔صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ مزید بتلاتے ہیں کہ جب اندھیرے میں ہم صبح کی نماز ادا کر چکے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (گھوڑے پر) سوار ہوئے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہوئے اور میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے بازاروں میں گھوڑا دوڑانا شروع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے کپڑا ہٹ گیا، چنانچہ میرا گھٹنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک کے ساتھ لگنے لگا۔ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفید ران کو دیکھنے لگا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں پہنچے تو یوں اعلان کرنے لگے:

« اَللّٰهُ اَکْبَرُ، خَرِبَتْ خَیْبَرُ، اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ »

"اللہ بہت بڑا ہے، خیبر خراب ہو گیا، ایسی قوم کہ جسے پہلے ہی تنبیہ کی جا چکی ہے، اس سے لڑنے کو جب ہم ان کے میدان میں آ جاتے ہیں تو ان کی صبح بربادیوں کا پیغام لے کر آتی ہے۔"

اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار مذکورہ اعلان فرمایا۔ اس وقت لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف نکل رہے تھے۔

[بخاری، کتاب الصلاۃ، باب باب ما یذکر فی الفخذ : ۳۷۱۔ مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوۃ خیبر : ۱۳۶۵، بعد ۱۸۰۱]

صحیح بخاری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں ہیں :

''جب صبح ہو رہی تھی تو یہودی اپنے کلہاڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکل رہے تھے۔ انھوں نے جونہی اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا تو یوں شور مچانے لگے :

﴿ مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ ! مُحَمَّدٌ وَ الْخَمِيْسُ ﴾

''محمد ہیں...... اللہ کی قسم! محمد ہی ہیں...... وہ لشکر لے کر آ گئے ہیں۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر : ۴۱۹۸]

احزاب یعنی اتحادی افواج جب بھاگ گئیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ اب وہ نہیں آئیں گے بلکہ ہم ان کی طرف جائیں گے، سو غزوۂ خندق کے بعد خیبر کی یہ پہلی لڑائی تھی جو اقدامی اور ہجومی جنگ تھی۔ اس کا آغاز اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں پر یلغار سے کیا جو بار بار جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے۔ دوسری قوموں کو بار بار مسلمانوں پر چڑھا لایا کرتے تھے۔ اب جب انھوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ آ گئے ہیں اور انھیں ان کی کرتوتوں کی سزا ملنے والی ہے تو وہ بھاگ بھاگ کر اپنے قلعوں میں قلعہ بند ہونے لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ان کا محاصرہ کیا اور لشکر کے پڑاؤ کے لیے جگہ کا انتخاب کیا۔

تلوار مڑ کر اپنی ہی شہ رگ پہ جا لگی :

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کا بادشاہ مرحب تلوار لہراتا ہوا مبارزت کے میدان میں نکلا اور یوں چنگھاڑنے لگا :

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّيْ مَرْحَبُ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوْبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

''سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، پوری طرح ہتھیار بند، بہادر، آزمودہ کار (جوہر دکھلاتا ہوں) جب لڑائیاں شعلے اڑاتی ہوئی آتی ہیں۔''

یہ سن کر میرے چچا جان حضرت عامر رضی اللہ عنہ مبارزت کے میدان میں، یہ کہتے ہوئے نکلے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ عَامِرٌ
شَاكِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّغَامِرٌ

''سارا خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، پوری طرح ہتھیار بند لڑائی میں گھسنے والا۔''

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نقشہ کھینچتے ہیں کہ دونوں نے ایک ایک وار ایک دوسرے پر اس طرح کیا کہ پہلے مرحب نے وار کا آغاز کیا۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے وار کو ڈھال پر روک لیا اور پھر جب عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب پر نیچے سے وار کیا تو (مرحب جمپ لگا کر اوپر کود گیا اور) تلوار کا وہ وار واپس عامر رضی اللہ عنہ ہی کو آن لگا۔ جس سے ان کی شہ رگ کٹ گئی اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر میں نکل کھڑا ہوا...... اب کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ عامر کا معاملہ تو خراب ہو گیا۔ یہ سنتے ہوئے میں روتا روتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور عرض کرنے لگا: ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! عامر کا معاملہ تو خراب ہو گیا۔'' اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((مَنْ قَالَ ذٰلِكَ ؟))

''ایسا کس نے کہا؟''

میں نے عرض کی: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض نے یہ کہا ہے۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَذَبَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ بَلْ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ))

''جس نے ایسا کہا، غلط کہا، اس کے برعکس عامر کے لیے تو دہرا اجر ہے۔''

[مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة ذی قرد وغيرها: ١٨٠٧]

مبارزت کا میدان یہود نے جیت لیا۔ اس اکڑفوں سے نہیں جس سے وہ میدان میں آیا

تھا، حضرت عامر رضی اللہ عنہ تو اپنے ہی وار سے شہید ہوئے اور شہادت کا دہرا اجر پا گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ راستے ہی میں خبر دے چکے تھے اور وہ خبر آغاز کار ہی میں پوری ہو گئی۔ میدان مبارزت میں تکمیل کو پہنچی اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ شہادت کی دہری خلعت فاخرہ زیب تن کیے جنت میں جا پہنچے۔ اب اگلا روز پھر مقابلے کا روز تھا۔ اس روز کیا ہوا؟ دیکھتے ہیں اگلا منظر......!

خیبر کا پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ خیبر کے روز اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''یہ جھنڈا کل میں ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت کرتا ہے جبکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔''

اب صورتحال یہ ہو گئی کہ لوگوں کی رات اسی سوچ میں گزر گئی کہ دیکھیں کل جھنڈا کس کو ملتا ہے؟ پھر جب صبح ہوئی تو سارے لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہر ایک یہی آس لگائے ہوئے تھا کہ جھنڈا اس کو مل جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَیْنَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ))

''ابو طالب کا بیٹا علی کہاں ہے؟''

عرض کی گئی: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ان کی تو آنکھیں خراب ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''انھیں میرے پاس بلا لاؤ۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر : ۴۲۱۰۔ مسلم : ۲۴۰۶]

صحیح مسلم کی حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا، ان کی آنکھیں خراب تھیں، میں انھیں اللہ کے رسول ﷺ

کے پاس لایا۔"

[مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة ذی قرد وغيرها : ۱۸۰۷]

صحیح بخاری میں ہے: "جب انھیں لایا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں لگا دیا اور ان کے لیے دعا بھی کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے ٹھیک ہو گئے جیسے ان کی آنکھوں میں کبھی کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں پرچم عطا فرمایا۔ پرچم تھام کر حضرت علی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: "اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک کہ وہ ہمارے جیسے (مسلمان) نہ ہو جائیں۔" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں! اسی طرح اپنے عزم پر ڈٹے ہوئے میدان میں جاؤ پھر انھیں اسلام قبول کرنے کی طرف بلاؤ، انھیں اللہ کے اس حق کے بارے میں آگاہ کرو جو ان پر واجب ہے۔ اللہ کی قسم! تمھارے ذریعے اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خيبر : ٤٢١٠]

مرحب کی کھوپڑی اڑ گئی:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا فرمایا۔ مرحب میدان میں نکلا اور لگا وہی بول بولنے: "سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، پوری طرح ہتھیار بند، بہادر آزمودہ کار کہ جب لڑائیاں شعلے اڑاتی ہوئی آتی ہیں۔" مقابلے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور یوں للکارنے لگے:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ
أُوفِيهِمُ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، مثل اس شیر کے جو جنگلوں میں ہوتا ہے اور اس کا چہرہ خوف کی علامت ہوتا ہے، میں دشمن کو اینٹ کا جواب

پتھر سے دیتا ہوں۔''

یوں للکارتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کے سر پر وار کیا، اسے قتل کر دیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی۔''

[مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة قرد وغيرها : ۱۸۰۷]

طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

((سَمِعْتُ وَقْعَ السَّيْفِ فِيْ أَسْنَانِ مَرْحَبٍ))

''میں نے سنا تلوار کا وار مرحب کے دانتوں پر لگا۔''

[طبراني في الكبير : ۲۵۱/۲۳، ح : ۵۰۹ و إسناده حسن لذاته]

یعنی وہ جو بول بولتے ہوئے آیا تھا...... انھی دانتوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وار پڑا اور چیرتے ہوئے اس کی کھوپڑی اڑا کر ہوا میں اچھال دی۔

یاد رہے! حیدر! شیر کو کہتے ہیں اور جنگل کے طاقتور شیر کو شیر ببر کہتے ہیں یعنی حیدر کرار۔ کرار کا مطلب ہے جھپٹنے اور پلٹ کر بار بار جھپٹنے والا۔

''صاع'' ایک چھوٹا پیمانہ ہے اور ''سندرہ'' اس سے بڑا پیمانہ ہے۔ دشمن کو صاع کے بدلے ''سندرہ'' دیتا ہوں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ دشمن مجھ پر جس قدر بھی حملہ کرے گا خفیف اور ہلکا ہی کرے گا اور جب میں جواب دوں گا تو کہیں بڑا جواب دوں گا۔

اردو زبان میں معروف ''انسائیکلوپیڈیا'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق خیبر کی آبادی مندرجہ ذیل تین حصوں میں منقسم تھی :

۱۔ نطاۃ کا علاقہ: اس علاقے میں ''ناعم'' ''صعب بن معاذ'' اور ''زبیر'' نامی قلعے تھے۔

۲۔ شق کا علاقہ: اس میں ''ابی'' اور ''نزار'' نامی قلعے تھے۔

۳۔ کتیبہ کا علاقہ: اس میں ''قموص'' ''وطیح'' اور ''سلالم'' کے قلعے تھے۔

نیز چھوٹے قلعے اور تنگ گڑھیاں بھی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ مرحب کے قلعے کے باہر ہوا۔ اس کا نام ''ناعم'' ہے...... اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ یہ کئی ہفتے جاری رہی۔ بعض محلے اور قلعے لڑائی سے فتح ہوئے۔ بعض محاصرے ہی سے فتح ہو گئے اور بعض کے باسی

یہودی دہشت زدہ ہو کر خود ہی زیر ہو گئے۔

یہودیوں نے خزانہ چھپایا اور معاہدہ توڑا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے جنگ کی، یہاں تک کہ انھیں مغلوب ہونے پر مجبور کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جاگیروں، کھجوروں کے باغات اور کھیتوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہودیوں نے اس صورتحال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کرنا چاہی کہ وہ خیبر سے نکل جائیں گے، البتہ ان کی سواریاں جس قدر سامان اٹھا سکیں، انھیں لے جانے کی اجازت دے دی جائے، باقی زیورات اور نقدی وغیرہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہو گی۔ یہود کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط لگائی:

"وہ نہ کوئی چیز چھپائیں گے اور نہ کچھ غائب کریں گے، اگر وہ ایسی حرکت کا ارتکاب کریں گے تو ان کی حفاظت کا ذمہ ختم ہو جائے گا۔"

اب یہودیوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کھال کا بنا ہوا ایک بورا چھپا لیا۔ اس میں مال و دولت اور وہ زیورات تھے جنھیں حیی بن اخطب اس وقت لایا تھا جب بنونضیر مدینہ سے جلا وطن ہو کر یہاں خیبر میں آ بسے تھے۔ سعیہ کو، جو حیی بن اخطب کا چچا تھا، مخاطب کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "حیی کے اس بورے کا کیا بنا جسے وہ بنونضیر کے پاس سے لایا تھا؟" سعیہ کہنے لگا: "جنگوں کے اخراجات اور دیگر ضروریات نے اس خزانے کو اڑا دیا۔" یہ جواب سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: "تمھارا عہد ابھی تازہ تازہ ہوا ہے اور جو مال و دولت ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔"

اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سعیہ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سعیہ کی ٹھکائی کی تو وہ بول اٹھا کہ فلاں ویرانے میں حیی بن اخطب گیا تھا اور میں نے اسے وہاں گھومتے پھرتے بھی دیکھا تھا۔ چنانچہ مجاہدین وہاں گئے اور کھوج لگانے کے لیے ذرا گھومے پھرے تو انھیں ویرانے میں وہ بورا مل گیا۔ چنانچہ ابی حقیق کے دونوں بیٹے جو یہ خزانہ

چھپانے میں شامل تھے، آپ ﷺ نے ان دونوں کو قتل کروا دیا۔ ان دونوں بھائیوں میں سے ایک کی بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی عورتوں اور مردوں کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا اور عہد شکنی کی وجہ سے ان کے مالوں کو بھی تقسیم کر دیا اور ان کو جلاوطن کرنے کا بھی ارادہ کر لیا، لیکن یہود کہنے لگے:

''اے محمد! (ﷺ) جانے دیجیے، ہمیں یہیں رہنے دیجیے، ہم کھیتی باڑی کریں گے اور زمینوں کی نگرانی وحفاظت کریں گے...... اس وقت اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی ایسے نوکر چاکر نہیں تھے جو اس کھیتی باڑی کا کام کرتے اور نہ وہ اس قدر فارغ تھے کہ ان کاموں میں لگ جاتے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی بات مان لی اور خیبر کو ان کے حوالے کر دیا۔ اس شرط پر کہ وہ باغات اور کھیتوں میں سے نصف اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے کریں گے اور اس کے علاوہ جو کچھ سامنے آیا اس میں سے بھی حصہ نکالیں گے۔''

[أبو داؤد، کتاب الخراج، باب ما جاء فی حکم أرض خیبر : ٣٠٠٦ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٥١٩٩ و إسناده حسن لذاته]

یہود کی عہد شکن حرکت کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے درگزر سے کام لیا۔ عہد شکنوں کو سزا دی اور باقی ساری قوم کو رہنے کی اجازت دے دی۔ مجاہدین کو کھیتی باڑی میں نہیں لگایا، اس لیے کہ اگر یہ کھیتی باڑی پر لگ گئے تو جہاد وقتال کون کرے گا؟ اور ابھی سارے جزیرۃ العرب کی فتح باقی ہے اور پھر قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو فتح کون کرے گا؟

خیبر کے سردار کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ جب ہم نے زور وقوت سے خیبر پر قبضہ کر لیا اور قیدی ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تو اس دوران حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے نبی (ﷺ)! قیدیوں میں سے مجھے بھی ایک لونڈی عطا فرما دیجیے!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ ایک لونڈی لے لو۔''

اب دحیہ (رضی اللہ عنہ) نے حیی کی بیٹی صفیہ (رضی اللہ عنہا) کو پسند کر لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے:

''قیدی عورتوں میں ہم نے اس جیسی کوئی عورت نہیں دیکھی۔'' ایک اور شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: ''اے اللہ کے نبی (ﷺ)! آپ ﷺ نے حیی کی بیٹی صفیہ، دحیہ (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کر دی، وہ تو بنو قریظہ کے سردار کی بیٹی ہے۔ بنو نضیر کی چودھرانی ہے، وہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے مناسب نہیں۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''دحیہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلاؤ۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو لایا گیا اور جب اللہ کے رسول ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو دحیہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''قیدی عورتوں میں سے تم اس کے علاوہ کوئی اور لونڈی لے لو۔'' اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔''

[مسلم، کتاب النکاح، باب فضیلة إعتاقة أمته ثم یتزوجها : ١٣٦٥/٨٤ قبل ١٤٢٨]

یہودن نے زہر آلود گوشت کھلا دیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ایک یہودی عورت بکری کا زہر آلود گوشت لے کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی۔ آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا سا کھا لیا (اس کے بعد فرمایا کہ اس میں تو زہر ملایا گیا ہے۔) چنانچہ اس عورت کو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے عورت سے اس حرکت کے بارے میں پوچھا تو وہ اعتراف کرتے ہوئے کہنے لگی: ''میرا پروگرام آپ کو قتل کرنے کا تھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تجھے ایسی ہمت دینے والا نہیں کہ تو مجھے قتل کر سکے۔''

اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ''اجازت ہو تو ہم اس عورت کو قتل کر دیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بالکل نہیں!''

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے تالو میں ہمیشہ اس زہر کا اثر رہا۔''

[مسلم، کتاب السلام، باب السم: ٢١٩٠]

قربان جائیں رسول کریم ﷺ کے اخلاق پر کہ یہودن اقرار بھی کر رہی ہے مگر آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے اسے قتل نہیں کروایا۔

منصوبہ ہم سب نے بنایا تھا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''خیبر کی فتح کے بعد آپ ﷺ کے سامنے بھنی ہوئی بکری پیش کی گئی۔ اس میں زہر ملا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا: ''یہاں جو یہودی ہیں، ان سب کو میرے سامنے پیش کرو۔'' وہ پیش کر دیے گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں کہا: ''میں تم سے کچھ پوچھنے والا ہوں، کیا تم مجھے اس کے متعلق سچ سچ بتلا دو گے؟'' یہودی کہنے لگے: ''جی ہاں!'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم نے اس بکری میں زہر ملانے کا پروگرام بنایا تھا؟'' کہنے لگے: ''ہاں!'' اس پر آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم نے یہ حرکت کس وجہ سے کی؟''

کہنے لگے: ''ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ (ﷺ) جھوٹے نبی ہوں گے تو آپ سے ہماری جان چھوٹ جائے گی اور اگر آپ (ﷺ) سچے نبی ہوئے تو زہر آپ (ﷺ) کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''

[بخاری، کتاب الطب، باب مایذکر فی سم النبی ﷺ: ۵۷۷۷۔ طبقات ابن سعد: ۸۸/۲، ۸۹، ۱۵۴ و إسناده صحیح]

ثابت ہو گیا کہ اس پروگرام کے پیچھے اکیلی عورت نہ تھی بلکہ یہ سارے یہودیوں کا طے شدہ منصوبہ تھا۔

اس جرم کی پاداش میں آپ ﷺ سارے منصوبہ ساز یہودیوں کو قتل کرنے کا حق رکھتے تھے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے درگزر کیا اور انھیں کچھ نہیں کہا جبکہ یہ یہودی ایسے جھوٹے اور بدفطرت تھے کہ زہر آلود گوشت کی وجہ سے آپ ﷺ کے شہید نہ ہونے کے باوجود وہ ایمان نہ لائے، حالانکہ وہ خود کہہ رہے تھے کہ ہم نے یہ حرکت اس لیے کی تاکہ ہمیں پتا چل جائے کہ آپ ﷺ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں یا سچے؟

شہادت پر مبارکباد دینے کا کلچر:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ''وادی القریٰ'' کی طرف چل دیے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کا غلام بھی تھا۔ اسے ''مِدعَم'' کہا جاتا تھا۔ بنو ضباب کے ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں یہ غلام بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ جب وہ اللہ

کے رسول ﷺ کا کجاوہ سواری سے اتار رہا تھا تو کسی نا معلوم سمت سے ایک تیر آیا اور اس غلام کو جا لگا۔ اس پر صحابہ کہنے لگے:

((هَنِيئًا لَهُ الشَّهَادَةُ))

''اسے شہادت مبارک ہو۔''

اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''بالکل نہیں! اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو چادر اس نے خیبر میں تقسیم سے قبل ہی مال غنیمت میں سے چرا لی تھی، وہ اس پر آگ کا الاؤ بن کر بھڑک رہی ہے۔''

یہ سننا تھا کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک یا دو تسمے حاضر کر کے کہنے لگا: ''میں نے یہ اٹھا لیے تھے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر پیش نہ کیے جاتے تو یہ بھی آگ بن جاتے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر : ٤٢٣٤]

ثقہ وصدوق تابعی صلہ بن اشیم رحمہ اللہ کا بیٹا کسی معرکہ میں شہید ہو گیا، چنانچہ عورتیں شہید کی ماں معاذہ بنت عبداللہ کے پاس آ کر بین کرنے لگیں، اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شاگردہ معاذہ نے کہا:

((اِنْ كُنْتُنَّ جِئْتُنَّ لِتَهْنِئْنِيْ فَمَرْحَبًا بِكُنَّ وَ اِنْ جِئْتُنَّ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَارْجِعْنَ))

[كتاب الزهد للإمام أحمد : ص ٢٠٨ و إسناده صحيح۔ طبقات ابن سعد : ٩٩/٧، ت ٣٠٢٢ و إسناده صحيح]

''اگر تو تم مجھے (میرے بیٹے کی شہادت پر) مبارک باد دینے آئی ہو تو میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں اور اگر اس کے علاوہ (بین وغیرہ کرنے) آئی ہو تو پھر واپس چلی جاؤ۔''

شہادت پر مبارکباد دینے کا کلچر صحابہ کرام اور تابعین میں رواج پذیر تھا۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ چاہے کوئی اللہ کے رسول ﷺ کا خدمتگار ہی کیوں نہ ہو، میدان جہاد میں

خیانت کرے گا تو جہنم کی آگ سے بچ نہ پائے گا۔

تیر لگنے کا یہ واقعہ وادی القریٰ میں پیش آیا تھا۔ وادی القریٰ یہودیوں کا علاقہ تھا۔ اس علاقے کو موجودہ دور میں ''العلاء'' کہا جاتا ہے۔ العلاء کا شہر مدینہ منورہ سے ۳۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کا تعلق مدینہ منورہ کے صوبہ سے ہے، خیبر سے ''العلاء'' کا فاصلہ ۱۹۰ کلومیٹر کے قریب ہے۔

دلہن کا بناؤ سنگھار:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں روایت ہے: ''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ابھی دلہن بن کر آئی ہی تھیں کہ ان کا خاوند قتل ہو گیا۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر واپس مدینہ روانہ ہوئے، حتیٰ کہ جب ہم ''صہبا'' کے بند کے پاس پہنچے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پاک ہو گئیں۔'' صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''یہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ نصب کیا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں میری والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا اور فرمایا: ''ان کا بناؤ سنگھار کرو۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر : ٤٢١١ـ مسلم، كتاب النكاح، باب فضيلة إعتاقة أمته ثم يتزوجها : ٨٧/١٣٦٥، بعد ١٤٢٧]

ثابت ہوا دلہن کے لیے بناؤ سنگھار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو ولیمہ کھلایا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صبح ہوئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

''جس کے پاس ضرورتِ سفر سے زائد کھانے کا سامان ہو وہ اس سامان کو ہمارے پاس لائے۔''

اب جس کے پاس کھجوریں ضرورت سے زیادہ تھیں وہ کھجوریں لا رہا تھا، کوئی ''جو'' لا رہا تھا اور کوئی ستو لا رہا تھا، حتیٰ کہ ایک ڈھیر لگ گیا۔ ان ساری چیزوں کو ملا کر ''حیس'' بنا دیا گیا۔

[مسلم، كتاب النكاح، باب فضيلة إعتاقة أمته...... الخ : ٨٤/١٣٦٥ بعد ١٤٢٧]

صحیح بخاری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''میں نے

آپ ﷺ کا ولیمہ کھانے کے لیے مسلمانوں کو دعوت دی۔ آپ ﷺ کے ولیمہ میں نہ تو روٹی تھی اور نہ گوشت تھا، ایسا ہوا کہ اب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ وہ بچھا دیا گیا تو اس پر کھجور، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر : ٤٢١٣]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''سب مجاہدین ولیمے کی دعوت کھانے اور قریب ہی بارش سے بنے پانی کے حوضوں سے پانی پینے لگے، تو یہ تھا اللہ کے رسول ﷺ کا ولیمہ جو اس وقت کیا گیا۔''

صحیح بخاری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ مزید آگاہ کرتے ہیں: ''یہاں خیبر اور مدینہ کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ نے تین دن قیام فرمایا۔'' اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتلایا: ''آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور ان سے شادی کی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا آزاد کرنا ہی ان کا حق مہر تھا۔''

[مسلم، كتاب النكاح، باب فضيلة إعتاقة أمته ثم يتزوجها : ١٣٦٥/٨٨، بعد ١٤٢٧۔ بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر : ٤٢١٣، ٤٢٠١]

چاند میری گود میں آ گرا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر سبز نشان دیکھا تو پوچھا: ''اے صفیہ! یہ سبز نشان کیسا ہے؟'' انھوں نے بتلایا: ''ابی حقیق کے بیٹے کی گود میں میرا سر تھا اور میں سو رہی تھی۔ اسی دوران میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آن گرا ہے۔ میں نے یہ خواب اسے سنایا تو اس نے مجھے طمانچہ دے مارا اور کہنے لگا: ''تو یثرب کے بادشاہ کی خواہش کرتی ہے؟''

[طبراني كبير : ٦٧/٢٤، ح : ١٧٧ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٥١٩٩ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ٢٣٠/٤ و إسناده حسن لذاته]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ خواب پورا ہو گیا اور مدینہ منورہ کا چاند ان کی گود میں آن گرا اور رسول کریم ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر بن گئے۔

صفیہ رضی اللہ عنہا کا پاؤں شوہر کے گھٹنے پر:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''اس کے بعد ہم مدینہ کی طرف چلنے لگے تو میں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبا کو اونٹ کی کوہان کے ساتھ باندھ دیا، تاکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پہ بیٹھی اسے پکڑے رہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے پاس بیٹھ گئے، اپنا گھٹنا یوں پھیلایا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے پر رکھا اور اونٹ پر سوار ہوگئیں۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر : ٤٢١١]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ کے لیے کمال شفقت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا گھٹنا پیش کیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے تاجدار نبوت حضور عالی مقام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھا۔ ہندوؤں کا وہ معاشرہ جس میں یہ رواج ہے کہ بیوی اپنے خاوند کے پاؤں بے مقصد چھوتی ہے، قدموں میں گرتی ہے، ذلت اختیار کرتی ہے اور آج تک چلن یہی ہے۔ سبحان اللہ! قربان اس رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے شکست خوردہ قوم کی بیٹی کو بیوی بنایا تو ان کے پاؤں کو اپنے گھٹنے پہ رکھ کر اونٹ پر سوار کرایا اور عورت کی عزت و حرمت کو چار چاند لگا دیے۔

ساری رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ ساتھ:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''آج تم زوال کے بعد (سارا دن) اور ساری رات چلتے رہو گے، اللہ نے چاہا تو کل پانی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔''

چنانچہ لوگ چل پڑے، چلتے چلتے ایسے تھکے کہ کوئی کسی کی طرف دھیان نہ دیتا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی متواتر چلتے ہی چلے گئے، حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جانب چل رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اونگھ طاری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر بیٹھے ایک جانب جھک گئے۔ میں نے جلدی سے آپ کے پاس پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگائے بغیر سہارا دیا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر سفر جاری ہو گیا،

یہاں تک کہ جب بہت رات گزر گئی تو آپ پھر جھکے، میں نے پھر آپ کو جگائے بغیر سہارا دیا اور آپ پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، حتیٰ کہ پچھلی رات ہو گئی، اللہ کے رسول ﷺ پھر ایک جانب کو جھک گئے، مگر اب کی بار تو اس قدر جھکے کہ بس گرنے ہی والے تھے، چنانچہ میں نے جلدی سے آپ ﷺ کو سہارا دیا، مگر اس بار آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: ''کون ہے؟''، میں نے عرض کی: ''ابو قتادہ ہوں۔''

اس پر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''کب سے میرے ساتھ ساتھ چل رہے ہو؟''

میں نے عرض کی: ''جب سے اس رات کا سفر شروع ہوا ہے، میں متواتر آپ ﷺ کے ساتھ چل رہا ہوں۔'' اس پر آپ ﷺ نے یوں دعا دی:

((حَفِظَكَ اللّٰهُ بِمَا حَفِظْتَ بِهٖ نَبِيَّهٗ))

[مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة ...... الخ : ٦٨١]

''جس طرح تو نے اللہ کے نبی ﷺ کی حفاظت کی اسی طرح اللہ تیری حفاظت کرے۔''

اللہ ہی ہے جسے اونگھ تک نہیں آتی، ورنہ ہر انسان جب تھکاوٹ سے چور ہوتا ہے تو اس پر اونگھ طاری ہو جاتی ہے اور وہ سو جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ جہاد و قتال کے سفر میں تھکاوٹ سے چور ہو چکے ہیں مگر آپ ﷺ کا جاں نثار اللہ کی توفیق سے اپنے سالار کی حفاظت کرتا ہوا ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ وہ محافظ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت بھی کر رہا ہے اور جب آپ ﷺ گرنے لگتے ہیں تو وہ آگے بڑھ کر حفاظت کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے اور پھر اللہ کے رسول ﷺ سے دعا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے محافظوں کی خدمت بجا لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

جس رب نے مجھے سلائے رکھا اسی نے......

حضرت ابو قتادہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''جب اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس پلٹے تو رات بھر چلتے رہے، حتیٰ کہ جب آپ (ﷺ) اونگھنے لگے تو ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اگر ہم پڑاؤ ڈال

دیں تو کیسا رہے گا؟'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے خدشہ ہے کہ اس وقت پڑاؤ ڈال لیا تو تم سوتے رہ جاؤ گے اور نمازِ فجر جاتی رہے گی۔'' اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''آپ سب کو جگانا میرے ذمہ رہا۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا: ''ٹھیک ہے، آج رات تم پہرا دو۔''

اب سارے لوگ سو گئے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے لگے، چنانچہ جس قدر اللہ کو منظور تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے رہے اور پھر جب صبح قریب ہوئی تو انھوں نے مشرق کی طرف منہ کر لیا اور اپنی اونٹنی کے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ یوں بیٹھنا تھا کہ ان کی آنکھوں پر نیند نے غلبہ پا لیا اور وہ سو گئے، پھر نہ تو اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھ کھلی نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اور نہ صحابہ ہی میں سے کسی اور کی آنکھ کھل سکی، حتیٰ کہ سورج کی دھوپ جب ان کے چہروں پر پڑی تو سب سے پہلے جس کی آنکھ کھلی وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ گھبرا گئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دینے لگے:

((يَا بِلَالُ! اَيْنَ مَا قُلْتَ؟))

''اے بلال! جو تو نے کہا تھا وہ کہاں گیا؟''

اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) جیسی نیند آج آئی ایسی پہلے کبھی نہیں آئی اور بات یہ ہے کہ آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان! اسی رب نے میرے نفس کو پکڑ کر نیند میں مبتلا کیا، جس نے آپ (ﷺ) کے ساتھ ایسا کیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ وَ رَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَاءَ))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھاری روحوں کو جب چاہتا ہے (نیند میں مبتلا کر کے) قبضے میں کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان روحوں کو تمھارے جسموں میں لوٹا کر (بیدار کر دیتا ہے۔)''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں سے اونٹوں کو ہانکو۔'' صحابہ کرام نے اونٹوں کو تھوڑا سا ہانکا تو نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''چلو اور اذان کہو۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو کیا اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھا چکے تو فرمایا: ''جس کی نماز

رہ جائے اسے جس ٹائم یاد آئے اسی وقت ادا کر لے۔"

[بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الأذان بعد ذهاب الوقت : ٥٩٥۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب قضاء الصلاۃ الفائتة ...... الخ : ٦٨٠، ٦٨١۔ أبو داوٗد : ٤٣٥۔ ترمذی : ٣١٦٣۔ مسند أحمد : ٣٠٧/٥ ح : ٢٢٩٨٥ و إسناده حسن لذاته]

نیند نے سالارِ لشکر ﷺ اور پہرے دار سمیت تمام مجاہدین کو سلا دیا، اللہ کے رسول ﷺ کی پیشگوئی بھی پوری ہوگئی اور اگلے دن پانی مل گیا۔ سورج چڑھے آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے پوری زندگی میں سورج چڑھے نمازِ فجر ایک ہی دفعہ پڑھائی اور یہ واقعہ جہاد کے سفر میں پیش آیا۔

قصواء نے ٹھوکر کھائی :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "جب سارے لوگ مدینہ کے قریب پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹنی کو ذرا تیز دوڑایا، ہم نے بھی اپنی سواریوں کو دوڑا دیا، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کی "قصواء" نامی اونٹنی نے ٹھوکر کھائی۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ گر پڑے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی گر پڑیں۔ آپ ﷺ اٹھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر چادر ڈالی۔"

[مسلم، کتاب النکاح، باب فضیلة إعتاقة أمته ...... الخ : ٨٧/١٣٦٥، بعد ١٤٢٧]

صحیح مسلم (۴۱۱) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک بار گھوڑے سے بھی گرے تھے جس سے آپ ﷺ کے جسم مبارک کی دائیں جانب چھل گئی تھی۔ جی ہاں، لوگو! شہسوار ﷺ گرے تو جہادی سفر میں اور زخمی ہوئے تو جہادی وہیکل گھوڑے سے گر کر زخمی ہوئے۔ راہ جہاد کے یہ زخم اللہ کو بڑے محبوب ہیں اور پھر محبوب ﷺ کے زخم؟ بھلا کتنے پیارے ہوں گے؟ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ دکھلا رہے ہیں کہ لوگو! میرا رسول ﷺ میرا محبوب ہے مگر وہ میرا ایک بندہ بھی ہے اور میں اپنے بندے اور رسول کو دعوتی اور جہادی زندگی میں انھی عام اور فطری طریقوں سے گزار رہا ہوں جن کا ہر شخص کو سامنا ہوتا ہے، تاکہ آنے والے دور میں کوئی یہ نہ کہے کہ وہ تو اللہ کے رسول ﷺ تھے، اللہ کے محبوب اور خلیل یعنی گہرے دوست تھے، ہم کٹھن راہوں کے راہی کیسے بن سکتے ہیں؟ نیز یہ بھی بتلا دیا کہ کائنات کو قائم رکھنے والا قیوم

صرف اللہ ہی ہے۔ گرتوں کو تھامنے والا وہی ہے، لہٰذا عبادت اور سجدہ صرف اسی رب کے لیے جو سب گرتوں کو تھامنے والا ہے۔ اس طرح کی تکالیف سے ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی تکالیف کو خود رسول اللہ ﷺ کو پہنچی ہیں، چنانچہ

۱۔ جو یتیم ہوا سے یتیمی کا خیال آئے تو جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ کے درّ یتیم ﷺ کو یاد کرے۔
۲۔ جس کا دادا فوت ہو جائے وہ حضور اکرم ﷺ کے دادا کی موت کو نگاہوں میں لائے۔
۳۔ جس کا چچا فوت ہو جائے وہ یاد کرے کہ رسول کریم ﷺ کے چچا ابو طالب بھی فوت ہوئے تھے۔
۴۔ جس کو بیوی کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑے وہ سردار دو جہاں ﷺ کے غم کو دیکھے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئی تھی۔
۵۔ جس کی بیٹی فوت ہو وہ سوچے کہ محبوب رب العالمین ﷺ کی تین بیٹیاں ان کی زندگی میں فوت ہوئیں۔
۶۔ جس کا بیٹا فوت ہو وہ یاد کرے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے چار بیٹے فوت ہوئے۔
۷۔ جسے سسرالیوں کے ہاتھوں بیٹی کو تکلیف دیے جانے کا غم ستائے تو وہ رسول کریم ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ستائے جانے کو یاد کر لے۔
۸۔ جب کسی کو یہ غم ستائے کہ وہ دنیا میں اکیلا ہے، اس کا نہ کوئی بھائی ہے نہ بہن ہے تو وہ رسول کریم ﷺ کو یاد کر لے کہ آپ ﷺ کا بھی نہ کوئی بھائی تھا اور نہ کوئی بہن تھی۔
۹۔ جس کے پاس اولاد نہ ہو تو وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی دو بیٹیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس بھی اولاد نہ تھی۔
۱۰۔ جس کو سر درد اور بخار ہو وہ یہ سوچ لے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کو بھی بیماری کی یہ تکلیفیں آئی تھیں۔

الغرض، آپ ﷺ کی زندگی آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں کے لیے زندگی کے ہر دکھ سکھ میں نمونہ ہے۔

مالِ غنیمت کی وجہ سے مجاہدین خوشحال ہو گئے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے لوگوں کے ساتھ قتال کرنے سے فارغ ہوئے اور واپس مدینہ تشریف لے آئے تو وہ جائدادیں جو انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو دے رکھی تھیں، مہاجرین نے اب وہ جائدادیں اپنے انصار بھائیوں کو واپس کر دیں۔''

[بخاری، کتاب الهبة، باب فضل المنيحة : ٢٦٣٠]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: ''اب تو کھجوریں پیٹ بھر کر کھائیں گے۔''

[بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة خيبر : ٤٢٤٢]

مسند احمد کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی خیبر کے مال غنیمت سے حصہ دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے لوگوں کے ہمراہ جب مدینہ آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جا چکے تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے خیبر جا پہنچے، وہ جب پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا، چنانچہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آئے، اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی مال غنیمت سے حصہ دیا۔

[مسند أحمد : ٢/٣٤٥، ٣٤٦، ح : ٨٥٣٣ و إسناده صحيح]

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حبشہ کے مہاجرین حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں واپس آ گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے مہاجرین کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

[بخاری، کتاب فرض الخمس، باب و من الدليل ...... الخ : ٣١٣٦، ٤٢٣٣]

یہودیوں نے رشوت کی پیشکش کر دی:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہر سال خیبر کے یہودیوں کے پاس جاتے، پھلوں اور فصلوں کا حساب لگا کر ان سے حصہ وصول کرتے۔ یہود نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکوہ کیا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حصے کا حساب لگانے

میں سختی کرتا ہے اور ادھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینے کی پیشکش کی، اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

((یَا اَعْدَاءَ اللّٰهِ ! أَتُطْعِمُوْنِی السُّحْتَ؟))

''اے اللہ کے دشمنو! تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو؟''

پھر کہنے لگے: ''یاد رکھو! اللہ کی قسم! میں اس ہستی (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے آیا ہوں جو ساری دنیا کے لوگوں سے کہیں بڑھ کر مجھے محبوب ہے اور جہاں تک تمھارا تعلق ہے تو تم مجھے ساری انسانیت میں سب سے بڑھ کر مبغوض ہو، اس وجہ سے کہ تم ہی وہ لوگ ہو جنھیں بندر اور خنزیر بنایا گیا تھا، مگر اس کے باوجود سن لو! تمھارے ساتھ بغض اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ محبت اپنی جگہ، یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تمھارے ساتھ کوئی نا انصافی کروں۔'' یہ سن کر یہودی کہنے لگے:

((بِهٰذَا قَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ))

[ابن حبان : ٥١٩٩ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرى، للبيهقي : ٦/ ١١٤، ح : ١١٦٢٦۔ دلائل النبوة له : ٤/ ٢٢٩، ٢٣٠۔ ابو داؤد : ٣٠٠٦ و إسناده حسن لذاته]

''اسی عدل کی وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔''

سبحان اللہ! اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل بھی دیکھو، یہود کی خصلت بھی ملاحظہ ہو اور پھر ان کا اعترافِ حق بھی ملاحظہ ہو کہ دنیا قائم ہے تو ایسے عدل ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی کیسی شاندار تربیت کی ہے، اللہ ان سے راضی ہو۔

قارئین کرام! اب ہم تذکرہ کرتے ہیں ان عرب قبائل کا جو مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑنے کی شرارتوں میں فوراً شامل ہو جایا کرتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لیے مختلف دستے روانہ فرمائے اور ان کے علاقوں ہی میں انھیں توڑ کر رکھ دیا۔



چند غزوات اور دلچسپ واقعات

قیدی لڑکی کے بدلے دوسرے قیدی چھڑوا لیے گئے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم عرب کے مشہور قبیلہ فزارہ کے خلاف جہاد کے لیے گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارے لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ ہم جب ان کے علاقے کے قریب پہنچے تو وہ جگہ جہاں سے دشمن پانی بھرتا تھا اس سے تھوڑے فاصلے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اس وقت پچھلی رات کا وقت تھا۔ فجر کے بعد ہمیں ہر سو حملے کا حکم تھا۔ ہم پانی والی جگہ بھی پہنچے پھر تو جو مارا گیا بس وہ اس حملے میں مارا گیا اور جو باقی بچے انھیں ہم قیدی بنا رہے تھے۔ ان لوگوں میں میری نظر ایک ایسے گروہ پر تھی جس میں بچے اور عورتیں تھیں۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے پہاڑ پر نہ پہنچ جائیں، چنانچہ میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر پھینکا، وہ لوگ تیر دیکھ کر وہیں ٹھہر گئے۔ اب میں بھی ان کے پاس جا پہنچا اور انھیں اپنے ساتھ لے آیا۔ ان قیدیوں میں بنوفزارہ کی ایک ایسی خاتون بھی تھی جس نے چمڑے کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب کی حسین ترین لڑکی تھی۔ میں ان سب کو جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی بیٹی کو میرے سپرد کر دیا۔ ہم مدینہ میں آ گئے۔ میں نے اس لڑکی کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بازار میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

((يَا سَلَمَةُ ! هَبْ لِيَ الْمَرْأَةَ))

''اے سلمہ! وہ عورت مجھے دے دے۔''

میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! وہ تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے اور میں نے تو ابھی اس کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔'' اگلے دن اللہ کے رسول ﷺ سے پھر بازار ہی میں ملاقات ہو گئی۔ اب کے پھر اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے وہی بات کہی:

''اے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ! تیرا باپ تو بہت اچھا تھا، میں نے لڑکی کا کہا تھا کہ وہ مجھے دے دے۔''

اب میں نے یہ سنتے ہی کہہ دیا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) وہ آپ کی ہو گئی، اللہ کی قسم! میں نے اس کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔'' اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے وہ لڑکی مکہ والوں کے سپرد کر دی اور اس کے بدلے میں کئی مسلمانوں کو آزاد کروا لیا جو مکہ میں قید ہو گئے تھے۔

[مسلم، کتاب الجهاد و السير، باب التنفيل و فداء ...... الخ : ۱۷۵۵۔ طبقات ابن سعد : ۹۰/۲ و إسناده صحيح]

''معجم البلدان'' کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لشکر ''نجد'' کے علاقے ''ضَرِیّہ'' کی طرف گیا تھا۔ یمامہ بھی نجد کے علاقے میں ہے اور ''جموم'' بھی اسی علاقے میں ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ''اس یلغار میں مسلمانوں کا جنگی شعار ''اَمِتْ اَمِتْ'' تھا۔'' اس کا مطلب ہے ''مارو مارو۔''

[طبقات ابن سعد : ۹۰/۲ و إسناده صحيح]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عورتوں اور بچوں کو مارا نہیں بلکہ صرف ایک تیر ان کی اگلی جانب پھینکا۔ مکہ اور بنوفزارہ کے مشرک باہم ایک ہی تھے۔

قارئین کرام! اسلام وہ دین ہے جو انسانوں کے حقوق کو تحفظ دینے آیا ہے۔ جنگ کے دوران لوگ جب کثیر تعداد میں مارے جاتے ہیں تو ان لوگوں کی عورتوں اور بچوں کو اگر کھلا چھوڑ دیا جائے تو معاشرہ بے راہ روی، فحاشی اور جرائم کا شکار ہو جائے۔ حالیہ جنگ عظیم اول اور دوم کے بعد صورتحال یہ تھی کہ عورتوں کو شادی کے لیے کوئی مرد نہ ملتا تھا۔ پورے یورپ میں، خاص طور پر جرمنی میں فحاشی کا سیلاب آ گیا تھا۔

اسلام ہر فرد کو قیمتی قرار دیتے ہوئے اس کو معاشرے کا مفید فرد بناتا ہے۔ عورتیں جو

لونڈیاں بنتی ہیں، اس کا ایک طریق کار ہے۔ وہ سالار یا سربراہ حکومت کے پاس جمع ہوتی ہیں اور وہ ان کو تقسیم کرتا ہے۔ عورت جس کے حصے میں آتی ہے گویا اسے ایک مالک میسر آ جاتا ہے۔ اس کی عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس کے بچے کے لیے کفالت کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ اس کے مقدر میں ہو تو اسے اسلام کی نعمت بھی مل جاتی ہے۔

حکمران کی تقسیم کے بعد بھی جب تک عورت پاک نہ ہو جائے اس کا مالک اس کے قریب نہیں جاتا، یعنی نسل اور نسب کا پورا تحفظ موجود ہے۔ الغرض، اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیشہ قیدی عورتوں، مردوں اور بچوں کو ان کے وارثوں کے پہنچنے پر فدیہ لے کر اور کبھی بغیر فدیہ کے بھی آزاد کیا اور قیدیوں کے بدلے قیدیوں کو بھی رہا کیا ہے۔

اس کے برعکس نام نہاد مہذب معاشروں کا حال کیا ہے؟ بوسنیا میں سرب صلیبی درندوں نے ہزاروں مسلمان عورتوں کی اجتماعی آبرو ریزی کی۔ جانوروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے، قید میں رکھ کر ظلم کرتے رہے، اور قتل بھی کرتے رہے۔

1947ء میں برصغیر کی محض تقسیم تھی، جنگ نہ تھی لیکن ہندوؤں نے لاکھوں مسلمان عورتوں کی عزتیں لوٹنے کے بعد انھیں قتل کر دیا۔

کشمیر میں گزشتہ 15 سالوں کے دوران دس ہزار عورتوں کے ساتھ آبرو ریزی کا ظلم ہندو فوج نے کیا۔ امریکہ کی فوج نے عراق میں دس ہزار عورتوں کی آبرو ریزی کی۔ ابوغریب جیل سے مظلوم عورتوں کے خطوط دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام لکھے جاتے رہے۔ افغانستان میں جب 1979ء میں روسی آئے تو انھوں نے ہزاروں افغان عورتوں کی عزتوں کو بارہ سالوں تک پامال کیا۔ 2001ء میں امریکہ نے افغانستان پر چڑھائی کی تو مجاہدین کی بے شمار عورتیں فروخت ہوئیں۔ الغرض، صلیبی اور مشرک آج بھی عورتوں پر درندے بن کر ٹوٹتے ہیں اور جانوروں کی طرح جنسی پیاس بجھا کر رفو چکر ہوتے ہیں، جبکہ مسلمانوں کے پاس ایک ضابطۂ حیات ہے، وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے۔ جس عورت یا فرد کو بھی اپناتے ہیں اس کے ذمہ دار بنتے ہیں۔ جبکہ صلیبیوں کا حال یہ ہے کہ وہ تو اپنی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح نہیں کرتے، محض نباہ کرتے ہیں، اس وقت تک جب تک دل چاہے اور اس نباہ میں عورت اور اس سے ہونے والی اولاد

کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ قربان جائیں اسلام پر کہ جو جنگ میں مارے گئے دشمنوں کی عورتوں اور بچوں کو بھی کفالت کا نظام مہیا کرتا ہے، وہ نظام کہ جسے دشمن نے پروپیگنڈے کے زور پر بدنام کر رکھا ہے۔

کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا؟

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حرقہ'' قبیلے کے خلاف ہمیں لڑائی کے لیے روانہ کیا۔ ہم نے صبح سویرے ان لوگوں پر حملہ کیا اور انھیں شکست سے دو چار کر دیا۔ اس کے بعد میں اور انصار کا ایک مجاہد دشمن قوم کے ایک شخص سے لڑنے لگے۔ جب ہم نے اس پر قابو پا لیا تو وہ پڑھنے لگا: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) انصاری مجاہد تو اسے قتل کرنے سے فوراً رک گیا جبکہ میں اسے برچھے سے مارتا رہا، حتیٰ کہ میں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا أُسَامَةُ ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟))

''اے اسامہ! اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اور اس کے بعد تو نے اسے قتل کر دیا؟''

صحیح مسلم کی روایت میں ہے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اسے میں نے قتل تو کر دیا مگر میرے دل میں یہ قتل کھٹکنے لگا۔ چنانچہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ قَتَلْتَهُ))

''اس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور تو نے اسے قتل کر دیا؟''

میں نے عرض کی: ''اس نے محض بچنے کے لیے اور اسلحہ کے ڈر سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا تھا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا اَمْ لَا ؟))

''تو نے اس کا دل کھول کر دیکھ لینا تھا، تاکہ تجھے پتا چل جاتا کہ اس نے صدقِ دل سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا تھا یا محض بچنے کے لیے کہا تھا۔''

آپ ﷺ یہ جملہ متواتر دہراتے رہے حتیٰ کہ میں دل میں کہنے لگا: ''کاش! میں آج ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوا ہوتا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبیﷺ أسامة ...... الخ : ۴۲۶۹۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم قتل الکافر...... الخ : ۹۶]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے لیے جو باب باندھا ہے اس میں واضح کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جہینہ قبیلے سے مقابلہ کرنے کے لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ''حرقات'' کے علاقے میں بھیجا تھا۔

ابن سعد نے اپنی کتاب ''طبقات (۹۱/۲)'' میں بتایا ہے کہ یہ علاقہ نجد میں واقع ہے۔ بستی کا نام ''مَیفَعَہ'' ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ 96 میل (140 کلومیٹر) کے قریب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس مہم کا کمانڈر حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی اس غزوہ میں شامل تھے۔ ان سے غلطی سرزد ہوگئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سخت سرزنش کی تو ان کے دل میں تمنا پیدا ہوگئی کہ کاش! وہ اس سے قبل مسلمان نہ ہوئے ہوتے، نہ یہ غلطی کرتے اور نہ ایک شخص کے قتل پر یوں اللہ کے رسول ﷺ سے اس قدر سخت بات سنتے۔ غلطی پر ندامت ایک مومن کا خاصہ ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اسی کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان نے واضح کر دیا کہ کسی کی نیت اور دل پر فتویٰ لگا کر انتہائی اقدام مت کرو بلکہ اس کے ظاہر پر یقین کرو۔ دلوں کے حال اللہ ہی جانتا ہے، کوئی انسان نہیں جانتا اگرچہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا محبوب ترین صحابی ہی کیوں نہ ہو۔ دلوں کے احوال سے کوئی واقف نہیں، لہٰذا مفتی فتویٰ دے گا تو ظاہری حالات ہی پر دے گا۔ قاضی فیصلہ کرے گا تو ظاہری حالات ہی پر کرے گا۔

یہ شخص جسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے غلطی سے قتل کیا مولانا داؤد راز رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح میں اس کا نام مرداس بن عمرو ذکر کیا ہے۔ (۵۱۶/۵)

راہِ جہاد میں پاؤں زخمی ہو گئے، ناخن جھڑ گئے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ کے لیے نکلے۔ ہم چھ ساتھی تھے جو باری باری ایک ہی اونٹ پر سوار ہوتے تھے، چنانچہ ہمارے پاؤں پھٹ گئے۔ میرے بھی دونوں پاؤں پھٹ گئے، ناخن بھی گر گئے۔ ہم اپنے پاؤں پر کپڑے کی پٹیاں باندھ کر چل رہے تھے۔ اس غزوہ کا نام بھی ''ذات الرقاع'' اسی لیے مشہور ہوا کہ ہم اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھے ہوئے تھے۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع : ٤١٢٨]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (قبل، ح: ۴۱۲۵) میں بتلایا ہے کہ یہ غزوہ غطفان قبیلے کی ایک شاخ بنو ثعلبہ کے خلاف ہوا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نخل'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ بطن نخل نجد کا علاقہ ہے۔ بنو غطفان کے بدو قبائل کو سبق سکھانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ادھر کا رخ کیا، مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔ یہ فائدہ ضرور ہوا کہ نجد کے قبائل متواتر یلغاروں سے دب گئے۔ یہ لوگ ہر موقع پر یہود اور مشرکین مکہ کا ساتھ دیتے تھے اور مدینہ کی جانب چلے آتے تھے، خیبر میں یہود کی بیخ کنی کے بعد اب جب مسلمانوں نے ان کی جانب متواتر یلغاریں کیں تو ان یلغاروں کو دیکھ کر نہ صرف یہ کہ وہ مسلمانوں کے خلاف مزید مہم جوئی سے باز آ گئے۔ بلکہ خوفزدہ ہو گئے۔

آفرین ہے مجاہد صحابہ پر کہ وہ اس غزوہ کے لیے سفر پر روانہ ہوئے، ان کے جوتے گھس گئے۔ وہ بھی چلے جو ننگے قدم تھے، ان کے قدموں کے تلوے پھٹ گئے، خون کی شریانیں پھٹ کر تلووں کو لال کرنے لگیں۔ انگلیوں کے ناخن جھڑ گئے مگر مجاہدین پٹیاں باندھ باندھ کر اپنے سالار محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ برابر سفر پر گامزن رہے۔

مجھے تیری تلوار سے اللہ بچائے گا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ کے لیے نجد کے علاقے میں گئے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے واپس چلے تو ہم بھی

آپ ﷺ کے ہمراہ واپس نکلے۔ ایک وادی میں پہنچے تو دوپہر کے آرام کا وقت ہو چکا تھا۔ یہاں جنگلی کیکر کے درخت بہت زیادہ تھے۔ یہاں جو بہت گھنے سائے والا درخت تھا اسے ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے مخصوص کر دیا کہ آپ ﷺ یہاں آرام فرمالیں۔ باقی صحابہ درختوں کے سائے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کیکر کے گھنے درخت تلے سو گئے اور انھوں نے اسی درخت کے ساتھ اپنی تلوار بھی لٹکا دی۔ ہم ابھی تھوڑی ہی دیر کے لیے سوئے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں آواز دی۔ ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیں بتلایا:

''یہ شخص میری ہی تلوار پکڑ کر میرے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میں سویا ہوا تھا، آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ اب یہ مجھے کہنے لگا: ''بتلاؤ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟'' میں نے کہا: ''اللہ بچائے گا۔'' ''دیکھ لو! وہ شخص بیٹھا ہوا ہے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة ذات الرقاع : ٤١٣٥]

صحیح مسلم (۸۴۳) میں ہے کہ صحابہ نے اسے جھڑکنا شروع کیا، اس پر اس نے تلوار نیام میں ڈالی اور اسے درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ صحیح بخاری (۴۱۳۵) میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ کتب احادیث میں اس شخص کا نام غورث بن حارث بتلایا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے غورث سے کہا: ''مجھے اللہ بچائے گا۔'' تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ اب وہی تلوار اللہ کے رسول ﷺ نے پکڑی اور غورث سے کہا:

((مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ))

''بتلا اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟''

اس پر غورث کہنے لگا: ''مہربانی کی درخواست ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟'' کہنے لگا: ''یہ تو نہیں، البتہ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں اب آپ سے لڑوں گا نہیں اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے۔'' اس پر آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد غورث اپنی قوم کے لوگوں کے

پاس گیا تو کہنے لگا:

﴿ قَدْ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ ﴾

''میں اس شخص کو مل کر تمھارے پاس آیا ہوں جو ساری انسانیت میں بہترین ہے۔''

[مسند أحمد : ٣/٣٦٤، ٣٦٥، ح : ١٤٩٩١ وإسناده صحيح۔ ابن حبان : ٢٨٨٣ و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ٣/٢٩، ٣٠، ح : ٤٣٢٢ و إسناده صحيح]

صدقے اور قربان اس رحمت دو عالم ﷺ پر جو قابو پا کر معاف کرنے والا ہے۔

پہرا دیتے ہوئے نماز پڑھتا رہا، تیر کھاتا رہا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ''ذات الرقاع'' کے غزوہ میں شامل ہوئے، وہاں مشرکوں کی ایک عورت کو کچھ نقصان پہنچ گیا۔ پھر جب اللہ کے رسول ﷺ مجاہدین کے قافلے کو لے کر واپس ہوئے تو اس عورت کا خاوند جو اس وقت موجود نہیں تھا۔ گھر پہنچا، صورتحال ملاحظہ کی تو اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے کسی کا خون نہیں بہائے گا، چین سے نہیں بیٹھے گا، چنانچہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے قدموں کے نشانات پر چلتا ہوا پیچھا کرنے لگا۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ چلتے ہوئے ایک مقام پر پڑاؤ کے لیے رک گئے۔ آپ ﷺ نے مجاہدین سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''ہم رات یہاں گزاریں گے، کون ہے جو اس رات کا پہرا دے گا؟'' ایک شخص مہاجرین میں سے کھڑا ہو گیا اور ایک شخص انصار میں سے، دونوں کہنے لگے: ''ہم پہرا دیں گے، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)'' چونکہ مجاہد نے وادی کی ایک گھاٹی میں پڑاؤ ڈالا تھا اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے دونوں سے فرمایا: ''گھاٹی کے درے میں چلے جاؤ۔'' دونوں مجاہدین گھاٹی کے درے میں جا پہنچے۔ اب انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہنے لگا:

''رات کے دو حصے ہیں، جس حصے میں آپ آرام کرنا چاہتے ہیں میں اس حصے کا پہرا دیتا ہوں۔'' مہاجر کہنے لگا: ''آپ رات کے پہلے حصہ کا پہرا دے لیں۔'' یہ کہہ کر مہاجر مجاہد سو گیا۔ (انصاری مجاہد پہرا دینے لگا اور پھر نصف رات کے قریب جا کر) وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھنے لگ گیا۔ اب وہ مشرک آدمی جس نے خون بہانے کی قسم اٹھائی تھی وہ بھی ادھر آ نکلا۔

جب اس نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے تو وہ پہچان گیا کہ یہ لشکر کا پہرے دار ہے، چنانچہ اس نے تیر دے مارا، پہرے دار مجاہد نے (اپنے جسم سے وہ) تیر نکالا اور ثابت قدمی کے ساتھ نماز میں کھڑا رہا۔ دشمن نے دوسرا تیر مارا تو نمازی مجاہد نے اسے بھی ایک طرف نکال کر رکھ دیا اور مضبوطی سے کھڑا رہا۔ دشمن نے اب تیسرا تیر مارا تو انصاری مجاہد نے حسب معمول اسے بھی نکال لیا اور ایک جانب رکھ دیا مگر اب وہ رکوع میں جھک گیا۔ پھر سجدہ ریز ہو گیا، یوں نماز ختم کر کے اس نے اپنے ساتھی کو جگایا اور اسے کہا: ''اٹھ بیٹھو، تمھارے پہرے کا وقت آ گیا ہے۔'' مہاجر جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ اب دشمن نے جب دو بندوں کو دیکھا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ خبردار ہو گئے ہیں، چنانچہ دشمن وہاں سے بھاگ اٹھا۔

مہاجر نے جب اپنے انصاری بھائی کو خون میں لت پت دیکھا تو کہنے لگا: ''سبحان اللہ! آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟'' انصاری نے جواب دیا: ''میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، دل نہیں مانا کہ اسے درمیان میں ختم کر دوں چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اسے پورا کر ہی لوں، پھر جب متواتر مجھ پر تیر برسنے لگے تو میں نے رکعت پوری کی اور آپ کو جگا دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہ درہ جس کی حفاظت کا حکم مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے کہیں گنوا ہی نہ دوں تو دو کاموں میں سے ایک ضرور ہوتا، یا تو سورت پوری ہونے سے پہلے میری جان چلی جاتی یا پھر سورت پوری ہو جاتی۔''

[مسند أحمد : ۳۴۳/۳، ۳۴٤، ۳۵۹، ح : ۱٤۷٦۰، ۱٤۹۲٦ و إسناده حسن لذاته۔ أبو داوٗد : ۱۹۸ و إسناده حسن لذاته۔ صحيح ابن خزيمة : ۲٤/۱، ۲۵، ح : ۳٦ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۱۰۹٦ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ۱۵٦/۱، ۱۵۷، ح : ۵۵۷ و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام : ۱۵۹/۳ و إسناده حسن لذاته ۔ و عقيل بن جابر بن عبد الله الأنصاري صدوق حسن الحديث، وثقه ابن خزيمة و ابن حبان (الثقات : ۲۷۲/۵) والحاكم والذهبي بتصحيح حديثه]

ابن ہشام نے اپنی سیرت (۱۵۹/۳) میں ان دونوں مجاہد صحابہ کے نام عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ بتلائے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے مجاہدین، فوجیوں اور سپاہیوں کو دشمن کے مقابلے میں ایسا ہی مومن اور ذمہ دار بنا۔ آمین!

جفا کا جواب مسکراہٹ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں: ''میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا، آپ ﷺ نے نجران کی بنی ہوئی چادر اوڑھ رکھی تھی، چادر کا حاشیہ بنائی میں موٹا تھا۔ اچانک گاؤں سے آنے والے ایک دیہاتی سے سامنا ہوا، اس نے چادر کو زور سے کھینچا، اتنا زور سے کہ کھنچے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ اس کے گلے جا لگے۔ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے چادر پھٹ گئی، اس کا حاشیہ اللہ کے رسول ﷺ کی گردن میں رہ گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی گردن مبارک پر چادر کا نشان پڑ گیا۔ میں نے اس نشان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اب وہ دیہاتی کہنے لگا:

''اے محمد! (ﷺ) اللہ کا وہ مال جو تمھارے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی دینے کا حکم دو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دیہاتی کی طرف دیکھا اور (اس کے اس طرز عمل پر غصہ کرنے کی بجائے) ہنسنے لگے اور پھر آپ ﷺ نے اسے عطا کرنے کا حکم دیا۔''

[مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء المؤلفۃ......الخ: ۱۰۵۷]

قارئین کرام! صحابہ کرام اپنے پیارے رسول ﷺ کو ''یا محمد ﷺ'' کہہ کر نہیں پکارا کرتے تھے، بلکہ ''یا رسول اللہ'' کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی کہا کرتے تھے: ''میرے ماں باپ قربان۔'' مگر مذکورہ شخص جو تھا تو مسلمان مگر اس میں جفا اور سختی تھی، وہ شہری آداب سے واقف نہ تھا، پھر مانگنے کا اس کا جو انداز تھا اس میں بھی شقاوت کی انتہا تھی، مگر قربان جاؤں رحمۃ للعالمین ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے اس کا جواب نہ صرف مسکراہٹ سے دیا بلکہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اسے جو ضرورت ہے وہ اسے دے دو۔ یہ ہیں مدینہ کے حکمران جو اپنی رعایا کے ایک سخت خو دیہاتی کی جفا کا جواب ایسے کریمانہ اخلاق سے دیتے ہیں، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی حکمران نہیں دے سکتا۔

اسی باب میں امام مسلم صحیح مسلم (۱۰۵۸) میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس قبائیں (عبائیں) آئیں، آپ ﷺ نے انھیں تقسیم کر

دیا۔ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ دیا۔ اب گھر آ کر حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے مسور رضی اللہ عنہ کو کہنے لگے:

''بیٹا! آؤ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں، ممکن ہے آپ ہمیں کچھ نہ کچھ عطا فرما دیں۔''

چنانچہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جا پہنچے، میرے والد صاحب مجھے کہنے لگے ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاؤ۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری گفتگو کو سن لیا اور آواز بھی پہچان لی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قباء تھی۔ آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عبا میرے باپ کو دکھانے لگے، اس کا حسن و جمال بیان کرنے لگے اور (ہمارے مانگنے سے قبل ہی) فرمانے لگے:

((خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ، خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ))

''یہ تو میں نے تمھارے لیے چھپا کر رکھی تھی، یہ خوبصورت والی میں نے تیرے لیے ایک طرف کر لی تھی۔''

قارئین کرام! یہ تھے مہربان و مشفق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی رعایا کے حکمران، ہر ایک کا خیال رکھنے والے، بن مانگے دینے والے۔ دعا کیا کرو کہ حکمران ملے تو متکبر اور لالچی نہیں بلکہ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ملے۔

یاد رہے! ریشمی گوٹوں کے حاشیہ والی عبائیں جو آج سعودی عرب کے حکمران اور علماء زیب تن کرتے ہیں یہ عربوں کا کلچر ہے، جو شروع سے چلا آ رہا ہے، یہ پہن کر حکمران اور علماء جس قدر باوقار لگتے ہیں اس جیسا وقار کسی اور لباس میں نظر نہیں آتا۔ نظر آئے بھی کیسے کہ اس عباء کو تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زیب تن فرمایا ہے۔

مجاہد کے ساتھ سپریم کمانڈر کی دل لگی:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''ایک جہادی سفر میں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آ رہا تھا، میرا اونٹ تھک گیا اور سست ہو کر آہستہ آہستہ چلنے لگ گیا۔ (تو میں نے

اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیا) اللہ کے رسول ﷺ میرے قریب آئے اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے: ''جابر!'' میں نے کہا: ''جی حاضر!'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' میں نے عرض کی: ''اونٹ تھک گیا اور سست ہو کر آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔'' آپ ﷺ نے یہ سنا تو اپنی سواری سے نیچے اترے اور لاٹھی کے ساتھ میرے اونٹ کو ہانکنے لگے اور پھر مجھے کہا: ''اب سوار ہو جا۔'' میں اس پر سوار ہوا تو اب وہ اس قدر تیز چلنے لگا کہ مجھے اس کو مشکل سے روکنا پڑا کہ کہیں وہ اللہ کے رسول ﷺ سے آگے نہ نکل جائے۔ اب اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے باتیں کرنے لگے:

رسول اللہ ﷺ : ''شادی کر لی؟''

جابر رضی اللہ عنہ : ''جی ہاں!''

رسول اللہ ﷺ : ''کنواری سے کی یا بیوہ سے؟''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ : ''میری بہنیں کافی ہیں (ماں فوت ہو گئی ہے) لہٰذا سوچا کہ ایسی خاتون سے شادی کروں جو ان کو باہم جوڑے رکھے۔ ان کی کنگھی کرے اور ان پر پوری پوری نگرانی کرے۔''

رسول اللہ ﷺ : ''اچھا! اب گھر پہنچنے والے ہو، وہاں خوب مزے اڑانا۔'' پھر فرمایا: ''اونٹ بیچو گے؟''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ : ''جی ہاں!''

اور پھر ایک اوقیہ چاندی کے بدلے سودا طے ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں اگلے دن صبح کو پہنچا۔ میں اور اللہ کے رسول ﷺ اکٹھے ہی مسجد کے پاس پہنچے۔ میں نے دروازے پر آپ ﷺ کو پایا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''ابھی پہنچے ہو؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنا اونٹ چھوڑ دو، مسجد میں داخل ہو جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ لو۔''

میں مسجد میں داخل ہوا، دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مجھے ایک اوقیہ چاندی تول دیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چاندی تولی تو جھکتی ہوئی

تول کر دی۔ اب میں نے چاندی پکڑ کر چل دیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''جابر کو میرے پاس بلاؤ۔''

میں نے دل میں کہا: ''اب میرا اونٹ مجھے واپس ہو گا۔'' اور واپسی مجھے ناگوار تھی۔ میں جب آپ ﷺ کے پاس گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اونٹ بھی لے جاؤ اور چاندی بھی پاس ہی رکھو۔''

[بخاری، کتاب البیوع، باب شراء الدواب والحمیر : ۲۰۹۷۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب البکر نکاح : ۱۴۶۶/۳۶۴۱۔ ابن حبان : ۷۱۴۳ و إسناده صحیح]

قربان جائیں رسول کریم ﷺ کے اخلاق پر کہ مدینہ کا حکمران، افواج کا سپریم کمانڈر اپنے سپاہی کی مدد کے لیے اپنی سواری سے نیچے اترتا ہے اور سپاہی کی سواری کو ہانکتا ہے، اس کے ساتھ دل لگی کی باتیں کرتا ہے، تول میں پلڑا جھکا کے احسان کرتا ہے، پھر اپنے مجاہد سپاہی کو دونوں ہی چیزیں دے کر خوش کر دیتا ہے، پھر لڑنے والے کیوں نہ جان چھڑکیں ایسے سپریم کمانڈر کے اشارۂ ابرو پر؟ سیرت ابن ہشام (۱۵۷/۳، ۱۵۸ و إسناده حسن لذاتہ) کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر پیش آیا تھا۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہوئے سات سال ہونے کو ہیں۔ ایک سال پہلے ہی کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرنے کے لیے گئے تھے تو آپ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے اور مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو عمرہ ادا نہیں کرنے دیا۔ صلح ہوئی تو یہ طے پایا کہ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے آ جائیں۔ تین دن مکہ میں قیام کر کے چوتھے دن واپس چلے جائیں۔ دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ عمرہ ذی القعدہ کے مہینے میں سات ہجری کو کیا گیا۔

[دلائل النبوة للبیهقي: ۳۱۳/٤ وإسناده حسن لذاته]

اللہ کے رسول ﷺ اور عمرہ کی ادائیگی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کے ہمراہ

مکہ میں تشریف لے گئے تو مشرکوں نے اپنے لوگوں سے کہنا شروع کیا: ''تمھارے پاس وہ لوگ آ رہے ہیں، جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔'' اللہ کے رسول ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا: ''وہ طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر تیز چلیں، البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان حسب معمول چلیں۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب عمرة القضاء : ٤٢٥٦۔ مسلم : ١٢٦٦۔ مسند أحمد : ١/٣٠٦، ٢٩١، ح : ٢٧٩٤، ٢٦٣٩ و إسناده صحيح۔ أبوداوٗد : ١٨٨٦ و إسناده صحيح۔ سنن النسائي : ٢٩٤٨ و إسناده صحيح]

صحیح بخاری کی روایت (۴۲۵۷) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے اکڑ کر تیز چلنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ مشرک لوگ مسلمانوں کی قوت ملاحظہ کریں۔'' اس وقت قعیقعان پہاڑ پر کھڑے مشرک لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ صحیح مسلم (۱۲٦٦) میں ہے کہ مشرکوں نے جب یہ نظارہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کے بارے میں تم کہتے تھے کہ بخار نے انھیں کمزور کر دیا ہے، یہ تو اس قدر مضبوط لوگ ہیں کہ ان کی قوت کا کیا کہنا، جی ہاں! ثابت ہوا کہ مسلمان اپنی کسی کمزوری کو دشمن پر ظاہر نہ ہونے دیں۔

محافظوں کا حصار:

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''جب اللہ کے رسول ﷺ عمرہ ادا کرتے ہوئے (طواف وسعی) کر رہے تھے تو ہم نے آپ ﷺ کو اردگرد سے گھیرے میں لے رکھا تھا کہ کہیں مشرک لوگ اور ان کے چھوکرے اللہ کے رسول ﷺ کو نقصان نہ پہنچا دیں۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب عمرة : ٤٢٥٥۔ ابن ماجه : ٢٩٩٠، إسناده صحيح]

سبحان اللہ! کیا منظر تھا کہ صحابہ تلواریں حمائل کیے، اپنے پیارے رسول ﷺ کی ہر جانب ہو کر کعبہ کے گرد یوں طواف کر رہے ہیں جیسے چاند کے گرد ستارے ہوں اور وہ سب سورج کے گرد محو گردش ہوں۔

دوران طواف ایک اور حسین منظر احادیث کی کتابوں میں ثبت ہوتا ہے۔ اس منظر کا نقشہ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن حبان اپنی صحیح میں کھینچتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

اپنے جہادی اشعار اللہ کے رسول ﷺ کے آگے آگے پڑھتے چلے جا رہے ہیں اور چلتے چلے جا رہے ہیں.....

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهِ
اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهِ
ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَّقِيْلِهِ
وَ يُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهِ
يَا رَبِّ اِنِّيْ مُؤْمِنٌ بِقِيْلِهِ

''اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو، ان کے یہاں آنے پر اگر کوئی حرکت کی تو آج کے دن ہم تم کو ماریں گے، ایسی مار کہ اس سے تمھارے دماغ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور یہ مار ایسی ہوگی جو دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔ اے میرے پروردگار! میں اس رسول (ﷺ) کی بات پر ایمان لانے والا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے ابن رواحہ! (رضی اللہ عنہ) اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اور اللہ عزت و جلال والے کے حرم میں تو یہ اشعار کہہ رہا ہے؟'' اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

((خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ ! فَلَهِيَ اَسْرَعُ فِيْهِمْ مِنْ نَّضْحِ النَّبْلِ))

''اے عمر! ابن رواحہ کو کچھ نہ کہہ، یہ اشعار تو کافروں کو تیروں کی مار سے بھی کہیں زیادہ گھائل کرنے والے ہیں۔''

[الترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی إنشاد الشعر : ۲۸۴۷ و إسناده حسن لذاته۔ النسائی، کتاب مناسك الحج، باب إنشاد الشعر فی الحرم ...... الخ : ۲۸۷۶ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۵۷۸۸ و إسناده حسن لذاته]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے میڈیا کی اہمیت کا احساس دلایا کہ وہ نظم کی صورت میں ہو یا نثر کی شکل میں، وہ بعض حالات میں توپوں کی گھن گرج سے بھی زیادہ اہم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس صحافی کا کیا کہنا جو دورانِ جنگ یہ کردار ادا کرتا ہے۔ اس جرنلسٹ کا کیا کہنا جو امن کی

حالت میں بھی مسلمانوں کے مورال کا خیال رکھتا ہے۔

مکہ میں رسول اکرم ﷺ کا نکاح:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ احرام کی حالت میں تھے تو آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور ان کے ساتھ خلوت میں اس وقت گئے جب آپ ﷺ احرام کھول چکے تھے (آپ ﷺ نے خلوت بھی سرف کے مقام پر کی اور اتفاق کہ) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی سرف ہی کے مقام پر ہوا۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء : ٤٢٤٥]

قارئین کرام! سرف کا مقام مکہ سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر مدینہ منورہ کے راستے میں ہے۔ میں نے یہ مقام دیکھا اور وہاں اپنی روحانی اماں جان حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی دیکھی آپ رضی اللہ عنہا یہاں ۵۱ ہجری میں یعنی اپنے شوہر نامدار رسول کریم ﷺ کی وفات کے ۳۸ سال بعد فوت ہوئیں۔

امام ابن قیم اپنی شہرہ آفاق کتاب '' زاد المعاد'' میں بتلاتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، جبکہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا خاوند فوت ہو چکا تھا۔ اس وقت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۶ سال تھی۔ انھوں نے خود اللہ کے رسول ﷺ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے قبول فرمالیا۔

صحیح بخاری (۲۶۹۹) میں ہے جب اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے نکل رہے تھے تو حضرت حمزہ سید الشہداء کی صاحبزادی چچا چچا پکارتے ہوئے آپ ﷺ کے پیچھے آگئی، آپ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا کیونکہ بچی کی خالہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔

الغرض، اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، ارشاد فرمایا:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ

﴿مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ﴾ [الفتح : ٤٨/٢٧]

''اللہ نے اپنے نبی ﷺ کا برحق خواب سچا کر دکھایا کہ اللہ نے چاہا تو تم ضرور مسجد الحرام میں امن کے ساتھ جاؤ گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور کترواؤ گے، کوئی خوف وخطرہ نہ ہوگا۔''

خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''مکہ فتح ہونے سے قبل میں مکہ سے نکلا، مدینے کا رخ کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تھوڑی دور گیا تو خالد بن ولید سے ملاقات ہوگئی، وہ بھی مکہ سے نکل رہے تھے۔ میں نے خالد بن ولید کو مخاطب کر کے کہا: ''اے ابو سلیمان! کدھر جا رہے ہو؟'' حضرت خالد کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! بات یہ ہے کہ حق سچ کا راستہ واضح ہوگیا، یہ شخص (محمد کریم ﷺ) سچا نبی ہے۔ میں تو اس کے پاس جا رہا ہوں۔ کب تک اس سے بے پروا ہو کر بھٹکتے پھریں گے، لہٰذا میں نے تو اللہ کی قسم! اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' خالد کا یہ عزم سن کر میں نے اسے کہا: ''اللہ کی قسم! میں بھی اسی مقصد کے لیے نکلا ہوں کہ اسلام قبول کر لوں۔''

چنانچہ اب ہم دونوں چلنے لگے، حتیٰ کہ مدینہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا پہنچے۔ سب سے پہلے خالد آگے بڑھا، اس نے اسلام قبول کیا اور بیعت کر لی، اب میں آپ (ﷺ) کے قریب ہوگیا۔''

صحیح مسلم (۱۲۱) کی روایت میں یوں ہے کہ اب میں نے آپ ﷺ سے عرض کی: ''اپنا ہاتھ پھیلایئے، تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔'' چنانچہ آپ (ﷺ) نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا، ادھر میں نے یہ کیا کہ اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ آپ ﷺ نے یہ صورتحال دیکھ کر فرمایا: ''اے عمرو! تجھے کیا ہوا؟'' میں نے عرض کی: ''مجھے خیال آیا کہ میں بیعت کرنے سے پہلے ایک شرط طے کر لوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کس بات کی شرط لگاتا ہے؟'' میں نے عرض کی: ''میرے پہلے گناہ معاف ہو جائیں تو؟'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو ! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ؟ وَ أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا ؟ وَ أَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ؟»

''اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ پہلے کا جو بھی کیا دھرا ہو اسلام اسے منہدم کر دیتا ہے؟ اور ہجرت وہ عمل ہے جو سابقہ گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے؟ اور حج بھی وہ عمل ہے جو پہلے کی غلطیوں کو ختم کر دیتا ہے؟''

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''یہ سن کر میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس پلٹ آیا۔''

[مسلم، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام...... الخ : ١٢١]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دونوں اکٹھے مسلمان ہوئے اور میدان جہاد وقتال کے وہ مردِ میداں ثابت ہوئے کہ جہاں گئے فتح نے ان کے قدم چومے اور پھر اسلام کی دعوت اس طرح پھیلی کہ ہر سو گلستانِ اسلام کی مہک آنے لگی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تو وہ جرنیل بن کر سامنے آئے، جنھوں نے صلیبی سپر پاور کے خلاف اولین جنگ میں فتح حاصل کی۔



سپر پاور کے ساتھ پہلی جنگ

تین کمانڈروں کی شہادتیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''موتہ کی جنگ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کا کمانڈر بنایا اور پھر فرمایا: ''اگر زید شہید ہو جائے تو جعفر کمان سنبھال لے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ کمان سنبھال لے۔''

[بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة موتة من أرض الشام : ٤٢٦١]

قارئین کرام! موتہ کا علاقہ اردن میں واقع ہے، یاد رہے! تاریخی طور پر اردن بھی اصل میں شام ہی کا خطہ ہے۔ شام کا علاقہ جو آج کئی ملکوں میں منقسم ہے، ان سب کے مجموعہ کو شام کہا جاتا تھا۔ لبنان، فلسطین اور اسرائیل سب شام ہی کے خطے تھے مگر آج شام کا ملک وہی ہے جس کا دارالحکومت دمشق ہے۔ الغرض، اس سارے علاقے پر اس دور کی عیسائی سپر پاور حکمران تھی اور یہاں رومی عیسائیوں کا گورنر دمشق میں بیٹھ کر سارے علاقے کو کنٹرول کرتا تھا۔ موجودہ سعودی عرب کے وہ علاقے جو ان ملکوں کے ساتھ ملتے ہیں، یہاں کے عرب حکمران بھی رومی سپر پاور کے حلیف ہوا کرتے تھے، ان میں کئی خود بھی عیسائی تھے، یہ حکمران عرب کے مشرکوں اور خیبر کے یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف مدد کیا کرتے تھے۔ خیبر سے فارغ ہونے اور چند باقی قبائل کو زیر کرنے کے بعد اب وقت آ گیا تھا کہ ان کو بھی خبردار کیا جائے کہ وہ آئے روز کی شرارتوں سے باز آ جائیں۔ سیرت نگاروں کی رائے کے مطابق یہ غزوہ جمادی الاولیٰ کے مہینے میں آٹھ ہجری کو ہوا۔

جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا منفرد بہادرانہ انداز:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''موتہ میں جنگ کے روز حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا، زخموں کی گنتی شروع کی تو میں نے ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم شمار کیے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ان زخموں میں سے کوئی ایک بھی زخم ان کی کمر پر نہ تھا۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة موتة من أرض الشام : ٤٢٦٠]

صحیح بخاری (۴۲۶۱) کی دوسری روایت کے مطابق جب تیروں کے زخموں کو بھی شامل کیا گیا تو تعداد نوے سے اوپر چلی گئی۔ نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم سینے پر تھے۔

اللہ کی تلوار خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پرچم:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا جائے۔'' اہل مدینہ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے:

''مسلمانو! اللہ کی طرف سے مجھے بتلایا گیا ہے کہ تمھارے لشکر کے مجاہدین اپنے سفر پر گامزن رہے حتیٰ کہ دشمن کے خلاف معرکہ آراء ہوئے، اس دوران زید (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے، ان کے لیے بخشش طلب کرو۔'' لوگوں نے ان کے لیے بخشش طلب کی: ''زید کے بعد ابو طالب کے بیٹے جعفر (رضی اللہ عنہ) نے پرچم تھاما، وہ دشمن کے خلاف جواں مردی سے خوب لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، میں ان کی شہادت کی گواہی دیتا ہوں۔ لوگو! ان کے لیے بھی اللہ سے مغفرت مانگو۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا پکڑا اور ثابت قدمی سے جمے رہے حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے لیے بھی اللہ سے عفو و درگزر کا سوال کرو، اب کے خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے پرچم پکڑ لیا، وہ مقرر کیے گئے کمانڈروں میں سے نہ تھے، مگر انھوں نے اپنے دل کو اس مشکل وقت میں مشکل ذمہ داری سنبھالنے کا حکم دیا۔''

اب اللہ کے رسول (ﷺ) نے اپنی دو انگلیوں کو بلند فرمایا اور اللہ کے حضور عرض کرنے لگے:

((اَللّٰھُمَّ ! ھُوَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِكَ فَانْصُرْهُ))

''اے اللہ! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، اس کی مدد فرما۔''

حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اس طرح بھی فرمایا:

((فَانْتَصِرْ بِهٖ)) ''خالد کے ذریعے مدد فرما۔''

[مسند أحمد : ٢٩٩/٥ تا ٣٠١، ح : ٢٢٩١٨، ٢٢٩٣٤ و إسناده صحيح۔ السنن الكبرىٰ للنسائي : ٤٨/٥، ح : ٨١٥٩ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ٧٠٤٨ وإسناده صحيح]

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رومی سپر پاور کی شکست:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''لشکر کے بارے میں ابھی کوئی خبر نہ آئی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت سے لوگوں کو آگاہ فرما دیا، آپ ﷺ نے بتلایا: ''زید نے پرچم تھاما، وہ شہید کر دیے گئے تو جعفر نے پرچم پکڑ لیا، وہ شہید ہوئے تو ابن رواحہ نے جھنڈا اٹھا لیا اور پھر وہ بھی شہید ہو گئے۔'' آپ ﷺ خبر سنا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے متواتر آنسو رواں تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''آخر اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے پرچم لیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے خلاف فتح سے ہمکنار کر دیا۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة موتة من أرض الشام : ٤٢٦٢۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي : ٧٠/٤، ح : ٧١٥٦ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ١١٣/٣، ح : ١٢١٣٨ و إسناده صحيح۔ النسائي : ١٨٧٩ و إسناده صحيح]

رومی سپر پاور کا لشکر دو لاکھ تھا۔ اس لشکر میں اللہ تعالیٰ کی بے نیام تلوار کس طرح چلی، آیئے! اللہ کی تلوار یعنی حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہی سے پوچھتے ہیں۔

9 تلواریں ٹوٹ گئیں:

حضرت قیس بن ابی حازم بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے: ''موتہ کی جنگ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ گئیں۔ میرے ہاتھ میں اب کوئی تلوار نہ رہی، صرف یمن کا بنا ہوا چوڑے پھل کا تیغہ باقی رہ گیا (پھر میں اسی سے لڑتا رہا)۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة موتة من أرض الشام : ٤٢٦٥، ٤٢٦٦۔ دلائل النبوة للبيهقي : ٣٧٣/٤ إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٤٢/٣، ح : ٤٣٥٤ و إسناده حسن لذاته]

اللہ ہی جانتے ہیں کہ ایک تلوار سے کتنے صلیبی واصل جہنم ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اللہ کی تلوار تھے اور لوہے کی تلواریں توڑے چلے جا رہے تھے، انھیں بھی معلوم نہیں کہ کس تعداد میں صلیبی کٹ گئے۔ اللہ کی تلوار چلے تو مرنے والے صلیبی شمار کون کرے؟ یہ شمار اللہ ہی کے پاس ہے۔ ہماری گنتی یہی ہے کہ بے شمار مارے گئے اور دسواں جو یمنی تیغہ تھا اس تیغے نے کیا تباہی اور کھلبلی مچائی، اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اب فتح مل چکی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس فتح کا اعلان اللہ کی طرف سے کیا۔

جعفر کے گھر والوں کو کھانا کھلاؤ:

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر آئی تو اللہ کے نبی ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

''جعفر (رضی اللہ عنہ) کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انھیں (غم واندوہ میں) مشغول کر رکھا ہے۔''

[أبوداؤد، كتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت : ٣١٣٢ و إسناده حسن لذاته۔ الترمذي : ٩٩٨ و إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجه : ١٦١٠ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٢٠٥/١، ح : ١٧٥١ و إسناده حسن لذاته]

کوئی فوت ہو جائے یا شہید ہو جائے تو محلّہ داروں کا فرض ہے کہ کھانے کا بندوبست

کریں۔ رشتہ دار اور احباب کو کھلائیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ اپنے پیارے رسول ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے بعض مسلمان آپ ﷺ کے فرمان کے بالکل الٹ کرتے ہیں۔ میت کے گھر والوں پر کھانے کا بوجھ ڈالتے ہیں۔ برصغیر ہندوستان اور پاکستان میں تو مزید ڈھٹائی کے ساتھ فرمان رسول ﷺ کی اس طرح مخالفت کی گئی ہے کہ قل، ساتواں، دسواں اور چہلم کے نام سے کھانے ایجاد کر لیے گئے اور کھانوں کی یہ رسمیں میت کے گھر والوں پر ڈال دی گئی ہیں۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایسی من گھڑت رسومات پر ثواب کی امیدیں بھی باندھ لی گئی ہیں۔

لشکر کے استقبال کا حکم:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''(موتہ سے آنے والے مجاہدین جب مدینہ کے قریب آ گئے تو) اللہ کے رسول ﷺ نے (اہل مدینہ کو) حکم دیا:

((اِنْفِرُوْا فَامِدُّوْا اِخْوَانَكُمْ وَ لَا يَتَخَلَّفَنَّ اَحَدٌ))

''سب نکلو، اپنے بھائیوں کا استقبال کرو، یاد رکھو! کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہنے پائے۔''

ان دنوں سخت گرمی تھی، اس کے باوجود لوگ استقبال کے لیے نکلے، پیدل بھی جا رہے تھے اور سواریوں پر سوار ہو کر بھی جا رہے تھے۔''

[مسند أحمد: ٢٩٩/٥ تا ٣٠١، ح: ٢٢٩١٨، ٢٢٩٣٤ و إسناده صحيح]

اسلامی لشکر کے مجاہدین کی فضیلتوں کا کیا کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے استقبال کا حکم دے رہے ہیں۔

قارئین کرام! غازی بننے والوں کی عزت افزائی اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں کر رہے ہیں اور جو شہید ہو گئے ہیں ان کی عزت افزائی اللہ تعالیٰ جنت میں کس طرح کر رہے ہیں؟ یہ منظر ملاحظہ کرنے کے لیے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی ملاحظہ ہو جو جنگ موتہ میں لڑتے لڑتے اپنے دونوں بازو شہید کروا کر خود بھی شہید ہو گئے۔ جی ہاں! حضرت طیار رضی اللہ عنہ کا مقام ملاحظہ ہو۔

جنت کے بادشاہ کی جنت میں پرواز:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((رَأَیْتُ جَعْفَرَ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ مَلِکًا یَطِیْرُ مَعَ الْمَلَائِکَةِ بِجَنَاحَیْنِ))

"میں نے جعفر بن ابی طالب کو دیکھا (جنت میں) بادشاہ بن کر دو پروں کے ساتھ فرشتوں کے ساتھ اڑ رہا ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ جَعْفَرًا یَطِیْرُ مَعَ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ لَهٗ جَنَاحَانِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ مِنْ یَدَیْهِ))

"جعفر تو جبریل اور میکائیل کے ہمراہ پرواز کر رہا ہے، اس کے دو پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھوں کے بدلے اسے عطا فرمائے ہیں۔"

[مستدرک حاکم : ٢٠٩/٣، ٢١٠، ح : ٤٩٣٥، ٤٩٣٧ حسن۔ طبرانی کبیر : ١٠٧/٢، ح : ١٤٦٧ حسن]

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"میں سویا ہوا تھا، اس حال میں میرے پاس دو شخص آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، پھر وہ مجھے ایک انتہائی بلند مقام کی طرف لے گئے۔ وہاں (جنت میں) میں نے تین آدمیوں کو دیکھا کہ شراب کے جام نوش کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: "یہ کون لوگ ہیں؟" ان دونوں نے جواب دیا: "یہ جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔"

[طبرانی کبیر : ١٥٥/٨، ١٥٦، ح : ٧٦٦٦، ٧٦٦٧ صحیح۔ مستدرک حاکم : ٢٠٩/٢، ٢١٠، ح : ٢٨٣٧ و إسناده صحیح]

صحیح بخاری (٣٧٠٩) میں ہے، حضرت عامر شعبی بتلاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو سلام کرتے تو یوں کہتے: "دو پروں والے کے صاحبزادے تجھ پر سلام ہو۔"

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

''میں جنت میں داخل ہوا تو میرا استقبال ایک نوخیز لڑکی نے کیا، میں نے اس سے پوچھا: ''تو کون ہے؟'' وہ کہنے لگی: ''میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی (دلہن) ہوں۔''

[تاریخ دمشق : ۲۶۱/۲۱ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! یہ تھیں تفصیلات اس پہلی جنگ کی جو مسلمانوں اور صلیبیوں کے مابین ہوئی، سیرت نگار مؤرخین کے مطابق صلیبی فوج کی تعداد دو لاکھ تھی جبکہ مسلمانوں کا لشکر تین ہزار لشکریوں پر مشتمل تھا۔ موتہ کی جنگ جمادی الاولیٰ آٹھ ہجری میں ہوئی تو طبقات ابن سعد (۹۹/۲) اور ابن عساکر کے مطابق اگلے ہی مہینے یعنی جمادی الاخریٰ آٹھ ہجری کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مہم کے لیے لشکر روانہ فرما دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ مہم جن لوگوں کی طرف روانہ کی گئی وہ قبائل بنو قضاعہ ہی کی شاخیں ہیں۔ اس لشکر کی کمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سونپنے کا فیصلہ کیا۔

آیئے! حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی کی زبان سے کمان سونپے جانے کا منظر ملاحظہ کرتے ہیں۔

نیکی سے کمایا ہوا مال اور نیک آدمی کون ہے؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو مجھے حکم دیا: ''اپنے کپڑے اور ہتھیار تیار کرلو پھر میرے پاس آؤ۔''

میں لباس اور ہتھیار لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر ایک نظر ڈالی، اوپر تک دیکھا پھر نیچے تک نظر لائے اور مجھ سے کہا:

''میں نے ارادہ کیا ہے کہ تجھے لشکر کا کمانڈر بنا کر روانہ کردوں، اللہ تجھے سلامت رکھے اور تجھے مال غنیمت سے نوازے، حقیقت یہ ہے کہ تیرے لیے میری یہ نیک رغبت وخواہش ہے کہ تجھے مال غنیمت ملے۔''

یہ سن کر میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں نے مال کے حصول کی خاطر تو اسلام قبول نہیں کیا، یہ تو اسلام کے ساتھ محبت تھی جس کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوا اور اس لیے کہ (اس دنیا اور اگلی دنیا میں) اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہوں۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

« يَا عَمْرُو ! نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ »

''اے عمرو! (تیری بات اپنی جگہ درست ہے مگر یاد رکھو) نیک آدمی کے لیے نیکی سے حاصل کیے ہوئے مال کے حسن کا کیا کہنا۔''

[مسند أحمد : ١٩٧/٤، ٢٠٢، ح : ١٧٩١٥، ١٧٩٥٥ إسناده صحيح۔ ابن حبان : ح : ٣٢١٠ و إسناده صحيح۔ مستدرك حاكم : ٢٣٦/٢، ح : ٢٩٢٦ صحيح]

اس غزوہ کو'' ذات السلاسل'' کہا جاتا ہے۔ امام ابن قیم ''زاد المعاد'' میں بتلاتے ہیں: ''اسے ذات السلاسل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں مشرکوں نے اس ڈر سے کہ ان کے لوگ جنگ سے بھاگ نہ جائیں، باہم ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ دیا تھا۔'' ابن ہشام (۲۸۰/۴) میں ہے: ''سلسل کے نام سے وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا۔'' ابن سعد'' طبقات'' (۹۹/۲، ۱۰۰) میں لکھتے ہیں کہ ''سلاسل'' کا علاقہ وادی القریٰ سے آگے ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ دس دن کی مسافت پر ہے، یعنی کوئی پانچ سو کلومیٹر کے فاصلے پر بحر احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ جی ہاں! ذات السلاسل کا علاقہ جہاں پانی بھی تھا، وہاں وہ مشرک جو عیسائی سپر پاور کا ساتھ دیتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے، اب ان پر مسلمانوں کی ہیبت و دہشت اس قدر تھی کہ وہ اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رہے تھے۔ بھلا زنجیروں میں باندھ کر بھی کسی کو لڑایا جا سکتا ہے؟

اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجاہد جیسے صالح اور نیک آدمی کی کمائی جو جہادی کاروبار میں مال غنیمت سے حاصل ہوتی ہے، وہ مال بڑا زبردست، اچھا اور شاندار ہے۔ مال غنیمت کے بارے میں ہم یہ وضاحت کر دیں کہ اسلامی لشکر کے مجاہدوں نے میدان جنگ میں جس دشمن پر قابو پایا، اسے قتل کر دیا تو اس کا سامانِ حرب و ضرب قتل کرنے

والے کو دیا گیا، یا دشمن کی فوج شکست کھا گئی تو اس کا سامان سالار نے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا، یہ کبھی نہیں ہوا کہ مجاہدین نے عام، سول، نہتے اور گھروں میں موجود لوگوں کے سامان کو ہاتھ ڈالا ہو۔ ایسی قبیح حرکات کا ارتکاب ہمیشہ کفار کی طرف سے ہوتا ہے، حتیٰ کہ آج کے مہذب دور میں بھی امریکہ اور مغرب کی اتحادی افواج نے عراق اور افغانستان میں گھر گھر گھسنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ لوگوں کے اموال، سونا اور نقدی بھی لوٹی، آبرو ریزیاں بھی کیں اور گھروں میں گھس کر بے گناہ لوگوں کا قتل عام بھی کیا۔ یہ بزدلی اور کمینے پن کی انتہا ہے، جبکہ مدمقابل جنگجو دشمن پر قابو پا کر اس کا مال حاصل کرنا بہادری اور دلاوری کا شیوہ ہے۔

غزوہ ذات السلاسل میں پیش آنے والا ایک اور واقعہ بھی بڑا زبردست ہے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں: ''ذات السلاسل کے غزوہ میں رات بہت سرد تھی۔ مجھ پر غسل واجب ہو گیا، میں ڈر گیا کہ اگر میں نے غسل کر لیا تو مر جاؤں گا، چنانچہ میں نے تیمّم کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ واپس آئے تو صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں آگاہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور پوچھا: ''اے عمرو! تجھ پر غسل بھی واجب تھا اور تو نے اسی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز بھی پڑھا دی؟'' اب جس وجہ سے میں نے غسل نہ کیا تھا وہ سبب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا اور کہا: ''میں نے اللہ کا یہ فرمان سن رکھا تھا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء: ٤/ ٢٩]

''اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ انتہائی مہربان ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا، تو ہنس دیے اور پھر آپ کچھ بھی نہیں بولے۔

[أبو داوٗد، كتاب الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد أيتيمم : ٣٣٤ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ١/ ١٧٧، ح : ٦٢٨ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ١٣١٥ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٤/ ٢٠٣، ٢٠٤، : ١٧٩٦٥ و إسناده حسن لذاته]

جی ہاں! جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کے کسی کام پر خاموش رہیں تو وہ کام اللہ تعالیٰ

کا دین بن جاتا ہے۔

قارئین کرام! آیئے، اب مکہ کی فتح کے مناظر ملاحظہ کرتے ہیں، جیسا کہ آپ حدیبیہ کی صلح میں ملاحظہ کر چکے، عرب کے دو قبیلے بنو بکر اور بنوخزاعہ میں دشمنی چلی آ رہی تھی۔ بنو بکر قریش مکہ کے حلیف بن گئے اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ اب بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس قدر ظلم کیا کہ حرم میں بھی ان کا خون بہایا، قریش مکہ نے بنو بکر کا پورا پورا ساتھ دیا، چنانچہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم مدینہ آیا، مسجد نبوی میں اللہ کے رسول ﷺ سے مدد کی درخواست کرنے لگا اور اس نے اپنی مظلومیت بیان کی۔ آپ ﷺ نے مدد کا وعدہ کیا، حقیقت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا پروگرام بنا لیا، اس تیاری کا آغاز آپ ﷺ کے گھر سے کس طرح ہوا، آیئے ملاحظہ کرتے ہیں۔



مکہ فتح ہوگیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گندم چھاننا شروع کر دی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھر آئے تو میں گندم چھان رہی تھی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں غزوہ کی تیاری کا حکم دیا ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''جی ہاں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو تیاری کر چکے ہیں۔'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کس طرف کا ارادہ ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کچھ نہیں بتلایا، بس یہی حکم دیا ہے کہ سامان تیار کر دو۔''

[البداية والنهاية : ٦٧٧/٢ و إسناده حسن لذاته ـ سيرة ابن هشام : ٣٨/٤ ـ دلائل النبوة للبيهقي : ١٢/٥ و إسناده حسن لذاته]

جب بنو بکر جو مشرکین مکہ کے حلیف تھے، بنو خزاعہ پر، جو مسلمانوں کے حلیف تھے، حملہ کیا اور معاہدۂ حدیبیہ توڑ دیا تو مدینہ منورہ میں یہ بات عام تھی کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حلیفوں کا بدلہ لیں گے لیکن بدلہ کس انداز میں لیں گے؟ لشکر کو کس سمت میں لے کر چلیں گے؟ اس اہم بات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپا کر رکھا۔

تیاری بھی قابل غور ہے کہ حکمران مدینہ سالار صحابہ رضی اللہ عنہم کی زوجہ محترمہ گندم صاف کر رہی ہیں، پھر آٹا پسے گا، لشکر کی تیاری میں جہاں سب کا حصہ پڑے گا وہاں صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کا حصہ بھی موجود ہوگا۔

تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لوں گا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور جناب مقداد رضی اللہ عنہ کو بھی بلایا اور ہمیں حکم دیا: ''تم مکہ کے راستے پر نکلو، جب تم 'روضہ خاخ'' کے مقام پر پہنچو گے تو وہاں تم لوگوں کو ایک عورت ملے گی، جو اونٹ کے ہودج میں سوار ہوگی، اس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ خط اس سے لے آؤ۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم نکل کھڑے ہوئے، ہمارے گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ جب ہم'' روضہ خاخ'' پر پہنچے تو واقعی وہاں ایک عورت تھی، جو ہودج میں سوار چلی جا رہی تھی۔ ہم نے اس کی سواری کو روکا اور عورت سے کہا: ''تیرے پاس جو خط ہے، اسے ہمارے حوالے کر دے۔'' وہ کہنے لگی: ''میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔'' اب ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھایا: خط تلاش کیا مگر کوئی خط نہ ملا۔ ہم نے آپس میں کہا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلط نہیں ہوسکتا اور پھر ہم نے اسے دھمکی دی کہ یہ خط تجھے ہمارے حوالے کرنا ہوگا، نہیں تو ہم تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے تو اس نے اپنے سر کے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکالا اور ہمارے حوالے کر دیا۔

اب ہم یہ خط لے کر واپس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ خط کھولا گیا تو پتا چلا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے چند مشرکوں کے نام لکھا گیا ہے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مکہ کے مشرکوں کو جنگ کے ان چند امور کے بارے میں خبر دے رہے تھے جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راز میں رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خط ملاحظہ کیا تو پوچھا: ''اے حاطب! یہ تو نے کیا کر دیا؟''

اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا ہے، مسلمانوں کے ساتھ بھی خیانت کی ہے، یہ منافق ہے، مجھے اجازت دو میں اس کی گردن اڑا دوں۔'' حضرت حاطب رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بارے میں ابھی فوراً فیصلہ نہ فرمانا، پہلے میری

گزارش سن لیں۔ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر میرا ایمان باقی نہیں رہا۔ حضور! مجھ سے یہ حرکت اس لیے سرزد ہوئی کہ میں نے سوچا، میں ایک ایسا شخص ہوں جو قریش سے چمٹا ہوا تو ہے، ان کا حلیف بھی ہے مگر قریش کے خاندان سے نہیں، یہ مہاجرین آپ (ﷺ) کے ساتھ ہیں، ان سب کے وہاں رشتہ دار موجود ہیں، جو ان کے گھر والوں اور مالوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے ذریعے مال و دولت اور ان کے گھر والوں کا دفاع کر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میرا تو وہاں کوئی بھی نہیں، تو کیوں نہ میں یہ خط لکھ کر ان پر احسان چڑھا دوں تا کہ احسان کے بدلے وہ میرے رشتہ داروں کو نقصان نہ پہنچائیں اور ان کا کچھ خیال کریں۔ یہ ہے وہ وجہ جس کی بنا پر مجھ سے غلطی ہوئی، میں نے اپنے دین کو چھوڑ کر ایسا بالکل نہیں کیا اور نہ یہ بات ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں دوبارہ کفر کو پسند کرنے لگ گیا ہوں۔''

یہ وضاحت سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''حقیقت یہ ہے کہ اس نے تمھارے سامنے سچ سچ بیان کر دیا ہے، لہٰذا اس کے بارے میں سوائے خیر کے کوئی کلمہ نہ کہو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: ''اس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں سے دغا کیا ہے، آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ بدر والوں میں سے نہیں ہے؟'' اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم جو چاہو کرو، تمھیں جنت ضرور ملے گی (یا فرمایا) میں نے تمھاری مغفرت کر دی ہے۔'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگے: ''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔''

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر یہ نصیحت بھی فرمائی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا

أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ﴾

[الممتحنة : ٦٠/١]

''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت کی طرح ڈالتے ہو۔ حالانکہ جو حق تمھارے پاس آیا ہے وہ اس کا انکار کر چکے ہیں۔ وہ رسول کو اور خود تمھیں بھی جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے اللہ پر ایمان لاتے ہو جو تمھارا پالنہار ہے۔ اب اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا کی تلاش میں نکلتے ہو تو خفیہ طور پر انھیں دوستی کا نامہ و پیام بھی بھیجتے ہو؟ حالانکہ جو کچھ تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں اور تم میں سے جو بھی ایسا کام کرے وہ تو سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح : ٤٢٧٤، ٣٩٨٣، ٣٠٠٧۔ مسلم، كتاب الفضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبي بلتعة و أهل بدر : ٢٤٩٤]

''روضۂ خاخ'' مدینہ منورہ سے اٹھارہ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعے اس مقام پر عورت کے بارے میں بتلا دیا۔ جی ہاں! مشرکین عہد شکن تھے اور عہد شکنوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا جائے تو اللہ کی مدد اسلام کے لشکروں کے لیے اسی طرح نازل ہوتی ہے۔ کاش! اپنے نبی ﷺ کے فرامین پر ہمارا بھی ایسا ہی ایمان ہو جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا تھا کہ اگر ہمیں خط نہیں ملا تو ہماری کوتاہی ہو سکتی ہے، عورت جھوٹ بول سکتی ہے مگر اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان برحق اور سچ ہے۔

لشکر جرار، عہد شکنوں کی سرکوبی کے لیے پابرکاب :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ''اللہ کے نبی ﷺ مکہ فتح کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے، رمضان کا مہینا تھا، آپ ﷺ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر تھا۔ آپ ﷺ کو مدینہ تشریف لائے ہوئے ساڑھے آٹھ سال ہونے کو تھے۔ آپ ﷺ نے جب مکہ کی طرف کوچ فرمایا، تو آپ ﷺ بھی روزہ رکھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی

روزہ رکھا ہوا تھا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان : ٤٢٧٦۔ مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم و الفطر...... الخ : ١١١٣۔ أبوداوٗد : ٢٤٠٤ و إسنادہ صحیح]

قارئین کرام! رسول ذی وقار کا لشکر جرار اپنے سفر پر گامزن ہے۔ اس لشکر نے 215 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرلیا ہے۔ یہ جس مقام کے قریب آن پہنچا ہے، اس کا نام ''قدید'' ہے۔ یہاں سے 75 کلومیٹر کے بعد ایک اور ''کدید'' ہے مگر دونوں کے ناموں میں جو فرق ہے وہ چھوٹے اور بڑے ''کاف'' کا ہے۔ ''کدید'' کے بعد 50 کلومیٹر کے فاصلے پر ''عسفان'' ہے۔

صحیح بخاری (۴۲۷۵) میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ ''قدید'' اور ''عسفان'' کے درمیان ایک چشمہ تھا، وہاں اللہ کے رسول ﷺ نے روزہ توڑ ڈالا۔ اس علاقے میں پانی وافر ہے، کھجوروں کے باغات بھی ہیں۔

صحیح مسلم اور ابن حبان کی روایت کے مطابق اس وادی کا نام ''کراع الغمیم'' ہے۔ اس کا معنی چھوٹے چھوٹے بادلوں والی سرزمین ہے۔ بہر حال! اس علاقہ میں پانی کا جو چشمہ تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہاں اللہ کے رسول ﷺ نے پانی کا پیالہ منگوایا اسے اس قدر بلند کیا کہ لوگ دیکھ لیں، پھر آپ ﷺ نے نوش فرما لیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ بعض لوگوں نے ابھی تک روزہ افطار نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ...... أُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ))

[مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان ...... الخ : ١١١٤۔ ابن حبان : ٣٥٤٩ و إسنادہ صحیح]

''یہ نافرمان لوگ ہیں...... یہ نافرمانی کرنے والے لوگ ہیں۔''

جی ہاں! سبق یہ ہے کہ نیکی اسی کام کا نام ہے، جسے رسول خیر الانام ﷺ نے کیا ہے۔

قارئین کرام! چلتے چلتے لشکر اب ایک ایسی وادی میں آن پہنچا، جسے وادی فاطمہ کہا جاتا ہے۔ اس وادی میں ایک کا نام ''مرالظہران'' ہے۔ امام نووی کی ''شرح مسلم'' کے مطابق لشکر نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس جگہ سے اب مکہ مکرمہ کا شہر صرف پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر رہ گیا۔

لشکر کئی کلو میٹر کے علاقے میں پھیلا ہوا خیمہ زن ہو چکا ہے۔

یاد رہے! حضرت عباس رضی اللہ عنہ دل سے تو پہلے ہی مسلمان تھے، جب انھوں نے یہ سنا کہ اسلامی لشکر دس ہزار کی تعداد میں مکہ کی طرف آ رہا ہے تو وہ مکہ سے نکلے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ آیئے! اگلا منظر ملاحظہ کرتے ہیں۔

اسلامی لشکر کی رجمنٹیں:

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو قریش کو اس روانگی کا علم ہو گیا تھا، چنانچہ ابوسفیان بن حرب اپنے ساتھیوں حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے ہمراہ مکہ سے باہر نکلا۔ یہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خاطر نکلے تھے۔ چلتے چلتے یہ لوگ ''مرالظہران'' میں آن نکلے، وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ہر جانب آگ کے الاؤ جل رہے ہیں، آگ کے یہ (بھانبڑ، الاؤ اور چراغ) ایسے ہی تھے جیسے عرفہ میں (حاجی لوگ قیام کے دوران) آگ جلاتے ہیں۔ یہ آگ دیکھ کر ابوسفیان کہنے لگے: ''یہ آگ کیسی ہے؟ یہ آگ تو ایسی ہے جیسی عرفات میں ہوتی ہے۔'' بدیل بن ورقاء جواباً کہنے لگا: ''عمرو قبیلے کی آگ لگتی ہے۔'' ابوسفیان کہنے لگا: ''وہ اس قابل کہاں، وہ بہت تھوڑے لوگ ہیں۔''

ایسے میں ان لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹرولنگ سیکورٹی کے دستوں میں سے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا، لہٰذا انھوں نے ان کو فوراً قابو کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا۔ ابوسفیان نے یہاں اسلام قبول کر لیا، جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ یہاں سے جانے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

((اِحْبِسْ اَبَا سُفْيَانَ عِنْدَ حَطْمِ الْخَيْلِ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ))

''ابوسفیان کو ایسی جگہ روک رکھو جہاں چلتے ہوئے لشکر میں گھوڑوں کا ہجوم ہو تا کہ ابوسفیان مسلمانوں کی فوجی قوت کا نظارہ کر لے۔''

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایسی ہی ایک جگہ پر ابوسفیان کو لے کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ

قبائل جو اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ پابرکاب تھے وہ ایک ایک رجمنٹ کی شکل اختیار کرتے ہوئے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ایک رجمنٹ گزری تو ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے: ''اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتلایا: ''یہ غفار قبیلے کی رجمنٹ ہے۔'' ابوسفیان کہنے لگے: اس رجمنٹ سے میری کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟ پھر ''جہینہ'' کا دستہ گزرا تو ابوسفیان نے وہی (عدم دلچسپی کا) جملہ دہرادیا۔ سعد بن ہذیم قبیلے کی رجمنٹ گزری تو تب بھی وہی انداز اختیار کیا۔ آخر گزرتے گزرتے ایک ایسا عسکری دستہ گزرنے لگا کہ اس شان کا دستہ پہلے نہ گزر پایا تھا، ابوسفیان جھٹ سے بولا: ''یار! یہ لوگ کون ہیں؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتلایا: ''یہ انصار کا دستہ ہے اس دستے کے کمانڈر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ دستے کا جھنڈا انھی کے ہاتھ میں ہے۔'' ادھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا اور وہ دیکھتے ہی کہنے لگے: ''اے ابوسفیان! آج قتل عام کا دن ہے، آج تو کعبہ میں لڑنا بھی جائز کر دیا گیا ہے۔'' یہ سن کر ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اپنی پریشانی کا اظہار یوں کرنے لگے: ''اے عباس! یہ تو قریش کی تباہی اور بربادی کا دن آ گیا ہے۔''

اب ایک اور دستہ گزرنے لگا۔ یہ دستہ سارے دستوں سے چھوٹا تھا۔ اس دستے میں شامل لوگوں کے اندر اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ ابوسفیان کے قریب سے گزرنے لگے تو ابوسفیان جھٹ سے بولا: ''کیا آپ (ﷺ) کے علم میں ہے وہ بات جو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: ''ماقال'' سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کیا کہا؟ ابوسفیان کہنے لگے: ''وہ تو یہ کہہ گئے ہیں کہ آج قریش کا قصہ تمام ہو جائے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''سعد نے غلط کہا، آج کا دن تو وہ دن ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو چار چاند لگائے گا اور یہ وہ دن ہے جس میں کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب أین رکز النبی ﷺ الرایة یوم الفتح : ٤٢٨٠ من مرسل هشام بن عروه]

قارئین کرام! رسول رحمت ﷺ نے ابوسفیان کو یہ منظر اس لیے دکھلایا تا کہ ابوسفیان مکہ میں جائیں اور لوگوں کو عسا کر رسول ﷺ کے رعب و دہشت سے آگاہ کریں۔ مقصد یہ تھا کہ خونریزی نہ ہو اور مکہ امن و سلامتی کے ساتھ افواج اسلامی کے ہاتھوں فتح ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر جھٹ سے مکہ پہنچے وہاں سب لوگ پہلے ہی سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے منتظر تھے کہ وہ کیا خبر لاتے اور کیا حکم دیتے ہیں؟ لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ ان کا سردار تو خود مسلمان ہو چکا ہے۔ بہر حال! ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جو دیکھا تھا وہ نقشہ کھینچا، سب کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ہندہ جو بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھی وہ بھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ امن کا جو پروانہ رسول رحمت ﷺ سے لے کر آئے تھے وہ سب کو سنایا۔ پروانہ امن ملاحظہ ہو:

ابوسفیان کا اعزاز:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السَّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أُغْلِقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ))

”جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، جو ہتھیار پھینک دے وہ امن میں ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امن حاصل ہے۔“

[مسلم، كتاب الجهاد، باب فتح مكة : ٨٦/١٧٨٠۔ ابن حبان : ٤٧٦٠ و إسناده صحيح۔ السنن الكبرىٰ للنسائي : ١٥٥،١٥٤/١٠، ح : ١١٢٣٤ و إسناده صحيح]

اللہ! تیری کیا شان ہے! یہی ابوسفیان دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کو تاراج کرنے گیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ پیٹ پر پتھر باندھ کر ڈٹ گئے تھے۔ آج وہی رسول ہاشمی ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ آ رہے ہیں۔

جی ہاں! لوگ دوڑ رہے تھے، اپنے گھروں میں داخل ہو رہے تھے، اندر سے کنڈے مار رہے تھے، عورتیں اور بچے کوٹھوں کی چھتوں اور دروازوں کی درزوں سے فاتح مکہ کے لشکر کا

نظارہ کرنے کو راہ تک رہے تھے، اس رسول ﷺ کی راہ جو چھپ کر رات کے اندھیرے میں مکہ سے نکلے تھے اور آج وہ دن کے اجالے میں تشریف لا رہے تھے۔

اسلام کے لشکر مکہ میں داخل ہوتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دائیں جانب سے داخل ہونے والے مجاہدین کی کمان دی۔ اسی طرح بائیں جانب سے داخل ہونے والے مجاہدین کی کمان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کی، جبکہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان پیادہ مجاہدین کا کمانڈر بنایا، جن کے پاس لوہے کے لباس (زرہیں) نہیں تھے، یہ سب دستے وادی میں سے داخل ہونا شروع ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ ایک دستے کے اندر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کی نگاہ مبارک مجھ پر پڑ گئی تو آپ ﷺ نے آواز دی: ''اے ابو ہریرہ!'' میں نے کہا: ''حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''انصاری مجاہدین کو آواز دو کہ وہ میرے پاس آئیں۔'' میں نے انھیں آواز دی اور انھوں نے آپ ﷺ کے اردگرد سکیورٹی کا گھیرا ڈال لیا۔

دوسری جانب قریش کا منظر یہ تھا کہ انھوں نے ایک منصوبے کے تحت اپنے اوباش اکٹھے کیے اور طے کیا کہ ہم مقابلے کے لیے ان کو مسلمانوں کے آگے کرتے ہیں، اگر کامیابی کے کوئی آثار پیدا ہوئے تو ہم بھی مدد کو ان کے ساتھ مل جائیں گے اور اگر یہ رگڑے گئے تو مقابلہ کرنے کے جرم میں جو ہم سے مانگا گیا وہ دے دیں گے۔

اس صورتحال کا آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے مجاہدین کو مخاطب کر کے آگاہ کیا۔ ''مجاہدو! قریش کے اوباش چھوکروں کا منصوبہ ملاحظہ کر رہے ہو نا؟'' اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: ''اوباش مقابلہ کریں تو چکی کے دو پاٹ جس طرح آٹا پیس دیتے ہیں اسی طرح پیس کر رکھ دینا'' اور حکم ارشاد فرمایا: ''تم سب لوگوں نے مجھ سے ''صفا'' پر آ کر ملنا ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اب ہم چل پڑے۔ کسی میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ہم میں سے جس کا دل چاہتا کہ کسی کو قتل کر

دے تو وہ اسے قتل کر ڈالتا پھر جو کوئی دکھلائی دیا، مجاہدین نے اسے موت کی نیند سلا دیا۔"

[مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مكة : ١٧٨٠۔ مسند أحمد : ٥٣٨/٢، ح : ١٠٩٤٨ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ٤٧٦٠ و إسناده صحيح۔ مسند أبي داوٗد الطيالسي : ١٨٨/٤، ١٨٩تا ١٩٠، ح : ٢٥٦٤ و إسناده صحيح]

مسند احمد وغیرہ کی حدیث کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے "بنوخزاعہ" کو اجازت دی کہ "بنوبکر" نے ان پر جو ظلم کیا تھا اور حرم میں قتل کیا تھا، اس کا بدلہ لے لو، چنانچہ "بنوخزاعہ" کے مظلوم لوگ بنوبکر اور قریش کے ان ظالموں سے بدلہ لے رہے تھے جنھوں نے ان پر ظلم کیا تھا۔

[مسند أحمد : ١٧٩/٢، ٢٠٧ ح : ٦٦٨١، ٦٩٣٣ و أسناده حسن لذاته۔ مصنف ابن أبي شيبة : ٤٠٣/٧، ح : ٣٦٨٩٣ و إسناده حسن لذاته]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے بدلہ دلا دیا اور عدل کی عدالت برسر میدان قائم کر کے دکھلا دی۔

اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: "جس دن مکہ فتح ہوا (وہ دن امام نووی کی شرح کے مطابق ۱۹ رمضان کا دن تھا) اس روز جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی۔"

[مسلم، كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام : ١٣٥٨]

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "میں نے دیکھا کہ فتح مکہ کے دن اللہ کے رسول ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور سورۂ فتح کی تلاوت خوش الحانی کے ساتھ کر رہے تھے۔"

[بخاري، كتاب الجهاد، باب أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح؟ : ٤٢٨١۔ مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب ذكر قراءة النبي ﷺ......الخ : ٧٩٤۔ أبو داوٗد : ١٤٦٧ و إسناده صحيح]

حسن سند کے ساتھ ابن ماجہ (۲۸۱۸) کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا بڑا پرچم سیاہ تھا اور چھوٹا جھنڈا سفید تھا۔ جی ہاں! پرچم لہرا رہے ہیں، انصاری مجاہدین ارد گرد حفاظتی دیوار بنائے ہوئے ہیں اور مہاجرین و انصار کی جماعت میں سپریم کمانڈر جناب محمد کریم ﷺ جا

رہے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۴۲۸۰) میں ہے کہ آپ ﷺ نے حکم ارشاد فرمایا کہ میرا بڑا پرچم "حجون" کے مقام پر نصب کیا جائے۔ کداء کے راستے کو اختیار کرتے ہوئے "حجون" کے مقام پر پڑاؤ کے بعد لشکر پھر چل پڑا۔ اب کے اللہ کے رسول ﷺ نے سر پر "خود" پہن لی۔ چلتے چلتے لشکر اب بیت اللہ کے پاس آ گیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے سر مبارک سے خود اتار لی، جونہی خود اتاری تو آپ ﷺ کو آگاہ کیا گیا: "خطل کا بیٹا کعبہ کے پردوں میں پناہ لیے ہوئے ہے۔" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے قتل کر دو۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب أین رکز النبی ﷺ......الخ : ٤٢٨٦ ـ مسلم، کتاب الحج، باب جواز دخول مکة بغیر إحرام : ١٣٥٧]

چنانچہ حضرت ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قَتَلْتُ عَبْدَ الْعُزَّى بْنَ خَطَلٍ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِسِتْرِ الْكَعْبَةِ))

[مسند أحمد : ٤/٤٢٣، ح : ١٩٨١١٨ و إسناده حسن لذاته ـ أبو الوازع جابر بن عمرو الراسبی صدوق حسن الحدیث وثقه الجمهور والجرح فیه مردود]

"میں نے عبدالعزیٰ بن خطل کو اس حال میں قتل کیا کہ وہ کعبہ کے غلاف کو پکڑے ہوئے تھا۔"

"بیت اللہ" میں آمد......اور بت ٹوٹتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی چل رہے تھے...... آپ ﷺ کی اونٹنی اب "مسجد حرام" میں داخل ہو چکی تھی۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب دخول النبی ﷺ...... الخ : ٤٢٨٩، ٢٩٨٨، ٤٤٠٠]

صحیح مسلم میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منظر کشی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ حجر اسود کے پاس

آئے، اسے چھوا اور کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔

[مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب فتح مكة : ١٧٨٠]

صحیح بخاری میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ بیت اللہ کے اردگرد 360 بت تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ آپ اس کے ساتھ بت کو کچوکا مارتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ [الإسراء : ٨١/١٧]

''حق آ چکا اور باطل برباد ہو چکا۔''

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾ [سبا : ٤٩/٣٤]

''حق چھا چکا ہے، باطل پہلے کچھ نہیں کر سکا، اب کیا کرے گا؟''

[بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الفتح في رمضان : ٤٢٨٧، ٢٤٧٨]

صحیح مسلم میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقشہ یوں کھینچتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لکڑی کی کمان تھی اور وہ مورتیاں جن کی مکہ کے لوگ عبادت کیا کرتے تھے، بیت اللہ کے گرد رکھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ گھومتے ہوئے جس مورتی کے پاس آتے، اس کی آنکھ اور پہلو میں اپنی کمان سے کچوکا مارتے اور فرماتے: ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔''

[مسلم، كتاب الجهاد، باب فتح مكة : ١٧٨٠ـ مسند أحمد : ٥٣٨/٢، ح : ١٠٩٥٤ و إسناده صحيح۔ مصنف ابن ابی شيبة : ٣٩٧/٧، ح : ٣٦٨٨٨ و إسناده صحيح]

صحیح بخاری کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی کو بٹھا دیا گیا۔ اب آپ ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہونے والے ہیں، عثمان بن طلحہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہیں ان سے چابی لی گئی ہے اور پھر دروازہ کھولا گیا ہے۔

[بخاری، كتاب الجهاد، باب الردف على الحمار : ٢٩٨٨، ٤٤٠٠]

پیغمبروں کی تصویریں مٹا دی جاتی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہونے لگے تو اس کے اندر کئی، بت موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو نکالنے

کا حکم دیا، چنانچہ انھیں باہر نکال دیا گیا۔ ان میں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر تھی اور ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں تیر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ! أَمَا وَاللّٰهِ ! لَقَدْ عَلِمُوا مَا اقْتَسَمَا بِهَا قَطُّ »

''اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے، اللہ کی قسم! ان مشرکوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے کبھی ان تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنے کے لیے فال نہیں نکالی (اس کے باوجود ان لوگوں نے ان کے ہاتھوں میں تیر پکڑا دیے ہیں)۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب أین رکز النبی ﷺ الرایة..... الخ : ٤٢٨٨ـ مسند أحمد . ٣٣٤/١ ، ح : ٣٠٩٢ و إسناده صحیح ـ ابن حبان : ٥٨٦١ و إسناده صحیح]

صحیح بخاری (۳۳۵۱) ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر بھی موجود تھی اور صحیح بخاری (۳۳۵۲) میں ہے کہ ان تصاویر کو مٹا دیا گیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرا نام ''ماحی'' بھی ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔''

[بخاری، کتاب المناقب، باب ما جاء فی أسماء رسول اللہ ﷺ : ٣٥٣٢]

جی ہاں! اللہ کے ''ماحی'' حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصاویر کو مٹا دیا۔ کفر کا معنی ناشکری ہے اور اس سے بڑھ کر ناشکری کیا ہو سکتی ہے کہ سب کو پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا اللہ ہے، مگر اس کی عطا و بخشش میں اس کے بندوں کو بھی شامل کر لیا جائے، یقیناً یہ ناشکری ہے اور اس ناشکری کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹا دیا ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ جب یہ کام ہو چکا تو اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور کعبہ کے ہر جانب اللہ اکبر کہا۔

[بخاری : ٤٢٨٨، ٣٣٥٢ـ مسند أحمد : ٣٣٤/١، ح : ٣٠٩٣ و إسناده صحیح]

قارئین کرام! وہ لوگ جو نیک بزرگوں کی تصاویر کو برکت کے طور پر اپنے گھروں اور دکانوں میں آویزاں کرتے ہیں انھیں سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کے طریقے اور چلن کو اختیار کر رہے ہیں۔

کعبہ میں نماز اور عام معافی کا اعلان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اب کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ کافی دیر کعبہ کے اندر ٹھہرے رہے، پھر آپ ﷺ نکل کر دروازے پر آئے، تب کئی لوگ کعبہ میں داخل ہونے کے لیے لپکے۔ پہلا شخص جو اندر داخل ہوا وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کہاں نماز پڑھی تو انھوں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب دخول النبی ﷺ من أعلی مکة : ٤٢٨٩، ٤٤٠٠۔
مسلم، کتاب الحج، باب استحباب دخول الکعبة للحاج......الخ : ١٣٢٩]

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ کعبہ ان دنوں چھ ستونوں پر بنا ہوا تھا۔ اگلے دو ستونوں کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ دروازہ آپ ﷺ کی کمر کی جانب تھا۔

[بخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة بین السواری فی غیر جماعة : ٥٠٥۔ مسلم : ١٣٢٩]

جی ہاں ! اللہ کے رسول ﷺ اب لوگوں کے سامنے نمودار ہوئے۔

صحیح مسلم میں جو نقشہ کھینچا گیا اس کے مطابق ابوسفیان کی پریشانی دیدنی تھی، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! کیا قریش آج تباہ کر دیے جائیں گے؟“

[مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مکة : ١٧٨٠]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! مَا تَقُولُونَ ؟ قَالُوا : نَقُولُ ابْنُ أَخٍ وَ ابْنُ عَمٍّ رَحِيمٌ كَرِيمٌ، ثُمَّ عَادَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلَ ، قَالُوا مِثْلَ ذٰلِكَ ، قَالَ : فَإِنِّي أَقُولُ كَمَا قَالَ أَخِي يُوسُفُ:

﴿ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴾ [یوسف: ١٢/٩٢]

[السنن الکبریٰ للنسائی : ٧/٣٨٣، ح : ١١٢٩٨، و إسناده حسن لذاته]

''اے قریشیو! تمھارا (میرے بارے میں آج) کیا خیال ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ہم تو یہی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھتیجے اور چچا زاد ہیں اور آپ بڑے مہربان اور کریم ہیں۔'' آپ ﷺ نے ان سے پھر وہی سوال کیا اور انھوں نے پھر وہی جواب دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے کہی تھی: ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمھیں بخشے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے قریش مکہ کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ يَااَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّمَا النَّاسُ رَجُلَانِ : بَرٌّتَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلٰى رَبِّهٖ وَ فَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلٰى رَبِّهٖ))

''اے لوگو! اللہ نے تمھارے جاہلی غرور وتکبر کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیا ہے، لوگو! لوگ دو طرح کے ہی ہوتے ہیں ایک وہ جو نیک ہو، اپنے رب کے ہاں پرہیز گار اور معزز ہو اور دوسرا وہ جو بدکار، بد بخت اور اپنے پروردگار کے ہاں گھٹیا ہو۔''

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ ﴾ [الحجرات : ۱۳]

''لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے تمھارے خاندان اور قبیلے محض اس لیے بنائے ہیں تاکہ آپس میں جان پہچان کر لو، اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر پرہیز گار ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَقُوْلُ هٰذَا وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ))

''میں نے تمھیں یہی کچھ کہنا تھا، باقی میں اپنے اور تمھارے لیے اللہ سے بخشش

طلب کرتا ہوں۔''

[ابن حبان : ۳۸۲۸ و إسناده صحيح]

قربان جائیں رسول اکرم ﷺ کے عفو و درگزر پر کہ نہ کسی سے مکان چھین کر کسی مہاجر کو واپس دلایا، نہ اپنا مکان لیا بلکہ فاتح مکہ رسول اکرم ﷺ جب تک مکہ میں مقیم رہے خیمے گاڑ کر گزارہ کیا۔ ملاحظہ ہو:

[بخاری : ۳۰۵۸، ۴۲۸۲، إشارة]

وہ جن کو قتل کرنے کا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے اللہ کے رسول ﷺ نے سب کے لیے امن کا اعلان کر دیا اور فرمایا: ''فلاں لوگ چاہے کعبہ کے پردوں کے ساتھ بھی چمٹے ہوئے ہوں تب بھی ان کو قتل کر دو۔'' وہ لوگ تھے:

۱۔ عبداللہ بن خطل

۲۔ مقیس بن صبابہ

۳۔ عکرمہ بن ابی جہل

۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

ان میں سے عبداللہ بن خطل کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا، اسے قتل کرنے کو سعید بن حریث رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دوڑے۔ ان دونوں میں سے جو جوان تھا اس نے ابن خطل کو قتل کر دیا۔ مقیس بن صبابہ کو مجاہدین نے بازار میں دیکھ لیا تو اسے وہیں قتل کر دیا۔

ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھاگ نکلا۔ وہ بحر احمر کے کنارے ایک کشتی پر سوار ہو کر علاقہ بدر ہونے لگا۔ کشتی سمندر میں گئی تو طوفان میں پھنس گئی، کشتی میں سوار لوگ کہنے لگے: ''اب صرف ایک اللہ کو پکارو، کیونکہ اس طوفان میں تمھارے مشکل کشا تمھارے کسی کام نہیں آ سکتے۔'' یہ سن کر عکرمہ کہنے لگا: ''اگر سمندر میں ایک اللہ کے سوا کوئی دوسرا کشتی پار نہیں لگا سکتا تو اللہ کی قسم! زمین پر بھی اس اللہ کے سوا کوئی میری بگڑی نہیں بنا سکتا۔ اے اللہ! میں تجھ سے پختہ عہد کرتا ہوں کہ اگر اس طوفان سے تو مجھے سلامت نکال لے تو میں محمد (ﷺ) کے پاس

حاضر ہو جاؤں گا، اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں انھیں درگزر کرنے والا اور کریم وشفیق پاؤں گا۔‘‘

کشتی بہ سلامت کنارے لگ گئی، عکرمہ واپس پلٹا اور اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ابو سرح کا پوتا عبداللہ بن سعد، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاں چھپ گیا، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو قبول اسلام کی بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے بھی لے آئے اور اس کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا اور عرض کی: ’’اے اللہ کے رسول! (ﷺ) عبداللہ سے بھی بیعت لے لیجیے‘‘ آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور عبداللہ کی طرف دیکھا، بیعت نہیں لی، پھر سر اٹھایا مگر اب بھی بیعت نہیں لی، تیسری بار سر اٹھایا تو بیعت لے لی، اس کے بعد (جب عبداللہ چلا گیا تو) آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

’’تم میں ایک بھی سمجھ دار آدمی نہ تھا جو مجھے دیکھ کر سوچتا کہ میں اس کی بیعت لینے سے ہچکچا رہا ہوں اور وہ آگے بڑھتا اور اسے قتل کر دیتا۔‘‘

صحابہ نے عرض کی: ’’اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہمیں کیا معلوم کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ ہمیں آنکھوں سے اشارہ کر دیتے، پھر دیکھتے؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ آنکھوں کے اشاروں سے ایسا کرے۔‘‘

[النسائي، كتاب المحاربة، باب الحكم في المرتد : ٤٠٧٢ و إسناده حسن لذاته۔ أبو داوٗد : ٢٦٨٣ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٤٥/٣ ح : ٤٣٦٠ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ٣٢١/١، ٣٢٢، ح : ٧٥٣ وإسناده حسن لذاته۔ مصنف ابن أبي شيبة : ٤٠٥/٧، ح : ٦٩٠٢ و إسناده حسن لذاته۔ السدي هو الكبير اسماعيل بن عبدالرحمن و هو صدوق حسن الحديث وثقه الجمهور]

قارئین کرام! ابن خطل اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے پناہ نقصان پہنچایا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ’’فتح الباری‘‘ میں لکھتے ہیں: ’’اس کی لونڈی بھی قتل کی گئی اس لیے کہ وہ بھی اس کے جرائم میں شریک کار تھی۔ اسی طرح اس کی دوسری لونڈی ام سعد بھی قتل ہوئی۔‘‘

مقیس بن صبابہ مدینہ میں آ کر مسلمان ہو گیا تھا پھر ایک انصاری مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہو گیا اور واپس مشرکوں کے ساتھ جا شامل ہوا تھا۔ اس کا جرم دہرا تھا اس لیے قتل ہوا۔

انصاریو! مرنا جینا تمھارے ساتھ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ایسے حالات میں انصار میں سے کچھ لوگ آپس میں کہنے لگے: ''اللہ کے رسول (ﷺ) بھی آخر ہیں تو انسان ہی نا، لہٰذا ان کے دل میں بھی اپنے شہر کی محبت گھر کر گئی اور اپنے خاندان کی الفت آ گئی ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا تھا کہ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو گئی اور ہمیں پتا تھا کہ جب آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو ہم میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔ الغرض، جب وحی کا نزول ختم ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے آواز دی: ''اے انصار کے لوگو!'' انھوں نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) حاضر ہیں۔'' آپ ﷺ نے انھیں بتلایا: ''کیا تم لوگوں نے ابھی یہ کہا کہ اس شخص کے دل میں تو اس کے شہر کی محبت گھر کر گئی ہے؟'' انصار نے جواب دیا: ''جی ہاں! ہم نے ایسا ہی کہا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''نہیں! ایسا بالکل نہیں، ہاں البتہ یہ ٹھیک ہے کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اس شہر اور کنبے قبیلے کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اور چھوڑ کر تمھارے پاس آ گیا سن لو! اب زندگی گزرے گی تو تمھارے ساتھ اور موت آئے گی تو تمھارے درمیان۔''

انصار نے یہ سنا تو لپک کر اللہ کے رسول ﷺ کے گرد اگرد ہو گئے، زار و قطار رونے اور عرض کرنے لگے: ''اللہ کی قسم! ہم نے جو بھی کہا محض آپ (ﷺ) کی محبت میں کہا کہ آپ ﷺ اب ہمیں چھوڑ نہ دیں۔ ہمارے کہنے کا مطلب صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طلب ہے اور بس۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کا رسول تمھاری اس بات کو سچا جانتے ہیں اور تم نے جو کہا اس کی وجہ کو بھی قبول کرتے ہیں۔''

[مسلم، كتاب الجهاد، باب فتح مكة : ۱۷۸۰ـ مسند أحمد : ۵۳۸/۲، ح : ۱۰۹۵٤ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ٤٧٦٠ و إسناده صحيح]

اپنے امام کا ستر تو ڈھانپ لو:

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''ارے! تو عمرو بن سلمہ سے نہیں ملا؟ عمرو سے ملاقات ہو تو اس سے امامت والا واقعہ تو سننا۔'' اب میں عمرو بن سلمہ سے جا ملا اور اس سے مذکورہ واقعے کے بارے پوچھنے لگا۔ عمرو بن سلمہ مجھے بتلانے لگا: ''بات یوں ہے کہ ہم لوگ ایک چشمے پر رہا کرتے تھے، وہ ایسی جگہ تھی کہ آنے جانے والے مسافر وہاں سے گزرتے تھے۔ سوار لوگ بھی ہمارے پاس آتے ہوئے ٹھہرتے تھے۔ ہمارے لوگ ان مسافروں سے پوچھتے کہ یہ شخص (محمد ﷺ) کیا کہتا ہے اور لوگ ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ اس پر وہ بتلاتے کہ وہ شخص (محمد ﷺ) دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا رسول (ﷺ) بنا کر بھیجا ہے اور اس کی طرف وحی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ دلیل کے طور پر قرآن کا کوئی مقام بھی پڑھ دیتے۔ میں یہ کلام سنتا تو اسے حفظ کر لیتا، یہ کلام میرے دل کو خوبصورت لگتا تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ عرب کے عام لوگ مکہ کی فتح تک اسلام قبول کرنے سے رکے ہوئے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) اور اس کی قوم کو باہم لڑنے دو، اگر تو محمد (ﷺ) ان پر غالب آ گئے تو وہ واقعی سچے نبی ہوں گے۔

چنانچہ اس سوچ کے تحت جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قوم کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔ ہمارا قبیلہ بھی دوڑا۔ میرے والد صاحب بھی اسلام میں داخل ہونے کے لیے آئے، پھر جب مکہ میں اسلام قبول کر کے واپس آئے تو آ کر اپنے لوگوں سے کہنے لگے: ''میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر تمھیں بتلاتا ہوں کہ میں جس نبی کو مل کر تمھارے پاس آیا ہوں وہ نبی سچے نبی ہیں۔'' اور پھر کہنے لگے: ''انھوں نے کہا ہے، فلاں نماز! فلاں وقت پر اور اس اس طرح پڑھنا شروع کرو اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہے اور پھر

امامت وہ کروائے جس کو تم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو۔"

اب لوگ جائزہ لینے لگے کہ کس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہے۔ مجھ سے بڑھ کر تو کوئی نہ تھا، کیونکہ میں تو آنے جانے والوں سے قرآن سنتا اور اس کو یاد کر لیتا تھا، چنانچہ سب نے مل کر مجھے ہی آگے کر دیا۔ میری عمر اس وقت چھ سال یا حد سات سال ہوگی۔ اب مجھ پر ایک چادر تھی جسے اوڑھ کر میں امامت کرواتا تھا۔ جب میں سجدے میں جاتا تو پیچھے سے ننگا ہو جاتا، ایک دفعہ ایک قبیلے کی عورت نے سجدے میں مجھے دیکھ لیا تو اس نے بلند آواز سے کہا: "ارے! ہم سے اپنے قاری صاحب کا ستر تو چھپالو۔" اب کیا ہوا؟ لوگوں نے ایک کپڑا خریدا اور میرے لیے ایک لمبی سی قمیص بنائی۔ مجھے یہ قمیص پہن کر جس قدر خوشی ہوئی اتنی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوئی تھی۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ٤٣٠٢]

جی ہاں! قاری عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق عرب کے لوگ اب جوق در جوق اور فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ صحیح بخاری ہی کی روایت ہے، حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "فتح مکہ کے بعد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی کو لے کر حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس چیز کی اس سے بیعت لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْإِيْمَانِ وَالْجِهَادِ»

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ٤٣٠٥، ٤٣٠٦]

"میں اس سے اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لوں گا۔"

ثابت ہوا اب پورے اسلام پہ عمل کرتے ہوئے چلنا ہوگا۔ یہ بات کہ پہلے نفس کو مضبوط کر لیا جائے پھر جہاد کیا جائے گا یہ آج کے دور کی بزدلانہ بحث ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تو یہ تھا کہ سود کے شکنجے میں جکڑا ہوا اصیرم آتا ہے، اسلام میں داخل ہوتا ہے اور لڑتا ہوا شہید ہو کر جنت میں چلا جاتا ہے۔

الغرض، عورتوں والی بیعت کے دن بھی گزر گئے۔ اب تو اللہ کے رسول ﷺ اسلام قبول کرنے کے لیے آنے والے سے جہاں اسلام اور ایمان کی بیعت لے رہے ہیں وہیں جہاد کی بیعت بھی لے رہے ہیں تاکہ اس جہاد کی برکت سے جس طرح اب عرب کے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اسی طرح ساری دنیا کے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

بزرگوں کو تکلیف کیوں دی، میں خود ہی حاضر ہو جاتا:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ حرم مکی میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحافہ کو آپ کی خدمت میں لائے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

《هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِيْ بَيْتِهِ حَتّٰى أَكُوْنَ أَنَا آتِيْهِ فِيْهِ》

''ابو بکر! بزرگوں کو گھر ہی رہنے دینا تھا، میں خود ان کے پاس حاضر ہو جاتا۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ (ﷺ) چل کر ان کے پاس کیوں جاتے؟ انھی کا حق ہے کہ یہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے اب ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھا لیا، ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور کہا: ''مسلمان ہو جایئے!'' ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

[مستدرك حاكم : ٣/٤٦، ح : ٤٣٦٣ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ٥/٩٥، ٩٦، و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٦/٣٤٩، ٣٥٠۔ ح : ٢٧٠١٨ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٧٢٠٨ و إسناده حسن لذاته]

قربان جائیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفاداری اور فدویانہ انداز پر، فدا ہوں رسول اکرم ﷺ کے اخلاق اور کریمانہ طرز ادا پر جو آپ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ اپنائی۔ جی ہاں! اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا:

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ [النصر]

''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے بخشش طلب کرو، یقیناً وہ بے حد توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اسلامی قانون کا فوری نفاذ :

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا آغاز ہوگیا۔ اس دوران ایک عورت نے چوری کر لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے مطابق یہ عورت (قریش کے قبیلے) بنو مخزوم میں سے تھی۔ (اسلامی قانون کی رو سے اس عورت کے ہاتھ کٹنے کا حکم صادر ہوگیا) قریش کو اب اس مخزومی عورت کے مسئلہ نے بے حد پریشان کر دیا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ گھبرائے ہوئے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنی مجلس میں سوچ بچار کے بعد طے کیا کہ اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا، ہاں اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) جو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بے حد پیارے ہیں، وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں درگزر کی سفارش کریں تو کچھ ہو سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سفارشی بنایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

((أَتُكَلِّمُنِي فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟))

''کیا تو مجھ سے اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں بات کرتا ہے؟''

اسامہ فوراً عرض پرداز ہوئے: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) غلطی ہوگئی، دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔'' جب دوپہر کا وقت ہوا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اللہ کے شایان شان حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: ''تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اس وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے کہ ان میں جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کر لیتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس اللہ کی قسم!

جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! (یہ تو بنومخزوم کی فاطمہ ہے)

((لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

''اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کے بعد اس عورت نے سچے دل سے توبہ کر لی، بعدازاں اس خاتون کی شادی ہوگئی۔

[بخاري، كتاب المغازي، باب : ٤٣٠٤، ٢٦٤٨۔ مسلم : ١٦٨٨۔ الترمذي : ١٤٣٠ و إسناده صحيح]

قارئین کرام! مکہ میں فتح کے ساتھ ہی اسلامی قانون کا نفاذ ہوگیا۔ سرزمین عرب اللہ کے قانون سے گل وگلزار بن گئی۔ آج بھی دنیا میں وہ سرزمین جہاں جرائم کی شرح سب سے کم ہے، وہ سعودی عرب کی سرزمین ہے اور اس کا واحد سبب یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمان آل سعود رحمہ اللہ نے اقتدار حاصل کرتے ہی یہاں اللہ کا قانون نافذ کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سعودی عرب کی مملکت میں اپنے قانون کی بہار کو تاقیامت قائم رکھے، سلامت رکھے اور توحید وسنت کی جو بہار ہے اللہ تعالیٰ اس کے حسن میں اور اضافہ فرمائے اور تمام مسلمان ملکوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں قیام کے دوران اردگرد کے بت خانوں کو بھی منہدم کرا دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''عزیٰ'' نامی ایک بڑے بت اور آستانے کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بت شکنی کی تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو:

[مسند أبي يعلى : ١/ ٣٧٠، ٣٧١، ح : ٨٩٨ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرىٰ للنسائي : ٦/ ٤٧٤، ح : ١١٥٤٧ و إسناده حسن لذاته، و الوليد بن عبدالله بن جميع صدوق ثقة وثقه الجمهور]

صحیح بخاری (۴۲۹۸) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں 19 دن قیام فرمایا، آپ دو رکعتیں نماز پڑھ کر قصر کرتے رہے اور پھر شوال میں آپ ﷺ کو ایک اور مہم پر نکلنا پڑا۔ آیئے! اب اس جنگی مہم کے احوال ملاحظہ کرتے ہیں۔

حنین کی لڑائی میں توحید اور انکساری کا سبق

دشمن کی جاسوسی:

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کی فتح سے فارغ ہوئے تو مالک بن عوف نے مختلف قبائل کو اکٹھا کیا، ان کے مال مویشی، عورتوں اور بچوں کو بھی ہمراہ لیا اور لڑائی کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چل کھڑا ہوا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحدرد کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ ان کی طرف جا، ان کی قوم میں داخل ہو جا، وہ کیا کر رہے ہیں، سب حالات کا جائزہ لے کر آ۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں داخل ہو گئے۔ ان میں ایک دن یا دو دن ٹھہرے، پھر واپس پلٹے اور آ کر تمام صورتحال سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔

[مستدرك حاكم : ٤٨/٣، ٤٩، ح : ٤٣٦٩ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ١٩٠/٣، ح : ١٢٩٨٢ و إسناده حسن لذاته۔ ٢٧٩/٣، ح : ١٣٩٨٣ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ١٢٠/٥، ١٢١ و إسناده حسن لذاته]

یہ قبیلہ جو جنگ کے لیے نکلا، اس کا نام ''ہوازن'' تھا۔ اس کی سب سے بڑی شاخ ''ثقیف'' تھی جس کے لوگ ''طائف'' شہر اور اس کے مضافات میں پھیلے ہوئے تھے۔ ''ہوازن'' کی باقی شاخیں بھی شمالی یمن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہی سے تھے۔

[معجم البلدان : ١٧٣/٢، ٢٠٤/٣]

مکہ اور طائف کے درمیان 90 کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ جب مکہ میں موسم گرم ہوتا ہے تو

طائف میں موسم ٹھنڈا اور باغ و بہار کے جھونکے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے قریش مکہ وہاں اس موسم سے لطف اٹھانے کے لیے جاتے تھے۔ وہاں ان کے باغات اور گھر بھی تھے۔ امام یاقوت حموی اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں لکھتے ہیں کہ طائف کو قریش کا باغ کہا جاتا تھا۔ طائف کے لوگوں اور قریش مکہ کے مابین رشتہ داریاں بھی قائم تھیں۔

جی ہاں! یہ وہی لوگ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے گئے تھے تو انھوں نے آپ ﷺ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ البتہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ کے ساتھ آپ ﷺ کی جنگیں شروع ہو گئیں، تو ہوازن وثقیف کے لوگ اس دوران الگ تھلگ رہے تھے۔ اب جب اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ فتح کیا اور پھر فتح کے بعد مجاہدین کے دستوں کو اردگرد بھیج کر بڑے بڑے بت خانے اور آستانے تباہ کروا دیے، ان میں ''عزیٰ'' کا بت اور آستانہ بھی شامل تھا، جس کی عبادت یہ لوگ کیا کرتے تھے، تو انھیں خطرہ پیدا ہوا کہ محمد (ﷺ) ہم تک بھی آئیں گے، لہٰذا انھوں نے تیاری کی، عوف بن مالک کو چیف کمانڈر بنایا اور چل کھڑے ہوئے۔ عوف بن مالک نے تمام قبائل کی عورتوں، بچوں اور مال مویشی کو اس لیے ہمراہ لیا تاکہ لوگ ان کے تحفظ کی فکر میں خوب جم کر لڑیں اور بھاگیں نہیں۔ امام ابن حجر ''الأصابة'' میں لکھتے ہیں کہ اس کی عمر 30 سال تھی اور وہ بڑا دلیر تھا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ راستے میں ان کے ایک بزرگ دانشور درید بن صمہ نے مالک بن عوف سے کہا: ''عورتیں، بچے اور اموال ہمراہ رکھنا ٹھیک نہیں، اگر شکست ہوگئی تو ان کا کیا بنے گا؟'' مگر مالک بن عوف نے اس کے مشورے کو رد کر دیا، کہنے لگا: ''یہ بوڑھا ہو گیا ہے، اس کی دانشوری بھی بوڑھی ہو گئی ہے۔'' پھر ہوازن کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''تمھیں میری بات ماننا ہوگی، اگر اس بوڑھے کی بات ماننا ہے تو میں اس تلوار کی نوک کو اپنے پیٹ پہ رکھوں گا اور دوسری طرف میری کمر سے جا نکلے گی۔'' اس پر اس کے کمانڈر اور لوگ کہنے لگے: ''ہم تیری اطاعت کرتے ہیں، جو مرضی کر۔''

[دلائل النبوة للبيهقي : ١٢١/٥، ١٢٣ و إسناده حسن لذاته۔ والظاهر أنه من طريق

عبدالرحمن بن جابر عن أبيه جابر بن عبد الله]

ادھر اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنا لشکر لے کر چل نکلے۔ صدوق وثقہ امام محمد بن اسحاق اور مصعب بن عبداللہ الزبیری کا قول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا امیر مقرر فرمایا۔

[دلائل النبوة للبيهقي : ۵/۱۲۱ و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام : ۴/۸۴۔ مستدرك حاكم : ۳/۵۹۴،۵۹۵، ح : ۶۵۲۲ و إسناده صحيح]

جی ہاں! مدینے سے مکہ آنے والا اور اب مکہ سے طائف کی طرف روانہ ہونے والا لشکر عرفات سے ہو کر حنین کی جانب چل رہا ہے۔

کوئی آستانہ ہمارا بھی تو ہو جہاں مرادیں پوری ہوں :

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ مکہ سے حنین کی طرف نکلے۔ راستے میں ایک ایسی جگہ آئی کہ وہاں بیری کا ایک درخت تھا، یہ درخت کافروں کا ایک متبرک مقام تھا۔ وہ اس کے گرد اپنی مرادیں پوری کرانے کے لیے بیٹھا کرتے تھے اور اس پر اپنے اسلحہ کو لٹکایا کرتے تھے، اس مقام کو "ذَاتُ اَنْوَاطٍ" (ایسا مقام جس کے ساتھ چیزوں کو لٹکایا جائے) کہا جاتا تھا۔ چنانچہ جب ہم بیری کے اس بہت بڑے سبز درخت کے پاس سے گزرے تو ہم میں سے بعض لوگ کہنے لگے : "اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہمارے لیے بھی ایسا ہی کوئی آستانہ بنا دیجیے۔" اللہ کے رسول ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا:

((قُلْتُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ ! کَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰی اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ))

"اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگوں نے بھی وہی بات کہہ ڈالی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے لوگوں نے کہی تھی کہ (اے موسیٰ!) ہمارے لیے بھی کوئی مشکل کشا بنا دو جیسا کہ ان لوگوں (مشرکوں) کے کئی کرنی والے مشکل کشا ہیں۔"

آپ ﷺ نے اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

《 اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ 》

''حقیقت یہ ہے کہ تم نادان لوگ ہو۔''

آپ ﷺ نے مستقبل کے اندیشے کا اظہار کرتے ہوئے مزید متنبہ فرمایا:

《 اِنَّهَا السُّنَنُ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ سُنَّةً سُنَّةً 》

''یہ ایسے لچھن اور چلن ہیں جو تم سے پہلے لوگوں نے بھی اختیار کیے تھے، تم بھی ایک ایک کر کے ان کو اختیار کرتے چلے جاؤ گے۔''

[مسند أحمد : ٢١٨/٥، ح : ٢١٩٥٦ و إسناده صحيح۔ الترمذی : ٢١٨٠۔ ابن حبان : ٦٧٠٢ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرىٰ للنسائی : ٣٤٦/٦، ح : ١١١٨٥ و إسناده صحيح]

سیرت ابن ہشام (۸۴/۴)، تاریخ طبری (۷۳/۳) اور طبقات ابن سعد (۱۱۴/۲) میں لکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے لشکر میں دس ہزار وہ لوگ تھے جو مدینہ اور اس کے قرب و جوار سے آئے تھے اور دو ہزار وہ لوگ تھے جو مکہ میں تازہ بہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جن کا عقیدہ ابھی کچا تھا، چونکہ وہ ایسے ماحول سے نکل کر آئے تھے کہ صحیح مسلم (۱۱۸۵) کے مطابق وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اسی طرح کہتے تھے جیسے آج بھی مسلمان کہتے ہیں کہ حاضر ہیں اے اللہ! حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں اور پھر آخر پر کہتے: ''ہاں ان شریک بزرگوں کا مالک بھی تو ہے اور جس جس چیز کا یہ بزرگ اختیار رکھتے ہیں، اس کا مالک بھی تو ہے۔'' جی ہاں! یہ لوگ ایسے ماحول سے نکل کر آئے تھے جہاں پرانے اور نیک بزرگوں کی مورتیاں بنائی گئی تھیں اور یہ لوگ ان بزرگوں کی مورتیوں اور تصویروں کے سامنے نذریں نیازیں پیش کرتے تھے اور کہتے تھے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [الزمر : ٣/٣٩]

''ہم ان کی عبادت نہیں کرتے، یہ بزرگ تو ہمیں بس اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔''

یعنی ہماری ان کے آگے، ان کی خدا کے آگے:

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس : ۱۸/۱۰]

''یہ بزرگ تو محض اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

ہم چونکہ گنہگار ہیں، یہ نیک ہستیاں ہیں، ان کے واسطے وسیلے سے اللہ ہماری مرادیں پوری کر دیتا ہے۔ پھر وہ ان کے آستانے بناتے، وہاں دھاگے باندھتے، تالے لگاتے، اسلحہ لٹکاتے، پراندے اور رنگ برنگے کپڑوں کی ٹاکیاں اور جھنڈے لہراتے، انھیں "ذات أنواط" کہتے۔ جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کو پتا تھا کہ یہ کچے عقیدے کے حامل لوگ ہیں، ان کے نفس کمزور ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہمراہ لیا اور جہاں کمزوری دیکھی ان کے عقیدے کی اصلاح کی، لیکن یہ نہیں کیا کہ ان کو جہاد کے میدان سے بھگا دیا۔ جی ہاں! یہ لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے ہیں۔ جب ساتھ چلیں گے تو ان کی اصلاح بھی ہوتی جائے گی۔ شرک کی نجاستیں جہاد کی بھٹی میں بھاپ بن کر اڑتی جائیں گی اور توحید کا نکھار پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

ہوازن کا سارا مال کل غنیمت ہوگا (ان شاء اللہ):

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجاہدین نے سفر کی طنابیں کھینچیں اور وہ چلتے ہوئے اپنے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ حنین کے میدان میں آ پہنچے۔ جس دن پہنچے، وقت دوپہر کا تھا پھر نماز کا وقت ہوا، اللہ کے رسول ﷺ آگے بڑھے تو ایک گھڑ سوار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں حسب حکم آپ کے درمیان سے نکلا اور تیزی سے چلتا ہوا فلاں فلاں پہاڑ سے ہو کر واپس آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ میں ''ہوازن'' کے لوگوں کو دیکھ آیا ہوں، وہ اپنی عورتوں اور مال اموال کے ساتھ وہاں خیمہ زن ہو چکے ہیں، حنین میں وہ جمع ہیں۔'' یہ سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''اللہ نے چاہا تو یہ سارا مال کل کو مسلمانوں کے لیے غنیمت ہوگا۔''

[أبو داوٗد، كتاب الجهاد، باب في فضل الحرس في سبيل الله عزوجل : ۲۵۰۱ و

إسناده صحيح۔ دلائل النبوة للبيهقي : ١٢٥/٥، ١٢٦ و إسناده صحيح]

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ رات ہونے لگی تو اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا:

((مَنْ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ ؟))

''آج رات ہمارا پہرا کون دے گا؟''

حضرت انس بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ بولے : ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں پہرا دوں گا۔'' آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سوار ہو کر میرے پاس آ۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا: ''اس وادی میں چلا جا حتیٰ کہ اس کی بلندی پر پہنچ جا اور یاد رکھ! تیری جانب سے ادھر کو آج رات کوئی آنے نہ پائے۔''

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رات گزرنے کے بعد فجر نمودار ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نماز کے لیے نکلے، آپ ﷺ نے دو سنتیں ادا فرمائیں، اس کے بعد آپ ﷺ صحابہ سے پوچھنے لگے: ''اپنے شہسوار کے بارے میں بھی کوئی سن گن محسوس کی ہے یا نہیں؟'' صحابہ نے کہا: ''نہیں اے اللہ کے رسول (ﷺ)!'' اتنے میں نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی، اب اللہ کے رسول ﷺ مجاہدین کو نماز پڑھانے لگے، صورتحال یہ تھی کہ آپ ﷺ نماز کے دوران وادی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے رہے۔ آخر کار جب آپ ﷺ نماز پڑھا چکے اور سلام پھیر دیا تو سلام پھیرتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَبْشِرُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ فَارِسُكُمْ))

''خوش ہو جاؤ! تمھارا پہرے دار گھڑ سوار آ گیا ہے۔''

اب ہم وادی میں ایک درخت کی جانب دیکھنے لگے، وہ واقعی وہاں سے چلا آ رہا تھا۔ وہ ہماری جانب بڑھتا چلا آیا حتیٰ کہ آ کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس نے سلام کہا اور پھر آپ ﷺ کو بتلانے لگا کہ میں آپ (ﷺ) کے حکم کے مطابق وادی میں چلا تو گھاٹی کے اوپر کی طرف گیا، پھر فجر نمودار ہوئی تو دونوں گھاٹیوں میں دور تک دیکھنا ممکن ہو

گیا۔ اب میں نے نظر دوڑائی تو یہاں کسی کو نہیں دیکھا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے پہرے دار سے پوچھا:

«هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ ؟»

''رات بھر گھوڑے سے نیچے بھی اترا کہ نہیں؟''

پہرے دار کہنے لگا: ''جی بالکل نہیں اترا، صرف نماز کے لیے گھوڑے سے اترا، یا ضرورت پوری کرنے کو، باقی ساری رات گھوڑے پر سوار گشت کرتا رہا۔'' یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«فَقَدْ أَوْجَبْتَ فَلَا عَلَيْكَ أَلَّا تَعْمَلَ بَعْدَهَا»

''اس کے بعد تو کوئی نیک عمل نہ بھی کرے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، تو نے جنت کو واجب کر لیا ہے۔''

[أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب في فضل الحرس في سبيل الله عزوجل : ٢٥٠١ و إسناده صحيح۔دلائل النبوة للبيهقي : ١٢٥/٥، ١٢٦ و إسناده صحيح]

اگر تو کوئی نیک کام نہ بھی کرے تو بھی جنت تیرے لیے واجب ہو گئی۔ سبحان اللہ! کیا کہنا پہرے داری کی فضیلت کا، جی ہاں! اور اس سے بڑھ کر مجاہدین کا پہرا دینے والے کا کیا مقام ہو گا کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز فجر پڑھاتے ہوئے، نظر اٹھا اٹھا کر اس کی جانب وادی میں دیکھتے ہیں کہ میرا پہرے دار کب مجھے دکھلائی دے گا؟

قارئین کرام! انس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے مقدر کا کیا کہنا جس کو رسول اکرم ﷺ کی نگاہیں نماز کے دوران تلاش کرتے ہوئے منتظر رہتی ہیں۔

مجاہد دوڑتا ہوا جھپٹا اور جاسوس کی گردن اڑا دی:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ذرا فاصلے پر ایک شخص سرخ اونٹ پر سوار آتا ہے، اپنے اونٹ کو بٹھاتا ہے، اپنے بیگ سے ایک رسی نکالتا ہے اور اونٹ کا گھٹنا اس کے ساتھ باندھ دیتا ہے، پھر وہ ہماری طرف بڑھا اور ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا، پھر وہ ارد گرد دیکھ کر جائزہ لینے

لگا۔ اس جنگ میں سواریوں کے لحاظ سے ہم کمزور تھے۔ ہم میں بہت سارے لوگ تو پیدل بھی یہاں آئے تھے۔ بہرحال! وہ شخص اب تیزی سے بھاگ اٹھا، اپنے اونٹ کے پاس پہنچا، رسی کو کھولا، کھڑے اونٹ کو بٹھایا، اس پہ سوار ہوا پھر اس کو کھڑا کیا اور دوڑا دیا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مجاہد، جس کے پاس خاکی رنگ کی اونٹنی تھی، وہ اس پر سوار ہو کر اس جاسوس کی طرف دوڑا۔ میں پیدل ہی بھاگ کھڑا ہوا، حتیٰ کہ بھاگتا ہوا خاکی اونٹنی کی پشت کے پاس جا پہنچا۔ میں اس قدر بھاگ رہا تھا کہ اس اونٹنی سے بھی آگے بڑھ گیا اور جاسوس کے اونٹ کو جا لیا۔ میں بھاگتا ہوا اس کے سامنے آیا اور اونٹ کی مہار کو پکڑ لیا۔ پکڑتے ہی میں نے اونٹ کو نیچے بٹھا دیا۔ ابھی اونٹ اپنا گھٹنا دوہرا کر کے بیٹھ ہی رہا تھا کہ میں نے تلوار لہرائی اور جاسوس کی کھوپڑی اڑا دی۔ وہ لڑھکتا ہوا زمین پر آ گرا۔ اب میں نے جاسوس کا سامان اور ہتھیار لیے، اس کا اونٹ پکڑا اور سب کچھ لیتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آن پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی مجاہدین کے ہمراہ ہمارے انتظار میں ہماری طرف تشریف لا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھتے ہوئے پوچھا:

«مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ؟»

”مشرک کو کس نے قتل کیا؟“

سب لوگ بول اٹھے: ”اکوع کے بیٹے سلمہ (رضی اللہ عنہ) نے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اس کا سارا سامان سلمہ کا ہے۔“

[مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلب القتيل : ١٧٥٤]

قارئین کرام! آیئے! اب دونوں لشکروں کے درمیان جنگ کے مناظر ملاحظہ کرتے ہیں۔

مشرکین کی صفیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم حنین کے میدان میں جنگ کے لیے چل رہے تھے، میں دیکھ رہا تھا کہ مشرک بھی اپنی صفیں کمال انداز سے باندھ کر آئے تھے۔ سب سے آگے گھڑ سواروں کی صفیں تھیں، اس کے بعد پیدل جنگجوؤں کی، پھر عورتوں کی لائنیں تھیں۔ عورتوں کے

پیچھے بکریوں کے ریوڑ تھے اور ان کے پیچھے دیگر چارپائے اونٹ وغیرہ تھے۔"

[مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب إعطاء المؤلفة قلوبھم ...... الخ : ۱۰۵۹/۱۳۶]

حنین میں ہر جانب سے تیروں کی بوچھاڑ :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے : "تہامہ کی وادیوں میں سے حنین کی وادی میں ہم جا رہے تھے۔ وادی بڑی وسیع و عریض تھی۔ اس میں اوپر نیچے ٹیلے اور چھوٹی چھوٹی ڈھلوانی پہاڑیاں تھیں۔ ہم اوپر چڑھتے اور نیچے اترتے ہوئے آگے کی جانب بڑھتے اور لڑھکتے جا رہے تھے۔ صبح کا اندھیرا قدرے باقی تھا۔ ہمارے اردگرد جو گھاٹیاں تھیں ہمارے دشمن ان میں چھپ کر بیٹھے تھے۔ وہ اس وادی کی ہر سمت موجود تھے۔ ہر تنگ مقام پر وہ مورچہ زن تھے۔ وہ چاروں طرف جمع ہو چکے تھے اور حملے کے لیے تیار تھے جبکہ ہم اردگرد سے بے خبر اپنے دھیان میں چلے جا رہے تھے کہ دشمن کے دستوں نے انتہائی شدت سے ایسا زوردار حملہ کر دیا جیسے ایک ہی آدمی نے حملہ کیا ہو۔ اب سب مجاہدین شکست کھاتے ہوئے واپس پلٹنے لگے۔ کسی کو دوسرے کی خبر نہ تھی اور سب بھاگے چلے جا رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنی سواری پر دائیں جانب کو جھکے ہوئے تھے اور آواز دے رہے تھے :

((إِلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ ! هَلُمَّ إِلَيَّ ، أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ))

"لوگو! میری طرف توجہ دو، میری طرف پلٹو، میں ہوں اللہ کا رسول ﷺ، میں ہوں عبد اللہ کا بیٹا محمد (ﷺ)۔"

بھگدڑ میں کہیں سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اونٹ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ رہے تھے، لوگ چلے جا رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اردگرد مہاجروں اور انصاریوں کا گروہ تھا۔ کچھ آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ تھے۔ آپ ﷺ کے اردگرد جم کر ٹھہرنے والوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ کے خاندان والوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے فضل رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی جم کر کھڑے تھے۔ حضرت ام ایمن کے صاحبزادے حضرت ایمن رضی اللہ عنہ

اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ڈٹ کر کھڑے تھے۔“

[مسند أحمد : ۳۷۶/۳، ح : ۲۵۰۳۷ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ۲۲۳/۲، ح : ۱۸۵۷، ۱۸۵۸إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٤٧٧٤ و إسناده حسن لذاته]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اس دوران میں نے دیکھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار ہیں اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے ڈٹے ہوئے ہیں۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب قول الله تعالی ﴿ و يوم حنين إذ...... ﴾ : ٤٣١٥]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں اور ابوسفیان...... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ اب کے میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خچر کی لگام تھام لی تھی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رکاب پکڑ رکھی تھی۔“

[مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنين : ١٧٧٥]

قارئین کرام! کیسا منظر ہے، وہی مشرکوں کا آرمی چیف جو بار بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کیا کرتا تھا۔ آج وہی شخص ایک عام سپاہی کی حیثیت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی رکاب کو تھامے ڈٹا ہوا ہے۔ وہ رکاب جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم ہے، وہ ابوسفیان کے ہاتھ میں ہے۔

صحیح مسلم ہی کی روایت میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ مزید بتلاتے ہیں: ”میری آواز بڑی بلند تھی، اس وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا: ”اے عباس! کیکر کے درخت والوں کو آواز لگاؤ۔“ چنانچہ میں نے بلند آواز سے پکارا:

((أَيْنَ أَصْحَابُ السَّمُرَةِ !))

”وہ کیکر کے درخت (تلے بیعت رضوان کرنے) والے کہاں ہیں؟“

اللہ کی قسم! ان لوگوں نے جب میری آواز سنی تو وہ ”ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں“ کہتے ہوئے اس طرح دوڑے جس طرح گائے اپنے بچے کی جانب دوڑتی ہے۔“ حضرت

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے کنکر پکڑے اور دشمنوں کی طرف پھینکے۔''

[مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنين : ١٧٧٥]

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق پھر اللہ کے رسول ﷺ نے مٹی مانگی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مٹی پکڑائی۔ آپ ﷺ نے مٹھی میں لے کر مشرکوں کی طرف پھینکی تو ان کی آنکھوں میں جا پڑی۔

[مسند أحمد : ٤٥٣/١، ٤٥٤، ح :٤٣٣٦ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ١١٧/٢، ح : ٢٥٤٩ و إسناده حسن لذاته۔دلائل النبوة للبيهقي : ١٤٢/٥ اسناده حسن لذاته]

صحیح مسلم میں ہے اس کے ساتھ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِنْهَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ !))

''محمد کے رب کی قسم! وہ شکست کھا گئے ہیں۔''

[مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة حنين : ١٧٧٥]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصاری مجاہد نے جھنڈا بردار کو ڈھیر کر دیا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''ہوازن قبیلے کا ایک شخص اپنے سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ پرچم تھا۔ پرچم ایک لمبے نیزے کی چوٹی پر لہرا رہا تھا۔ یہ شخص اپنے لشکر کے آگے آگے تھا، باقی سب اس کے پیچھے تھے۔ اس کا اپنا ہی ایک منفرد انداز تھا، جسے وہ اپنائے ہوئے تھا کہ یکایک حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے، انصار کا ایک مجاہد بھی اس پر جھپٹا۔ دونوں ہی اس کے قتل میں کوشاں ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ہو لیے، انھوں نے وار کیا اور اونٹ کی پچھلی دونوں کونچیں کاٹ دیں۔ اب اونٹ پیچھے گر پڑا۔ وہ جونہی گرا، جھنڈا بردار کی ٹانگیں اوپر اٹھ گئیں، انصاری مجاہد اس لمحے تیزی سے لپکا اور وار کر کے اسے نصف پنڈلی سے اڑا دیا۔ جنگ کا پانسا پلٹ گیا، مجاہدین ڈٹ گئے، ان کے باقی لوگ بھی بھاگ کر یہاں آنے لگے۔ مشرکوں کا جھنڈا بردار مارا گیا تو انھوں نے جھنڈا اٹھایا اور پیچھے

والوں نے تھام لیا۔"

[مسند أحمد : ۳۷۶/۳، ۳۷۷، ح : ۱۵۰۳۷ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أبی یعلی : ۲۲۳/۲، ح ۱۸۵۸ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۴۷۷۴ و إسناده حسن لذاته]

صحیح مسلم میں ہے: "حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اونچا کر کے میدان جنگ پہ نگاہ ڈالی اور فرمایا:

((هٰذَا حِيْنَ حَمِيَ الْوَطِيْسُ))

[مسلم، کتاب الجهاد والسير ، باب غزوة حنين : ۱۷۷۵]

"اب جنگ کا تندور بھڑکا ہے۔"

مسلم ہی میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((كُنَّا، وَاللّٰهِ ! إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ نَتَّقِيْ بِهِ وَإِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِيْ يُحَاذِيْ بِهِ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

"جب جنگ کا میدان بھڑک کر سرخ ہو جاتا تو ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ڈھال بنا کر اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ اللہ کی قسم! ہم میں بہادر تو وہ ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو جنگ کے سامنے ڈٹتے تھے۔"

[مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة حنين : ۱۷۷۶/۷۹۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۱۳۵/۵]

جی ہاں! جنگ کا میدان گرم ہو چکا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈٹ کر جمے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہدوں کو حکم دیتے ہیں: ((جُزُّوْهُمْ جَزًّا)) مجاہدو! ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دو۔

مزید برآں! بزار ہی کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا حکم دے رہے تھے اور اپنے ہاتھ کا اشارہ حلق کی طرف کر رہے تھے، یعنی گردنیں اڑا دو۔"

[كشف الأستار عن زوائد البزار : ۳۴۹/۲، ح : ۱۸۳۰ و إسناده حسن لذاته]

اللہ نے فتح سے ہمکنار کر دیا:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [التوبة : ٩/ ٢٥، ٢٦]

''مسلمانو! بلاشبہ اللہ کتنے ہی مواقع پر تمھاری مدد فرما چکا۔ اب اس حنین کے دن بھی تمھاری مدد فرمائی کہ جب تمھاری کثرت تعداد نے تمھیں گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تھا، پھر یہ تعداد تمھارے کسی کام نہ آئی اور حنین کی زمین کھلی ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ ہاں! پھر اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) پر اور مومنوں پر اطمینان کی نعمت نازل فرمائی اور غیبی لشکر کے ساتھ تمھاری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو (تمھارے ہاتھوں سے) عذاب دیا۔ کافروں کی کرتوتوں کا یہی بدلہ ہے۔''

ابوداؤد میں ہے: ''حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اکیلے نے حنین کے میدان میں بیس مشرکوں کو قتل کیا۔''

[أبو داوٗد، کتاب الجهاد، باب فی السلب یعطی القاتل : ٢٧١٨ و إسناده حسن لذاته]

صحیح مسلم میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''جنگ میں جدھر بھی نظر اٹھتی، ان کی طاقت دم توڑتی نظر آتی۔ وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ رہے تھے۔''

[مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة حنین : ١٧٧٥]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مشرکوں اور کافروں کو اللہ تعالیٰ نے شکست سے دو چار کیا اور وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں مال غنیمت تقسیم کیا۔''

[مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة حنین : ١٧٧٧]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان پورا ہوا اور ہوازن قبیلے کے ہزاروں مویشی اونٹ

بکریاں وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں۔ وہ بھاگ اٹھے، ان کی عورتیں اور بچے بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے شروع میں شکست سے دوچار کر کے یہ سبق بھی دے دیا کہ بھروسا اور توکل مجھی پر رکھو، اسلحہ اور فوجوں کی تیاری ضرور کرو لیکن اس پر تکبر، گھمنڈ اور توکل مت کرو۔

پیٹ پھاڑ دوں گی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ''حنین کی جنگ کے دوران ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر تھا۔ اس خنجر کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کرتے ہوئے کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ دیکھیے، ام سلیم کے پاس خنجر ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''یہ خنجر کیوں لیے پھرتی ہے؟'' حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو میں ((بَقَرْتُ بِهِ بَطْنَهُ)) ''اس خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ کے رکھ دوں گی۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن کر ہنسنے لگے، پھر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ کہ جن کو آپ نے فتح مکہ کے موقع پر معاف کر دیا، انھوں نے آپ کو شکست سے دوچار کروایا ہے، ان کو قتل کر دو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ام سلیم! اللہ نے ہماری مدد کر دی، اس نے ہم پر احسان وانعام کر دیا (لہٰذا چھوڑ ان باتوں کو)۔''

[مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة النساء مع الرجال : ١٨٠٩۔ أبو داوٗد، كتاب الجهاد، باب فى السلب يعطى القاتل : ٢٧١٨ و إسناده حسن لذاته]

دوران جنگ، یہ ہے انداز ایک مسلمان مجاہدہ خاتون کا کہ اس کی طرف کوئی میلی آنکھ سے کیا دیکھے گا کہ وہ تو مسلح ہے اور فتح کے بعد جب اموال، عورتیں اور بچے مالِ غنیمت اور غلام بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے جذبات کو ٹھنڈا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدی اور مال مویشی ''جعرانہ'' روانہ کر دیئے۔

ہوازن کے مشرکین حنین سے بھاگ کر طائف میں جا کر ڈر کے مارے قلعہ میں محصور ہو گئے اور باقی ''اوطاس'' وادی میں چلے گئے۔

صحیح بخاری کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ''اوطاس'' کے بھگوڑوں کی طرف حضرت ابوموسیٰ اور ابو عامر رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة أوطاس : ٤٣٢٣]

اوطاس کی وادی، طائف اور حنین کے درمیان ہے۔ اللہ کے شیروں نے ''اوطاس'' تک ان کا پیچھا کیا، مشرکوں کو قتل کیا اور سبق سکھا کر واپس ''جعرانہ'' آ گئے۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے خود طائف کا قصد کیا۔ بخاری، کتاب المغازی (۴۳۲۵) میں ہے کہ آپ ﷺ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ حنین سے بھاگ کر مشرک اب یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ صحیح مسلم (۱۰۵۹/۱۳۶) میں ہے محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ مزید برآں! چند غلام بھی قلعے سے اتر کر ساتھ مل گئے۔ آخر کار اللہ کے رسول ﷺ نے محاصرہ ترک کر دیا کیونکہ ''جعرانہ'' میں قیدیوں اور اموال کی تقسیم کے مسائل بھی نبٹانے تھے، لہٰذا آپ ﷺ واپس ہوتے ہوئے ''جعرانہ'' تشریف لے آئے۔

انھیں اونٹ مل گئے، انصار کو رسول اللہ ﷺ :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہوازن کا مال اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ مال تقسیم فرمایا۔ انصار نے تقسیم پر اپنے رنج کا اظہار کیا، کیونکہ آپ ﷺ نے کئی لوگوں کو سو سو اونٹ دیے تھے۔ چنانچہ انصار کہنے لگے: ''اللہ اپنے رسول ﷺ کو معاف فرمائے، آپ (ﷺ) قریش کو عطا فرما رہے ہیں اور ہمیں محروم کر رہے ہیں، حالانکہ ابھی ہماری تلواروں سے دشمن کا خون ٹپک رہا ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''انصار کی یہ بات اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے انھیں بلایا اور چمڑے سے بنے ایک خیمے میں جمع کیا۔ آپ ﷺ نے ان انصار کے علاوہ اور کسی کو نہیں بلایا تھا۔ جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہو

گئے۔" عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے انصار کے لوگو! تمھاری طرف سے ایک بات مجھ تک پہنچی ہے، کیا وہ صحیح ہے؟"

انصار کے دانشور لوگ کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ذمہ دار سردار لوگوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی، ہاں البتہ ہمارے کچھ نوعمر لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمائے، وہ قریش کو عطا کر رہے ہیں اور ہمیں محروم کر رہے ہیں جبکہ ہماری تلواروں سے ابھی ان کا خون ٹپک رہا ہے۔" یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "سنو! میں ایسے لوگوں کو دے رہا ہوں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ میں محض ان کے دل جیتنے کو ایسا کر رہا ہوں۔ کیا تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ لوگ اپنے گھروں میں یہ دنیا اور مال و دولت لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے جاؤ؟ اللہ کی قسم! جو نعمت تم لے کر اپنے گھروں میں جاؤ گے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ لے کر اپنے گھروں میں جائیں گے۔" یہ سنتے ہی انصار کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم اس پر خوش ہو گئے۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: "اگر لوگ ایک وادی میں سفر کر رہے ہوں اور انصار کسی الگ گھاٹی میں جا رہے ہوں تو میں انصار والی گھاٹی میں چلوں گا۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: "میرے بعد دوسرے لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، ایسے حالات میں صبر کرنا حتیٰ کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مل لو اور میں حوض (کوثر) پر ہوں گا۔"

[بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف ...... الخ : ٤٣٣١، ٤٣٣٢]

مسند احمد میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اگر یہ ہجرت نہ کی ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصاریوں کے بیٹوں

پر رحم فرما، انصاریوں کے پوتوں پر رحم فرما۔"

[مسند أحمد : ٣/ ٧٦، ٧٧، ح : ١١٧٣٦ و إسناده صحيح]

بخاری اور مسلم میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں جس کو دے رہا ہوں اس کی نسبت مجھے وہ آدمی کہیں زیادہ محبوب اور پیارا ہے جس کو نہیں دے رہا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ جس کو دے رہا ہوں مجھے ڈر ہے کہ نہ دیا تو کہیں اسلام سے نہ پھر جائے اور اللہ اسے اوندھے منہ جہنم میں نہ پھینک دے۔"

[بخاری، کتاب الجمعة، باب من قال فی الخطبة ...... الخ : ٩٢٣۔ مسلم، کتاب الزکاة، باب إعطاء من يخاف على إيمانه : ١٥٠، بعد ١٠٥٨]

صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سو سو اونٹ تقسیم فرمائے:

① ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ۔

② عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ۔

③ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ۔

④ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ۔

[مسلم، کتاب الزکاة، باب إعطاء المؤلفة ...... الخ : ١٠٦٠]

دوسری بار پھر سو اونٹ دیے۔ اس پر صفوان کہنے لگا: "اللہ کی قسم! مجھے اللہ کے رسول ﷺ دیتے ہی چلے گئے، مجھے ساری دنیا کے انسانوں میں سب سے بڑھ کر آپ ﷺ پر غصہ آتا تھا لیکن آپ ﷺ نے مجھے اس قدر دیا کہ اب آپ ﷺ تمام انسانوں میں سب سے بڑھ کر مجھے پیارے اور محبوب لگتے ہیں۔"

[مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخائه ﷺ : ٢٣١٣]

بخاری اور مسند احمد کے مطابق تقسیم کے بعد اس موقع پر کئی عرب دیہاتی لوگ جو طبیعت کے بڑے سخت تھے، آپ ﷺ کے گرد مانگنے کو ایسے چمٹے کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک درخت کی ٹہنی کے ساتھ معلق ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میری چادر تو مجھے دے دو، اس وادی کے یہ جو بے شمار کانٹے دار درخت ہیں، اگر

میرے پاس اتنے اونٹ ہوں اور (میلوں پر پھیلی) یہ ساری وادی ان سے بھر جائے تو میں یہ سارے اونٹ تم میں تقسیم کر دوں۔ تم مجھے بخیل نہ پاؤ گے کہ میں خرچ نہ کروں، مجھے جھوٹا نہ پاؤ گے کہ میں غلط بیانی کروں۔ مجھے بزدل نہ پاؤ گے کہ (میں دلیر ہوں، مال غنیمت دلیریوں سے ملتا ہے اور دل فراخ ہوں تو تقسیم ہوتا ہے۔")

[بخاری، کتاب الجهاد، باب الشجاعة فی الحرب والجبن : ۲۸۲۱۔ مسند أحمد : ۱۸۴/۲، ح : ۶۷۳۸ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الکبریٰ للبیهقی : ۳۳۶/۶، ۳۳۷، ح : ۱۲۹۳۳ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کس قدر سخی تھے اس کا اندازہ صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی لگائیے جس میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے ابوذر! یہ احد پہاڑ اگر میرے لیے سونے (کی اشرفیوں) کا بنا دیا جائے تو میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تیسری شام پڑ جائے اور اس میں سے میرے پاس ایک دینار بھی بچ جائے، ہاں ایک ہی سبب ہو سکتا ہے اس کے بچنے کا کہ کسی کا قرض دینا ہو۔"

الغرض! میں تو اس کو اللہ کے بندوں میں یوں اور یوں بانٹ دوں۔ آپ ﷺ نے اب اشارہ کرتے ہوئے اپنے سامنے سے لپ بھرا پھر دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے لپ بھرے۔ (مسلم، کتاب الزکاة، باب الترغیب فی الصدقة : ۹۴ بعد ۹۹۱)

(اے اللہ!) جن کو تو نے مال دیا اور وہ حب رسول ﷺ کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان کو اور خاص طور پر ہمارے حکمرانوں کو اپنے عوام میں اسی طرح خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین)

مال غنیمت کس قدر تھا، ابن سعد اپنی کتاب طبقات (۱۵۲/۲) میں لکھتے ہیں :

- اونٹ 24 ہزار تھے۔
- بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں۔

- گھوڑے (تعداد معلوم نہیں)۔
- گائیاں (تعداد معلوم نہیں)۔
- گدھے (تعداد معلوم نہیں)۔
- چاندی چار ہزار اوقیہ۔
- مرد، عورتیں اور بچے جو قیدی بنے چھ ہزار۔

ہوازن مسلمان ہو کر آ گئے:

حضرت مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہوازن کے رؤسا کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا۔ جب وہ جانے لگے اور آپ ﷺ ان کو رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انھوں نے درخواست کی کہ ان کے اموال اور قیدی ان کو واپس لوٹا دیے جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں جواب دیا:

''میرے ساتھ اس وقت جو لوگ ہیں (نئے نئے مسلمان ہونے والے ہیں) ان کو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ سچی اور کھری بات یہ ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو، یا مال لے لو یا قیدی لے لو، میں نے تو تم لوگوں ہی کے خیال سے تقسیم میں تاخیر بھی کی تھی (مگر تم لوگوں نے آنے میں دیر کر دی)۔''

حضرت مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے طائف سے واپس آنے کے بعد دس دن تک ان لوگوں کا انتظار کیا تھا۔'' بہرحال! ہوازن کے وفد کے سامنے جب واضح ہو گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ دو چیزوں میں سے ایک ہی واپس کریں گے تو انھوں نے کہا: ''ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیجیے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب قول الله تعالى ﴿ و يوم حنين إذ...... ﴾: ٤٣١٨، ٤٣١٩]

حضرت مروان اور حضرت مسور رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سب لوگوں سے قیدی واپس لے کر آزاد کر دیئے۔

الغرض، اللہ کے رسول ﷺ ''جعرانہ'' میں مندرجہ بالا امور سے فارغ ہو کر مکہ تشریف

لے گئے، وہاں سے انصار کے ہمراہ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ مکہ اور اس کے مضافات اب اللہ کے رسول ﷺ کی حکمرانی اور نبوت کے نور سے جگمگا رہے تھے۔ وہ شہر جہاں سے آپ ﷺ رات کے اندھیرے میں چھپ کر نکلے تھے اس کی فضائیں اب اللہ کی توحید اور آپ ﷺ کی رسالت کے نغموں سے معمور ہو گئی تھیں۔

قارئین کرام! یہ صورتحال اس دور کی صلیبی سپر پاور کے وارے میں نہ تھی، چنانچہ مسلمانوں پر وہ حملے کے پروگرام بنانے لگے۔ صحیح بخاری (۲۴۶۸، ۴۹۱۳، ۵۱۹۱) کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ مدینہ کے مسلمان غسانیوں یعنی رومی صلیبیوں کے حملے پر تبصرے اور اظہار خیال کیا کرتے تھے۔

صلیبیوں کی رومی سپر پاور بھی دیکھ رہی تھی کہ مسلمان "موتہ" کے میدان میں ان کی سپرمیسی کے لیے موت کا سایہ بن کر منڈلا چکے اور اب تو وہ مکہ بھی فتح کر چکے ہیں۔ طائف کا میدان بھی مار چکے ہیں، یہودیوں سے پہلے ہی فارغ ہو چکے ہیں، چنانچہ ہم نے ان کی فکر نہ کی تو وہ ہماری سپرمیسی کی اجارہ داری کو پوری طرح موت کی وادی میں دھکیل سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ کا قرآن مسلمانوں کے لیے ایک لائحۂ عمل کا اعلان کرتا ہے۔



تبوک میں صلیبیوں پر دہشت کی دھاک

مسلمانو! صلیبیوں پر یلغار کرو:

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''(ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں میں سے) ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کو مانتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول (موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام) نے ان پر حرام کیا تھا اور نہ اب اس دین حق (اسلام) کو اپنا دین ماننے پر تیار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف اس وقت تک برسر پیکار رہو جب تک کہ یہ لوگ اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں اور ماتحت بن کر زندگی نہ گزارنے لگیں۔ (ان کا عقیدہ تو دیکھو!) یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ عیسائی کہتے پھرتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے مونہوں کی باتیں ہیں۔ یہ محض ان کافروں کی ریس کرتے ہوئے ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ انھیں غارت کرے، کیسے بہکے پھرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے مولویوں اور صوفیوں کو رب بنا لیا ہے (بغیر تحقیق ان کی باتیں مانتے چلے جاتے ہیں) مریم کے بیٹے مسیح کو بھی ان لوگوں نے رب بنا لیا، حالانکہ انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی مشکل کشا کی عبادت کریں گے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بہر حال! یہ لوگ جو شرک کرتے پھرتے ہیں، اللہ تو اس سے بہت بلند اور پاک ہستی ہے۔''

[التوبة: ۹/۲۹ تا ۳۱]

اللہ تعالیٰ نے صلیبیوں کے خلاف جہاد وقتال کا حکم دیا تو ان کی وہ کرتوتیں بھی بیان کر دیں جن کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد وقتال ازبس ضروری ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے صلیبیوں کے خلاف لڑنے کا عام اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ سب مسلمان لڑنے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''آپ ﷺ جب بھی کسی جنگی مہم کے لیے نکلتے تو اپنے ہدف کے بارے میں مبہم الفاظ استعمال فرماتے لیکن اب کے آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ وجہ واضح تھی کہ گرمی انتہائی شدید تھی، سفر بہت لمبا تھا، راستہ بیابانوں، صحراؤں اور جنگلوں پر مشتمل تھا اور دشمن کی فوجی تعداد اور استعداد بہت زیادہ (سپر میسی، کی حامل) تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے دشمن کے بارے میں واضح طور پر تعین فرما دیا تاکہ مجاہدین اپنی تیاری بخوبی کر لیں۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالك رضی الله عنه: ٤٤١٨]

قارئین کرام! صلیبیوں کے خلاف جو لشکر تیار کیا گیا، صحیح بخاری (۴۴۱۵) کے مطابق صحابہ اسے ''غزوۂ تبوک'' بھی کہتے تھے اور ''جیش العسرۃ'' بھی کہتے تھے، یعنی مالی، موسمی اور سفری تنگیوں اور تکلیفوں میں نکلنے والا لشکر، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے مخدوش حالات میں لشکر کی تیاری کے لیے جہاد فنڈ کی اپیل کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جہاد فنڈ:

حضرت عبد الرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے جب تنگی کی حالت میں لشکر تیار کرنا شروع کیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس تیاری میں حصہ ڈالنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے۔ اپنے کپڑے میں انھوں نے ایک ہزار دینار ڈال رکھے تھے۔ آتے ہی انھوں نے یہ ساری رقم اللہ کے رسول ﷺ کی جھولی میں ڈال دی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ ان دیناروں کو ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے:

''عفان کے بیٹے کو کوئی پروا نہیں، چاہے آج کے بعد وہ کوئی اور عمل نہ کرے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ جملہ بار بار دہرایا۔"

[مسند أحمد : ٥/ ٦٣، ح : ٢٠٦٥٧ واسناده حسن لذاته۔ کثیر مولی ابن سمرة صدوق حسن الحدیث وثقه العجلی و ابن حبان و الحاکم والذهبی بتصحیح حدیثه والترمذی بتحسین حدیثه مستدرك : ٤/ ٢٧١، ح : ٧٧١٠۔ الترمذی : ٣٧٠١

مزدوری کا ایک کلو اناج :

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "جب ہمیں جہاد فنڈ دینے کا حکم ہوا تو ہم بوجھ اٹھا کر مزدوری کرنے لگے، چنانچہ حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ نصف صاع (ایک کلو کے قریب) کھجوریں لے کر آئے، جبکہ ایک اور صحابی (جو مال دار تھا) وہ کہیں زیادہ لے کر آئے۔ دونوں کے جہاد فنڈ کا یہ منظر منافقوں نے دیکھا تو دوسرے صحابی کے بارے میں کہنے لگے: "اس صدقے کی بھلا اللہ کو کیا ضرورت تھی؟" اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگے: "اس نے اتنا بڑا صدقہ کر کے دکھلاوا کرنا چاہا ہے۔" اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ [التوبة: ٩/ ٧٩]

"وہ مومن جو خوشی خوشی جہاد فنڈ دیتے ہیں، منافق لوگ ان کو (دکھلاوا کرنے کے) طعنے دیتے ہیں اور وہ جو تنگ دستی کے باوجود مزدوری کر کے جہاد فنڈ دیتے ہیں، یہ منافق ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اللہ نے ان منافقوں سے مذاق کیا ہے اور ان کے لیے دردناک سزا تجویز کی ہے۔"

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿ الذین یلمزون المطوعین...... ﴾ : ٤٦٦٨]

یہ منافق جنھوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، ان کا اپنا حال تو یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے آ آ کر کہتے تھے:

﴿ ائْذَنْ لِّیْ وَ لَا تَفْتِنِّیْ ؕ ﴾ [التوبة : ٩/ ٤٩]

"مجھے (گھر میں رہنے کی) اجازت دے دیجیے اور آزمائش میں نہ ڈالیے۔"

جہاد پر نہ نکلنے کا مشورہ دیتے اور حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہتے:

﴿لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ﴾ [التوبة : ٨١/٩]

”گرمی بڑی ہے، جہاد کے لیے مت نکلو۔“

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا﴾ [التوبة : ٨١/٩]

”جہنم کی آگ اس گرمی سے کہیں زیادہ سخت ہے۔“

الغرض، ان منافقوں کا ایک اور رخ یوں تھا کہ جو مسلمان جہاد فنڈ دے رہے ہیں، نکلنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، یہ ان کا مذاق اڑاتے، پھر یہ منافق اپنے اس طرز عمل کو بڑی دانائی خیال کرتے، روشن خیالی سے تعبیر کرتے، وہ سمجھتے کہ یہ نادان اور جذباتی مسلمان کیا کر رہے ہیں؟ کہاں یہ کلو کلو کھجوریں اکٹھی کرنے والے نادار مزدور اور کہاں دنیا کی مالدار ترین سپر پاور؟ ہم بڑے سمجھدار ہیں جو کمال دانائی کے ساتھ اپنی دنیا اور زندگانی کو محفوظ بنائے ہوئے ہیں۔ اپنے اس روشن خیالی والے طرز عمل پر وہ اللہ کے بقول: ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ﴾ بڑے خوش ہوتے ہیں۔

جی ہاں! منافقوں کی یہ حرکتیں بھی جاری ہیں اور مخلص صحابہ کا مومنانہ طرز عمل بھی جاری ہے۔ صحیح بخاری (۴۴۱۵) میں جو صورتحال نظر آتی ہے اس کے مطابق سواریوں کی شدید کمی ہے۔ صحابہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، سواریوں کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ بتلاتے ہیں کہ میرے پاس سواریاں نہیں ہیں، سورۂ توبہ میں نقشہ یوں کھینچا گیا کہ سواریوں کی کمی کا جواب سن کر وہ روتے ہوئے واپس پلٹتے ہیں کہ آہ! جہاد میں شامل ہونے سے محروم رہ گئے۔

اب لشکر مدینہ سے نکلنے والا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بتلاتے ہیں کہ رجب کا مہینا اور سن ۹ ہجری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ شوق جہاد نے ان کا کیا حال کر دیا ہے؟ ذرا ملاحظہ ہو یہ منظر۔

آپ ﷺ صلیبیوں کے خلاف نکل کھڑے ہوئے:

صحیح بخاری (۲۹۵۰) میں ہے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے جمعرات کے دن مدینہ منورہ سے نکلے اور آپ ﷺ جمعرات کے دن نکلنا پسند فرمایا کرتے تھے۔“ صحیح بخاری (۳۷۰۶) میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے تبوک کے غزوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا۔“

مسند احمد (۱/ ۱۷۰، ح: ۱٤٦٧ إسناده حسن لذاته) میں ہے کہ جب آپ ﷺ ”ثنية الوَداع“ کے مقام پر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ مجھے ان لوگوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں جو جہاد پر نکلنے کے بجائے پیچھے بیٹھ رہنا پسند کرتے ہیں۔“ صحیح بخاری ہی میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا: ”آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

> ”کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جاؤ جیسے موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے ہارون (علیہ السلام) تھے۔ (جس طرح موسیٰ نے کوہ طور پر جاتے ہوئے ہارون (علیہ السلام) کو اپنا جانشین بنایا تھا اسی طرح میں تمھیں اپنا جانشین بنا کر جا رہا ہوں) فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة تبوك ...... الخ: ٤٤١٦]

تیز رفتار مجاہد میدان تبوک میں:

حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ چلے گئے اور میدان تبوک میں پہنچ گئے جبکہ میں پیچھے رہ گیا۔ اب میں بھی نکل کھڑا ہوا۔ تیزی سے چلتا ہوا وہاں جا پہنچا جہاں مجاہدین نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ سب لوگ مجھے آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دور سے دیکھا تو فرمایا: ”ابوخیثمہ لگتا ہے۔“ میں حاضر ہو گیا تو میرے لیے دعا فرمائی۔

[مسلم، کتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه: ۲۷٦۹۔
مسند أحمد: ٦/ ۳۸۸، ۳۸۹، ح: ۲۷۲٤۳ و إسناده صحيح]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ 9 ہجری میں یہ لشکر لے کر صلیبیوں کی جانب نکلے۔ جی ہاں! لشکر سوئے منزل چلا جا رہا ہے۔ پیچھے منافقین نے مدینہ میں مسجد بنانا شروع کر دی، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے اجازت تو لے ہی چکے تھے، یہ بہانے بنا کر کہ مسجد نبوی اور مسجد قباء دور ہے، ہم یہاں قریب ہی نمازیں پڑھ لیا کریں گے، لیکن ان کا مقصد اس مسجد کو اڈا بنا کر اپنے مذموم منافقانہ عزائم کی تکمیل تھا۔

چلتے چلتے لشکر اب وادی القریٰ میں پہنچ گیا۔ اس علاقے کو ''حجر'' بھی کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری (۳۳۷۹ بعد ۳۳۴۵) میں ہے کہ لشکر کے کچھ لوگوں نے یہاں کنویں سے پانی پی لیا اور اس پانی سے آٹا بھی گوندھ لیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے حکم دیا: ''جو پانی لیا گیا ہے اسے ضائع کر دیا جائے، آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ پانی لینا ہے تو اس کنویں سے لیا جائے جہاں سے اللہ کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔''

یعنی قوم ثمود کے وہ مشرک کہ جن پر اللہ کا عذاب بھڑک اٹھا، اللہ سے دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے دشمنوں سے اس قدر دشمنی کی جائے کہ ان کے کنویں سے پانی بھی نہ لیا جائے۔ جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ اس علاقے سے جلدی جلدی گزر گئے ہیں، لشکر سوئے منزل رواں دواں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اس سفر میں اللہ کے رسول ﷺ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی کر لیتے تھے، اسی طرح مغرب اور عشاء اکٹھی کر لیتے تھے۔

[مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر : ۷۰٦]

لشکر تبوک جا پہنچا، چشمہ ابلنے لگا:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''ان شاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے۔ جب تک دن نہ چڑھ جائے تم وہاں نہیں پہنچو گے۔ آگاہ رہو! جو شخص بھی اس چشمے پر پہنچے، جب تک میں نہ پہنچ جاؤں وہ چشمے کے پانی کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔'' پھر جب (اگلے روز دن چڑھے) ہم اس چشمے کے پاس پہنچے

تو ہم سے پہلے دو آدمی اس چشمے کے پاس پہنچ چکے تھے۔ چشمے کے پانی کا حال یہ تھا کہ جوتے کے تسمے کی طرح پانی کی باریک دھار ٹپک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ان دو آدمیوں سے پوچھا: ''تم نے اس پانی کو ہاتھ تو نہیں لگایا؟'' انھوں نے کہا: ''جی ہاں! لگایا ہے۔'' اس پر آپ ﷺ نے جو اللہ کو منظور تھا ان دونوں کو برا بھلا کہا (کہ انھوں نے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔)''

اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم پر مجاہدین نے اپنے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی ایک برتن میں جمع کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ اس پانی میں دھوئے۔ پھر وہی پانی اس چشمہ میں ڈال دیا۔ اب تو وہ چشمہ جوش مار کر بہنے لگا، پھر لوگوں نے پانی پینا اور پلانا شروع کر دیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

''اے معاذ! اگر تیری زندگی رہی تو تو دیکھے گا کہ اس پانی کی وجہ سے یہاں باغات ہی باغات ہو جائیں گے۔''

[مسلم، كتاب الفضائل، باب فى معجزات النبى ﷺ : ٧٠٦، بعد : ٢٢٨١]

اس چشمے کا مقام آج بھی موجود ہے۔ یہ چشمہ چودہ سو سال تک متواتر پر جوش پانی سے ابلتا رہا۔ موجودہ سعودی حکومت کے دور میں یہاں ٹیوب ویل لگا دیے گئے۔ نشیبی علاقوں میں لگے ان ٹیوب ویلز کی وجہ سے چشمے کا پانی خشک ہو گیا اور وہی پانی ان ٹیوب ویلز میں منتقل ہو گیا۔ ان ٹیوب ویلز کے بکثرت پانی کی وجہ سے آج تبوک میں ہر جانب باغات ہی باغات نظر آتے ہیں۔ یہ ہے اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ جس کا نظارہ آج بھی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

مدینہ منورہ سے تبوک کا فاصلہ 778 کلو میٹر ہے۔ امام قرطبی اپنی تفسیر ''الجامع لأحكام القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ بدر کے لشکر کی تعداد تین سو اور کچھ اوپر (۳۱۳) تھی۔ غزوۂ احد میں مجاہدین کی تعداد سات سو تھی۔ خیبر میں پندرہ سو تھی۔ فتح مکہ میں دس ہزار، حنین میں بارہ ہزار اور تبوک کے غزوہ میں تیس ہزار تھی اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔ طبقات ابن سعد (۱۲۵/۲) میں غزوۂ تبوک کے مجاہدین کی تعداد تیس ہزار مذکور ہے۔

لشکر کی دہشت پھیل گئی، سپر پاور بھاگ گئی:

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ تبوک میں قیام کے دوران رات کا قیام کرتے تو آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ دور کھڑے پہرا دیتے رہتے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نماز ادا کر لیتے پھر آپ پہرے داروں کی طرف توجہ فرماتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان پہرے دار مجاہدین سے فرمایا: ''مجھے آج رات پانچ ایسے تحائف عنایت فرمائے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے:

① جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، جبکہ مجھ سے پہلے صورتحال یہ ہوا کرتی تھی کہ رسول کو اس کی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا۔

② دشمن پر رعب (دہشت) طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے، خواہ میرے اور ان دشمنوں کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہی کیوں نہ ہو۔ دشمن پر میری دہشت طاری کر دی جاتی ہے۔

③ میرے لیے غنیمتوں کے اموال کھانا حلال کر دیا گیا ہے، حالانکہ مجھ سے قبل لوگ غنیمت کو کھانا گناہ خیال کرتے تھے اور وہ اسے آگ کی نذر کر دیتے تھے۔

④ میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے۔ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا ہے میں وضو کرتا ہوں اور نماز پڑھ لیتا ہوں۔ مجھ سے پہلے لوگ اس انداز کو گناہ خیال کیا کرتے تھے اور وہ صرف اپنے گرجوں اور معبدوں ہی میں نماز پڑھتے تھے۔

⑤ پانچواں تحفہ وہی ہے جو پہلے بھی عنایت کیا جا چکا ہے کہ جو چاہو مانگ لو (یہ اختیار ہر نبی کو دیا گیا) لہٰذا ہر نبی نے ایک دعا کی (اور وہ ہر صورت قبول کی گئی) میں نے اپنی اس خاص دعا کو قیامت کے لیے محفوظ کروا دیا ہے اور وہ دعا تم لوگوں کے لیے ہے اور ہر اس شخص کے لیے ہے جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (یعنی موحدین کے لیے شفاعت)۔''

[مسند أحمد : ۲/ ۲۲۲، ح : ۷۰۸۶ و إسناده حسن لذاته]

پہلا تحفہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت ہر سو پھیلے گی اور صلیبی سپر پاور جس زمین پر قابض ہے اس پر اللہ کے رسول ﷺ کا غلبہ ہوگا۔ دوسرا تحفہ بتلا رہا ہے کہ رومی سپر پاور اللہ کے رسول ﷺ کی دہشت کی وجہ سے مقابلے پر نہیں آئے گی۔ اس خوف نے ان کے جسموں کو دہشت سے بھر دیا ہے کہ موتہ کے میدان میں تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ صلیبیوں کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ اب تیس ہزار کا لشکر تو ان کا بھرکس نکال ڈالے گا، پھر اس لشکر کے سالار بھی خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، لہٰذا انھوں نے مقابلے پر آنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ اس سے سپر پاور کی ''سپر میسی'' خاک میں مل گئی۔

مسند احمد، ابن حبان اور ابوداؤد (۱۲۳۵) میں روایت ہے، اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا اور اس دوران نماز قصر ادا فرماتے رہے۔

[مسند أحمد : ۲۹۵/۳، ح:۱٤۱٤۸، صحیح۔ ابن حبان : ۲۷٤۹، ۲۷۵۲ صحیح]

اللہ اکبر! اللہ کے رسول ﷺ نے اتنے دن یہاں اس لیے قیام فرمایا کہ دشمن جہاں موجود ہو ہم وہاں جانے کے لیے تیار ہیں اور اگر وہ یہاں آنا چاہے تو لشکر پا برکاب ہے۔ تبوک انھی کا علاقہ ہے اور ان کے علاقے میں اسلامی لشکر کی موجودگی صلیبیوں کے لیے للکار ہے، مگر اس للکار کا جواب دینے والے صلیبی گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے ہیں۔ ان کے لشکر جو تیاریاں کر رہے تھے، اب بلوں میں گھس گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صلیبی سپر پاور کے حاشیہ بردار حکمرانوں کو مطیع فرمان کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آیئے! ایسے ایک حکمران کا قصہ ملاحظہ کرتے ہیں۔

سپر پاور کے حاشیہ بردار حکمران سرنڈر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ''دومۃ الجندل'' کے حکمران ''اکیدر'' کی طرف لشکر روانہ فرمایا، اکیدر (مغلوب ہوا اور پھر اس) نے ریشم سے بنا ہوا ایک جبہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس جبے میں سونے کی باریک تاروں کو بنا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا، اس وقت تک ابھی اللہ کے رسول ﷺ نے ریشم کا پہننا

منع نہیں فرمایا تھا۔ بہرحال! آپ ﷺ زیب تن فرما کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے گفتگو نہیں فرمائی اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ لوگ اس جبے کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہے تھے اور حیران دششدر ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اسے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو؟'' وہ کہنے لگے: ''ہم نے ایسا حسین لباس زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔'' آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

((لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِمَّا تَرَوْنَ))

''جنت میں سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے جو رومال ہیں وہ اس جبے سے کہیں بڑھ کر حسین ہیں جسے تم دیکھ رہے ہو۔''

[مسند أحمد : ۳/ ۱۲۱، ۱۲۲، ح : ۱۲۲۳۱ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۷۰۳۷ و إسناده حسن لذاته۔ الترمذی : ۱۷۲۳ و إسناده حسن لذاته۔مسلم : ۲٤٦۸]

اللہ کے رسول ﷺ نے تبوک میں قیام کے دوران یہ فائدہ اٹھایا کہ رومی سلطنت سے ملحق اس عرب علاقے کو اپنا مطیع کر لیا جس کے حکمران رومی سپر پاور کے حاشیہ بردار تھے۔ ان حاشیہ بردار حکمرانوں میں بڑا حکمران ''دومۃ الجندل'' کا اکیدر تھا۔

مدینہ منورہ سے تبوک پونے نو سو کلو میٹر ہے، جبکہ تبوک سے دائیں جانب واقع دومۃ الجندل تبوک سے کوئی ساڑھے تین سو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے دوسرے سرے پر شام کا کوہستانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ دومۃ الجندل کی وادی کو ''سرحان'' کہا جاتا ہے۔ آج کل اسے ''الجوف'' کہا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب واپس مدینہ آئے تو صحیح بخاری (۳۰۸۳) کے مطابق اہل مدینہ نے بچوں کے ساتھ باہر نکل کر ''ثنیۃ الوداع'' کے مقام پر اللہ کے رسول ﷺ کا استقبال کیا۔ امام ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ماہ رمضان میں واپس مدینہ تشریف لائے۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے والا پیش ہوتا ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو پھل پکنے کا زمانہ تھا اور لوگ سائے میں بیٹھ کر آرام کرتے تھے،

جبکہ اللہ کے رسول ﷺ تیاریوں میں مصروف تھے۔ آپ کے ساتھ مسلمان بھی تیاری کر رہے تھے۔ میں روزانہ سوچتا کہ کل سے میں بھی تیاری کروں گا۔ کل آتا تو وہ یونہی گزر جاتا۔ مجھے یقین تھا کہ میں تیاری کرلوں گا کیونکہ وسائل بھی میسر تھے، لیکن وقت یونہی گزر گیا اور اللہ کے رسول ﷺ تیاریاں مکمل کر کے مسلمانوں کو ہمراہ لے کر نکل گئے۔

اب کے بھی میں نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ کل یا پرسوں تک تیاری کرلوں گا اور پیچھے سے لشکر کو جا ملوں گا۔ اسی طرح تین دن اور پھر اور زیادہ دن گزر گئے اور میں کچھ نہ کر سکا۔ اب تو لشکر اس قدر دور جا چکا تھا کہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

جب میں گھر سے نکلتا تو یہ دیکھ کر پریشان ہو جاتا کہ شہر میں وہی چہرے نظر آتے ہیں جن سے نفاق ٹپکتا ہے، یا وہ نظر آتے ہیں کہ جنھیں اللہ نے معذور اور ضعیف قرار دے کر جہاد سے رخصت دے دی ہے۔ آخر وہ دن بھی آ گیا جب یہ مشہور ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ اب ذہن میں یہ سوچ آنے لگی کہ آپ ﷺ کی ناراضگی سے کس طرح بچوں گا؟ پہلے تو یہ سوچا کہ کوئی بہانہ تلاش کرلوں، پھر جب آپ ﷺ بالکل قریب آ گئے تو سوچا کہ حق اور درست بات ہی عرض کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ سفر سے واپس مدینہ تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے، دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر لوگوں کے درمیان پہنچتے۔ آپ ﷺ اپنے اس معمول کے مطابق تشریف فرما ہوئے تو جہاد سے پیچھے رہ جانے والے لوگ آنے لگے اور آ کر قسمیں کھانے اور عذر پیش کرنے لگے۔ یہ لوگ اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی ظاہری حالت کو قبول کیا، بخشش کی دعا مانگی، عہد لیا اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اسے اللہ کے سپرد کر دیا۔

میں بھی حاضر ہوا۔ سلام عرض کی تو آپ ﷺ مسکرائے مگر آپ کی مسکراہٹ غصے کی آئینہ دار تھی۔ آپ ﷺ نے آگے آنے کا حکم دیا اور میں چند قدم آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''تم جہاد میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ کیا تم نے سواری نہ خریدی تھی؟'' میں نے کوئی عذر کیے بغیر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور سچ بول دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے موجود لوگوں سے فرمایا: ''جہاں تک اس کا تعلق ہے اس نے سچ بولا ہے۔

اچھا! اب جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں خود کوئی فیصلہ کریں۔"

میرے علاوہ دو شخص اور بھی تھے جنھوں نے میری ہی طرح سچ بولا اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو مجھے کہا وہی ان سے کہا۔ وہ تھے مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہ۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کیا کہ سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے بائیکاٹ کر دیں، کلام تک نہ کریں۔ ہمارے لیے تو دنیا ہی بدل گئی۔ میرے دونوں ساتھی گھروں میں بیٹھے روتے رہتے تھے۔ میں ہمت کر کے باہر نکلتا۔ مسجد میں جا کر نماز پڑھتا مگر کوئی بھی مجھ سے کلام نہ کرتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو سلام کرتا اور پھر انتظار ہی کرتا رہتا کہ ہونٹ مبارک ہلتے ہیں یا نہیں، مگر کہاں؟ ایک دن جب میرے اندر کے ابال نے مجھے حد درجہ پریشان کر دیا تو میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقتادہ کے باغ میں چلا گیا، میں اسے بلاتا رہا مگر وہ نہیں بولا۔ میرے آنسو پھوٹ نکلے اور واپس چلا آیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ شام کا رہنے والا ایک کاشتکار جو غلہ بیچنے مدینہ آیا تھا، وہ لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا کہ کعب بن مالک کہاں رہتا ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ وہ میرے پاس آگیا اور مجھے غسان کے صلیبی حکمران کا خط دیا۔ میں نے خط کھولا تو اس میں لکھا تھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے صاحب (محمد ﷺ) تمھارے ساتھ زیادتی کرنے لگے ہیں، تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو کہ جسے یوں ضائع کر دیا جائے، تم ہمارے پاس آؤ، ہم عزت دیں گے۔"

میں نے اپنے آپ سے کہا یہ ایک اور آزمائش آ گئی۔ میں نے اس خط کو تندور میں پھینک کر جلا دیا، جب بائیکاٹ کو چالیس دن گزر گئے تو اللہ کے رسول ﷺ کا ایک اور حکم آگیا۔ قاصد کے ذریعے آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ۔" میں نے پوچھا: "طلاق دے دوں یا کیا کروں؟" حکم ہوا صرف اس سے جدا رہو، قریب مت جاؤ۔ اب میں نے بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا اور کہا کہ جب تک کوئی حکم نہ آئے وہیں رہو۔

ہلال بن امیہ بزرگ آدمی تھے۔ ان کی بیوی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئی اور عرض کرنے لگی: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہلال تو بہت ہی بوڑھا اور کمزور آدمی ہے، کوئی خادم بھی نہیں، اگر خدمت کی اجازت ہو تو کر دیا کروں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے خدمت کر دیا کرو، مگر وہ تم سے میاں بیوی والا تعلق قائم نہ کرے۔" بیوی نے کہا: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) وہ بے چارہ اس قابل کہاں؟ وہ تو حرکت بھی نہیں کر سکتا اور وہ تو ہر وقت روتا ہی رہتا ہے۔"

الغرض، جب پچاس دن پورے ہو گئے تو میں نے سنا، سلع پہاڑ کی چوٹی پر ایک شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا: "کعب بن مالک خوش ہو جا۔" میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور سمجھ گیا کہ توبہ قبول ہو گئی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا تھا۔ لوگ مبارکبادیں دینے لگے۔ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے یوں تھا جیسے چاند کا ٹکڑا دمک رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہمارا فیصلہ کر دیا تھا:

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [التوبة: ۱۱۸/۹]

"اور وہ تین کہ جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا اللہ نے ان پر بھی مہربانی فرما دی۔ صورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہو گئی۔ دنیا تو کیا ان کے اپنے وجود ان کے لیے بوجھ بن گئے۔ انھیں بھی یقین تھا کہ اللہ کے علاوہ ان کے لیے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔ آخر اللہ نے ان پر مہربانی کر کے توجہ فرما دی، تاکہ وہ اللہ کی طرف متوجہ رہیں۔ یقیناً اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔"

[بخاری، کتاب المغازی، (باب) حدیث کعب بن مالك...... الخ: ٤٤١٨]

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے واقعہ کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے ہم نے انھی کے الفاظ میں اسے مختصر کر کے بیان کیا ہے۔ اس سارے واقعہ سے جس بات کا اظہار ہوتا ہے وہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی کوتاہی پر گرفت کرتا ہے اور منافقوں کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ وہ تو ہیں ہی منافق۔ غصہ ہمیشہ اپنوں کی غلط روش پر آتا ہے، غیروں پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جیسا صدق، وفا شعاری اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔

قارئین کرام! عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا، وہ اور اس کے لوگ تو آس لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمانوں کا لشکر صلیبی سپر پاور کے ہاتھوں برباد ہو جائے گا، جو بچے کھچے مدینہ میں آئیں گے انھیں ہم قیدی بنا لیں گے، مگر ان کی یہ ساری آسیں اور امیدیں خاک میں مل چکی تھیں۔ اللہ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ توبہ میں یہ بھی بتلا دیا کہ ان لوگوں نے جو مسجد بنائی ہے یہ ''ضرار'' ہے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا اڈا ہے، اس میں افتتاح کرنے کو مت جانا، چنانچہ للہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے اس اڈے کو اپنے جاں نثار صحابہ کے ہاتھوں منہدم کروا دیا۔ اس سے عبداللہ بن ابی صدمے سے نڈھال ہو گیا۔

منافقوں کا سردار صدمے سے مر گیا:

صحیح بخاری (۱۲۶۹) میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کا صاحبزادہ عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رب تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قمیص دے دیں، تاکہ وہ اپنے باپ کو اس میں کفن دے سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔

صحیح بخاری (۱۳۵۰، ۳۰۰۸) ہی کی روایت ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب بدر کی جنگ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ قیدی بن کر مدینہ آئے تھے تو ان کے بدن پر قمیص نہیں تھی، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص زیب تن کروانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیصیں دیکھنا شروع کیں۔ انصار نے بھی قمیصوں کی تلاش شروع کی مگر (قد لمبا ہونے کی وجہ سے) کوئی قمیص حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پوری نہ آئی۔ آخر کار انصار عبداللہ بن ابی کی قمیص لائے، وہ پوری طرح فٹ آئی۔ یہ قمیص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنا دی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے احسان کا بدلہ ضرور دیتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اپنی

قمیص اتاری اور اسے دے دی۔

صحیح بخاری (۴۶۷۲) کی روایت میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قمیص ملنے کے بعد عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے گزارش کی کہ آپ جنازہ بھی پڑھا دیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، تاکہ جنازہ پڑھا دیں۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے کپڑے کا پلو پکڑا اور عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ اس کا جنازہ پڑھانے جارہے ہیں، اللہ نے آپ کو اس کے بارے میں استغفار کرنے سے روکا ہے'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے:

﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۚ ﴾

[التوبة:۹/ ۸۰]

''(میرے نبی!) آپ ان منافقوں کے لیے بخشش مانگیے یا نہ مانگیے (کوئی فرق نہیں پڑتا) آپ ستر بار بھی ان کے لیے بخشش مانگیں گے تو اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔''

اب میں ستر بار سے زیادہ بخشش مانگ لوں گا۔''

صحیح بخاری (۱۲۷۰) میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی کو قبر میں لٹا دیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اسے قبر سے نکلوایا۔ اپنے تھوک مبارک کو اس پر چھڑک دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (دفن اور دعا کا) تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ سورۂ براءۃ (التوبہ) کا یہ مقام آپ ﷺ پر نازل ہو گیا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ [التوبة : ۹/ ۸٤]

''(میرے نبی!) ان منافقوں میں سے جو بھی مر جائے آئندہ کبھی اس کا جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا۔ یقیناً ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور یہ نافرمانیاں کرتے ہوئے مرے ہیں۔''

[بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ استغفرلهم أولاتستغفر لهم ﴾ ...... الخ : ٤٦٧١]

قارئین کرام! عبد اللہ بن ابی زندگی بھر اللہ کے رسول ﷺ کو ستاتا رہا لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی پھر بھی کوشش یہ رہی کہ ہو سکتا ہے میری دعاؤں سے اللہ اسے بخش دے لیکن اللہ نے نا صرف یہ کہ بخشنے سے انکار کر دیا بلکہ اپنے نبی کو آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ وہ احکم الحاکمین ہے، جو چاہے فیصلہ فرمائے اور حکم صادر کرے۔

عبد اللہ بن ابی کو یہی صدمہ لے بیٹھا کہ مسلمان نہ صرف یہ کہ سلامت واپس آ گئے ہیں بلکہ سپر پاور بھی ان سے مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ اٹھی ہے، لہٰذا وہ کس باغ کی مولی ہیں؟ یہ اتنا بڑا صدمہ تھا یوں محسوس ہوتا ہے منافقوں کا سردار اسی سے مر گیا، منافقت کی کمر ٹوٹ گئی اور اللہ نے واضح کر دیا کہ اسلام کا وہ درخت جسے اللہ کے رسول ﷺ نے متواتر قربانیوں اور شہادتوں کا پانی دیا، اب اس پر آکاس بیل کے پننپے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

جی ہاں! اب وقت آ گیا ہے کہ مشرکوں کی رہی سہی عزت و سیادت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب حج أبی بکر بالناس فی سنة تسع : ٤٣٦٣، ٤٦٥٧]

جی ہاں! ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چلے اور ادھر اللہ کا ایک فیصلہ اپنے نبی ﷺ پر نازل ہوا۔ ملاحظہ ہو!



جزیرۃ العرب پر اسلام کا پھریرا

مشرکوں سے عہد و پیمان کے خاتمے کا اعلان:

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ [التوبة : ۹/۱تا۳]

''(مسلمانو!) وہ مشرک جن سے تم نے معاہدے کیے تھے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان معاہدوں سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ان مشرکوں کو زمین پر چار ماہ تک کھلے پھرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ انھیں جان لینا چاہیے کہ (ان کا مقابلہ اللہ سے ہے اور) یہ اللہ کو تو نیچا نہیں دکھا سکتے اور (یہ کافر جو آج رسوائی سے دوچار ہیں) ان کو اللہ ہی ذلت سے دوچار کرنے والا ہے۔ بہر حال! حج اکبر کا جو دن ہے اس موقع پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے واضح اعلان ہے۔ تمام لوگ آگاہ ہو جائیں۔ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔ (شرک پر جمے رہنے والو!) اب بھی شرک سے توبہ کر لو تو یہ توبہ تمھیں فائدہ دے جائے گی اور اگر توحید سے منہ موڑے رہو گے تو یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ پھر تم اللہ کو تو جھکانے سے رہے۔ (میرے نبی!) ان ناشکرے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔''

قارئین کرام! مشرکین کا جب اقتدار ختم ہو گیا، غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، مشرکین کی اکثریت مسلمان ہو گئی اور انفرادی طور پر بکھرے ہوئے ہٹ دھرم مشرک باقی رہ گئے تو ان سے اب کیا معاہدہ؟ معاہدے حکومتوں کے مابین تھے اور حکومت اب مشرکین کی رہی نہیں، چنانچہ معاہدے ختم کر دیے گئے۔

سبحان اللہ! غلبہ حاصل کر کے بھی اسلام کس قدر طے شدہ اصولوں اور معاہدوں کی پابندی کرتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ معاہدے کے تسلسل کا جواز باقی نہیں رہا مگر پھر بھی یہ معاہدے صرف ان مشرکوں سے توڑے گئے جنھیں معاہدے توڑنے کی عادت تھی اور وہ ایسا کئی بار کر چکے تھے۔ مشرکین میں سے وہ مشرک جنھوں نے معاہدوں کی ہمیشہ پابندی کی ان سے ایسا سلوک نہیں کیا گیا۔ سورۂ توبہ کی اگلی ہی آیت میں مسلمانوں کو یہ درس دیا گیا:

﴿ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴾ [التوبة: ٩/٤]

''ان مشرکوں میں سے وہ لوگ جنھوں نے (اے مسلمانو!) تم سے معاہدہ کیا پھر انھوں نے اسے پورا کرنے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ طے شدہ معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔ یاد رکھو! اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔''

جی ہاں! یہ ہے اسلام جو فاتح بن کر اور غلبہ پا کر بھی اپنے پیروکاروں کو عادلانہ اصولوں اور ضابطوں سے سرمو انحراف نہیں کرنے دیتا اور اپنے پیروکاروں کو بتلاتا ہے کہ جو ان اصولوں کی پابندی کرے گا، ان کو توڑنے اور روندنے سے پرہیز کرے گا، وہ متقی ہے، پرہیزگار ہے اور اللہ ایسے لوگوں سے پیار کرتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان:

حضرت زید بن اثیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ کو حج کے موقع پر جس اعلان کے لیے روانہ کیا گیا تھا وہ تو بتلایئے'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا: ''اللہ کے

رسول ﷺ نے مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کے موقع پر بھیجا تو چار چیزوں کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ))

''ایک یہ کہ جنت میں مومن کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔''

دوسری:

((لَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ))

''ننگا ہوکر کعبے کا کوئی طواف نہ کرے۔''

تیسری یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ اور جس کے درمیان معاہدہ ہے وہ صرف معاہدے کی مدت تک ہے (مزید تجدید نہیں ہوگی) اور جس کے ساتھ کوئی عہد نہیں اس کے لیے مہلت کا عرصہ چار ماہ ہے اور چوتھی چیز یہ کہ اس سال کے بعد ایسا نہیں ہوگا کہ مشرک اور مسلمان مل کر حج کریں۔''

[مسند أحمد : ۷۹/۱، ح : ۵۹٦، صحیح۔ الترمذی، باب ما جاء فی کراهية الطواف عریانًا : ۸۷۱ صحیح۔ مسند حمیدی : ۲٦/۱، ۲۷، ح : ٤۸ صحیح]

صحیح بخاری میں ہے:

((وَ اَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ))

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله : ﴿ فسيحوا فی الأرض...... ﴾: ٤٦۵۵]

''مشرک اس سال کے بعد حج نہیں کرے گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اعلانات سے عرب دنیا کو آگاہ کر دیا، خبردار کر دیا، شرک اور فحاشی کے خاتمے کا اعلان کر دیا، باقی ماندہ مشرکین کی سیاست وچودھراہٹ کو ختم کر کے رکھ دیا۔

قارئین کرام! ذرا ملاحظہ کیجیے: مکہ فتح ہوا تو ہزاروں لوگ ایک دن میں مسلمان ہوگئے۔ حنین میں ہوازن کی کمر ٹوٹی تو اطراف واکناف سے لوگوں کے وفود آنے لگے اور دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے۔ تبوک میں سپر پاور دہشت کے مارے بھاگ گئی تو اب تو وفود کے مزید

تانتے بندھ گئے۔ قافلوں کے قافلے مسلمان ہونے لگے۔ لوگ فوج در فوج مسلمان ہونے لگے۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر سبقت لے جانے لگے۔

جی ہاں! جزیرۃ العرب جس کے مشرقی حصوں پر مجوسی سپر پاور کا کنٹرول تھا اور مغربی حصوں پر صلیبی سپر پاور کا کنٹرول تھا۔ وسطی عرب پر بے شمار قبائل حکمران تھے۔ وہ جزیرۃ العرب اپنی تاریخ میں پہلی بار ایک پرچم تلے متحد ہو گیا تھا۔ دینی اور سیاسی لحاظ سے ایک پرچم تلے اتحاد ایک معجزہ تھا۔ یہ رونما ہوا تھا آخری رسول گرامی جناب محمد کریم ﷺ کے دست مبارک سے۔ آیئے! اب وفود کی آمد کا نظارہ کرتے ہیں۔

قافلے اور وفود......فوج در فوج:

حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”قبیلہ سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا سردار بنا کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک وفد کے ساتھ بھیجا۔ وہ آیا اور اس نے اپنے اونٹ کو مسجد نبوی کے دروازے پہ لا بٹھایا۔ ضمام نے اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ضمام بڑا مضبوط قد کاٹھ کا آدمی تھا۔ دائیں بائیں اس کے بالوں کی لٹیں تھیں۔ وہ سیدھا چلتا ہوا آیا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کے درمیان آپ ﷺ کے سامنے آن کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

ضمام: ”تم لوگوں میں عبد المطلب کا بیٹا کون ہے؟“

صحابہ: ”یہ گورے رنگ والے جو دو تکیوں کے درمیان ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔“

ضمام: ”یہ محمد (ﷺ) ہے؟“

رسول اکرم ﷺ: ”کہو میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔“

ضمام: ”میں آپ (ﷺ) سے چند سوال کروں گا اور سوال پوچھنے میں سختی کروں گا، میری سختی کو محسوس نہ کرنا۔“

رسول اکرم ﷺ: ”میں بالکل محسوس نہیں کروں گا، جو دل میں آتا ہے پوچھو۔“

ضمام: ”وہ رب جو تمھارا بھی رب ہے اور تم سے پہلے جو لوگ گزر گئے ان سب کا بھی رب اور

مشکل کشا ہے، وہ سارے انسان جو تمھارے بعد پیدا ہوں گے ان سب کا معبود ہے، میں اس کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا اس اللہ نے تم کو ہماری طرف اور تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟"

رسول اکرم ﷺ: "بالکل۔"

ضمام: "میں تمھیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو تمھارا بھی مشکل کشا ہے اور ان لوگوں کا بھی مشکل کشا ہے جو تم سے پہلے تھے اور ان لوگوں کا بھی حاجت روا ہے جو تمھارے بعد آنے والے ہیں، کیا اس اللہ نے تجھے یہ حکم دیا ہے:

((اَنْ نَعْبُدَہٗ وَحْدَہٗ لَا نُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَّ اَنْ نَخْلَعَ هٰذِهِ الْاَنْدَادَ الَّتِيْ كَانَ اٰبَآؤُنَا يَعْبُدُوْنَهَا مَعَهٗ))

"ہم اس ایک ہی کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور یہ کہ ہم اللہ کے ان سارے مد مقابل بزرگوں سے قطع تعلق ہو جائیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے"

رسول اکرم ﷺ: "بالکل ٹھیک ہے۔"

ضمام: "میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ (ﷺ) کو حکم دیا ہے کہ ہم دن رات میں پانچ نمازیں ادا کریں؟"

رسول اکرم ﷺ: "ہاں! مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔"

ضمام: "میں اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ بھی اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں ماہ رمضان کے روزے رکھیں؟"

رسول اکرم ﷺ: "ہاں! اللہ ہی نے حکم دیا ہے۔"

ضمام: "اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے امیر لوگوں سے زکوٰۃ لیں اور اسے ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دیں؟"

رسول اکرم (ﷺ): ''ہاں! اللہ نے حکم دیا ہے۔''

ضمام: ''آپ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں میں اس پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ میں فرائض ادا کروں گا اور جس بات سے آپ مجھے منع کریں گے میں اس سے رک جاؤں گا۔ میں اپنی مرضی سے اس دین میں نہ اضافہ کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ میرے پیچھے میری قوم ہے۔ میں انھی کی طرف سے آیا ہوں۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، میں بنو سعد بن بکر کا فرد ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ شخص پلٹ کر اپنے اونٹ کی طرف چلنے لگا، جب وہ مڑ کر جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنْ يَصْدُقْ ذُو الْعَقِيصَتَيْنِ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ»

''اگر یہ دو لٹوں والا سچ بولتا ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ پھر وہ اپنے اونٹ کے پاس آیا، اس کے گھٹنے کی رسی کو کھولا، یہاں سے نکلا اور اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ قوم کے سارے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پہلا جملہ جو اس نے اپنی زبان سے نکالا وہ یہ تھا:

«بِئْسَتِ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى»

''لات اور عزیٰ نے بھی کیا خباثتوں میں ڈال رکھا تھا۔''

لوگ کہنے لگے: ''ضمام! زبان سنبھال کر بات کر (اِتَّقِ الْبَرَصَ وَ الْجُذَامَ) برص اور کوڑھ کی بیماریوں سے بچ (اِتَّقِ الْجُنُونَ) بزرگوں کی گستاخی سے پاگل ہو جائے گا، بچ جا!''

حضرت ضمام اپنی قوم سے کہنے لگے:

«وَيْلَكُمْ! اِنَّهُمَا وَاللّٰهِ! لَا يَضُرَّانِ وَلَا يَنْفَعَانِ، اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ بَعَثَ رَسُولًا وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابًا اِسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِمَّا كُنْتُمْ فِيهِ»

''تمھارا بیڑا غرق! یہ دونوں! اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ دونوں مل کر بھی نہ کچھ

بگاڑ سکتے ہیں، نہ ہی کچھ سنوار سکتے ہیں، سنو! اقتدار و جلال والے اللہ نے ایک رسول (ﷺ) بھیجا ہے، اس پر کتاب اتاری ہے، جن جہالتوں میں تم پڑے ہوئے ہو وہ اس کتاب کے ذریعے تم کو ان سے بچاتا ہے۔"

پھر کہنے لگا: "سنو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اس رسول ﷺ سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس نے جو کرنے کا حکم دیا اور جس سے منع کیا وہ احکام لے کر تمھارے پاس آیا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: "اللہ کی قسم! اس روز شام نہ ہوئی تھی کہ ساری قوم مسلمان ہوگئی۔ کوئی ایک مرد اور عورت بھی ایسی نہ تھی جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ جس قدر بھی قوموں اور قبیلوں کے وفد آئے ان میں ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہ تھا۔"

[بخاری، کتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث : ٦٣۔ مسند أحمد : ٢٦٥،٢٦٤/١، ح : ٢٣٨٤ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرك حاكم : ٥٥،٥٤/٣ ح : ٤٣٨٠ و إسناده حسن لذاته محمد بن الوليد صدوق حسن الحديث وثقه ابن حبان، والدارقطني والحاكم والذهبي بتصحيح حديثه تهذيب الكمال ٥٤٨/٦ ت ٦٢٦٧]

صحیح بخاری کے مطابق "بنوتمیم" قبیلہ، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھا، مدینہ میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔

[بخاری : ٤٣٦٦،٤٣٦٥]

بنو عامر قبیلے کے لوگ اللہ کے رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی آپ ﷺ کی تعریفیں کرنے لگے کہ آپ (ﷺ) ہمارے سردار ہیں، آپ (ﷺ) بے پناہ لطف و کرم والے ہیں، آپ (ﷺ) انتہائی اعلیٰ مقام والے ہیں، لوگوں کی ضیافتوں کے لیے آپ (ﷺ) کے بڑے برتن چمک دکھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کرنے والی جو بات ہے وہ کرو، یہ سامنے تعریفیں تو شیطان کا بہکاوا ہے۔"

[أبو داوٗد، كتاب الأدب، باب في كراهية التمادح : ٤٨٠٦ و إسناده صحيح ۔

مسند أحمد : ٢٠٦/٤، ح : ١٦٣١٧ و إسناده صحيح]

بحرین سے بھی لوگ آ گئے۔ امام بخاری "الادب المفرد (٦٠٠ إسناده حسن لذاته)" میں بتلاتے ہیں کہ ''عبد القیس'' قبیلے کا وفد بھی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے لوگوں نے سواریوں سے چھلانگیں لگائیں۔ سواریاں اور سامان اسی طرح چھوڑا۔ کوئی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگا اور کوئی بھاگنے لگا، کوئی معمول کی چال پر تھا۔ یہ سب بھاگم بھاگ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ کو پکڑا اور اسے بوسا دیا۔ اس وفد کا جو سردار تھا، اس کا نام ''اشج'' تھا۔ وہ سب سے پیچھے رہ گیا۔ اس نے سواریوں کو بٹھایا۔ اپنے لوگوں کے سامان کو سنبھالا۔ صحیح مسلم (١٨) میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تیرے اندر دو خوبیاں ایسی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو پسند ہیں، وہ ہیں۔ (اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ) بردباری اور ضبط وتحمل۔

صحیح بخاری (٨٩٢، ٤٣٧١) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی مسجد کے بعد پہلی مسجد جس میں جمعہ شروع ہوا وہ بحرین میں ''جواثی'' گاؤں میں بننے والی مسجد ہے۔

مسند احمد (١٥٥/٣ وإسناده حسن لذاته) میں ہے کہ اشعری قبیلہ بھی حاضر ہوا، ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ مزینہ کے قبیلے کا وفد بھی آیا۔ (ابو داؤد : ٥٢٣٨ حسن)

صحیح بخاری (٤٣٩٢) میں ہے دوس قبیلے کے لوگ بھی حاضر ہو گئے۔

یمن کے لوگ بھی آ گئے۔ ابن ماجہ (٢٦١٢ و إسناده حسن لذاته)

کندہ کے وفد نے حاضری لگوا دی۔ مسلم (٢٩٤٢) میں ہے کہ تمیم داری بھی آ گئے۔

الغرض، قبیلے آ آ کر مسلمان ہو رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھی گورنر بن بن کر ان علاقوں میں جا رہے تھے اور وہاں سے قبول اسلام کی خبریں آ رہی تھیں، بت ٹوٹ رہے تھے اور آستانے منہدم ہو رہے تھے۔ یمن کے حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور پھر ایک بت خانہ ڈھاتے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی (٤٣٥٧) میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''مجھے اللہ کے رسول ﷺ کہنے لگے:

((أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ ؟))

''ذی الخلصہ (کے بت خانے) کو ڈھا کر تم مجھے سکون کیوں نہیں پہنچاتے؟''

چنانچہ میں نے ''احمس'' قبیلے کے ڈیڑھ سو گھڑ سواروں کو لیا اور بت خانے کو مسمار کر دیا، پھر ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ (ﷺ) نے احمس قبیلے کے سواروں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا فرمائی۔''

صحیح بخاری کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ یمن کا یہ جو آستانہ تھا اسے ''کعبہ'' کہا جاتا تھا، یعنی یہ بہت بڑا بت خانہ تھا۔

الغرض، اس کے انہدام پر اللہ کے رسول ﷺ بے پناہ خوش ہوئے۔ اتنے خوش کہ پانچ بار برکت کی دعا کی۔ بت شکن مجاہدوں کے لیے ہی نہیں بلکہ جو گھوڑے بت شکنی کی مہم میں استعمال ہوئے آپ ﷺ نے ان کے لیے بھی برکت کی دعا کی۔ بخاری (۳۸۲۲) اور مسلم (۲۴۷۵) میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''پھر تو جب بھی اللہ کے رسول ﷺ مجھے دیکھتے مسکرا پڑتے۔''

جی ہاں! 9 ہجری کا سال جزیرۃ العرب میں شرک کی تباہی و بربادی کا سال تھا۔ شیطان کے رونے دھونے اور واویلہ کرنے کا سال تھا۔ سعودی حکومت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمان آل سعود کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے کہ سعودی عرب میں توحید کی یہ بہاریں آج بھی اسی طرح دل کو فرحت بخشتی ہیں، سینے کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔ کیا شک ہے مومن کا سینہ توحید کی بہاروں کے جھونکوں سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔

قارئین کرام! سارے وفود، قبیلے اور قافلے جو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مشرک تھے، مسلمان ہو گئے۔ ان وفود میں سے ایک وفد ذرا ہٹ کر تھا، یعنی یہ وفد اہل کتاب میں سے عیسائیوں کا وفد تھا۔ ان کا تعلق ''نجران'' سے ہے۔ یہ وفد مدینہ میں حاضر ہوا ہے۔ یہ ساٹھ افراد پر مشتمل ہے۔ آیئے! اس وفد کے حالات ملاحظہ کرتے ہیں۔

نجران کے عیسائی وفد کو مباہلے کا چیلنج :

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ نجران کے دو سردار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، ایک کا نام عاقب تھا، دوسرے کا نام سید تھا۔ دونوں نے ارادہ کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ''مباہلہ'' کریں، پھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مباہلے کے لیے تیار ہو گئے تو ایک سردار اپنے دوسرے ساتھی سے کہنے لگا: ''مباہلہ نہ کر، کیونکہ اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہوئے اور ہم ''مباہلہ'' کر بیٹھے تو اللہ کی قسم! نا صرف یہ کہ ہم خود برباد ہو جائیں گے بلکہ ان کا بھی بیڑا غرق ہو جائے گا جو ہمارے پیچھے ہیں۔'' اس کے بعد دونوں سردار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: ''آپ ہم سے جو مانگیں گے ہم دیں گے (جزیہ کی وصولی کے لیے) آپ ہمارے ساتھ کوئی امانتدار آدمی روانہ کر دیجیے، بندہ دیانتدار ہی ہونا چاہیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مخاطب کر کے کہا: ''میں تمھارے ساتھ امانتدار بندہ ہی روانہ کروں گا، ایسا امانتدار کہ امانت کا حق ادا ہو جائے گا۔'' اب تو صحابہ کی نگاہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گڑ گئیں کہ دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس کا نام لیتے ہیں؟ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عبیدہ بن جراح! کھڑے ہو جاؤ۔'' اور جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هٰذَا اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ))

''یہ اس امت کے امین ہیں۔''

[بخاري، (باب) قصة أهل نجران : ٤٣٨٠]

''مباہلہ'' کا مطلب ہے دو فریق ایک دوسرے کے لیے بد دعا کریں، یعنی اے اللہ! جو جھوٹا ہے اسے تباہ و برباد کر دے۔

چنانچہ یہ لوگ جتنے دن یہاں رہے، ضیافتیں کھاتے رہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مہمان نوازی کرتے رہے اور آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔

نجران کا یہ علاقہ کہ جہاں کے باسی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے عرب تھے، تھوڑے ہی عرصہ میں سارے مسلمان ہو گئے۔ سید اور عاقب تو واپس پلٹتے ہی مسلمان ہو گئے۔ نجران

سعودی عرب کا اہم صوبہ ہے، آثار قدیمہ سے مالا مال ہے، یمن کی حد پر واقع ہے۔ نجران شہر کو سعودی حکومت نے خوب ترقی دی ہے۔ یہ مملکت سعودی عرب کا ایک خوبصورت اور تاریخی شہر ہے، جس کی آبادی 75 ہزار کے قریب ہے۔

قارئین کرام! عیسائیوں کا یہ علاقہ مسلمان ہوا تو دعوت سے مسلمان ہوا۔ ان پر کوئی جبر نہ تھا۔ جس کا دل چاہے عیسائی رہے اور جس کا دل چاہے وہ مسلمان ہو جائے مگر اس کے برعکس عیسائیوں نے کیا کیا۔ آج کے حالات ہی ملاحظہ فرما لیں۔ موجودہ دور جس کو مہذب کہا جاتا ہے، امریکہ اور مغرب کی جدید دنیا اعلیٰ تہذیب کی علمبردار ہے، ان لوگوں نے اکیسویں صدی کا آغاز ہوتے ہی افغانستان پر حملہ کیا، اس حملے کے بارے میں امریکہ کے صدر بش نے واضح طور پر کہا: ''صلیبی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔'' اس فوجی حملے کے ساتھ ہی اسلام کی توہین کا بھی آغاز کر دیا گیا۔ 24 اکتوبر 2002ء کو امریکہ سے شائع ہونے والے ایک میگزین ''باڈی بلڈرز'' نے عجیب وغریب مضمون شائع کیا۔ مضمون کا عنوان رکھا گیا ''کیلیفورنیا مکہ''...... مضمون نگار ''انیتا'' نے لکھا:

''دنیا کا سب سے بڑا مکہ سعودی عرب میں ہے۔ ایک مسلمان کے ہاں یہ محمد (ﷺ) کی جائے پیدائش ہے، اس لیے یہ اسلام کا مقدس شہر ہے، لیکن ایک باڈی بلڈر کے لیے بہت سارے مکے ہیں۔ کوئی کیلیفورنیا کے ساحل پہ مکہ ہے اور کوئی کسی اور ساحل پہ۔'' اس کے بعد جوا خانوں میں فاحشہ عورتوں کی حیا سوز تصاویر دی گئی ہیں اور لکھا ہے کہ یہ عورتیں مردوں کے ہمراہ فلاں مکہ میں رنگ رلیاں منا رہی ہیں۔

قارئین کرام! انگریزی میں جوا خانے کا نام ''MECCA'' رکھا گیا، یہ ایک شرارت تھی۔ تاہم یہ مدتوں سے چل رہی تھی، اب مکہ مکرمہ کو انگریزی میں لکھنا ہوتا تو دنیا بھر میں سپیلنگ یہی چلتے تھے۔ سعودی حکومت کو جب یہ شرارت معلوم ہوئی تو حکومت کی دینی غیرت کو سلام کہ حکومت نے فوراً مکہ کے سپیلنگ تبدیل کر دیے اور مکہ کو یوں لکھنے کا حکم جاری کیا: (MAKKA)...... لیکن شرارت ملاحظہ ہو چکی، صلیبی اسے کرنے سے باز نہیں آئے اور امریکہ

کے میگزین نے مکہ کے تقدس کو پامال کر کے مسلمانوں کو ذہنی اذیت سے دوچار کیا۔

اس کے بعد امریکی فوج کے میجر جنرل کی نگرانی میں گوانتا ناموبے میں قید مسلمان قیدیوں کے سامنے قرآن مجید کے اوراق کو طہارت کے لیے بطور ٹشو پیپر استعمال کیا گیا۔ قرآن کو کتے کے منہ میں پکڑوا کر تصاویر عالمی میڈیا کو جاری کر دی گئیں۔ امریکی فوجیوں نے قرآن پر ڈانس کیا۔ امریکی میگزین ''نیوزویک'' میں یہ خبر شائع ہوئی تو دنیا بھر کے مسلمانوں نے اپنے جذبات کا اظہار اور احتجاج شروع کر دیا۔ پاکستان میں تمام جماعتوں کی طرف سے ''تحریک حرمت قرآن'' بنائی گئی۔ ہم نے علمی اور عوامی انداز سے ایک تحریک چلائی جو پوری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار تھی۔

اس کے بعد ڈنمارک نے اللہ کے رسول ﷺ کے خاکے شائع کیے۔ یہ انتہائی دل آزار خاکے تھے۔ صدر بش اور یورپ کے حکمرانوں نے ان خاکوں کی تائید کی۔ اب پھر دنیا بھر کے مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔ پاکستان میں دوبارہ ساری جماعتوں نے مل کر ''تحریک حرمت رسول'' بنائی۔ پاکستان میں یہ زوردار تحریک چلی۔ ہزاروں جلسے ہوئے۔ پوپ کو ہم نے مناظرے اور مباہلے کا چیلنج بھی دیا مگر وہ میدان میں نہ آئے۔

پوپ بینڈکٹ نے 12 ستمبر 2006ء کو جرمنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''مجھے دکھلایئے! محمد (ﷺ) کیا نئی چیز لے کر آئے ہیں، وہ جو لے کر آئے ہیں، برائی اور غیر انسانی رویے لے کر آئے ہیں اور انھوں نے تلوار کے زور پر اسلام کو پھیلایا ہے۔''

اسی طرح جون 2007ء میں برطانیہ کی ملکہ ایلزبیتھ نے ملعون رشدی کو اس کی ادبی خدمات پر ''سر'' کا خصوصی خطاب دیا، ملعون رشدی جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں توہین آمیز کتاب لکھی تھی اور وہ کئی سالوں سے برطانیہ کی حفاظت میں زندگی گزار رہا ہے، اسے خصوصی القاب سے نوازنے کے عمل نے مسلمانوں کے دلوں کو غم اور دکھ سے پارہ پارہ کر دیا، مسلمان تو اسے شیطان رشدی کہتے ہیں۔ اس کی ادبی خدمت جو اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف

ہے اس پر لقب دیا جانا سوائے مسلمانوں کی دل آزاری کے کچھ نہ تھا۔

الغرض، ایک عملی اور نظریاتی جنگ ہے، جو مسلمانوں پر مسلط کر دی گئی ہے۔ ہم نے کہا: چودہ سو سالوں میں کوئی ایک واقعہ دکھلاؤ کہ کسی عیسائی کو مسلمانوں نے جبراً مسلمان بنایا ہو یا مسلمانوں نے ایسے توہین آمیز گھٹیا پن کا مظاہرہ کیا ہو؟ اللہ کی قسم! نہیں دکھلا سکتے۔ کیسے دکھلا سکتے ہیں؟ وہ قرآن کہ جسے پوپ بینڈکٹ یہ کہہ کر برائی قرار دیتا ہے کہ محمد ﷺ برائی لے کر آئے، وہ قرآن انسانوں میں خیر کا دروازہ یوں کھولتا ہے، فرمایا:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ [البقرة : ٢/٢٥٦]

”دین میں کوئی جبر نہیں، گمراہی کے مقابلے میں ہدایت بالکل واضح ہو کر سامنے آ چکی ہے۔“

یعنی قرآن آگاہ کر رہا ہے کہ دلیل کا تعلق دل سے ہے اور دل ہمیشہ دلیل سے مانتا ہے، تلوار اور بم سے دل نہیں مانتا۔ رسول کریم ﷺ نے اسلام کی ہدایت کو واضح کر دیا ہے، اب جس کا دل چاہے مانے جس کا دل نہ چاہے نہ مانے، مگر رسول اکرم ﷺ کی خواہش تو تھی کہ لوگ مان جائیں اور جہنم سے بچ جائیں۔ قربان جائیں اللہ کے انداز پر، وہ مولا کریم اس خواہش پر اپنے نبی اکرم ﷺ کو یوں سمجھاتا ہے:

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ [يونس : ١٠/٩٩]

”(میرے رسول!) اگر تیرا رب چاہتا تو زمین پر رہنے والے سارے لوگ ہی مسلمان ہو جاتے۔ (اب جب میں نے انھیں مجبور نہیں کیا) تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر کے مومن بناؤ گے۔“

جی ہاں! یہ ہے قرآن اور صاحب قرآن جناب محمد کریم ﷺ کا طرز عمل جو ہمیں نجران میں نظر آتا ہے اور آپ ﷺ کے پیروکاروں میں گزشتہ چودہ سو سالوں سے دکھائی دیتا ہے۔ اے اہل صلیب! آپ کا طرز عمل کیا ہے؟ دیکھ لیجیے! سارے یورپ نے کیا کیا ہے؟ آج سے

چھ سو سال قبل سپین کو جب آپ لوگوں نے فتح کیا تو وہاں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ باقی بچنے والے لاکھوں مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا۔ اس مہم کو گہری تحقیق یعنی (Inquisition) کا نام دیا گیا۔ اس کا ڈیسک آج بھی ویٹیکن سٹی میں موجود ہے۔ پوپ بینڈکٹ پوپ بننے سے پہلے اسی ڈیسک کے انچارج رہے ہیں۔

سپین میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ٹارچر کرنے کے لیے خصوصی مشینیں بنائی گئیں۔ اس ظلم اور مشینوں کے بارے میں امریکہ اور یورپ کی لائبریریوں میں آج بھی بہت ساری کتابیں موجود ہیں اور خود عیسائی مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں۔ ویٹیکن کی لائبریری میں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر:

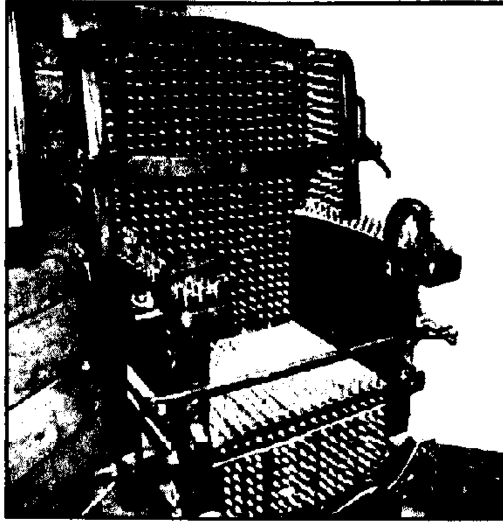
① مسٹر ولیم کی کتاب ''انکوائری اینڈ انکیزیشن۔''

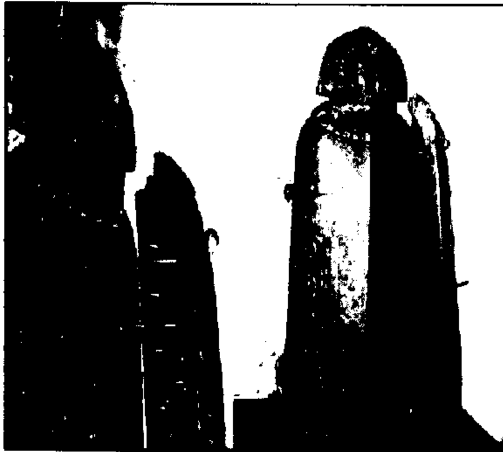
② 2001ء میں مسٹر جیمز کی کتاب نیو یارک سے شائع ہوئی۔

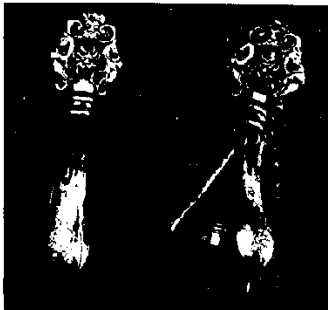
③ گرینڈ پال کی کتاب ''رومن انکیزیشن اینڈ وینیٹین پریس'' اس کتاب میں 1540ء سے لے کر 1605ء تک کے ظلم کی تفصیل موجود ہے۔

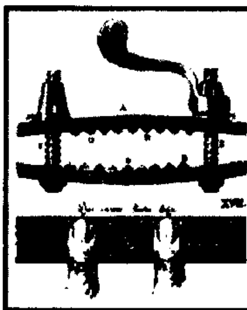
④ 1614ء سے 1909ء تک نیو ادا پریس کی کتاب بھی ملاحظہ ہو جو 1980ء میں شائع ہوئی۔

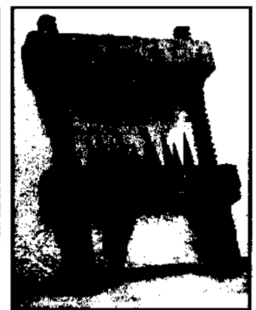
قارئین کرام ! اب ہم بہت ساری تصاویر میں سے چند تصاویر دے رہے ہیں جن سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سپین میں مسلمانوں کو ظلم کے کن مراحل سے گزارا گیا اور کس طرح عیسائی بنایا گیا۔











مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانے کے لیے صلیبی ظلم کی ایجادات

قارئین کرام ! آپ نے تصاویر ملاحظہ کر لیں، یہ بھی ذہن میں رہے کہ امریکہ کے سیاہ فام جو آج نظر آ رہے ہیں، ان میں اکثریت افریقہ کے ان مسلمانوں کی ہے جنھیں یورپ کے صلیبی حکمران غلام بنا کر امریکہ میں لے گئے۔ وہاں ان سے پر مشقت کام بھی لیے اور جبراً عیسائی بھی بنایا۔ اسی طرح آج لاطینی یعنی جنوبی امریکہ کا جو براعظم ہے وہاں کے کروڑوں عیسائی دراصل صدیوں پہلے کے سپینی عرب اور یورپین مسلمان تھے جنھیں جبراً عیسائی بنایا گیا۔

14 جون 1452ء کا دن انسانیت کے لیے سیاہ ترین دن تھا جب ویٹیکن سٹی میں براجمان صلیبیوں کی انتہائی مقدس شخصیت پوپ نکولس نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ غیر عیسائیوں کو غلام بنانے کی اجازت ہے۔ (پوپ نکولس پنجم : 1452)

اب ہوا یہ کہ یورپ کے صلیبیوں نے افریقہ کے کالے لوگوں کو، وہ مسلمان تھے یا کسی اور مذہب کے پیروکار انھیں غلام بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سولھویں صدی کے آغاز میں یہ معاملہ تیز ہو گیا اور 1880ء تک جاری رہا۔ ان چار صدیوں میں ایک کروڑ دس لاکھ سے زائد باشندوں کو غلام بنایا گیا۔ سپین، فرانس، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی، اٹلی اور پرتگال وغیرہ کے ظالم صلیبی لوگ عورتوں، بچوں اور مردوں کو اغوا کرتے، جبراً غلام بناتے، مقامی جاگیرداروں کو پیسے دے کر دیہاتوں پر حملے کرتے اور لوگوں کو جانوروں کی طرح ہانک کر لے جاتے۔

بادشاہ فرڈیننڈ اور اس کی ملکہ ازابیلا مسلمانوں کے خاص دشمن تھے انھوں نے سپین پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کو ختم کر دیا اور لاکھوں مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا، لاکھوں کو تہ تیغ کیا۔ انھوں نے ازامیو نامی صلیبی ظالم کو جو ڈاکو تھا اسے وسائل سے مالامال کیا اور حکم دیا کہ افریقہ کے علاقے گھانا میں ایک حویلی قائم کی جائے اور وہاں مسلمانوں کو غلام بنا کر رکھا جائے، چنانچہ اس شخص نے کالے مسلمانوں کی تجارت کے لیے یہاں پہلی حویلی بنائی، جو اگلی تین صدیوں تک ظلم و عدوان کا نشان بنی رہی۔

افریقہ کے اندر لوگوں کو غلام بنا کر جب ساحل پر لایا جاتا تو انھیں رسیوں اور زنجیروں سے باندھ دیا جاتا اور قافلوں کی شکل میں سفر کروایا جاتا۔ سکاٹ لینڈ کے ایک صلیبی مصنف

مسٹر منگوہارٹ نے لکھا ہے کہ وہ بھی ایک بار افریقہ میں گیا اور اس نے ایک قافلے کے ساتھ سفر کیا۔ جب کوئی عورت تھک جاتی اور وہ قافلے کے ساتھ چلنے کی ہمت کھو دیتی تو چلانا شروع کر دیتی، اس پر آواز بلند ہوتی کہ اس کو ذبح کر دو اور پھر اسے پکڑ کر جھاڑیوں کے پیچھے لے جایا جاتا اور ذبح کر کے پھینک دیا جاتا۔

ساحل پر پہنچ کر ان لوگوں کو باڑوں اور وسیع و عریض حویلیوں میں رکھا جاتا اور بحری جہازوں میں بھر دیا جاتا۔ جہازوں میں ان لوگوں کو انسانوں کی حیثیت سے سوار نہیں کرایا جاتا تھا، بلکہ اس کے لیے (Chattel Slavery) کا قانون بنایا گیا یعنی جس طرح کپاس کی گانٹھیں لوہا یا دیگر اشیاء کا سامان لوڈ کیا جاتا ہے اسی طرح ان غلاموں کو لوڈ کیا جاتا تھا۔ بھیڑ بکریوں حتیٰ کہ مرغیوں سے بھی بری حالت میں انھیں ساتھ ساتھ ٹھونس کر بھر دیا جاتا۔ تین تین ماہ تک سمندر کا سفر جاری رہتا۔ اس دوران کئی مر جاتے۔ جو پہنچ پاتے انھیں آگے فروخت کر دیا جاتا۔ بیٹی نیویارک میں فروخت ہوئی تو بیٹا ٹیکساس میں۔ ماں برازیل میں فروخت ہوئی تو باپ ویسٹ انڈیز میں جا فروخت ہوا۔ الغرض، آج جو امریکہ کے دونوں براعظموں اور یورپ کے ملکوں میں کالے لوگ نظر آتے ہیں ان کے آباؤ اجداد تھوڑا عرصہ پہلے تک امریکہ اور یورپ میں دن رات اسی طرح کام کرتے رہے، یوں امریکہ اور یورپ کے لوگ خوشحال ہو گئے۔ ڈالر، یورو اور پونڈ وغیرہ کرنسیاں مضبوط ہو گئیں۔

کولمبس جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے امریکہ دریافت کیا۔ پوپ نے نئے دریافت شدہ علاقوں کے بارے میں ''حق دریافت'' کا فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ کی رو سے دریافت شدہ ملک کے باشندوں کو عیسائی بنانے، غلام بنانے، انھیں قتل کرنے اور ان کے مال و زر پر قبضہ کرنے کا اختیار ان عیسائیوں کو دے دیا گیا جو دریافت کریں، چنانچہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے اصل باشندے تہ تیغ کر دیے گئے، آسٹریلیا کے باشندے تہ تیغ کر دیے گئے۔ مقامی باشندوں کے جہاز بھر کر غلام بنا کر یورپ میں لائے جاتے، وہاں بھی ان سے زندگی بھر گھروں اور کارخانوں میں جانوروں کی طرح کام لیا جاتا۔

امریکہ میں ایک پاکستانی اسکالر جناب حقی حق نے امریکی ماہرین کی تحقیق کے حوالے سے مزید انکشافات کیے ہیں کہ شمالی اور جنوبی امریکہ میں پانچ سو سال قبل وہاں کے مقامی باشندوں کی تعداد دس کروڑ تھی۔ ان دس کروڑ افراد کا متواتر قتل ہوتا رہا اور یہ گھٹتے گھٹتے آج اڑھائی لاکھ رہ گئے ہیں۔ تاریخ انسانی میں اتنے بڑے قتل عام کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ماہرین آبادی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ آج سے پانچ سو سال قبل برصغیر اور چین کی آبادی بھی دس دس کروڑ کے لگ بھگ ہی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر امریکہ کے براعظموں میں مقامی باشندوں کا قتل عام نہ ہوتا تو آج وہاں کے مقامی لوگوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہوتی لیکن ان کی تعداد اب صرف اڑھائی لاکھ رہ گئی ہے۔ نسلی بنیادوں پر اتنا بڑا قتل عام یورپ کے نام نہاد امن پسند گورے عیسائی ہی کر سکتے ہیں سوانھوں نے یہ کام کیا۔

یورپی مصنف ہاورڈ زین لکھتا ہے کہ صرف سپین کے عیسائیوں کے ہاتھوں بہاماز اور ہیٹی کے جزائر میں ایک لاکھ سے زیادہ مقامی لوگ قتل ہوئے۔ لاس کیس لکھتا ہے یہ لوگ عورتوں کے ساتھ اس وقت تک تشدد کرتے رہتے، جب تک وہ مر نہ جاتیں۔ بچوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں کتوں کے آگے ڈال دیتے۔ ہسپانیہ کے لوگوں نے ان بچوں کی ٹانگیں کاٹ دیں جو ان سے ڈر کر بھاگ رہے تھے۔ یہ لوگ ریڈ انڈینز پر کھولتا ہوا صابن انڈیل دیتے تھے۔ یہ اس بات پر شرطیں لگاتے تھے کہ ایک ہی وار میں انسانی جسم کو دو ٹکڑے کون کرے گا......؟ سہمے ہوئے ریڈ انڈینز پر بھوکے اور خونخوار کتے بھی چھوڑے گئے، جنھوں نے چشم زدن میں انسانوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ کتوں کی کارگزاری پر انھیں جو انعام دیا جاتا وہ ریڈ انڈینز کے نومولود ننھے منے بچے تھے جنھیں کتوں کے آگے پھینک دیا جاتا تھا۔ (لاس کیس: ۱۵۵۲ء)

ایک دن ایسا بھی تھا جب تین ہزار ریڈ انڈینز قتل کیے گئے، قتل سے قبل جوان عورتوں کی اجتماعی آبروریزی کی گئی۔ اس طرح کے قتل ایک مسلسل تفریحی مشغلہ تھا۔ (بیری لوپیز: ۱۹۹۰ء)

میکسیکو کے بادشاہ کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا، پھر وعدہ کیا کہ رہا تب کریں گے جب بادشاہ کے محل کا فلاں کمرہ سونے سے بھر دیا جائے گا۔ جب بادشاہ کی رعایا نے وہ کمرہ سونے

سے بھر دیا تو یورپ کے گورے عیسائیوں نے عہد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سونا بھی لے لیا اور بادشاہ بھی قتل کر دیا...... الغرض، وہاں کے لوگ جو سادہ تھے، تیر کمان ان کا ہتھیار تھا، وہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے تاریخ انسانی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے گئے اور آج صرف اڑھائی لاکھ کی تعداد میں صرف ایک تاریخی یادگار کے طور پر باقی ہیں۔ یہ ہے وہ سلوک جو صلیبیوں نے انسانیت کے ساتھ کیا اور یہ سلوک آج تک جاری ہے اور ہر کمزور کے ساتھ روا ہے۔ ملکہ ازابیلا، اس کے شوہر فرڈیننڈ اور کولمبس نے اس سلوک کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ لوگ امریکیوں کے سرکاری ہیرو ہیں۔ ان لوگوں کے مجسمے امریکہ میں آج بھی جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں، ملکہ ازابیلا کا ایک بہت بڑا مجسمہ واشنگٹن ڈی سی میں فیڈرل ریزرو بورڈ کے پہلو میں ایستادہ ہے جو امریکہ کا سب سے بڑا مالیاتی ادارہ ہے۔

الغرض، تلوار اور جبر کے ساتھ غلام بنانے اور عیسائی بنانے کی تاریخ خود اہل صلیب کی ہے، جس کی گواہیاں ان کی اپنی تاریخ دے رہی ہے اور انھی کی لائبریریوں میں محفوظ ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کے پیروکاروں کی تاریخ نجران سے لے کر آج تک گواہ ہے اور وہ دلیل کے ساتھ دلوں کو بدلنے کی تاریخ ہے۔

ریڈانڈینز پر ظلم کے جو پہاڑ توڑے گئے ایسا نہیں ہے کہ یہ شرمناک ظلم صرف پندرھویں و سولھویں صدی عیسوی میں کیا گیا ہو اور اب امریکہ کے مہذب کہلانے والے حکمرانوں نے یہ ظلم بند کر دیا ہو، نہیں، بالکل نہیں! بلکہ جدید اور نام نہاد مہذب امریکہ کے لوگوں نے بھی ظلم کی چٹانیں مظلوموں پر اسی طرح گرائیں جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے گرائی تھیں۔

امریکہ کا صدر جارج واشنگٹن، جس کے نام پر آج واشنگٹن کا شہر آباد ہے، جو امریکہ کا دارالحکومت ہے، وہ جارج واشنگٹن امریکہ کے اصل باشندوں یعنی ریڈانڈینز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتا ہے:

''ہماری آبادی کا تسلسل یقینی طور پر ان جانوروں (اصل امریکی باشندوں) کو اسی طرح ختم کر دے گا جس طرح بھیڑیوں کو آخر کار موت آن گھیرتی ہے، شکل وصورت

میں بھیڑیے اور یہ انسان مختلف ہونے کے باوجود ایک ہیں، ان کا انجام بھی ایک ہے۔'' (جارج واشنگٹن...... رچرڈ نشن: ۱۹۹۰ء)

چنانچہ ۱۷۷۸ء یعنی اٹھارھویں صدی عیسوی میں جب جارج واشنگٹن نے اراکس قبائل پر غلبہ پالیا تو اپنے فوجی جنرل جان سلے وِن کو حکم دیا: ''ریڈانڈینز پر محض غلبہ کافی نہیں، انھیں مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔''

چنانچہ جنرل سلے وِن نے امریکہ کے ان اصل باشندوں کی چالیس بستیاں تباہ کر دیں، پانچ سو گھر جلا دیے، ہزاروں لوگوں کی اجتماعی قبریں بنائی گئیں، بعد میں امریکی فوجیوں نے ان قبروں کو کھودا اور مردہ لوگوں کی کھالیں اتار لیں، تاکہ ان کی ایسی پٹیاں بنا لیں جنھیں یہ لوگ ٹانگوں پر باندھا کرتے تھے۔ (ڈورس سیل: ۱۹۹۸ء)

جارج واشنگٹن جسے جدید امریکہ کا باپائے قوم کہا جاتا ہے وہ اکیلا ہی امریکہ کے اصل باشندوں کے لیے قہر و عدوان کا بگولا نہ تھا بلکہ جارج واشنگٹن کے بعد جو صدر بنا اس کا بھی یہی حال تھا۔ یہ صدر تھامس جیفرسن تھا۔ یہ امریکہ کا تیسرا صدر تھا جو آزادی اور حقوق انسانی کا علمبردار تھا، لیکن یہ صدر بھی ریڈانڈینز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتا تھا:

''یہ فیصلہ عوام پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ریڈانڈینز کو سرے سے مٹا دینا چاہتے ہیں، یا انھیں یہاں سے چلے جانے کی اجازت دیتے ہیں، ایسا کرنا حکومت امریکہ کی ذمہ داری ہے۔'' (ڈیوڈ رائیڈر: ۲۰۰۰ء...... جوناتھن کرش: ۲۰۰۴ء)

تھامس جیفرسن کے بعد جدید امریکہ کا اہم ترین صدر اینڈریو جیکسن تھا...... اس نے واضح طور پر حکم دیا:

''ریڈانڈینز کو ان کی پناہ گاہوں سے نکال کر ختم کر دو، ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دو۔'' (ڈیوڈ سٹیز ڈ: ۱۹۹۲ء)

اینڈریو جانس اپنے شکار (امریکہ کے اصل باشندوں) کی کھالیں اتارنے کا شوقین تھا...... ان کھالوں سے وہ اپنے خچروں کی لگامیں بنواتا تھا۔ (رونالڈ ناکائی: ۱۹۹۴ء)

صدر رینڈ یو جانسن نے واضح طور پر کہا: ''امریکہ کی کوئی ریاست اس وقت تک تہذیب اور ثقافت میں ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ ریڈ انڈینز کو زندہ رہنے کی اجازت ہے۔ اگر غیر مہذب (امریکہ کے اصل باشندے) مدافعت کریں تو (ہماری) تہذیب ایک ہاتھ میں بائبل کے دس احکامات اور دوسرے میں تلوار کے ساتھ ان کے فوری قتل کا تقاضا کرتی ہے۔''

(صدر رینڈ یو جانسن: ۱۸۶۷ء)

قارئین کرام! امریکہ کے ان صدروں کے احکامات پر گورنروں نے کس طرح عمل کیا، اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو، ریاست ایری زونا کے گورنر جان بیلر نے اپنے فوجی کمانڈروں کو حکم دیا:

''کنفیڈریٹ ریاستوں کی کانگریس نے غیر دوستانہ رویہ رکھنے والے تمام ریڈ انڈینز کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا قانون پاس کر دیا ہے، اس لیے تم ہر ممکن طریقے سے ریڈ انڈینز کے قبائل کو صلح کے بہانے جمع کرو اور جب وہ اکٹھے ہو جائیں تو بالغ لوگوں کو قتل کر دو، بچوں کو قیدی بنا کر بیچ دو۔ بچوں کو بیچنے سے وہ اخراجات پورے ہو جائیں گے جو ریڈ انڈینز کو قتل کرنے پر اٹھیں گے۔ فوجیوں کی وافر نفری اس موقع پر موجود ہونی چاہیے، تاکہ کوئی شخص بھاگ کر بچ نہ جائے۔ میں ان لعنت زدہ کیڑے مکوڑوں کے خلاف تمھاری کامیابی کا منتظر ہوں۔'' (گورنر جان بیلر: ۱۸۶۲ء)

لوگو! مندرجہ بالا کردار بھی دیکھو اور اللہ کے رسول ﷺ کا انداز بھی ملاحظہ کرو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دلیل اور قوت کو حسب موقع استعمال فرمایا، جہاں دلیل اور عدل کو ماننے سے انکار کر دیا گیا وہاں آپ ﷺ نے قوت کو استعمال کیا اور اتنا ہی کیا جس قدر ضرورت تھی۔ اس کے بعد پھر دلیل ہی سے کام لیا گیا اور جب جزیرۃ العرب زیر نگیں ہو گیا تو آپ ﷺ نے ہر جانب اپنے عامل اور گورنر مقرر فرمائے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں گورنر مقرر فرمایا۔ مسند احمد کی صحیح روایت میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو الوداع کہنے نکلے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور آپ ﷺ پیدل ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور انھیں ہدایات دیتے جاتے تھے۔ جب آپ ﷺ ہدایات دینے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''اے معاذ! ممکن ہے کہ اس سال کے بعد تو مجھ سے ملاقات نہ کر سکے اور جب یہاں آئے تو میری مسجد اور قبر کے

پاس سے گزرے۔'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ جملہ سن کر رونے لگے۔ [مسند احمد : ۵/ ۲۳۵، ح : ۲۲۱۱۳ و إسناده صحيح] بہر حال! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آ رہا تھا کہ نبوت مکمل ہوتی دکھلائی دے رہی ہے، جزیرۃ العرب پہ اسلام کا پرچم لہرا گیا ہے اور اب کسی بھی وقت اللہ کی طرف سے بلاوا آ سکتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

آیئے! حج میں محسن انسانیت کے وہ سنہری بول اور جملے ملاحظہ کریں جنھوں نے انسانی تکریم کو آسمان کی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا۔

آخری حج:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے ہوئے ۹ سال گزر گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج نہیں کیا۔ جب دسواں سال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حج کرنے جا رہے ہیں، چنانچہ لوگوں کی آمد سے مدینہ بھر گیا، سب کی خواہش یہ تھی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہبری میں حج ادا کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حج کے اعمال بجا لائیں، چنانچہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر آ گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ مزید بتلاتے ہیں کہ یہاں مسجد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور پھر قصوا اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ میں نے اپنی نگاہ دوڑائی تو میرے آگے لوگ ہی لوگ تھے، پیدل بھی تھے اور سوار بھی۔ دائیں طرف اور بائیں طرف بھی یہی صورتحال تھی اور پیچھے دیکھا تو وہاں بھی لوگوں کی تعداد کا یہی حال تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے درمیان تھے۔

[مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ: ۱۲۱۸]

سبحان اللہ! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال جس دین کے پھیلانے کے لیے لگاتار محنت کی، آج اس کا پھل باغ و بہار بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف نظر آ رہا ہے۔

ذوالحلیفہ کے مقام پر سعودی حکومت نے خوبصورت اور وسیع و عریض مسجد بنا دی ہے، صحیح بخاری (۱۵۴۶، ۱۵۴۷) میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں رات گزاری، اگلے روز حج کا قافلہ چل پڑا، انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر قریب قریب اسی راستے پر چلا جا رہا ہے جس پر حکومت

سعودی عرب نے شاندار موٹر وے بنایا ہے، ۹ دن کے سفر کے بعد حج کا یہ قافلہ "لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ" کہتے مکہ مکرمہ جا پہنچا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے حج کے بارے میں تفصیلات ہماری کتاب "لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ہم یہاں اللہ کے رسول ﷺ کے وہ خطبات لانا چاہتے ہیں جو آپ ﷺ نے میدان ''عرفات'' اور منیٰ میں ارشاد فرمائے۔ یہ خطابات انسانی تاریخ میں حقوق انسانی کا لازوال چارٹر ہیں، جس کی مثال انسانوں کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ الغرض، اپنے آخری حج کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو خطبات کی صورت میں جو جو ارشاد فرمایا، ملاحظہ کیجیے۔ عرفات کے میدان میں عرب بھر سے آئے ہوئے فرزندان توحید کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، اصحاب سیرت نے اس تعداد کو ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک لاکھ چوالیس ہزار تک بتلایا ہے۔ آپ ﷺ ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کو اللہ کی حمد وثنا کے بعد مخاطب فرماتے ہیں۔

مردوں اور عورتوں کے حقوق پر تاریخ ساز خطبہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے (اپنے حج کے) طریقے سیکھ لو، کیونکہ میں نہیں جانتا شاید کہ میں اس حج کے بعد آئندہ حج کر سکوں۔''

[مسند أحمد : ۳۱۸/۳، ح : ۱٤٤۳۲ و إسناده صحیح۔ أبو داؤد، کتاب المناسك، باب في رمي الجمار : ۱۹۷۰ و إسناده صحیح]

نبی ﷺ نے دریافت کیا: ''آج کون سا دن ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی جواب نہ دیا، ان کا خیال تھا شاید رسول اللہ ﷺ اس دن کو کوئی اور نام دینے والے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں؟'' صحابہ نے عرض کی: ''جی ہاں! اے اللہ کے رسول! (ﷺ)۔'' پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا: ''یہ مہینا کون سا ہے؟'' صحابہ کا خیال تھا شاید آپ ﷺ اس مہینے کا اور نام لیں گے، چنانچہ وہ خاموش رہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ ذوالحجہ کا مہینا نہیں؟'' ہم نے عرض کی: ''جی ہاں۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر سنو! تمھارا خون، تم سب لوگوں کا مال و دولت اور تم سب کی عزت و حرمت کی پامالی اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن کی عزت کو پامال کرنا حرام ہے، تمھارے اس شہر (مکہ) کی حرمت کو پامال کرنا حرام ہے اور اس مہینے کی عزت کو برباد کرنا حرام ہے۔''

[بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ: «رب مبلغ أوعی من سامع» : ٦٧]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے "یأیھا الناس" (اے لوگو!) کہہ کر پوری انسانیت کو مخاطب فرمایا۔ اس دنیا میں ہر انسان کی قیمتی ترین متاع تین ہی چیزوں پر مشتمل ہے، انسان کی جان، مال اور آبرو، اللہ کے رسول ﷺ نے ان تینوں کو محترم و مکرم قرار دیا۔

آپ ﷺ نے فن خطابت کا انتہائی بھرپور، مؤثر اور حسین ترین انداز اختیار کیا کہ اپنی ذات کے بارے میں ایک اندیشے کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ آثار بتلا رہے ہیں کہ اب میں تمھارے اندر نہیں رہوں گا۔ یہ میرا آخری خطبہ ہو سکتا ہے، لہٰذا غور سے سن لو۔ پھر آپ ﷺ نے سامعین سے کہلوایا اور تین چیزوں کے بارے میں پوچھا، پھر زوردار طریقے سے اپنی بات کہی، ثابت ہوا یہ انداز خطابت اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے اور یہ مؤثر ترین انداز ہے، یہ سامعین کو خبردار اور بیدار رکھتا ہے۔ راوی یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بات کو بار بار دہرایا، یعنی مسلمان کی جان، مال اور عزت کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ آپ ﷺ نے آخری خطاب میں اسے کئی بار دہرایا۔ خطابت کا یہ بھی ایک انداز ہے۔

صحیح بخاری (٦٧) میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جب بھی حاضرین سے سوال کرتے تو حاضرین سے جواب لے کر خاموش ہو جاتے، جی ہاں! اس سے سناٹا بھی پیدا ہوتا اور سامعین سوچنے لگ جاتے کہ ہمارا جواب صحیح بھی ہے کہ نہیں؟ یوں سامعین کی طلب بڑھتی تو اللہ کے رسول ﷺ طلب کو درمیان میں چھوڑتے اور اگلا سوال کرتے، پھر وہی انداز اپنایا اور تیسرا سوال کر دیا اور پھر جب تینوں کا جواب دیا تو انسان کے خون، مال اور حرمت پر ایسا زوردار اعلان کیا کہ خطابت کا یہ انداز ہر سامع اور حاضر دل انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ جی ہاں! صدقے اور قربان جاؤں فصاحت و بلاغت کی اس خوبصورت آبشار پر جس کے ہوا بھرے

ٹھنڈے چھینٹے فضا میں چمکدار موتی بن کر انسانیت کی عظمت وتوقیر کو چار چاند لگا گئے ہیں۔

خون کی معافی کا اعلان اور آغاز گھر سے:

''لوگو، سن لو! جاہلیت کے دور کا ہر چلن میرے قدموں تلے روند دیا گیا ہے، جاہلی دور میں خون کے جو بدلے چلے آ رہے ہیں وہ ختم کر دیے گئے ہیں۔ ہمارے خونی انتقام میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے (یہ بچہ سعد قبیلے میں پرورش پا رہا تھا کہ اسے ہذیل قبیلے کے لوگوں نے قتل کر دیا۔) اسی طرح جاہلی دور سے جو سود چلا آ رہا ہے اسے بھی ختم کر دیا گیا ہے، میں اس کو ختم کرنے کا آغاز اپنے خاندان سے کر رہا ہوں، چنانچہ عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کا سود جن لوگوں کے ذمہ ہے وہ سارے کا سارا ختم ہے۔''

[مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ : ۱۲۱۸]

لوگو! تمھارا مال وہی ہے جو تمھارا اصل ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرنے پائے۔

[الترمذی، كتاب تفسير القرآن، (باب) و من سورة التوبة : ۳۰۸۷ و إسناده حسن لذاته و سليمان بن عمرو صدوق حسن الحديث وثقه الترمذی بتصحيح حديثه : ۳۰۸۷، ۱۱۶۳، ۲۱۵۹ و ذكره ابن حبان فی الثقات : ۳۱۴/۴]

رنگ ونسل کے تعصب کا خاتمہ:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ ! أَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ ، وَ اِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ ، اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی))

''اے لوگو، آگاہ ہو جاؤ! تمھارا رب ایک ہے، تمھارا باپ بھی ایک ہے، لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت ہے، نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فوقیت ہے...... ہاں! فوقیت صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے۔''

[مسند أحمد : ۴۱۱/۵، ح : ۲۳۵۵۰ و إسناده صحيح]

عورتوں سے نرمی:

''لوگو! عورتوں پر زیادتی نہ ہونے پائے، ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے، اللہ کے کلمہ (نکاح) کے ذریعے تم نے ان کی ناموس کو اپنے لیے جائز کرلیا ہے تمھارا بھی حق ان عورتوں کے ذمے ہے۔

وہ حق یہ ہے کہ تمھارے علاوہ کوئی تمھارے بستر پر نہ آئے اور جس شخص کو تم ناپسند کرو، یہ عورتیں اسے تمھارے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت مت دیں، ہاں! اگر ان کے چال چلن سے تمھیں خطرہ محسوس ہو تو انھیں سمجھاؤ، پھر بھی باز نہ آئیں تو اپنے بستر سے الگ کر دو، پھر بھی نہ ہٹیں تو انھیں سزا دو مگر ایسا نہ مارنا کہ نشان پڑ جائیں۔

(یاد رکھو!) ان کی (ضروریات) خوراک اور پوشاک تمھارے ذمہ ہے، مناسب طریقے سے (اس فرض کو پورا کرو، حسن سلوک کرو، لباس اور خوراک اچھی مہیا کرو)۔''

[مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ : ١٢١٨]

کسی کے جرم کا دوسرا ذمہ دار نہیں:

''یاد رکھو! کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے علاوہ کسی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا (لہٰذا جرم کی پاداش میں مجرم ہی پکڑا جائے کوئی دوسرا نہیں) کسی باپ کے جرم میں اس کا بیٹا نہیں پکڑا جا سکتا اور نہ کسی باپ کو اس کے بیٹے کے جرم میں پکڑا جائے گا۔

[الترمذی، کتاب تفسیر القرآن،(باب) و من سورة التوبة : ٣٠٨٧ و إسناده حسن لذاته]

فرائض کی ادائیگی:

''لوگو ! اللہ سے ڈر جاؤ، وہی تمھارا رب ہے، اپنے رب ہی کی عبادت کرو، پانچوں نمازیں اور رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی زکوۃ ادا کرو، اپنے رب کے گھر کا حج کرو، اپنے امراء کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

[الترمذی، کتاب الجمعة، باب منه : ٦١٦ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ٢٥١/٥، ح : ٢٢٢٢٣ و إسناده صحيح]

''لوگو! اگر تم پر کوئی ایسا مسئول مقرر کر دیا جائے جو غلام ہو اور اس کی ناک کٹی ہوئی ہو۔ رنگ کا کالا ہو، وہ تمھیں اللہ کی کتاب کے مطابق احکامات دے تو اس کے احکامات کو بھی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

[مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی......الخ : ١٨٣٨/٤٧٦٢]

''آگاہ ہو جاؤ! مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ جس چیز کو اپنے لیے درست خیال کرتا ہے، اپنے بھائی کے لیے بھی اسے جائز اور درست خیال کرے۔''

[ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، (باب) و من سورة التوبة : ٣٠٨٧ و إسناده حسن لذاته]

''لوگو! آخر کار تم لوگوں کو اپنے رب سے ملاقات کرنے کے لیے جانا ہے، تمھارے جو اعمال ہیں ان کے بارے میں اللہ پوچھے گا...... میں خبردار کرتا ہوں کہ میرے بعد واپس گمراہی میں نہ دھنس جانا کہ تم باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع : ٤٤٠٦]

''لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال ہو گا، بتلاؤ! تم اللہ کو کیا جواب دو گے؟'' لوگ کہنے لگے:

((نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ))

''ہم گواہی دیں گے کہ آپ (ﷺ) نے پیغام پہنچا دیا، رسالت کے فریضے کو ادا کر دیا اور انسانیت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔''

آپ ﷺ نے یہ سنا تو شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف اسے جھکاتے ہوئے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ......اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ))

[مسلم : ١٢١٨]

''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔''

آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور پوچھا:

((أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟))

”کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا؟ کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔“

لوگوں نے کہا: ”اللہ کے رسول ﷺ نے پیغام پہنچا دیا۔“

[بخاری، کتاب الأضاحی، باب من قال : الأضحی یوم النحر : ۵۵۵۰، ۷۴۴۷۔ مسند أحمد : ۴۹/۵، ح : ۲۰۵۲۲ و إسناده صحیح]

”پھر جو شخص بھی یہاں موجود ہے اسے چاہیے کہ یہ پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے، کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ جو یہاں موجود نہیں وہ اس حدیث کو سن کر اس شخص سے زیادہ یاد رکھنے کا فریضہ ادا کرے کہ جس نے اسے یہ پیغام پہنچایا تھا۔“

[بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رُبَّ مبلغ ...... الخ : ۶۷، ۵۵۵۰]

کتاب وسنت پر ڈٹ جاؤ:

”میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا تو اس کے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہو گے...... یہ چیز اللہ کی کتاب ہے۔“

[مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ : ۱۲۱۸]

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

”جس نے مجھ پر جھوٹ بولا (میں نے بات کہی نہ ہو اور وہ اس بات کو میری طرف منسوب کرتا پھرے) وہ شخص اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“

[مسند أحمد : ۳۶۷/۴، ح : ۱۹۲۸۸ و إسناده صحیح]

ختم نبوت:

((أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ))

”اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمھارے بعد کوئی امت نہیں۔“

[طبرانی کبیر : ۱۳۶/۸، ۱۵۵ ح : ۷۶۱۷ حسن : ۷۵۳۵ إسناده حسن لذاته]

حوض کوثر کا منظر:

''آگاہ ہو جاؤ! میں حوض پر موجود ہوں گا، تمھیں دیکھ رہا ہوں گا، باقی ساری امتوں کی نسبت تمھاری کثرت تعداد کو دیکھ کر فخر کر رہا ہوں گا، وہاں مجھے کہیں شرمندہ نہ کر دینا، آگاہ ہو جاؤ! وہاں مجھے کچھ لوگوں سے دور کر دیا جائے گا۔ یہ ایسے لوگ ہوں گے جنھیں مجھ سے دور ہٹا دیا جائے گا، میں فریاد کروں گا:

((يَا رَبِّ ! أُصَيْحَابِيْ ؟ فَيَقُوْلُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ))

''میرے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی ہیں؟'' اللہ فرمائے گا: ''تمھیں نہیں معلوم ان لوگوں نے تمھارے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں۔''

[ابن ماجه، أبواب المناسك، باب الخطبة يوم النحر : ٣٠٥٧ حسن]

صحیح مسلم میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: ''امت کے لوگ وضو کرتے ہوئے جن اعضاء کو دھوتے ہیں وہ قیامت کے دن چمک رہے ہوں گے۔ یہ لوگ میرے حوض کی طرف آئیں گے۔ اس کا پانی برف سے کہیں بڑھ کر سفید ہو گا۔ شہد اور دودھ سے بڑھ کر میٹھا ہو گا۔ حوض پر رکھے ہوئے جام ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوں گے۔ لوگ جب پانی پینے کو یہاں آئیں گے، تو کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا۔ اس پر میں عرض کروں گا:

((يَا رَبِّ ! هٰؤُلَاءِ مِنْ أَصْحَابِيْ))

''اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔''

اس پر مجھے جواب دیتے ہوئے کہا جائے گا:

((هَلْ تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ ؟))

''کیا آپ جانتے ہیں کہ انھوں نے تمھارے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں بنا ڈالی تھیں؟''

((إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوْا بَعْدَكَ))

''انھوں نے تمھارے بعد دین بدل کے رکھ دیا۔''

اس پر میں کہوں گا:

((سُحْقًا سُحْقًا))

"دفع ہو جاؤ، پرے ہٹ جاؤ۔"

اور میں ایسے لوگوں کو حوض سے اسی طرح ہٹاؤں گا جس طرح کوئی شخص اپنے حوض سے دوسرے لوگوں کے اونٹوں کو ہٹاتا ہے۔"

[مسلم، كتاب الطهارة، باب إطالة الغرّة...... الخ : ٢٤٧، ٢٤٩]

ابن ماجہ کی حدیث ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((سَيَلِيْ أُمُوْرَكُمْ بَعْدِيْ رِجَالٌ يُطْفِئُوْنَ مِنَ السُّنَّةِ وَ يَعْمَلُوْنَ بِالْبِدْعَةِ وَ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ عَنْ مَّوَاقِيْتِهَا))

"میرے بعد تمھارے معاملات اس سطح تک پہنچ جائیں گے کہ کچھ لوگ سنت کے نور کو بجھانے کی کوشش کریں گے، بدعت پر عمل کریں گے، نمازوں کو ان کے اوقات سے لیٹ کر کے پڑھیں گے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اگر میں ایسے لوگوں کے زمانے کو پالوں تو کیا کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ام عبد کے بیٹے! تو نے کرنا کیا ہے، یاد رکھو:

((لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ))

"جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس کی کوئی اطاعت نہیں۔"

[ابن ماجه، أبواب الجهاد، باب لاطاعة فى معصية الله : ٢٨٦٥ حسن]

قارئین کرام! یاد رکھیے، دین میں ثواب سمجھ کر کوئی کام ایجاد کرنا بدعت کہلاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے آخری خطبہ میں بدعات سے متنبہ فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے عرفات کے میدان میں، قربانی کے دن منیٰ میں اور ایام تشریق میں جو خطبات ارشاد فرمائے، ہم نے احادیث کی کتب سے تلاش کر کے کوشش کی کہ آپ ﷺ کے وہ فرمودات اور خطبات زیادہ سے زیادہ یہاں درج کریں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی کیا کہ ایک بات ایک خطبے میں ارشاد

فرمائی تو دوسرے خطبے میں دیگر باتوں کے ساتھ پہلی بات کو بھی دہرا دیا، تاکہ تکرار کے ساتھ نصیحت کر دی جائے۔ ہم نے کوشش کی کہ مکررات کو درج نہ کریں۔

اسی طرح بخاری (۸۳)، مسلم (۱۳۰۶) اور حدیث کی دیگر کتب میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں جمرات کو کنکریاں مارنا بھول گیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، اب کنکریاں مار لے۔'' دوسرا آیا اس نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں طواف کرنا بھول گیا۔'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''کوئی بات نہیں، اب طواف کر لے۔'' پھر ایک اور آیا اور مسئلہ پوچھنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں نے ذبح کرنے سے قبل ہی سر منڈوا لیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر کیا ہوا، جا اب سر منڈوا لے۔'' الغرض، صحابہ کہتے ہیں کہ اس روز کوئی بھی عمل جو پہلے یا بعد میں کیا گیا، اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا: ''اب کر لے کوئی بات نہیں۔''

ہم اس دن کو عید قرار دیتے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ ایک یہودی مجھ سے کہنے لگا: ''اے امیر المومنین! تمھارے قرآن میں ایک آیت ہے، جسے تم پڑھتے ہو، اگر وہ آیت کہیں ہم یہودیوں پر نازل ہو جاتی تو ہم اس دن کو عید قرار دے دیتے۔'' میں نے پوچھا: ''کون سی آیت؟'' وہ کہنے لگا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

[المائدة: ٥/٣]

''آج کے دن میں نے تمھارا دین تمھارے لیے مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے جس دین کو بطور طرز حیات پسند کیا ہے وہ اسلام ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے یہودی سے کہا ہمیں وہ دن بھی معلوم ہے کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی اور جگہ کو بھی جانتے ہیں کہ جہاں یہ آیت نبی ﷺ پر نازل ہوئی، آپ عرفات میں تھے اور اس روز جمعہ کا دن تھا۔''

[بخاري، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان...... الخ: ٤٥]

قارئین کرام! قرآن و حدیث کا نام اسلام ہے۔ سورۂ محمد (ﷺ) میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ''جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے۔''

نازل صرف دو چیزیں ہوئیں، اللہ کی کتاب اور رسول اکرم ﷺ کی حدیث۔ دونوں چیزوں کا نام اسلام ہے اور یہی حق ہے، باقی جو کچھ بھی ہے، تشریح و توضیح اور فقہ یعنی سمجھ بوجھ ہے، وہ صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی، اس کے لیے کسوٹی اور معیار قرآن و حدیث ہی ہے، کیونکہ وحی کا نام اسلام ہے اور اسلام صرف اسی چیز کا نام ہے جو اللہ کے رسول ﷺ تک وحی کے ذریعہ پہنچا ہے اور وہ صرف دو چیزیں ہیں۔

یاد رہے! یہودیوں نے تورات کو چھوڑا اور علماء کی فقہ اور آراء کے پیچھے ایسے لگے کہ علماء کی آراء کو درست کرنے کے لیے تورات ہی میں تحریف کرنے لگ گئے، چنانچہ ان کا مذہب اپنی اصل سے ہٹتا ہٹتا کچھ کا کچھ ہو کر رہ گیا، اسی لیے یہودی کہہ رہا ہے کہ ہم اصل دین کی نعمت سے محروم ہو گئے، آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ لوگوں کو قرآن میں ایسی آیت مل گئی ہے جو ہمیشہ یہ بتلاتی رہے گی کہ اسلام مکمل دین ہے، اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا، اگر ایسی آیت ہمارے ہاں ہوتی تو ہم اس روز کو بطور عید یعنی سالانہ جشن کے طور پر مناتے، جی ہاں! وہ لوگ خوش قسمت ہیں کہ جو دین کی جونسی بات بھی سنتے ہیں، اس کی دلیل اصل اسلام یعنی قرآن و حدیث سے طلب کرتے ہیں، قرآن و حدیث کا نام ہی اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾ [آل عمران: ۳/ ۱۹]

''اللہ کے ہاں جو دین (طرزِ زندگی) ہے وہ صرف اسلام ہے۔''

چنانچہ اللہ نے واضح کر دیا:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾

[آل عمران: ۳/ ۸۵]

''جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین (طرزِ حیات) تلاش کرتا ہے وہ (خود تراشیدہ) دین اس شخص کی جانب سے (اللہ کے ہاں) ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

اور ایسا شخص قیامت کے دن خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔“

قارئین کرام! صحیح بخاری (۱۸۴۹) میں ہے کہ عرفہ یعنی حج کے دن ایک حاجی اپنی سواری سے گر گیا، اونٹنی نے اسے پاؤں تلے روند دیا، رسول اکرم ﷺ کے حضور اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے پانی میں بیری کے پتے ملا کر نہلا دو، (احرام کے) دونوں کپڑوں میں کفن دے دو، اسے خوشبو نہ لگانا نہ اس کا سر ڈھانپنا، اللہ اسے قیامت کے دن جب اٹھائے گا تو وہ ”لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ“ پکار رہا ہوگا۔“

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ وداعی طواف کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے جا چکے ہیں، ربیع الاول کا مہینا آنے والا ہے، آپ ﷺ اپنے اللہ کے حضور تشریف لے جانے والے ہیں، حج اور وفات کا درمیانی عرصہ کیسے گزرا ہے، اب وہ ملاحظہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج کے آخری خطبات کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ پوری انسانیت کے نام حقوق انسانی کا لازوال چارٹر بھی ہے اور امت کے نام وصیتوں اور نصیحتوں بھرا آخری پیغام بھی۔

لشکر اسامہ کی روانگی:

صحیح بخاری (۴۲۵۰) اور مسلم (۲۴۲۶/۶۴) میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا، وہ چونکہ ایک غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا، اس لیے بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ زید کی سالاری پر بھی اعتراض کر چکے ہو، وہ بھی اس کا اہل تھا اور میرا محبوب تھا، اب اس کے بیٹے کی کمان پر اعتراض کرتے ہو تو یہ بھی اس کا اہل ہے اور لوگوں میں مجھے سب سے بڑھ کر پیارا ہے، لہٰذا میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اسامہ کی اطاعت کرنا، یہ تمھارے صالح لوگوں میں سے ہے۔“

صلیبی علاقوں میں نئے مسلمان ہونے والوں کے تحفظ کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا بھیجا ہوا یہ آخری لشکر تھا جو صلیبیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہوا، لیکن کچھ ہی فاصلے پر رسول اللہ ﷺ

کی بیماری کی وجہ سے رک گیا، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے جنت الفردوس میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بنے تو ان کی خلافت کی جو پہلی جنگی مہم تھی وہ اسی لشکر کو صلیبیوں کی جانب روانہ کرنا تھا۔

قارئین کرام! آیئے، اب وہ دکھی اور غم ناک مناظر ملاحظہ کرتے ہیں جن سے گزر کر اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب سے ملاقات کے لیے اس دنیا کو چھوڑ گئے۔



فردوس بریں کی جانب

اللہ سے ملاقات:

رسول اکرم ﷺ کے خادم حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے نصف رات کو اٹھایا اور فرمایا: ''اے ابو مویہبہ! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بقیع والوں کے لیے مغفرت طلب کروں، میرے ساتھ چلو۔'' ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ چل کھڑا ہوا، آپ ﷺ جب اہل بقیع کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْبَقِيعِ !))

''اے بقیع والو! تم پر سلامتی ہو۔''

حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ آگے چل کر بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اب میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے: ''اے ابو مویہبہ! مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں، اس دنیا میں ہمیشہ (قیامت تک کے لیے) زندگی بھی دے دی گئی ہے اور اس کے بعد جنت بھی عطا کر دی گئی ہے۔ اب مجھے اختیار دے دیا گیا ہے کہ چاہو تو یہ قبول کر لو اور چاہو تو ایسا کر لو کہ ابھی اپنے رب سے ملاقات کرو اور جنت میں چلے جاؤ۔'' حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے عرض کی: ''آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ (ﷺ) دنیا کی چابیاں حاصل کریں اور یہاں زندگی گزاریں پھر جنت میں بھی چلے جائیں۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا كَلَّا يَا اَبَا مُوَيْهِبَةَ ! لَقَدِ اخْتَرْتُ لِقَآءَ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ))

''بالکل نہیں، اے ابو مویہبہ! میں نے تو اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کا انتخاب کر

لیا ہے۔"

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اہل بقیع کے لیے بخشش کی دعا مانگی اور واپس گھر کو روانہ ہوئے، جب صبح ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ کی بیماری کا آغاز ہو گیا، وہی بیماری کہ جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اپنے پاس لے گیا۔

[مستدرك حاكم : ٣/٥٥، ٥٦، ح : ٤٣٨٣ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٣/٤٨٩، ح : ١٦٠٠٣ حسن، عبيد مولى الحكم صدوق حسن الحديث وثقه الحاكم والذهبي بتصحيح حديثه وذكره ابن حبان في الثقات]

سر درد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "اللہ کے رسول ﷺ بقیع سے واپس گھر آئے تو میرے سر میں اس وقت شدید درد تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو میں شدت درد سے پکار اٹھی: «وَا رَأْسَاه» "ہائے میرا سر گیا۔" یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ أَنَا وَاللّٰهِ ! يَا عَائِشَةُ ! وَ ارَأْسَاه»

"اللہ کی قسم! عائشہ! میرا سر بھی گیا۔"

[بخاري، كتاب المرض، باب ما رخص للمريض أن يقول إني وجع ...... الخ : ٥٦٦٦۔ سيرة ابن هشام : ٤/٢٩٠، حسن ۔ ابن حبان : ٦٥٨٦، حسن]

شہدائے احد کی غائبانہ نماز جنازہ:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دنوں اللہ کے رسول ﷺ گھر سے نکلے، احد میں پہنچے اور وہاں شہداء پر اس طرح نماز جنازہ پڑھی جس طرح میت پر پڑھی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے (مسجد میں) منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمانے لگے:

"دیکھو! میں تم سے پہلے وہاں جا کر تمھارا میزبان بنوں گا، میں تمھارے لیے گواہ بننے والا ہوں (کہ تم نے میرا پورا پورا ساتھ دیا) دیکھو! اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں۔"

[بخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد : ١٣٤٤۔ ابن حبان : ٣١٩٨ و إسناده صحيح]

صحیح بخاری میں کتاب المغازی اور دیگر مقامات پر مروی روایات کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ پوچھتے رہتے: ''کل میرا قیام کہاں ہوگا؟ کل میرا قیام کہاں ہوگا؟'' حقیقت میں آپ ﷺ میری باری کے منتظر تھے اور آپ نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے میرے گھر میں ایام مرض گزارنے کی اجازت مانگی۔ جب سب نے اجازت دے دی تو آپ (ﷺ) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکل کر میرے گھر آ گئے۔

جب آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لانے کے لیے نکلے تو آپ (ﷺ) دو آدمیوں کے درمیان سہارا لیے ہوئے تھے۔ آپ (ﷺ) کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹ کر لکیر بنا رہے تھے۔ آپ (ﷺ) کے ایک جانب حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) تھے اور دوسری جانب ایک اور شخص تھا۔'' حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے جس شخص کا نام نہیں لیا وہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تھے۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیﷺ و وفاته: ٤٤٤٢ بعد ٤٤٤٦، ٤٤٥٠]

شدید ترین بخار:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کو شدید بخار ہے۔ میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ کو تو شدید ترین بخار ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس قدر تم دو آدمیوں کو بخار ہوتا ہے مجھ اکیلے کو اتنا ہوتا ہے۔'' میں نے عرض کی: ''آپ (ﷺ) کو دو گنا بخار اس لیے ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) کا اجر بھی دوہرا ہے۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں! بات اسی طرح ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ وہ کانٹا چبھنے کی ہو، یا اس سے بھی کمتر، اللہ تعالیٰ اس تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہ ایسے دور کر دیتا ہے جیسے درخت کے پتے (موسم خزاں کی ہوا سے) جھڑ کر درخت سے دور ہو جاتے ہیں۔''

[بخاری، کتاب المرض، باب أشد الناس بلاءً الأنبياء ...... الخ : ٥٦٤٨]

پانی کی مشکیں انڈیلی گئیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ میرے گھر میں تشریف لے آئے، بخار بہت تیز ہو گیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

”پانی کی سات مشکیں بھر کر لاؤ اور مجھ پر بہاؤ۔ (اس قدر پانی بہانے سے) شاید میں اس قابل ہو جاؤں کہ لوگوں کو کچھ نصیحت کر سکوں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید بتلاتی ہیں: ”حضرت حفصہ ام المومنین (رضی اللہ عنہا) کا ایک ٹب تھا، ہم نے آپ (ﷺ) کو اس ٹب میں بٹھا دیا اور پھر ان مشکوں کے پانی کو دھار بنا کر آپ پر ڈالنے لگے۔ اس قدر پانی ڈالا کہ آپ (ﷺ) اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اب بس کرو۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) گھر سے نکلے، لوگوں کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ (ﷺ) نے نماز بھی پڑھائی اور خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته : ٤٤٤٢ بعد ٤٤٤٦]

جدائی کی بات سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَ بَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ))

”اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ چاہے تو دنیا رکھ لے اور چاہے تو اسے چن لے جو اللہ کے پاس ہے تو اس بندے نے اسے پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے۔“

یہ سنتے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس بزرگ آدمی کا رونا سمجھ میں نہیں آیا، اگر اللہ اپنے ایک بندے کو اس دنیا اور اپنی اخروی نعمتوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دیتا ہے اور وہ اللہ کے ہاں کی نعمتیں پسند کر لیتا ہے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ لیکن دراصل ہم سمجھ نہ سکے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے، کیونکہ بندے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور ابو بکر ہم سے کہیں زیادہ سمجھدار تھے۔ بہر حال! آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے ابوبکر! نہ رو، ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے کے اعتبار سے جس قدر مجھ پر ابوبکر کا احسان ہے کسی اور کا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس امت میں سے اگر میں نے کسی کو اپنا جگری دوست بنانا ہوتا تو میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی کو بناتا لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور باہمی مودت ہی کہیں بڑھ کر افضل و برتر ہے۔ سن لو! مسجد میں کھلنے والا ہر دروازہ بند کر دیا جائے، صرف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا دروازہ کھلا رہے۔''

[بخاری، کتاب الصلاة، باب الخوخة الممر فی المسجد : ٤٦٦]

صحیح بخاری میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رفیق اعلیٰ سے ملاقات کا ذکر کیا تو میں نے کہا:

((اِذًا لَا یَخْتَارُنَا))

[بخاری، کتاب الرقاق، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه : ٦٥٠٩]

''اب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں رہنا پسند نہیں فرمائیں گے۔''

بار بار بے ہوشی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اب مزید شدت اختیار کر چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا لوگوں نے (عشاء کی) نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: ''جی نہیں! لوگ تو آپ کا انتظار کیے جا رہے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: ''اچھا! پھر میرے لیے پانی کا برتن رکھ دو۔'' ہم نے رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور پھر جب اٹھ کر جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد طبیعت سنبھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پانی کا برتن رکھنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ بیٹھ گئے اور غسل کیا۔ دوسری بار جب اٹھ کر جانے لگے تو پھر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ جب طبیعت میں قدرے قرار آیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟''

ہم نے کہا: ''جی نہیں! اے اللہ کے رسول! لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار پھر پانی کا برتن رکھنے کا حکم دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر

بیٹھے اور غسل فرمایا، اٹھ کر جانے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ جب طبیعت میں قدرے اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تو پوچھا: ''کیا نمازیوں نے نماز ادا کر لی؟''

ہم نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ تو آپ (ﷺ) کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' اب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ جانے والے نے اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل تھے (انھیں اللہ کے رسول ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہونے کی ہمت نہ ہوئی اور) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''آپ نماز پڑھا دیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اس کام کے حقدار آپ ہی ہیں۔'' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور بیماری کے ان دنوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھاتے رہے۔''

[بخاری، کتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام لیؤتم به: ٦٨٧]

قربان جائیں صحابہ رضی اللہ عنہم پر کہ وہ متواتر اللہ کے رسول ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ رات کتنی ہی بیت گئی مگر وہ بیٹھے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا دیدار بھی کریں اور آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز بھی ادا کریں۔ آج صورتحال یہ ہے کہ نمازی گھڑیاں دیکھتے رہتے ہیں۔ امام مسجد کو تھوڑی سی بھی تاخیر ہو جائے تو کسی دوسرے شخص کو آگے کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ امام کی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

طبیعت قدرے سنبھلی تو......؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے طبیعت میں قدرے اطمینان محسوس کیا تو دو آدمی جن میں ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور (دوسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے) ان کا سہارا لے کر ظہر کی نماز کے لیے گھر سے نکلے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں، اپنی جگہ قائم

رہیں۔ پھر آپ ﷺ نے سہارا دینے والے دونوں آدمیوں (حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے کہا: ''مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دو۔'' ان دونوں نے آپ ﷺ کو بٹھا دیا تو اب منظر یوں تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

[بخاری، کتاب الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم : ٧١٣]

آپ ﷺ کے بعد کس سے مسئلہ پوچھوں؟

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے والد بتلاتے ہیں: ''(ان دنوں میں) ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور کسی مسئلہ کے سلسلے میں آپ ﷺ سے بات کرنے لگی تو آپ ﷺ نے اسے کہا: ''پھر کسی وقت آنا۔'' یہ سن کر وہ کہنے لگی: ''اے اللہ کے رسول! اگر میں آؤں (اور آپ کی وفات کے باعث) آپ کو نہ پاؤں تو پھر......؟'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ اَبَا بَكْرٍ))

''اگر مجھے موجود نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی آنا۔''

[بخاری، کتاب الأحکام، باب الاستخلاف : ٧٢٢٠]

وفات سے پانچ روز قبل وصیت:

حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''وفات سے پانچ دن قبل میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اَلَا وَ اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِ هِمْ وَ صَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ))

''خبردار ہو جاؤ! وہ لوگ جو تم سے پہلے گزر چکے، وہ اپنے نبیوں اور اپنے نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ آگاہ ہو جاؤ! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تم لوگوں کو اس سے منع کر رہا ہوں۔''

[مسلم، کتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ...... الخ : ٥٣٢]

ایک دوسرے مقام پر اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات کو واضح طور پر بیان فرمایا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((نَهٰى اَنْ يُّقْعَدَ عَلَى الْقَبْرِ وَ اَنْ يُجَصَّصَ وَ اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ))

[أبو داوٗد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر : ۳۲۲۵ إسناده صحیح]

اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا: قبر پر مجاور بن کر بیٹھنے سے، قبر کو پختہ بنانے سے اور قبر پر کوئی عمارت بنانے سے۔''

صحیح مسلم کتاب الجنائز میں مجاوری کا جو گناہ عظیم ہے، امام مسلم اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کو یوں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو ارشاد گرامی جناب رسول کریم ﷺ کا...... فرمایا:

((لَاَنْ يَّجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰى جِلْدِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ))

[مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس ح: ۹۷۱]

''تم میں سے کوئی آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے وہ انگارہ اس کے کپڑوں کو جلا ڈالے اور پھر اس کی کھال کو جا لگے، یہ تکلیف اس عمل سے کہیں بہتر ہے کہ کوئی شخص قبر (کا مجاور بن کر اس پر) بیٹھ جائے۔''

صحیح مسلم (۹۸/۹۷۲) میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ))

''قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو۔''

مسند امام احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اللہ کی بدتر اور شر انگیز مخلوق قرار دیا جو قبروں کی پوجا کرتے ہیں۔

[مسند أحمد : ۱/۱۹۵، ح : ۱۶۹۱، ۱۶۹٤ و إسناده صحیح فیه إبراهیم بن میمون وهو ثقه، صدوق، و سعد بن سمرة الفزاری ثقۃ صدوق وثقه النسائی و ابن حبان، تعجیل المنفعه ت ۳٦۱، الثقات : ٤/۲۹٤]

یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت ہو:

حضرت عبداللہ بن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم فرماتی ہیں: ''جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ گیا اور مرض شدید سے شدید تر ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر بار بار اپنے چہرے پر ڈالتے، جب ذرا افاقہ ہوتا تو چادر کو چہرے سے ہٹا لیتے۔ اضطراب و پریشانی کی اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارَى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ))

''یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ کی لعنت ہو، ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لوگوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے اعمال سے ڈرا رہے تھے۔''

[بخاري، كتاب الصلاة، باب : ٤٣٥، ٤٣٦]

صحیح بخاری (۴۳۷) کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ))

''یہودیوں کو اللہ برباد کرے، ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔''

یاد رہے! یہودی اور عیسائی قبروں پر آستانے بناتے، انھیں پختہ کر کے مزار بناتے اور میلے لگاتے تھے، وہ آج بھی ایسا کرتے ہیں۔ وہ اپنے عام لوگوں کی قبروں کو بھی پختہ بناتے ہیں، کتبے لگاتے ہیں اور ان پر مرنے والے کا نام لکھتے ہیں، اس میں تصویریں بھی جڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی حرکات سے محفوظ فرمائے کہ ان حرکات کی وجہ سے یہودی اور عیسائی، اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لعنتی قرار پائے۔ آمین!

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رو دیں، پھر ہنس پڑیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ''اس بیماری کے دوران ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا۔ وہ آئیں تو آہستہ سے ان کے کان میں کوئی بات کہی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، پھر دوبارہ آہستہ سے کوئی بات کہی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا کہ وہ اپنے اسی مرض میں اپنے اللہ سے جا ملیں گے، یہ سن کر میں رونے لگ گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا کہ خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی تو یہ سن کر میں ہنس پڑی۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ٤٤٣٣، ٤٤٣٤]

آخری آیت، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ''میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے) سنا کرتی تھی کہ کسی نبی پر اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اسے دنیا اور آخرت میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار نہیں دے دیا جاتا، چنانچہ میں نے مرض الموت میں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی بھاری ہو چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء : ٤/ ٦٩]

''جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے اور ایسے لوگوں کی رفاقت کے کیا کہنے!''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''یہ آیت سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا جا چکا ہے۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تندرست تھے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''کسی نبی کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کیا گیا جب تک کہ اس نبی کو جنت میں اس کی قیام گاہ نہ دکھلا دی گئی اور پھر اسے دنیا یا آخرت میں سے ایک کا اختیار نہ دے دیا گیا۔ (اب میں سمجھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کو پسند کر لیا ہے)۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ٤٤٣٥]

ابن ماجہ وغیرہ میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

آپ ﷺ کی جو آخری گفتگو تھی اس میں آپ ﷺ نے نماز کی تلقین فرمائی اور غلاموں سے بہتر سلوک کی وصیت بھی فرمائی۔

[مسند أحمد : ۱/۷۸، ح : ۵۸۵ و إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجه : ۲۶۹۸ و إسناده حسن لذاته۔ أبو داوٗد : ۵۱۵۶ و إسناده حسن لذاته۔ و أم موسی وثقها العجلی والدارقطنی و روایة محمد بن الفضیل عن ابن مقسم الضبی محمولة علی السماع، أنظر مسند علی بن الجعد : ۱/۴۳۰، ح : ۶۶۳ و إسناده حسن لذاته]

شہادت کی موت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ''یہ مرض جس میں اللہ کے رسول ﷺ فوت ہو گئے، آپ ﷺ بار بار مجھے مخاطب کر کے آگاہ کرتے:

((یَا عَائِشَةُ ! مَا اَزَالُ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَکَلْتُ بِخَیْبَرَ فَھٰذَا اَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ اَبْھَرِیْ مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ))

''اے عائشہ! خیبر میں (یہودن جو زہر آلود گوشت لائی تھی) اس کا لقمہ جو میں نے اپنے منہ میں رکھ لیا تھا، اس کی تکلیف میں آج بھی محسوس کر رہا ہوں اور ایسا لگتا ہے کہ اس زہر کی تکلیف سے میری شہ رگ کٹ جائے گی۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ۴۴۲۸ بعد ۴۴۳۰۔ مستدرك حاکم : ۳/۵۸، ح : ۴۳۹۳۔ أبو داوٗد : ۴۵۱۲ و إسناده حسن لذاته]

اللہ کے رسول ﷺ شہادت کی موت مانگا کرتے تھے۔ صحیح بخاری (۳۶) کے مطابق آپ ﷺ اس خواہش کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

''اے اللہ! میری خواہش ہے کہ میں تیرے راستے میں شہید کر دیا جاؤں، بار بار زندہ ہوتا رہوں اور شہادت پاتا رہوں۔''

جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کو پورا فرما دیا اور یہودیوں نے سازش کر کے خیبر میں جو زہر آلود گوشت کھلایا تھا، اس کی تکلیف آج پھر تازہ ہو گئی۔ یوں اللہ کے رسول ﷺ یہودیوں کے ہاتھوں دی گئی زہر کی تکلیف سے شہادت کی موت پا کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

مجھے یہ مسواک دینا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ''عبدالرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہما میرے گھر میں آئے، ان کے پاس مسواک تھی، جسے وہ کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی طرف دیکھا تو میں نے اپنے بھائی سے کہا: ''یہ مسواک مجھے دے دو۔'' انھوں نے یہ مسواک مجھے دے دی۔ میں نے اس کا اگلا حصہ توڑا، پھر مسواک چبا کر نرم کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسواک کرنا شروع کر دی۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ٤٤٥٠].

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تاباں چہرہ دیکھا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''سوموار کا دن تھا، لوگ نماز میں صف باندھے کھڑے تھے، اچانک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کا پردہ ہٹایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک یوں تھا جیسے حسن و جمال میں چمکتا ہوا مصحف کا ورق ہو۔ مزید برآں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور ہنسنے لگے۔ ہم لوگ چہرۂ مبارک کا یہ منظر دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہم نماز ہی نہ توڑ ڈالیں۔ ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو نماز پڑھا رہے تھے، وہ پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے، تاکہ وہ صف میں مل جائیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لاتے ہوئے مصلے پر کھڑے ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورتحال دیکھی تو ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کر لو اور اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ چھوڑ دیا۔ اسی دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا آخری نظارہ تھا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ٤٤٤٨، ٦٨٠]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا:

((أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ))

''مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا۔''

[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ..... الخ : ٣٠٥٣]

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَخْرِجُوا يَهُودَ أَهْلِ الْحِجَازِ وَ أَهْلِ نَجْرَانَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ))

[مسند أحمد : ١/١٩٥، ح : ١٦٩١، ١٦٩٤ و إسناده صحيح، سعد بن سمرة ثقة وثقه النسائي و ابن حبان، تعجيل المنفعة ت ٣٦١، الثقات : ٤/٢٩٤]

''حجاز اور نجران کے یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے باہر نکال دو۔''

اللہ کے رسول ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایک بڑا پیالہ پڑا تھا۔ اس کے اندر پانی تھا۔ آپ ﷺ بار بار اس پیالے میں ہاتھ ڈبوتے، پھر اپنے چہرے پر گیلے ہاتھوں کو پھیرتے اور فرماتے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کے وقت شدت ہوتی ہے۔''

پھر جب موت کا وقت آن پہنچا تو اب آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی۔ ذرا افاقہ ہوا تو آپ ﷺ کی نگاہیں گھر کی چھت کی جانب اٹھ گئیں اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((فِي الرَّفِيقِ الْاَعْلٰى))

آپ ﷺ نے مذکورہ کلمہ تین بار ارشاد فرمایا۔ آخری بار جو ارشاد فرمایا تو ہاتھ بلند کیا اور کہا:

((اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْاَعْلٰى))

''اے میرے اللہ! اعلیٰ ترین دوست۔''

اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا ہاتھ نیچے آ گیا۔ یہ آپ ﷺ کا آخری کلمہ تھا جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ میرے گھر میں فوت ہوئے۔ جس دن میرے گھر میں آپ ﷺ کی باری تھی اسی دن فوت ہوئے اور جس دن اللہ نے میرے اور آپ ﷺ کے لعاب کو

(مسواک کی صورت میں) یکجا کیا، اس دوران فوت ہوئے اور جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کا سر مبارک میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان تھا۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیﷺ و وفاته : ٤٤٤٩، ٤٤٣٨، ٦٥١٠۔ ابن حبان : ٦٦١٧ و إسناده صحيح]

قارئین کرام! اپنی روحانی والدہ محترمہ مکرمہ صدیقہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مختلف فرمودات کو ترتیب سے یکجا کر کے آپ کے سامنے رکھا اور بتلایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

صحیح بخاری (١٣٨٦) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک روز صبح کی نماز پڑھائی اور صحابہ کو اپنا خواب سنایا، جنت اور جہنم کے نظاروں کے متعلق بتلایا، آخر پر فرمایا: ''سیر کے اختتام پر جبریل مجھے آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ''پہلا گھر جس میں آپ (ﷺ) داخل ہوئے تھے وہ عام مومنوں کا گھر (جنت) تھا جبکہ یہ (جس میں آپ ﷺ اس وقت کھڑے ہیں) شہداء کا گھر ہے، میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں، ذرا اپنا سر تو اٹھایئے!'' میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں میرے سر پر بادل سا ہے۔ جبریل اور میکائیل مجھے کہنے لگے: ''یہ آپ کا گھر ہے۔'' میں نے کہا: ''چھوڑو مجھے، اپنا گھر تو دیکھنے دو۔'' اس پر وہ کہنے لگے: ''آپ (ﷺ) کی عمر ابھی باقی ہے، جسے آپ نے مکمل نہیں کیا۔ جونہی آپ (ﷺ) نے اپنی عمر کو پورا کر لیا، آپ اپنے اس محل میں تشریف لے آئیں گے۔''

قارئین کرام! آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان کے مطابق ادھر ہماری اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں آپ ﷺ کی آنکھیں بند ہوئیں، ادھر اگلے جہان میں اللہ سے ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ اپنے مذکورہ عالیشان محل میں تشریف لے گئے۔ اس محل میں جو شہداء کے محلات کے اوپر ہے۔

آیئے! اب دیکھتے ہیں دنیا میں آپ ﷺ کے شب و روز اپنے گھر اور اپنے خاندان میں کس طرح گزرتے تھے اور پھر آخر میں آپ کو بتلائیں گے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کو کس طرح سپرد خاک کیا گیا۔

یہ گھر...... یہ گلشن

پہلی اور دوسری شادی:

اللہ کے رسول ﷺ کا گھر ایک گلشن تھا، اس گلشن میں اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج مطہرات آباد تھیں۔ ہر زوجہ محترمہ کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جسے حجرہ کہا جاتا تھا، یعنی ہر ایک کے لیے اپنا ایک الگ چھوٹا سا گھر تھا، جو ایک کمرے اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ جب بھرپور جوان تھے اس وقت آپ ﷺ کی ایک ہی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن کی عمر 40 سال تھی، جب تک وہ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جب فوت ہوئیں تو آپ کی بیٹیاں تھیں، جن کی پرورش اور تربیت کا مسئلہ درپیش تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک بڑی عمر کی بیوہ خاتون سے شادی کا فیصلہ کیا جو آپ ﷺ کی اولاد کا خیال رکھ سکے۔ یہ خاتون حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ایک بھائی تھا، اس کا نام عبد تھا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ وہ مشرک تھا اور اسلام کے ساتھ سخت عداوت رکھتا تھا، اسے جب پتا چلا کہ اس کی بہن سودہ (رضی اللہ عنہا) نے پیغمبر اسلام ﷺ سے شادی کر لی ہے تو اس نے اپنے سر میں مٹی ڈال لی اور واویلا کرنے لگا۔

[مسند أحمد: ۶/۲۱۰، ۲۱۱، ح: ۲۵۸۲۳ حسن]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اعزاز:

تمام ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ واحد زوجہ محترمہ تھیں جو کنواری تھیں۔

صحیح مسلم، کتاب الفضائل (۲۴۳۸) میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے مخاطب ہوئے اور بتلانے لگے: ''(شادی سے پہلے) میں تجھے خواب میں تین راتیں دیکھتا رہا، ایک فرشتہ ریشمی کپڑے کے ٹکڑے میں تمھاری صورت لے کر آیا اور کہنے لگا: ''یہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔''میں نے تیرے چہرے سے (وہ ریشمی) نقاب ہٹایا تو وہ تو تھی، تجھے دیکھ کر میں کہنے لگا، اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ ایسا ہی کر دے گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس امتیاز پر فخر تھا کہ وہ تمام ازواج مطہرات میں واحد ایسی خاتون ہیں جو کنواری تھیں، وہ بلا کی ذہین اور فطین تھیں، چنانچہ اپنے اس فخر اور امتیاز کو وہ کس ذہانت اور فطانت سے بیان کرتی ہیں، ذرا انداز ملاحظہ ہو:

''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ ایک وادی ایسی ہے کہ جس میں واقع درخت اور بوٹیوں کو اونٹ کھا چکے ہیں اور ایک دوسری وادی ایسی ہے کہ جس میں کوئی اونٹ چرنے کے لیے نہیں گیا، آپ ان دونوں وادیوں میں سے کون سی وادی میں اپنے اونٹوں چرانے کے لیے لے جائیں گے؟''
آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اسی وادی میں جس میں چرنے والے اونٹ نہیں گئے۔''

[بخاري، كتاب النكاح، باب نكاح الأبكار: ٥٠٧٧]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ کو ہاں کہہ کر ان کا دل خوش کر دیا کہ واقعی یہ اعزاز وافتخار تمھارا ہی ہے کہ تم میرے حرم میں ایسی خاتون ہو جو کنواری ہو۔

دوڑ کا مقابلہ:

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے خانہ گلشن میں معاشرتی حسن کا ایک اور گلدستہ بھی ملاحظہ ہو، جو مسند احمد کی حسن روایت میں سجا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ''میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں آپ کے ساتھ گئی، ان دنوں میں ایک ایسی جوان لڑکی تھی کہ جو ہلکی پھلکی تھی اور وزن زیادہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: ''تم آگے چلتے چلو۔'' چنانچہ (جہادی سفر کے مجاہد) لوگ آگے بڑھ گئے۔ اب کے آپ ﷺ مجھے کہنے لگے: ((تَعَالِيْ حَتّٰى أُسَابِقَكِ)) ''آؤ دوڑ لگاتے ہیں، مقابلہ کرتے ہیں۔''

چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ دوڑی اور آپ ﷺ سے آگے بڑھ کر مقابلہ جیت لیا۔ وقت یونہی خاموشی سے گزرتا رہا، حتیٰ کہ اب میں قدرے موٹی ہوگئی اور جسم کچھ بھاری ہوگیا اور میں یہ بات بھول گئی کہ میں نے دوڑ لگائی تھی۔ ہوا یہ کہ میں پھر ایک سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ گئی۔ راستے میں ایک جگہ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: ''تم آگے چلو ہم آتے ہیں۔'' لوگ آگے چلے گئے تو آپ ﷺ نے اب پھر مجھ سے کہا: ''اب آ، میں پھر تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔'' چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ لگائی تو آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے، اب آپ ﷺ ہنسنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے: ((هٰذِهِ بِتِلْكَ)) ''حساب برابر ہوگیا۔''

[مسند أحمد : ٢٦٤/٦، ح : ٢٦٣٣١ و إسناده حسن لذاته، أبوداوٗد : ٢٥٧٨ و إسناده حسن لذاته]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ الگ ہوکر خوش طبعی فرما رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے اہل و عیال کا کس قدر خیال رکھتے ہیں، ایسا ہی ایک اور منظر ہمیں صحیح بخاری (۵۲۳۶،۵۱۹۰) اور صحیح مسلم (۸۹۲) کے صفحات پہ نظر آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ مجھے اپنی چادر کے ساتھ چھپائے ہوئے ہیں اور میں حبشی لوگوں کو دیکھ رہی تھی کہ جو مسجد میں کھیل کا ایک نظارہ پیش کر رہے تھے۔'' ''تم اندازہ لگا لو کہ ایک جوان لڑکی جو کھیل کود کو پسند کرتی ہو، وہ کتنی دیر کھڑی رہی ہوگی؟''

الغرض، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگاہ فرماتی ہیں: ''میں جتنی دیر بھی کھڑی رہی، حضور ﷺ نے مجھے کچھ نہیں کہا، میں خود ہی جب تھک گئی تو حضور ﷺ سے کہا اب بس۔'' سبحان اللہ! یہ تھا حضور عالی مقام جناب رسول خیر الانام ﷺ کا حسن اخلاق اور کریمانہ انداز، میری اور آپ سب کی روحانی اماں جان صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔

پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی:

جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں مگر یہ کانٹے وہ نہ تھے جو جسم میں پیوست ہو جائیں تو جسم کو زخمی کر دیں، پھر وہ کانٹا پیپ بنا ڈالے، پھوڑے کی شکل اختیار کر

لے۔ یہ کانٹے بھی نرم تھے، ملائم تھے، اس قدر نرم کہ بس ہلکی سی خراش ہی ڈالتے تھے اور وہ بھی فوراً مٹ جاتی تھی۔ آیئے ان خراشوں کے مناظر بھی ملاحظہ کریں۔ اس لیے کہ انسانی زندگی کا یہ بھی حسن ہیں، یہ ایک ہلکی سی خراش ہے مگر اللہ کے رسول ﷺ بطور شوہر اس خراش کو بھی خوش خلقی میں ڈھالتے ہوئے، صحیح مسلم (۲۴۳۹) کے الفاظ میں کچھ اس طرح خوش خوش دکھائی دیتے ہیں کہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار کہتے ہیں:

شوہر نامدار ﷺ: ''مجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہو؟''

زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا: ''آپ (ﷺ) کو یہ پتا کیسے چلتا ہے؟''

شوہر نامدار ﷺ: ''جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے: ''یوں نہیں، محمد (ﷺ) کے رب کی قسم!'' اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے: ''یوں نہیں، ابراہیم کے رب کی قسم!''

زوجہ محترمہ ﷺ: ''ہاں ہاں! اے اللہ کے رسول! (ﷺ) پھر کیا ہوا، میں اور کیا کرتی ہوں، بس آپ کا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں نا (آپ کو تو نہیں چھوڑتی)''

قارئین کرام! عورت کی فطری محبت اور غیرت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی سوکن کو برداشت نہ کرے۔ یہ تقاضا بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور یہ تقاضا اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاوند سے محبت کرتی ہے۔ اب یہاں مرد کا امتحان ہے کہ وہ ایسے حالات میں کیسا انداز اختیار کرے، کیسا رویہ اپنائے؟ وہ عدل کو بھی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے اور دو بیویوں کے درمیان فریق بھی نہ بنے، اس لیے کہ وہ تو دونوں کا خاوند ہے۔ آیئے ایسے مناظر بھی ملاحظہ کرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کا عظیم الشان کریمانہ کردار بھی صحیح مسلم کے صفحات پر کتاب الفضائل (۲۴۴۲) میں ملاحظہ کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان فرماتی ہیں: ''ایک بار اللہ کے رسول ﷺ کی بیویوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد کی خدمت میں ایک پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نے آ کر اجازت طلب کی، اس وقت آپ ﷺ میرے ہمراہ میری چادر میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ اٹھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اندر آنے کی اجازت دی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اندر آ گئیں اور اپنے ابا جی سے کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ کی بیویوں نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ (ﷺ) سے درخواست کر رہی ہیں کہ آپ ابوقحافہ (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہ) کی بیٹی (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے مقابلے میں ان کے ساتھ انصاف کریں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''میں چپ چاپ بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی، آخر کار اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹی سے کہا: ''بیٹا! یہ بتلا کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا اس سے تو محبت نہیں کرے گی؟'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''کیوں نہیں!'' اس پر آپ ﷺ نے (میری طرف اشارہ کرکے) فرمایا: ''پھر اس سے محبت کیا کر۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جی سے یہ گفتگو سنی تو اٹھ کر چلی گئیں اور سیدھی اللہ کے رسول ﷺ کی بیویوں کے پاس پہنچیں اور انھیں اپنے اور اللہ کے رسول ﷺ کے مابین ہونے والی ساری بات چیت سے آگاہ کیا۔ ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر ان سے کہا: ''ہم سمجھتی ہیں کہ آپ ہمارا مسئلہ حل نہیں کروا سکیں، لہٰذا دوبارہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور آپ کی خدمت میں عرض کرو کہ آپ کی بیویاں آپ (ﷺ) کو قسم دے کر عرض کرتی ہیں کہ ابوقحافہ کی بیٹی کے معاملے میں ہم سے عدل کریں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! میں تو آپ (ﷺ) کے ساتھ اب اس مسئلہ میں کبھی کوئی بات نہیں کروں گی۔'' ازواج مطہرات نے یہ سنا تو اپنے میں سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔ ازواج مطہرات میں سے یہ وہ خاتون تھیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں میرے جوڑ کی تھیں، لیکن یہ بات میں بہرحال کہوں گی کہ میں نے ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی جو حضرت زینب سے بڑھ کر دیندار ہو، اللہ سے ڈرنے والی ہو، گفتگو میں سچی ہو، رشتے ناتے جوڑنے والی ہو، خیرات کرنے والی، نیک کاموں اور صدقات کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے والی ہو اور دل کی فیاض ہو، مگر ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان میں یہ مشکل بھی تھی کہ

وہ بہت تیز تھیں، جلد غصہ میں آ جاتی تھیں لیکن یہ غصہ اتر بھی جلد ہی جاتا تھا اور وہ فوراً پسپا ہو کر گھل مل جاتی تھیں۔

بہرحال! ان خوبیوں کی حامل حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کی طرح چادر میں میرے ہمراہ موجود تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اندر آ گئیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی بیویوں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ سے ابوقحافہ کی بیٹی کے بارے میں عدل و انصاف کا تقاضا کر رہی ہیں۔'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی بات کرنے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوئیں اور کافی دیر تک مجھے سناتی چلی گئیں۔ میرا حال یہ تھا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کی جانب دیکھے جا رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جواب میں بولنے کی اجازت دیتے ہیں کہ نہیں؟ آخرکار میں نے محسوس کر لیا کہ میں بدلے میں بولنا شروع کروں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم برا نہیں منائیں گے، کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تو متواتر بولے جا رہی تھیں، چنانچہ اب میں بھی شروع ہو گئی۔ بس پھر کیا تھا میں نے تھوڑی ہی دیر میں زینب رضی اللہ عنہا کو چپ کرا دیا۔ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمانے لگے: ''کیوں! کیسا رہا، یہ بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جواب دینے لگی تو میں نے دیکھا زینب رضی اللہ عنہا کا منہ خشک ہو گیا ہے، اسے جواب دینے کی ہمت نہیں رہی تو اب میں نے دیکھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مارے خوشی کے دمک رہا تھا۔''

[السنن الكبرىٰ للنسائي : ٥/ ٢٩٠، ح : ٨٩١٤، ٨٩١٥و إسناده حسن لذاته و ٦/ ٤٥٣، ٤٥٤، ح : ١١٤٧٦إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ٦/ ٩٣، ح : ٢٤٦٧٤ و إسناده حسن لذاته]

سبحان اللہ! قربان جاؤں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھی کچھ نہیں کہا اور جب انھوں نے خوب چڑھائی کر دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے

خاص انداز میں جواب دینے کی اجازت دے دی اور جب بدلے میں انھوں نے چپ کرا دیا تو اللہ کے رسول ﷺ خوشی سے مسکرانے لگے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی سوکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خوبیاں اور نیکیاں کس پیارے انداز سے بیان کر رہی ہیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یہ خوبی کہ غصہ آ گیا اور پھر جلد ہی اتر بھی گیا۔ جی ہاں! مومن اور مومنہ کی یہی شان ہے کہ فطری تقاضوں کا ظہور بے شک ہوتا رہے، مگر وہ ظہور اپنی حدود میں رہے، حدود کو عبور نہ کرے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اللہ کے غصے کا اظہار شروع ہو جائے۔

پہلی بیوی نہیں بھولتی:

قارئین کرام! رسول کریم ﷺ کی عائلی زندگی کے گلستان میں یہ ایک اور گلدستہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ''مجھے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں غیرت آئی اس قدر رسول اللہ ﷺ کی کسی اور بیوی کے معاملہ میں نہیں آئی، حالانکہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تک نہیں تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت خدیجہ کا تذکرہ بہت کثرت سے کرتے تھے، جب کبھی بکری ذبح کرتے تو اس کے بڑے بڑے ٹکڑے کر دیتے اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دیتے۔ اس پر میں نے ایک بار کہہ ہی دیا: ''یوں لگتا ہے جیسے دنیا میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے سوا کوئی عورت تھی ہی نہیں۔''

یہ سن کر آپ ﷺ کہنے لگے: ''وہ ایسی (خوبیوں کی حامل) تھی اور ایسی تھی اور میری اس سے اولاد بھی تھی۔''

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی ﷺ خدیجة..... الخ : ۳۸۱۸۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خدیجة ......الخ : ۲٤۳۵]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی پیار و محبت کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ کو باور کراتی ہیں کہ جب مجھ جیسی جوان، خوبصورت، ذہین وفطین بیوی موجود ہے تو پھر ایک بوڑھی اور فوت شدہ بیوی کو اس قدر کثرت سے یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اس خیال کا پیدا ہونا ایک

فطری تقاضا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس تقاضے کو بالکل نہیں جھٹلایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ نہیں کہا لیکن اپنے جذبات کا اظہار ضرور کر دیا کہ وہ بے شک بوڑھی تھی، مگر وہ وہی تھی:

① جو مشکل ترین حالات میں مونس وغمخوار ثابت ہوئی۔

② اس کا مال ودولت میرے قدموں میں ڈھیر ہوا۔

③ نبوت ملنے کے بعد پہلا دلاسا اسی نے دیا۔

④ زینب، کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن جیسی بیٹیاں اسی سے ملیں، بیٹے بھی اسی سے ملے۔ سوائے ابراہیم کے کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ محمد (ﷺ) اپنی اس اولین بیوی کو کیسے بھول جائے۔ عائشہ! تمھاری بات اپنی جگہ مگر محمد (ﷺ) خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احسانات کو کیسے بھول سکتا ہے؟

دو دو، تین تین، چار چار بیویاں کرنے والو! شادیاں بے شک کرو مگر اسوۂ رسول ﷺ اور معاشرت کا محمدی انداز بھی سامنے رکھو، اگر اتنی ہمت نہیں ہے اور ہاں! یاد رکھو! استطاعت نہیں ہے، استطاعت مال کا بھی نام ہے، عقل کا بھی نام ہے، حکمت و دانائی کا بھی نام ہے، حوصلے اور صبر کا بھی نام ہے تو پھر قرآن یہی کہتا ہے کہ پھر ایک ہی پر گزارہ کر لو۔

پیالہ ٹوٹ گیا:

قارئین کرام! باغیچۂ رسول ﷺ کے آنگن میں یہ ایک اور واقعہ رونما ہوا ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ مومنوں کی روحانی ماؤں میں سے کسی ایک کے گھر میں تھے..... کسی دوسری زوجہ محترمہ نے ایک پیالہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا، جس میں کھانے کی کوئی شے تھی..... گھر کی مالکہ نے پیالہ لانے والے کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ پیالہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ پیالے کے دونوں ٹکڑوں کو باہم ملا رہے تھے، گرے ہوئے کھانے کو اٹھا کر پیالے میں رکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''تمھاری ماں کو غیرت آ گئی (کہ اس کے گھر میں اس کی سوکن نے اللہ کے رسول ﷺ کو کھانا کیوں بھیجا ہے) لہٰذا یہ کھا لو۔'' چنانچہ (جو موجود تھے) انھوں نے کھانا کھایا

اور مومنوں کی ماں کہ جن سے یہ برتن ٹوٹا تھا وہ اپنے گھر میں پڑا ایک اور برتن لے آئیں۔ آپ ﷺ نے یہ صحیح و سالم پیالہ کھانا لانے والے کے ہاتھ واپس بھیج دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اسی گھر میں رہ گیا کہ جس گھر والی نے اسے توڑا تھا۔''

[ابن ماجه، أبواب الأحكام، باب الحكم فيمن كسر شيئًا : ٢٣٣٣، ٢٣٣٤، صحيح۔ النسائي : ٣٤٠٨ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تمھاری روحانی ماں کو غیرت آ گئی'' کہ آج ان کے شوہر اللہ کے رسول ﷺ ان کے گھر میں ہیں، لہٰذا آپ کی خدمت کرنا، آپ کی محبتیں سمیٹنا اور کھانے کھلانا ان کی قسمت میں آیا ہے تو دوسری بیوی اپنی باری کا انتظار کرے، ان کی باری میں دخل اندازی کیوں کرے؟ غیرت کا یہ ایک فطری تقاضا تھا، جو اپنی حدود سے تھوڑا سا تجاوز کر گیا...... لیکن اللہ کے رسول ﷺ کا انداز یہاں بھی ملاحظہ ہو کہ اگر فطری ردعمل حدود سے قدرے تجاوز بھی کر جائے تو اللہ کے رسول ﷺ غضبناک نہیں ہو رہے ہیں، وہاں جو کوئی موجود تھے، ایک برتن لانے والا اور شاید اس وقت گھر میں کوئی اور لوگ بھی تھے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے اپنی زوجہ محترمہ کو ندامت و خلجان میں مبتلا نہیں ہونے دیا اور خود ہی دفاع شروع کر دیا کہ چلو کوئی بات نہیں، بس تمھاری ماں کو غیرت آ گئی تھی، جس کی وجہ سے پیالے کے ساتھ یہ حادثہ رونما ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے گرا ہوا کھانا بھی خود ہی اٹھا لیا......

سبحان اللہ! رسول رحمت ﷺ نے کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی کہ اب اس کھانے کو اٹھاؤ وغیرہ وغیرہ، پھر وہ گرا ہوا کھانا کھا بھی لیا اور دوسرا کام جو ہوا وہ بھی باکمال تھا۔ ہماری روحانی اماں جان کو احساس ہو گیا کہ غلطی تو ہو گئی اب مداوا انھوں نے اس طرح کیا کہ اسی جیسا پیالہ لا کر اپنے شوہر جناب رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر رکھ دیا، آپ ﷺ نے یہ نیا پیالہ کھانا بھیجنے والی کے گھر میں بھیج دیا اور یوں معاملہ خوش اسلوبی سے ختم ہو گیا۔

میں کن خیالوں میں گم تھی مگر......؟ :

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی مبارک ایک ایسا باغ ہے کہ جس میں انواع و اقسام کے پھل اور سایہ دار درخت ہیں، جس درخت کا بھی پھل کھاؤ اس کا ذائقہ باکمال

ہے، مٹھاس میں عجب بہار، رنگ میں قوس وقزح کا امتزاج اور موسم صرف ایک ہے اور وہ ہے بہار ہی بہار...... آیئے! میں آپ کو حیات رسول ﷺ کے ایک سدابہار باغ میں لے جاؤں، وہاں ایک پھل دار درخت کا پھل کھلاؤں، امام مسلم رحمہ اللہ کتاب الصلوٰۃ (۴۸۴ تا ۴۸۶) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے حدیث لائے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں: ''فتح مکہ کے بعد جب سورۂ نصر نازل ہوئی تو آپ ﷺ کثرت کے ساتھ اپنے اللہ کے حضور استغفار اور تسبیح کرنے لگے، ان دنوں ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو (اپنے حجرے میں) نہ پایا۔ مجھے خیال آیا کہ آپ ﷺ اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس گئے ہوں گے، چنانچہ یہ خیال آتے ہی میں ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ کہیں نہ ملے، تو واپس آ گئی۔ اب کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ تو رکوع وسجود میں گرے ہوئے ہیں، اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے بے ساختہ کہا: ''میرے ماں باپ قربان! میں کن خیالوں میں مگن ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ کس کام میں مصروف ہیں؟''

یہاں بھی وہی غیرت کا معاملہ ہے کہ باری تو میری ہے اور آپ ﷺ کسی دوسری بیوی کے گھر نہ چلے گئے ہوں لیکن جب حقیقت حال واضح ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اپنے گمان کی اصلاح کرتی ہیں، یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایسا کریں کہ باری کسی کی ہو اور آپ کسی دوسری کے ہاں جا کر رات بسر کریں۔ آپ ﷺ نے ظاہری معاملات میں پورا پورا عدل وانصاف کیا، اخراجات میں، رات گزارنے اور دیگر معاملات میں۔ ہاں! یہ بھی فرمایا کہ دل پر میرا اختیار نہیں، یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ کسی کے ساتھ محبت زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ کم ہے۔ اولاد کا معاملہ بھی تو ایسا ہی ہے کہ ایک ہی باپ کے سارے بیٹے ہیں مگر کسی کے ساتھ محبت زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ کم ہے۔ جائداد جب تقسیم ہو گی تو وہ محبت کی بنیاد پر نہیں ہو گی بلکہ بیٹے کے ناتے کی وجہ سے ہو گی۔ اللہ بھی ظاہری معاملات پر گرفت کرے گا، دل کی چاہتوں اور محبتوں پر نہیں۔ سبحان اللہ! کیا دین فطرت ہے، جو دے کر گئے ہیں جناب رسول اکرم ﷺ۔

روحانی مائیں:

قارئین کرام! رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ، حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کے بعد جس خاتون سے شادی کی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے خاوند حضرت خنیس بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔

پانچویں زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے خاوند حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے شہید کی بیوہ کے ساتھ شادی کی، تاکہ شہید کی بیوہ کی دلجوئی ہو جائے اور انھیں احساس ہو جائے کہ شہداء کے وارث بے یارومددگار نہیں چھوڑے جائیں گے۔

چھٹے نمبر پر زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی رمیہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ احد کی جنگ میں لڑتے ہوئے زخمی ہوئے اور پھر انھی زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے شہید کی بیوہ کی تکریم کی، ان سے شادی کی اور شہید کی اولاد کی پرورش اور تربیت کی۔

ساتویں نمبر پر حضور نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے بارے میں ہم تفصیل کے ساتھ بنو مصطلق کے غزوہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ الغرض، یہ سردار کی بیٹی تھیں، قیدی بن گئیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے شادی کی تو ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا، باپ بھی مسلمان ہو گیا اور یہی اللہ کے رسول ﷺ کا مقصد تھا۔

آٹھویں نمبر پر اللہ کے رسول ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا ہیں، ان کا ذکر بھی تفصیل سے گزر چکا ہے، یہ اللہ کے رسول ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کا نکاح اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر کے برادری کے بت کو توڑا اور پھر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے غلام کی مطلقہ سے شادی کر کے

یہ سبق چھوڑا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے بھی شادی ہوسکتی ہے، نیز حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لیے یہ اعزاز وافتخار کی بھی بات تھی کہ زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نباہ نہیں ہوا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کرلیا۔

نویں نمبر پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، خیبر کی جنگ میں وہ قیدی بن گئی تھیں، ان کے بارے میں بھی تفصیل گزر چکی ہے۔ ان کے خاوند اور باپ مارے گئے تھے، سردار کی بیٹی تھیں، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اعزاز بخشا اور آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ تھیں اللہ کے رسول کی شادیاں، ہر شادی اپنے اندر ایک عظیم مقصد لیے ہوئے ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔ یہ مقصد اسلام کی اشاعت اور انسانیت کے ساتھ شفقت تھا۔

دسویں زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کا نام رملہ تھا، یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، وہ دور جاہلیت میں اسلام کا شدید دشمن تھا مگر بیٹی نے اسلام قبول کیا، ان کا خاوند عبیداللہ بن جحش بھی مسلمان تھا، دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی، وہاں عبیداللہ بن جحش مرتد ہوگیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے لیے دیار غیر میں یہ ایک بہت بڑا دھچکا اور صدمہ تھا، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دلجوئی کی اور نکاح کرلیا۔ حبشہ میں نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ بعد میں آپ مدینہ آ گئیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں شامل ہوکر مومنوں کی ماں بن گئیں۔

گیارھویں زوجہ محترمہ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھیں۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا تو مکہ میں ان سے نکاح کیا۔ اسی طرح دو لونڈیاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں تھیں، جن میں سے ایک حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا۔ الغرض، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی 9 ازواج مطہرات موجود تھیں جن کو اللہ نے سورۂ احزاب میں مومنوں کی مائیں قرار دیا، جی ہاں! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں بن گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں اور مسلمانوں کے روحانی باپ بن گئے۔

روحانی بیٹوں کو جس روحانی ماں نے سب سے زیادہ فائدہ پہنچایا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ انھوں نے جو احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ ان کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نمبر ہے، ان سے روایت ہونے والی احادیث کی تعداد تین سو اٹھتر ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے چھہتر احادیث مروی ہیں، حضرت ام حبیبہ سے پینسٹھ احادیث اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ احادیث، حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے نو احادیث اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث مروی ہیں۔

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ جب وہ اللہ کے رسول کے گھر آئیں تو یہاں حکمران مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تنگی ترشی سے وقت گزارا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو متواتر دو دن پیٹ بھر کر جو کی روٹی تک میسر نہ ہوتی۔ عام کھانا کھجور تھا، وہ بھی فتح خیبر کے بعد پیٹ بھر کر کھانے کو ملیں، ایسے دن بھی آئے کہ ایک ماہ بلکہ دو دو ماہ تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں چولہوں میں آگ نہیں جل سکی۔

دکھوں اور غموں کی وادی:

قارئین کرام! آیئے اب دیکھتے ہیں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی وادی میں کھڑے ہوئے جو دکھوں اور غموں کی وادی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس دنیا میں نہ آئے تھے کہ والد محترم حضرت عبداللہ اس دنیا سے جا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو والدہ محترمہ حضرت آمنہ اس دنیا سے چلی گئیں۔ آٹھ سال کو پہنچے تو اپنے پوتے کی راہ تکنے والا دادا عبدالمطلب اس دنیا سے چلا گیا۔ جناب ابو طالب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور قریش مکہ کی ایذاؤں کے سامنے ایک رکاوٹ تھے، وہ بھی دنیا چھوڑ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی جدائی کا گھاؤ لگا گئیں۔

مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو احد میں محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

جنگ موتہ میں چچا زاد بھائی حضرت جعفر شہید ہوئے۔ تین بیٹیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن فوت ہوگئیں۔ آخری بیٹیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

صحیح بخاری، کتاب الجنائز (۱۲۸۵) میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے جنازے میں موجود تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کو لحد میں اتارنے سے قبل قبر کے پاس بیٹھ گئے، میں دیکھ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔''

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنے بیوی بچوں کے لیے مہربان اور محبت کرنے والا ہو۔'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم نے دیکھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کو گود میں لیا، اسے چوما اور پھر سونگھا، اس کے بعد وہ وقت بھی ہم نے دیکھا جب ابراہیم آخری سانس لے رہے تھے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہ رہے تھے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو عرض کرنے لگے: ''اور آپ بھی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) (رو رہے ہو)؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''اے عوف کے بیٹے! یہ رونا تو رحمت ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو دوبارہ چھلک پڑے اور فرمایا:

''آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے وہی بولیں گے جس بول پر ہمارا رب خوش ہو۔ باقی بات یہ ہے کہ اے ابراہیم! تیری جدائی کے دکھ سے ہم بہت غمزدہ ہیں۔''

[بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ ((إنا بك لمحزونون)) : ۱۳۰۳۔
مسلم، کتاب الفضائل باب رحمته ﷺ ...... الخ : ۲۳۱۵، ۲۳۱۶]

قارئین کرام! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر خوار بیٹے ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے لخت جگر فوت ہوئے تو اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

آنسو چھلک پڑے۔ صحیح بخاری میں ہے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جی کی جانب پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہونے کے قریب ہے، لہٰذا تشریف لایئے۔ آپ ﷺ نے پیغام لانے والے کے ذریعے بیٹی کو سلام بھیجا اور یہ پیغام دیا:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَ كُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ))

''کیا شک ہے، اللہ ہی کا وہ تھا جو اس نے لے لیا اور جو دیا تھا تو وہ بھی اسی کا تو تھا اور ہر ایک کا اللہ کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، لہٰذا صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دوبارہ پیغام بھیجا اور قسم دی کہ ابا جی میرے پاس بہر صورت پہنچیں۔ پیغام ملتے ہی اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی چل دیے۔ جب آپ ﷺ بیٹی کے ہاں آئے تو بچے کو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ اس وقت بچے کی جان نکل رہی تھی، یہ منظر دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! یہ رونا کیسا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ رحمت ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالا ہے اور اللہ بھی اپنے انھی بندوں پر مہربان ہوتا ہے جو دوسروں کے لیے رحم دل ہوتے ہیں۔''

[بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ: ((یعذب المیت))......الخ : ۱۲۸٤]

یہود کے ساتھ بھی تکریم انسانیت:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ پھر جو شخص جنازے کے ساتھ جائے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک میت کو رکھ نہ دیا جائے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک جنازہ گزرا تو اسے دیکھ کر اللہ کے

رسول ﷺ کھڑے ہو گئے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر ہم نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! یہ جنازہ تو یہودی عورت کا تھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا شک ہے موت ایک پریشانی ہے لہٰذا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔''

حضرت ابن ابی لیلیٰ بتلاتے ہیں کہ قیس بن سعد اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما قادسیہ میں تھے وہاں ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو یہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں اصحاب سے پوچھا گیا کہ یہ تو یہیں کے رہنے والے کفار ہیں جن کا جنازہ ہے، ان دونوں نے جواب دیا:

''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے بھی ایک جنازہ گزرا تھا اس پر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ سے بھی کہا گیا تھا کہ یہ تو یہودی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَيْسَتْ نَفْسًا))

''کیا یہ انسانی جان نہیں؟''

[رواہُ مسلم فی کتاب الجنائز]

قارئین کرام! یہ ہے تکریم انسانیت اور انسانیت کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری جس کا مظاہرہ اللہ کے رسول ﷺ نے خود کیا اور ایسا سبق دیا کہ صحابہ بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ جی ہاں! ایسا کیوں نہ ہو؟ کہ وہ قرآن جو رحمۃ اللعالمین ﷺ کے دل پر نازل ہوا، ذرا ملاحظہ ہو اس قرآن کے ایک فرمان نے رہتی دنیا تک تکریم انسانیت کا کیا لازوال سبق دیا، فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ﴾ [الإسراء : ٧٠]

''بلاشبہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دار بنایا۔''

قارئین کرام! اللہ کا دیا ہوا یہ پیغام جو تکریم انسانیت کا علمبردار ہے اس قدر عالمگیر ہے کہ اس میں اولاد آدم کی بات ہے۔ کسی نسل، رنگ اور مذہب کی بات نہیں ہے، اس عالمگیر پیغام پر عمل کر کے جس پیغمبر نے دکھلایا ہے وہ پیغمبر واقعی انسانیت کا پیغمبر ہے۔ ہمدرد، غمگسار اور سراپا رحمت ہے۔

اس پر رحمت پیغمبر نے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکالا تھا تو ان کی کرتوتوں اور غیر انسانی

حرکتوں کی وجہ سے، آہ! یہ یہودی اپنی ان حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ مغرب جو آج محض اسلام اور مسلم دشمنی میں یہودیوں کا طرفدار ہے، اسی مغرب میں ہٹلر نے جرمنی میں یہودیوں کے ساتھ کیا کیا...... اور ذرا حالیہ تاریخ پر نگاہ تو ڈالیے خود سارے یورپ نے یہودیوں کے ساتھ کیا کیا، ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ ہو:

۱۔ ۱۳۰۶ء میں فرانس نے دیس نکالا دیا۔
۲۔ ۱۳۴۹ء میں فرانس نے دیس نکالا دیا۔
۳۔ ۱۳۶۰ء میں ہنگری نے دیس نکالا دیا۔
۴۔ ۱۳۷۰ء میں بیلجیم نے دیس نکالا دیا۔
۵۔ ۱۳۸۰ء میں سلواکیہ نے دیس نکالا دیا۔
۶۔ ۱۴۲۰ء میں آسٹریا نے دیس نکالا دیا۔
۷۔ ۱۴۴۴ء میں نیدرلینڈ نے دیس نکالا دیا۔
۸۔ ۱۴۹۵ء میں لتھویا نے دیس نکالا دیا۔
۹۔ ۱۴۹۶ء میں پرتگال نے دیس نکالا دیا۔
۱۰۔ ۱۵۱۵ء میں جنیوا نے دیس نکالا دیا۔
۱۱۔ ۱۵۴۰ء میں اٹلی نے دیس نکالا دیا۔
۱۲۔ ۱۶۶۹ء میں ویاتا نے دیس نکالا دیا۔
۱۳۔ ۱۷۴۴ء میں سلواکیا نے دیس نکالا دیا۔
۱۴۔ ۱۸۹۱ء میں باسکو نے دیس نکالا دیا۔

قارئین کرام! یہودیوں کی جلا وطنی کے واقعات جو یورپ میں ہوئے ہم نے آدھے بھی نہیں لکھے۔ اس کثرت سے جلا وطنیوں کو دیکھ کر ایک معروف یہودی مصنف برنارڈ لازارے کو ۱۸۹۴ء میں یہ کہنا پڑا۔

”اگر یہودیوں کو کسی ایک ملک سے، ایک مذہب یا ایک مخصوص نسل کے لوگوں نے اس طرح بار بار بے دخل اور جلاوطن کیا ہوتا تو ان پر متعصب ہونے کا الزام لگایا جا سکتا تھا، لیکن

مختلف ملکوں میں مختلف مذاہب اور نسلوں کے لوگوں نے یہودیوں کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ برائی کی جڑ یہودی ہیں ان کو نکالنے والے نہیں۔"

قربان جاؤں محسن انسانیت جناب محمد کریم، رسول رحمت ﷺ پر کہ یہود سے بے شمار زخم کھانے کے باوجود شہری زندگی میں ان کو تکریم انسانیت کا حق دیتے ہیں۔

رسول رحمت، جانوروں کے لیے بھی رحمت:

صحیح مسلم (۳/ ۱۷۳۱) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تو کمانڈر کو بطور خاص ہدایت دیتے کہ دیکھنا کوئی بچہ نہ مارا جائے۔ الغرض، آپ ﷺ تو جانوروں پر بھی بے حد مہربان تھے۔

صحیح بخاری (۵۵۱۵) اور صحیح مسلم (۱۹۵۸) میں ہے، حضرت سعد بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گزر رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ چند لوگوں نے ایک زندہ مرغی باندھ رکھی ہے اور وہ اسے تیروں سے مار رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ دیکھا تو کہا: "کس نے یہ حرکت کی؟ جس کسی نے ایسا کیا اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر لعنت کی ہے۔"

سپین اور یورپ کے ملکوں میں "بل فائیٹنگ" کا کھیل بھی اسی طرح کا ظالمانہ کھیل ہے، جس میں فائیٹر بیل پر بیٹھ کر اسے خنجر مارتا ہے اور مار مار کر اسے جان سے مار دیتا ہے۔ جانوروں پر ایسا ظلم جو لوگ کرتے ہیں وہ لعنتی ہیں، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ جی ہاں! ظالم بھلا کس طرح اللہ کی رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے؟

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں بکری ذبح کرتا ہوں اور اس پر مجھے رحم آتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ))

[مسند أحمد : ٣٤/٥، ح : ٢٠٣٦٣ و إسناده صحيح و ٤٣٦/٣، ح : ١٥٥٩٢ و إسناده صحيح]

"اگر تو بکری پر بھی رحم کرے گا تو اللہ تجھ پر مہربانی کرے گا۔"

صحیح مسلم میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ، فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَ اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَ لِيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شُفْرَتَهُ ، فَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ))

[مسلم، كتاب الصيد و الذبائح، باب الأمر بإحسان ...... الخ : ١٩٥٥]

'' بلا شبہ اللہ نے ہر شے پر احسان کو فرض قرار دیا ہے، لہٰذا جب تم (قاتل کو) قتل کرو تو قتل میں احسان کرو۔ جب تم (جانور) ذبح کرو تو ذبح میں احسان کرو، تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو راحت پہنچائے۔''

قارئین کرام ! اللہ نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ١٠٧/٢١]

'' ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ جانوروں کے لیے بھی رحمت تھے۔ امام احمد ابن حنبل صحیح سند کے ساتھ اپنی مسند میں حدیث لائے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک انصاری شخص کو منع کیا کہ وہ اونٹ کو تکلیف پہنچائے، آپ ﷺ نے اسے کہا:

'' اس جانور کے معاملے میں تو اللہ سے کیوں نہیں ڈرتا، وہ جانور کہ جس کے رب نے تجھے مالک بنایا ہے، اس نے میرے پاس تیری شکایت کی ہے اور کہا ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے جبکہ کام اس سے پورا لیتا ہے۔''

[مسند أحمد : ٢٠٤/١، ٢٠٥، ح : ١٧٤٥، ١٧٥٤ و إسناده صحيح۔ أبو داوٗد : ٢٥٤٩ و إسناده صحيح]

اللہ اللہ! یہ اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کی بات سمجھ لی۔ یہ ان لوگوں کے لیے انتباہ ہے جو اپنے جانوروں پر ان کی ہمت سے زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں، یا ان کو بھوکا رکھتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں تو علاج نہیں کرواتے۔ قربان ایسے شفیق اور مہربان رسول مکرم ﷺ پر کہ جنھوں نے انسانوں ہی کے نہیں جانوروں کے حقوق سے بھی آگاہ کر دیا۔

اے اللہ! ہمارے پیارے مصطفیٰ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، ہمیں انسانیت کے ساتھ شفقت و مودت کا درس دے گئے ہمیں انسانیت کے لیے پیکر رحمت و الفت بنا اور اسی طرح آپ ﷺ ہمارے لیے اپنی عائلی زندگی کا جو بہترین نمونہ چھوڑ گئے، اس پر بھی عمل کی توفیق عطا فرما کہ آپ ﷺ نے جس خاتون سے بھی نکاح کیا اسے اپنے سے جدا نہیں کیا، ہمیں بھی علیحدگیوں کی نجالتوں سے محفوظ فرما۔ (آمین)

گھریلو مصروفیات:

اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھر میں اخلاق کریمانہ کے پھول یوں بھی کھلاتے چلے گئے کہ امام محمد بن حبان اپنی صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث لائے ہیں کہ ان سے کسی نے پوچھا: ''گھر میں اللہ کے رسول ﷺ کی مصروفیت کیسی ہوتی تھی۔'' تو فرمایا: ''آپ ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے، آپ ﷺ:

۱۔ گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ ان کا ہاتھ بٹاتے۔
۲۔ اپنے گھر میں اپنے ہاتھ کے ساتھ مختلف امور انجام دیتے۔
۳۔ بکری کا دودھ دوہ لیتے۔
۴۔ جوتا سی لیتے۔
۵۔ پانی کا مشکیزہ اٹھا لیتے۔
۶۔ اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیتے۔
۷۔ اپنے کام خود کر لیتے۔
۸۔ کپڑے صاف کر لیتے۔''

[ابن حبان : ٥٦٧٥ و إسناده حسن لذاته، ٥٦٧٦ حسن، ٥٦٧٧ و إسناده صحيح۔
مسند أحمد : ٢٥٦/٦، ح : ٦١٩٤، و إسناده صحيح، ١٠٦/٦، ١٦٧، ٢٥٣٤١ صحيح]

اے اللہ! تیرے پیارے رسول ﷺ ہمارے لیے اپنی خانگی زندگی کا جو نمونہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ہمیں اپنے گھروں میں ایسا ہی بنا دے، تاکہ ہمارا گھر بھی اخلاق و محبت کا گلشن بن جائے۔ (آمین یا رب العالمین)

جسم اطہر...... قبر مبارک میں

وفات اور جذبات:

۱۔ آپ ﷺ ۶۳ سال کی عمر میں دار فانی کو خیر باد کہہ کر دار ابدی میں گئے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب وفاۃ النبی ﷺ ووفاته : ٤٤٦٦]

۲۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غم واندوہ کا اظہار یوں کیا:

''ہائے ابا جان! آپ اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے، ہائے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے، ہم جبریل کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں۔''

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ٤٤٦٢]

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! میں نے جس جس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رسول ﷺ فوت ہو گئے تو میں اس کی گردن اپنی اس تلوار سے اڑا دوں گا۔''

[طبرانی کبیر : ٧/٥٦، ٥٧، ح : ٦٣٦٧ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ٦٨٧٥ وإسناده صحيح]

مزید کہنے لگے: ''رسول اللہ ﷺ فوت نہ ہوں گے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو تباہ نہ کر دے۔''

[مسند أحمد : ٦/٢١٩، ٢٢٠، ح : ٢٥٨٤١ و إسناده حسن لذاته، يزيد بن بابنوس صدوق حسن الحديث، وثقه ابن حبان، الثقات : ٥/٥٤٨۔ والدارقطني و ابن عدى (اشارةً) والحاكم والذهبي بتصحيح حديثه، تهذيب التهذيب : ٤/٤٠٦۔ مستدرك حاكم : ٢/٣٩٢ ح : ٣٤٨١ و ٤/٥٧٥، ٥٧٦، ح : ٨٧١٧]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں:

((وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ أَرْجُوْ أَنْ يَّعِيْشَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَدْبُرَنَا يَقُوْلُ حَتّٰى يَكُوْنَ آخِرُنَا))

''لیکن میں تو یہ امید رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک زندہ رہیں گے کہ ہمیں ہمارے معاملات سمجھائیں گے اور ہم سب میں سے خود آخر میں فوت ہوں گے۔''

[ابن حبان : ٦٦٢٠/٧ و إسناده صحيح۔ سيرة ابن هشام :٣١١/٤، ٣١٢، و إسناده حسن لذاته]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قطعاً یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کبھی فوت نہیں ہوں گے۔

یاد رہے! جسم اور روح کے ملاپ کا نام زندگی ہے اور دونوں کے مابین جدائی کا نام موت ہے۔

۴۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خبر سن کر آئے، اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور آپ ﷺ پر جھک گئے۔ آپ ﷺ (کی پیشانی) کو بوسہ دیا اور رو دیے اور پھر لوگوں میں آئے۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احوال ملاحظہ کیے تو اللہ کی حمد و ثنا کے بعد تمام لوگوں سے یوں خطاب فرمایا:

((مَنْ كَانَ مِنكُم يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ مِنكُم يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ))

''لوگو سنو! جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا اسے آگاہ ہو جانا چاہیے کہ محمد (ﷺ) وفات پا چکے ہیں اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا وہ سن لے، اللہ زندہ ہے، اس کے لیے موت نہیں ہے۔''

اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾

[آل عمران : ١٤٤/٣]

''اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں، تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (اسلام چھوڑ دو گے؟) اور اگر کوئی الٹے پاؤں پھر بھی جائے تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اور شکر گزاروں کو اللہ تعالیٰ جلد ہی اچھا بدلہ عطا کرے گا۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته : ٤٤٥٤]

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے قرآن کی اس آیت کی تلاوت سنی تو حیران و ششدر رہ گیا، میری ٹانگیں میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کرنے لگیں اور آخر کار میں زمین پر گر گیا اور مجھے پتا چل گیا:

((اَنَّ النَّبِیَّ قَدْ مَاتَ))

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ : ٤٤٥٤۔ابن حبان : ٦/ ٦٦٢٠صحیح]

''نبی ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔''

٦۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ آیت بھی اللہ کی کتاب میں ہے۔ میرا تو شعور ہی جواب دے گیا تھا کہ یہ آیت بھی قرآن میں ہے۔''

[مسند أحمد : ٢١٩/٦، ٢٢٠، ح :٢٥٨٤١، و إسناده حسن لذاته]

٧۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے جب یہ آیت سنی تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی جس کی وہ تلاوت کر رہے تھے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ٤٤٥٤]

٨۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اس دن جب اللہ کے رسول (ﷺ) مدینہ تشریف لائے تھے، ہر شے روشن ہو کر چمک اٹھی تھی اور جب وہ دن آیا جس میں آپ ﷺ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو مدینے کی ہر شے پر اندھیرا چھا گیا۔''

[الترمذی، کتاب المناقب، باب ((سلوا الله لی الوسیلة)) : ٣٦١٨ إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجه : ١٦٣١ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ٦٦٣٤ و إسناده حسن لذاته]

غسل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب مجھے موت آ جائے تو مجھے میرے کنویں غرس کے پانی کی سات مشکوں سے غسل دینا۔''

[ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی غسل النبی ﷺ : ١٤٦٨۔ و إسناده حسن لذاته۔ عباد بن یعقوب و اسماعیل بن عبدالله صدوقان و ثقهما الجمهور حدیثهما لاینزل عن درجة الحسن]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو غسل دیا گیا تو آپ کی قمیص نہیں

اتاری گئی بلکہ قمیص کے اوپر ہی سے پانی ڈال دیا گیا۔ قمیص کے کپڑے ہی کو جسم پر مل دیا جاتا اور پانی انڈیل دیا جاتا، یوں آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔

[أبوداوٗد : ۳۱٤۱ و إسناده حسن لذاته۔ سیرة ابن هشام : ۳۱۳/٤ و إسناده حسن لذاته، ابن حبان : ٦٦٢٧، ٦٦٢٨ و إسناده حسن لذاته]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو غسل دیا، کسی فوت ہونے والے جسم پر جو اثرات ہوتے ہیں وہ بالکل نہ تھے۔ آپ ﷺ کا جسم اطہر جس طرح زندگی میں عمدہ تھا، اسی طرح وفات کے بعد بھی عمدہ اور نفیس تھا۔''

[طبقات ابن سعد : ۲۱۵/۲ و إسناده صحیح۔ ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی غسل النبی ﷺ : ۱٤٦۷ و إسناده صحیح۔ مستدرك حاکم : ۳٦۲/۱، ح : ۱۳۳۹ و إسناده صحیح]

ثقہ تابعی امام محمد بن مسلم الزہری فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس، حضرت عباس کے بیٹے فضل اور اللہ کے رسول (ﷺ) کے غلام صالح نے غسل دیا۔

[طبقات ابن سعد : ۲۱۳/۲ و إسناده صحیح]

کفن:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کے رسول (ﷺ) کو تین چادروں میں لپیٹ کر کفن دیا گیا، یہ چادریں یمن کی بنی ہوئی سفید روئی کی تھیں۔''

[بخاری، کتاب الجنائز، باب الثیاب البیض للکفن : ۱۲٦٤]

جنازہ:

لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا اللہ کے رسول ﷺ کا جنازہ پڑھا جائے گا؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہاں!'' لوگوں نے پوچھا: ''کیسے پڑھا جائے گا؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''چند لوگ کمرے میں داخل ہو جائیں، اللہ اکبر کہیں، نماز پڑھیں، مسنون دعائیں مانگیں اور وہ نکل آئیں، پھر دوسرے لوگ داخل ہو جائیں۔ الغرض، اس طرح لوگ داخل ہوتے جائیں اور (بغیر امام کے) یوں کرتے چلے جائیں۔''

[طبرانی کبیر : ۵۷/۷، ح : ٦۳٦۷ و إسناده صحیح۔ طبقات ابن سعد : ۲۲۱/۲

و إسناده صحيح عن أبي عسيم رضى الله عنه۔ مسند أحمد : ٨١/٥، ح : ٢٠٧٦٦
و إسناده صحيح عن أبي عسيب رضى الله عنه]

نبی تو اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، اللہ کا محبوب ہوتا ہے، معصوم عن الخطا ہوتا ہے، اسے جنازے کی کوئی ضرورت نہیں، جب شہید کو جنازے کی ضرورت نہیں تو نبی کو بھلا کیسے ضرورت ہوسکتی ہے؟ اور پھر سارے نبیوں کے امام خاتم الانبیاء، صاحب حوض کوثر، رب العالمین کے محبوب کو امتیوں کی نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو مزاج شناس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے، نے کہہ دیا کہ بھئی جاؤ، دعائیں مانگو، درود پڑھو، اکیلے جنازے کی دعائیں پڑھتے ہوئے نماز پڑھو، جو بھی کرو گے، سب کچھ اپنے ہی لیے کرو گے، اپنے ہی درجات بلند کرو گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے اللہ کے ہاں جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین محل میں جا چکے۔

دفن :

۱۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : ''لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا؟'' جواب دیا: ''ہاں!'' لوگوں نے پوچھا: ''کہاں؟'' تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اسی جگہ قبض کیا جو انتہائی عمدہ اور پاکیزہ تھی۔''
[طبرانی کبیر : ٥٧/٧، ح : ٦٣٦٧ و إسناده صحيح]

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ کے صحابہ نے کہا: ''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دفن کہاں کیا جائے؟'' تو میرے والد محترم ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جہاں آپ نے وفات پائی ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے۔''
[طبقات ابن سعد : ٢٢٣/٢ و إسناده صحيح۔ ترمذی : ١٠١٨]

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((حَيْثُ قُبِضَ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَقْبِضُهُ إِلَّا فِيْ بُقْعَةٍ طَيِّبَةٍ))

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہیں دفن کیا جائے جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وفات پائی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اور باقی انبیاء و رسل کو) (بہت) پاکیزہ جگہ میں

وفات دی ہے۔“

[طبراني كبير : ٥٧/٧، ح : ٦٣٦٧ و إسناده صحيح]

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر میں ”لحد“ بنائی گئی (یعنی ایک طرف سے قبر کھودی گئی) ”لحد“ کو کچی اینٹوں کے ساتھ بند کیا گیا۔

[مسلم، كتاب الجنائز، باب في اللحد ...... الخ : ٩٦٦]

ثقہ محدث امام محمد بن مسلم الزہری التابعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کو لحد میں حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور آپ (ﷺ) کے غلام صالح (رضی اللہ عنہم) نے لٹایا۔

[طبقات ابن سعد : ٢٣٠/٢ و إسناده صحيح]

۴۔ اللہ کے رسول ﷺ سوموار کے دن فوت ہوئے......منگل کا دن گزر گیا...... پھر اسی رات کو بدھ کے دن صبح ہونے سے قبل آپ کو دفن کر دیا گیا۔

تابعی کبیر ثقہ ومتقن محدث امام ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں :

((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ))

”یقیناً رسول اللہ ﷺ کو منگل کے دن دفن کیا گیا۔“

[التمهيد : ٢٥٤/٦ و إسناده حسن لذاته]

مشہور ثقہ ومتقن امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی بھی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو منگل کے دن دفن کیا گیا۔

[البداية و النهاية : ٢٨٤/٣ و إسناده حسن۔ عبدالحميد بن بكار و ثقه ابن حبان و روى عنه أبوزرعة الرازى و يعقوب بن سفيان الفسوى وهما لا يرويان إلاعن ثقه عندهما خصوصاً ابو زرعه إلا نادرًا]

لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جمہور (مؤرخین) کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ کو بدھ کی رات دفن کیا گیا تھا۔

[البداية والنهاية : ٢٨٤/٣]

٦۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جب دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”اے انس! (رضی اللہ عنہ) تمھارے دلوں نے کیسے

گوارا کیا ہوگا جب تم لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ پر مٹی ڈالی ہو گی۔"

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ......الخ: ٤٤٦٢ ـ ابن حبان : ٦٦٢٢ و إسناده صحیح]

خوف اور خدشہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنِّيْ أَخْشٰى أَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا))

"اگر اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ لوگ آپ (ﷺ) کی قبر پر عبادت شروع کر دیں گے تو آپ (ﷺ) کی قبر کو کھلا چھوڑ دیا جاتا۔ بس خدشہ مجھے اس بات کا ہے کہ قبر کو کہیں سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔"

[بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور : ١٣٣٠]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے اللہ سے یوں فریاد کرتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ))

"اے میرے اللہ! میری قبر کو آستانہ اور عبادت گاہ نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔"

[مسند أحمد : ٢٤٦/٢ ح : ٧٣٥٨ و إسناده صحیح۔ مسند الحمیدی بتحریفات الأعظمی : ٤٤٥/٢، ح : ١٠٢٥ و إسناده صحیح۔ التمهید : ١٧٦/٥، ١٧٧ و حمزة ابن المغیرة ثقة صدوق]

قارئین کرام! اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی دعا کو اس طرح شرف قبولیت سے نوازا ہے کہ چودہ سو سال ہو گئے، آپ ﷺ کی قبر مبارک موجودہ سعودی عرب کے دور تک ہر قسم کی پوجا و پرستش سے پاک ہے۔ نہ وہاں میلا ہے نہ عرس، نہ چادریں چڑھانے کی رسومات ہیں اور نہ اور کوئی غیر شرعی اور خلاف سنت آلائش۔ جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک تھا وہاں اب نور الدین زنگی کے ہاتھوں بنائی ہوئی مضبوط عمارت ہے، جو گنبد خضریٰ کے نام سے معروف ہے۔

امت سے خلیفہ اول کا پہلا خطاب:

انصار اور مہاجرین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق اپنا حکمران منتخب کر لیا۔ سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنھایہ میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد خطاب فرماتے ہوئے کہا:

''اے لوگو! مجھے تمھارے امور کا نگران بنا دیا گیا ہے، حالانکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں، اگر تو میں اچھا کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو، اگر غلط کرنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دو، یاد رکھو! سچائی امانت ہے، جھوٹ خیانت ہے۔ تمھارے اندر جو کمزور خیال کیا جاتا ہے وہ میرے ہاں طاقتور ہے، جب تک کہ میں اس کا حق اسے لوٹا نہ دوں اور اللہ نے چاہا تو تمھارے اندر جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے (کسی کمزور کا) حق واپس نہ لے لوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ بیٹھتی ہے اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بدکاری پھیل جائے اللہ اسے عام آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے۔

لوگو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرتے رہو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے لگوں تو تمھارے ذمے میری کوئی اطاعت نہیں۔''

[البداية والنهاية : ٦٩٢/٣، ٦٩٣ و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام : ٣١٠/٤، ٣١١ و إسناده حسن لذاته]

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات:

میرے اللہ! تجھ سے ملاقات کا بے حد شوق اور اشتیاق ہے۔ جب میں اس دنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان میں جاؤں گا تو تیری رحمت، چاہت اور فضل کے ساتھ تیرا دیدار کروں گا۔ میرے مولا! تیرے قرآن نے بتلایا ہے کہ جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی۔ میں خواہش کروں گا، میرے ابا جان مولانا نذیر احمد (رحمہ اللہ) اور والدہ محترمہ، جنھوں نے میری دینی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا، جن کی وجہ سے میں تیرے محبوب اور خلیل جناب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کتاب لکھنے

کے قابل ہوا، میں نے تیری دی ہوئی ہمت، توفیق اور استطاعت کے مطابق سیرت کے موتی پروئے جو سچے بھی ہیں اور سُچے بھی ہیں۔ میرے والدین کو میرے ہمراہ کر دے، مجھے اس کتاب کا ایک نسخہ یہاں جنت میں دے دے۔ پھر میں وہ نسخہ لوں گا، اپنے محبوب رسول مکرم و معظم ﷺ کے محل کے باہر دستک دوں گا۔ پیارے رسول ﷺ سے بغلگیر ہو کر ملوں گا۔ آپ ﷺ کا ماتھا مبارک چوموں گا اور پھر ''سیرت کے سچے موتی'' کا نسخہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

وہاں جی بھر کے آپ ﷺ کا دیدار اور باتیں کروں گا۔ (ان شاء اللہ)

میرے مولا! یہ کتاب مجھ سے میرے بھائی مولانا سیف اللہ قصوری صاحب نے لکھوائی۔ جس جس نے بھی جو جو حصہ ڈالا، ہم سب کا یہ عمل قبول فرما لے۔ میرا جو بھائی اور بہن بھی سیرت کے ان موتیوں کو لوگوں کی جھولیوں میں بکھیرے، ان سب سمیت ہم سب کو جنت الفردوس میں اپنے حبیب ﷺ سے ملا دے۔ آمین! یا ارحم الراحمین۔

امیر حمزہ
0300-4078618



سیرت کے سُچے موتی

دار الاندلس ®
اسلام کی نشر واشاعت کا عالمی مرکز
۴۔ لیک روڈ، چوبرجی لاہور پاکستان
Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com